ابو مسلم خراسانی
اسلم راہی ایم اے

لاجواب تاریخی ناول

ابو مسلم خراسانی

اسلم راہی ایم۔اے

مکتبہ القریش
قذافی مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔
فون: 042-7231595۔042-7352835

ناشر	:	عبدالحفیظ قریشی
مطبع	:	نیر اسد پرنٹرز لاہور
سن اشاعت	:	2009ء
تعداد	:	600
کمپوزنگ	:	کلاسکس کمپیوٹرز
قیمت	:	-/550 روپے

فون: 7352835۔7231595

مکتبہ القریش اُردو بازار لاہور۔

انتساب

ناحق خونریزی کرنے والوں کے نام
عبرت خیزی کے طور پر

پیش لفظ

ابو مسلم خراسانی تاریخ اسلام کا ایک خونخوار کردار ہے۔ پورا نام ابراہیم بن عثمان بن بشار تھا۔ ایرانی النسل تھا۔ بزرجمہر کی آتش پرست اولاد سے تھا۔ اصفہان میں پیدا ہوا۔ بنو عباس کے ساتھ مل کر اس نے جو مسلمانوں کا قتل عام کیا، اس کی مثال کسی دوسری جگہ نہیں ملتی۔

ہاں، تاریخی زمانہ سے گزر کر نیم تاریخی دور میں ایسی مثالیں مل سکتی ہیں۔ بخت نصر نے بنی اسرائیل کو ختم کرنا چاہا مگر ہم دیکھتے ہیں بنی اسرائیل آج بھی موجود ہیں۔ ہندوستان کے آریوں نے غیر آریوں کا صفایا کرنا چاہا مگر وہ آج بھی کوہ ہمالیہ، بندھیاچل کے جنگلوں اور راجپوتانہ کے ریگستانوں میں موجود ہیں۔

ابو مسلم خراسانی نے بنو عباس کے کہنے پر وہی مظالم مسلمانوں پر کیے جو مظالم آریوں نے غیر آریوں پر کیے تھے۔ ہندوستان کے آریہ بھی ایرانی و خراسانی لوگ تھے۔ لہٰذا مسلمانوں کے قتل و غارت گری میں ابو مسلم نے ایسا ہی رویہ اختیار کیا جو اس کے بھائی بند آریوں نے ہندوستان میں کیا۔ لیکن خون اپنا رنگ ضرور لاتا ہے۔ جن کی خاطر ابو مسلم نے مسلمانوں کا قتل عام کیا، آخر انہوں نے ہی اسے ذلت کی موت مار دیا۔

اسلم راہی (ایم۔اے)

برف باری زوروں سے جاری تھی۔ چاروں طرف افسردہ چراغوں کے دھوئیں، ریت کے تپتے ٹیلوں جیسی خاموشی، ٹوٹی دہلیزوں، بیوہ کی جوانی جیسی اُداسی، سایوں کے قافلوں اور سلاخوں کے پیچھے کھڑے انتظار جیسی افسردگی طاری تھی۔ ایسے میں چار گھڑ سوار اس شاہراہ پر نمودار ہوئے جو شاہراہ نیشاپور سے طوس اور وہاں سے نکل کر جرجان شہر کی طرف جاتی تھی۔

برف باری کی وجہ سے سوار اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگاتے ہوئے اور انہیں سرپٹ دوڑاتے ہوئے جرجان شہر کا رخ کئے ہوئے تھے۔ چاروں نے اپنے چہروں کو ڈھانپ رکھا تھا اور برف باری سے بچنے کے لئے انہوں نے اپنی پوستینوں کے اوپر چمڑے کی چادریں ڈال رکھی تھیں تاکہ پوستینیں برف باری میں بھیگنے نہ پائیں اور وہ ٹھنڈک محسوس نہ کریں۔

اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے آخر وہ جرجان شہر کی ایک مشرقی سرائے میں داخل ہوئے۔ سرائے میں داخل ہوتے ہی چاروں دنگ رہ گئے۔ اس لئے کہ انہوں نے دیکھا سرائے کے صحن کے وسطی حصہ میں گوندنی کا ایک بہت بڑا اور پرانا درخت تھا جس کے ساتھ کسی کو رسوں سے باندھ دیا گیا تھا اور جس شخص کو رسوں سے اس درخت کے ساتھ باندھا گیا تھا وہ بڑی تکلیف اور بڑے کرب کا اظہار کر رہا تھا۔

چاروں سوار جب سرائے کے صحن میں داخل ہوئے تو اس جگہ آن رکے جہاں گوندنی کے درخت کے ساتھ اس شخص کو باندھا گیا تھا جس کی عمر ڈھلی ہوئی تھی اور بڑے کرب کا اظہار کرتے ہوئے کراہ رہا تھا۔

یہ صورت حال دیکھتے ہوئے ان چاروں میں سے تین اپنے اس ساتھی کی طرف

دیکھنے لگے جو تلاطم اور طغیانی کے جوش مارتے بحرِ بے کراں جیسا کڑیل، زمین کی اقلیدس میں وقت کی بجھی پیاس کو آسودگی اور آشتی دے دینے والا جراءت مند، زندگی کے حصار کو توڑ کر بدنوں کی دھجیاں اُڑاتے ارادوں کی سنگین دیواروں جیسا شجاع، بے سنگ میل راستوں پر نارسائی کے کرنوں کی دھند کو حقائق کی پرکھ سے روشناس کرتے کسی کیمیاگر جیسا عظیم لگتا تھا۔

گھوڑے پر بیٹھے ہونے کے باوجود اس کی شخصیت کو دیکھتے ہوئے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ خوب قد کاٹھ کا نوجوان تھا۔ اعضاء و جوارح خوب مضبوط اور کڑے تھے۔

جب اس کے تین ساتھی برف باری میں گوندنی کے درخت سے بندھے اس بوڑھے کی حالت دیکھ کر اپنے اس چوتھے ساتھی کی طرف دیکھنے لگے تب اس کڑیل جوان کی سلگتی آنکھوں میں برق کے لشکارے، وحشت اور تباہی کے سرخ طوفان لہرا گئے تھے۔ اپنے ساتھیوں کے اس طرح دیکھنے اور اس بوڑھے کی حالت کا اندازہ لگاتے ہوئے لگتا تھا جیسے اس کے چہرے پر خون کی بارش، ستم کی آگ، اجل کے جلتے الاؤ، استبداد کی تنگ گیری اور نفرت کی آتش فشانی جوش مارنے لگی ہو۔ ایک دو بار اس نے اپنے گھوڑے پر کچھ اس انداز میں پہلو بدلا تھا جیسے اس کی ذات کے مادہ اور ماخذ میں اس صورت حال نے بے کیف و ویران کر دینے والی نفرت کی سلگاہٹ، نفس نفس میں بے روک گرداب کی یورش، زندگی کے جمالِ حرارت میں شام کے سایوں میں بے یقینی کی فضاؤں جیسی کیفیت بھر کر رکھ دی ہو۔

کچھ دیر وہ گوندنی کے درخت سے بندھے اس بوڑھے کی طرف اس انداز میں دیکھتا رہا جیسے اس کی سماعت کے سایوں پر شور کرتی سوگی صدائیں، دکھ کی روگی آوازیں اور برق کی غضب ناکیاں اپنا رنگ دکھاتی رہی ہوں۔ اس موقع پر وہ اپنے ردِ عمل کا اظہار کرنا ہی چاہتا تھا کہ سرائے کے اندر سے کچھ لوگ باہر نکل آئے۔ چنانچہ اس جوان نے ان لوگوں کو مخاطب کر کے پوچھا۔

''اس بوڑھے کو کس گناہ اور جرم میں برف باری کے اندر اس درخت کے ساتھ باندھ رکھا ہے؟''

اس کوہ پیکر نوجوان کے اس سوال پر سرائے سے نکلنے والوں میں سے کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ سب سہمے سہمے اپنی جگہ کھڑے تھے اور کبھی کبھی خوف بھرے انداز میں

ایک دوسرے کی طرف دیکھ بھی لیتے تھے۔

یہ صورت حال دیکھتے ہوئے وہ کڑیل جوان اپنے گھوڑے سے اُتر گیا۔ جب وہ گھوڑے سے اُترا تو سب کی نگاہوں نے دیکھا وہ خوب قد کاٹھ کا اور کڑیل جسم کا نوجوان تھا۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے باقی تین ساتھی بھی اپنے گھوڑوں سے اتر گئے تھے۔ چنانچہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا وہ سرائے سے نکلے لوگوں کے پاس گیا۔ کچھ دیر تک ان کے چہروں کا جائزہ لیتا رہا، پھر دکھ بھرے انداز میں انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''لگتا ہے تم لوگ کچھ کہنا چاہتے ہو پر کہہ نہیں پا رہے ہو۔ کیا میں یہ اندازہ لگانے میں بھی حق بجانب ہوں کہ تم پر کسی کا خوف طاری ہے جس کی بناء پر اس بوڑھے سے متعلق جو میں نے سوال کیا ہے اس کے جواب میں تمہاری زبانیں نہیں کھلتیں۔ کیا کسی کے خوف نے تمہارے نطق پر قدغن لگا دی ہے؟ کیا کسی کی وحشت نے تمہارے ہونٹوں کو سی دیا ہے؟ اگر یہ بات ہے تو مطمئن رہو۔ کوئی تمہارے خلاف کارروائی نہ کر سکے گا۔ اگر کوئی تمہارے خلاف حرکت میں آئے گا تو پہلے وہ ہم چاروں کی طرف آئے گا پھر تمہارا رخ کرے گا۔ بلا جھجک اور بے خوف ہو کر بتاؤ کہ اس بوڑھے کو کس نے اس درخت کے ساتھ برف باری میں باندھ رکھا ہے؟''

اس نوجوان کے ان الفاظ کے جواب میں ایک بوڑھا سہما سہما، ڈرا ڈرا، خوف بھرے انداز میں آگے بڑھا پھر اس نوجوان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میں اس سرائے کا مالک سالم بن تماضر ہوں۔ اس بوڑھے کا نام عدی بن عمر ہے۔ کچھ دست دراز لوگوں نے اسے یہاں باندھ رکھا ہے۔ اور سب پر انہی کا خوف، انہی کی وحشت طاری ہے اور ان کی وجہ سے اس بوڑھے کے حق میں کوئی زبان بھی نہیں کھولتا نہ کوئی اس کی مدد کے لئے تیار ہے۔''

اس نوجوان کی آنکھوں میں چنگاریاں برس گئی تھیں۔ کچھ دیر ہونٹ کاٹتا رہا، پھر کپکپاتی آواز اور پُر جوش لہجے میں اس نے پوچھا۔

''وہ دراز دست لوگ جن کا تم ذکر کر رہے ہو کون ہیں؟ کہاں رہتے ہیں؟ اس کو اس برف باری میں گوندنی کے درخت سے باندھنے کے بعد خود کہاں جا چکے ہیں؟''

اس پر سرائے کا مالک سالم بن تماضر پھر بول اٹھا۔

''یہ لوگ جنہیں میں نے دست دراز کہا ہے وہ ابو مسلم خراسانی کے سالار مالک بن ہیثم اور اس کے دوسرے سالار فیروز سنباد کے آدمی ہیں اور ان علاقوں میں کوئی ان کے خلاف آواز اٹھانا تو بہت دور کی بات ان کی طرف انگشت نمائی تک نہیں کر سکتا۔''

''وہ اس وقت کہاں ہیں؟'' اس نوجوان نے اس بار پہلے کی نسبت زیادہ غضب ناک آواز میں پوچھا تھا۔

''وہ جرجان شہر کی طرف گئے ہیں۔ تھوڑی دیر تک لوٹنے ہی والے ہوں گے۔''

''اور اس بوڑھے کو درخت سے باندھنے کی وجہ کیا ہے؟''

جواب میں سرائے کا مالک سالم بن تماضر پھر خوف زدہ انداز میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ یہاں تک کہ اس نوجوان نے اس کی ہمت بڑھائی۔

''تمہیں پریشان اور خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہاری مدد کے لئے اپنے ساتھیوں کے ساتھ یہاں موجود ہوں۔ اگر کسی نے تمہیں گزند پہنچانے کے لئے تمہاری طرف بڑھنے کی کوشش کی تو میں تمہیں ضمانت دیتا ہوں اس کے پاؤں کاٹ دوں گا۔ کہو اس بوڑھے کا کیا جرم ہے؟ کس جرم میں اسے برف باری میں اس درخت کے ساتھ باندھ کر زیادتی کی گئی ہے؟''

ہمدردی میں ڈوبے یہ الفاظ سن کر درخت سے بندھا ہوا وہ شخص جس کا نام عدی بن عمیر تھا، رونے لگا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو تیز دھار بارش کی طرح اس کے دامن کو بھگونے لگے تھے۔ اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے سرائے کا مالک سالم بن تماضر بھی رو اٹھا تھا۔ باقی لوگوں کی آنکھیں بھی نم ناک ہو گئی تھیں۔ یہ صورتِ حال اس نوجوان اور اس کے ساتھیوں کے لئے یقیناً ناقابل برداشت تھی۔ لہٰذا وہ آگے بڑھا، سرائے کے مالک سالم بن تماضر کو اس نے اپنے ساتھ لپٹا لیا، کہنے لگا۔

''فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ پہلے مجھے پورے حالات بتاؤ پھر میں جو کرنا چاہوں گا کروں گا۔''

سالم بن تماضر نے اپنی آنکھیں خشک کیں پھر ٹوٹی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔

''ان دراز دست لوگوں کو بنو امیہ کے آخری تاجدار مروان بن محمد کی بیٹی کی تلاش ہے۔ اس کا نام اقلیما ہے۔ انہیں نہ جانے کیوں عدی بن عمیر پر شک و شبہ ہے کہ یہ

جانتا ہے کہ بنو امیہ کے آخری حکمران مروان بن محمد کی دو بیٹیاں تھیں۔ اقلیما اور ارم۔ ان کا کہنا ہے کہ ارم تو کہیں ماری جا چکی ہے، اقلیما زندہ ہے۔ بس اُسی اقلیما سے متعلق عدی بن عمیر سے متعلق وہ مشکوک ہیں یہ جان کر کہ یہ جانتا ہے اقلیما کہاں ہے؟ بس اسی جرم میں اسے سزا دی جا رہی ہے۔''

سالم بن تماضر کے ان الفاظ کے جواب میں اس نوجوان کی آنکھوں سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس کے چہرے پر کرب اور آنکھوں میں ناپسندیدگی کی شعاعیں پھیل گئی ہوں گی۔ پھر اس نے اپنے ایک ساتھی کی طرف دیکھا اور تحکمانہ انداز میں اسے مخاطب کیا۔

''اس بوڑھے عدی بن عمیر کی رسیاں کھول دو۔''

چنانچہ اس کا ایک ساتھی آگے بڑھا اور عدی بن عمیر جس رسی میں بندھا ہوا تھا اسے کھول دیا۔ چنانچہ وہ نوجوان خود آگے بڑھا۔ عدی بن عمیر کو سہارا دے کر اپنے ساتھ لپٹا لیا، اس کی پیٹھ تھپتھپائی اور کہنے لگا۔

''اب تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں دیکھتا ہوں وہ دراز دست لوگ تمہیں مزید کس طرح اس اذیت میں مبتلا کرتے ہیں۔''

اس نوجوان کے ان الفاظ پر عدی بن عمیر اپنا سر اُس کے شانے پر رکھ کر بری طرح رو دیا تھا۔ کچھ دیر تک اس نوجوان نے عدی بن عمیر کو اپنے ساتھ لپٹائے رکھا پھر سرائے کے مالک سالم بن تماضر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''کیا تمہارے ہتھیار خانے میں اس وقت آگ روشن ہو گی؟''

اس پر سالم بن عدی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''یقیناً وہاں آگ روشن ہو گی۔''

اس پر وہاں جمع ہونے والے لوگوں کو مخاطب کر کے وہ نوجوان کہنے لگا۔

''عدی بن عمیر کو آگ کے پاس لے جا کر بٹھاؤ تا کہ اس کے جسم میں حرارت پیدا ہو اور یہ اپنے حواس میں آ جائے۔''

چنانچہ اس نوجوان کے ان الفاظ پر لوگوں میں کچھ ہمت اور تقویت آئی اور وہ عدی بن عمیر کو لے کر سرائے کے ایک کمرے میں چلے گئے تھے جہاں آگ روشن تھی۔ وہاں ایک نشست کا اہتمام کر کے عدی بن عمیر کو بٹھا دیا گیا تھا۔

وہ نوجوان بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس کمرے میں جا کھڑا ہوا تھا۔ اس موقع پر سالم بن تماضر خدشات بھری آواز میں اس نوجوان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''وہ دراز دست لوگ جب واپس آئے تو بہت بڑا عذاب کھڑا کر دیں گے۔ میں نہیں جانتا آپ کون ہیں اور کن سرزمینوں کی طرف سے آئے ہیں؟ جو کام آپ نے کیا ہے یہ خیر پر مبنی ہے۔ اس میں ہم آپ کے ساتھ ہیں لیکن ان لوگوں کے سامنے کسی کو بولنے کی ہمت نہیں ہوتی۔''

سالم بن تماضر یہیں تک کہنے پایا تھا کہ کچھ گھڑ سوار سرائے میں داخل ہوئے۔ سرائے کے صحن میں آ کر وہ رک گئے پھر ان میں سے ایک دھاڑتی ہوئی آواز میں پکارا۔

''عدی بن عمیر کو اس درخت سے کس نے کھولا؟''

سب لوگ سہم کر اسی کمرے میں دبک گئے تھے جس میں عدی بن عمیر کو آگ کے پاس بٹھایا گیا تھا۔ چنانچہ وہ نوجوان اپنے تینوں ساتھیوں کے ساتھ باہر نکلا۔ سرائے کے صحن میں اس وقت چھ سوار کھڑے تھے۔ اس نوجوان نے کچھ دیر تک بھیانک انداز میں گھورتے ہوئے ان کی طرف دیکھا پھر گونجتی اور دھاڑتی ہوئی آواز میں انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''عدی بن عمیر کو میں نے کھولا ہے۔ چونکہ اس کا کوئی جرم نہیں ہے لہٰذا اسے سزا نہیں دی جا سکتی۔ اور جو کسی کو بے جرم سزا دیتا ہے وہ خود سزا کا حق دار بن جاتا ہے۔''

اس پر ان چھ کا جو سرخیل تھا وہ اپنے گھوڑے سے اُترا، اُس کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے پانچوں ساتھی بھی گھوڑوں سے اتر گئے تھے۔ آگے بڑھ کر وہ اس نوجوان کے قریب آیا، اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اس سے پہلے کہ میں پوچھوں تم کہاں سے آئے ہو؟ عدی بن عمیر سے تمہارا کیا تعلق ہے؟ اور تم نے اسے کھول کر کس قدر بھیانک جرم کیا ہے؟ یہ جو تم نے چہرے پر عورتوں کی طرح نقاب ڈال رکھا ہے یہ تو ہٹاؤ۔ تمہارے ساتھ جو تین نوجوان کھڑے ہیں میں دیکھتا ہوں وہ بھی تمہاری طرح اپنے چہروں کو ڈھانپے ہوئے ہیں۔ سب ذرا اپنے چہرے تو دکھاؤ تا کہ میں جانوں کہ جرجان شہر کے کن نوجوانوں نے ہمت اور جرأت کی ہے کہ وہ ہماری مرضی کے خلاف ہمارے خلاف ایسی کارروائی کریں۔''

آنے والوں کا سرخیل جب خاموش ہوا تب وہ نوجوان تپتی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔

''سن! اس برف آلود ٹھٹھرے ماحول میں سورج کی سلگاہٹ جیسی گفتگو میرے ساتھ نہ کر۔ اس حد درجہ گمبھیر رعونت سے لبریز تیری گفتگو تیرے لئے اذیتوں کا باعث بھی بن سکتی ہے۔ سن! اکثر نئی مسافتوں کے سفر میں فرقت کے موسموں، جدائی کے راستوں سے بھی پالا پڑ سکتا ہے۔ اور پھر ہم تو وہ لوگ ہیں جو تم جیسوں کو آفات میں گرفتار کر کے لہو کا آخری قطرہ تک چھین لینے والے ہیں۔''

اس نوجوان کے ان الفاظ سے آنے والوں کے سرخیل کا پارہ عروج پر چلا گیا تھا۔ غصہ میں اس کی آنکھیں سلگ اُٹھی تھیں۔

''بچوں جیسی گفتگو نہ کرو۔ میں جب زندگی کی شکست کے ساتھ جدائی کے زخموں اور فنا کے لشکر کے امیر کی طرح تم پر ضرب لگاؤں گا تو یاد رکھنا تمہاری حالت اُجڑے خاک بسر تاکستانوں، کہنہ ویران قبروں اور دشتِ غربت میں تھکن کی لڑکھڑاہٹ سے بھی زیادہ بھیانک ہو کر رہے گی۔ ذرا اپنے چہرے سے نقاب ہٹاؤ پھر دیکھو میں کیسے تمہاری نگاہوں سے خواب، تمہارے لبوں سے قہقہے، تمہارے چہرے سے روشنی چھین کر تمہاری آنکھوں میں آنسوؤں کے ستارے، تمہارے رخ پر زندگی کے عذاب اور تمہارے ہونٹوں پر حالات کا جبر سجاتا ہوں۔''

اس سرخیل کے ان الفاظ کے جواب میں چہرہ ڈھانپنے والے اس نوجوان نے ہولناک قہقہہ لگایا، پھر کہنے لگا۔

''یہ بھی تو نے خوب کہی۔ پر سن! جب میں نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دیا تو پھر تم زندہ رہنے کی خواہش سے محروم ہو کر جلتی چربی کی طرح پگھل جاؤ گے۔ میرے نقاب ہٹانے کے بعد تمہاری حالت اس شجر سے بھی بری ہو جائے گی جس کی چھاؤں چھن گئی ہو۔ اس پیڑ سے بھی ابتر ہو جائے گی جس کے سب ثمر ٹوٹ گئے ہوں۔ جب میں اپنے چہرے سے نقاب ہٹاؤں گا تو یاد رکھنا تُو خود بخود محسوس کرے گا کہ تیری ہستی کی چٹان ریزہ ریزہ ہونے لگ گئی ہے اور تیری ذات کی طنابیں شکستہ ہونا شروع ہو گئی ہیں۔ اگر تُو مجھ سے ٹکرانا ہی چاہتا ہے تو پھر آ، دیکھ میں تیرے دست و بازو پر کیسی بے نام تھکن طاری کر کے تجھے کرب کا شکار کرتا ہوں۔ یہ بھی یاد رکھنا میں نے اپنی زندگی

میں تیرے جیسے دیدہ و نا دیدہ کے درمیان امتیاز نہ کرنے والے بہت دیکھ رکھے ہیں....''

وہ نوجوان مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ آنے والوں کے سرخیل نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''اس سرائے گردشِ لیل و نہار میں ابھی تک مجھے کوئی ایسا نوجوان نہیں ملا جو میرے ساتھ لفظوں کے خونی ناٹک برپا کرے۔ مجھے اذیت خانوں کی گھائل چیخوں اور لمحوں کے پھٹے پرانے بوسیدہ کرب کی سی دھمکی دے۔''

اس کے ساتھ ہی وہ سرخیل آگے بڑھا۔ وہ نوجوان جس نے اپنے چہرے پر نقاب ڈالا ہوا تھا اس نے جب دیکھا کہ اس کی طرف بڑھنے والے نے اپنی تلوار بے نیام نہیں کی تب اس نے بھی تلوار میان سے نہ نکالی، قریب آ کر جب آنے والوں کے سرخیل نے ضرب لگانے کے لئے اپنا ہاتھ فضا میں بلند کیا تو اس نوجوان نے فضا کے اندر ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر اس تیزی اور قوت سے مروڑا کہ اس سرخیل کی پیٹھ اس نوجوان کی طرف ہوگئی تھی اور اسی لمحہ اس کی پیٹھ پر اس نے اس زور سے لات ماری کہ وہ سرخیل لڑکھڑاتا، پلٹیاں کھاتا ہوا اپنے ساتھیوں کے سامنے جا گرا تھا۔

وہ سرخیل جب اٹھا تو اتنی دیر تک اس نوجوانوں کی آنکھوں کے گرد تھوڑا سا چہرہ نظر آتا تھا۔ اس کی رنگت تانبے کی سی ہوگئی تھی۔ اس کے بعد وہ سیلاب سے بھپرے دریاؤں، برف باری کی قیامت خیزی اور خزاں کے بخت دریدہ کرتے طوفان کی طرح آگے بڑھا اور اس سرخیل پر اس نے مکوں اور لاتوں کی بارش کر دی تھی۔

اس موقع پر اس کے چھ ساتھیوں نے ایک دم اپنی تلواریں بے نیام کیں لیکن دوسرے لمحے ایک انقلاب برپا ہوا۔ جس نوجوان نے چہرے پر نقاب ڈال رکھا تھا اس کے پیچھے جو اس کے تین ساتھی چہروں پر نقاب ڈالے کھڑے تھے وہ ایک دم اپنی کمانوں کو حرکت میں لائے، ایسی تیز تیراندازی کی کہ اس سرخیل کے چھ ساتھیوں کے ہاتھوں کو انہوں نے زخمی کر دیا اور ان کے ہاتھوں سے ان کی تلواریں گر گئی تھیں۔

یہ صورتِ حال جہاں سرائے میں جمع ہونے والے لوگوں کے لئے خوش کن تھی وہاں سرخیل اور اس کے ساتھی خوف اور اذیت کا شکار ہو کر رہ گئے تھے۔

کچھ دیر تک اس سرخیل کو مارنے پیٹنے کے بعد وہ نوجوان پیچھے ہٹا اور تحکمانہ انداز میں انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تم سب ایک قطار کے اندر کھڑے ہو جاؤ۔ اگر میرا کہا نہیں مانو گے، ایسا نہیں کرو گے تو یاد رکھنا میں اپنے تینوں ساتھیوں کو صرف اشارہ دوں گا اور وہ تمہیں اپنے تیروں سے چھلنی کر کے رکھ دیں گے۔''

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ آنے والے چھ ایک قطار میں کھڑے ہو گئے تھے۔ پھر وہ نوجوان پیچھے ہٹا، اپنے ساتھیوں کو اس نے مخصوص اشارہ کیا، اس اشارے کے جواب میں ان تینوں نے اپنے چہروں سے نقاب ہٹا لئے تھے اور اسی لمحہ اس نوجوان نے بھی اپنے چہرے سے نقاب ہٹایا پھر آنے والوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اب مجھے غور سے دیکھو۔ کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟''

اس پر آنے والوں کا سرخیل بدحواسی میں کہنے لگا۔

''محمد بن اشعث! تم........ اور تمہارے ساتھ یہ روح بن حاتم، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس ہیں۔ ہماری طرح تم بنی بنو امیہ کے بدترین دشمن ہو۔ یہ شخص جسے ہم نے گوندنی کے درخت کے ساتھ باندھ رکھا تھا یہ بنو امیہ کے آخری تاجدار عمرو بن محمد کی ایک بیٹی اقلیما کے محل وقوع سے واقف ہے۔ ہم نے دو دن تک اس سے پوچھ گچھ کی۔ جب یہ کچھ نہ بولا تب اقلیما سے متعلق اس سے جاننے کے لئے ہم نے اسے اس درخت کے ساتھ باندھ دیا تھا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد وہ سرخیل جب خاموش ہوا تب کھا جانے والے انداز میں محمد بن اشعث نے اس کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

''پہلے یہ بتاؤ تم کس کے آدمی ہو؟ کس نے تمہیں اس کام پر مامور کیا ہے؟''

اس پر وہی سرخیل کہنے لگا۔

''ہم ابو مسلم خراسانی کے سالار مالک بن ہیثم کے آدمی ہیں۔ اسی نے ہمیں اس کام پر مامور کیا ہے۔ اس نے ہمیں جو حکم دیا تھا کہ اگر تم بنو امیہ کے آخری تاجدار کی شہزادی اقلیما کو زندہ سلامت پکڑ کر میرے پاس لاؤ تو میں تمہیں مالا مال کر دوں گا۔

اسی کے حکم سے ہم اقلیما کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ بنو امیہ کا جو قتل عام ہوا تھا اس میں بنو امیہ کے کچھ شہزادوں کے علاوہ یہ دو شہزادیاں بھی بچ نکلی تھیں جن میں سے چھوٹی اقلیما اور بڑی کا نام ارم ہے۔ ارم سے متعلق کچھ یہ خبریں آئی ہیں کہ وہ ماری جا چکی ہے لیکن اقلیما زندہ ہے۔ اس کی تلاش کے لئے ہم اس عدی بن عمیر سے تفتیش کر

رہے تھے۔''

وہ سرخیل جب خاموش ہوا تب کچھ دیر تک غور سے ان کی طرف دیکھنے کے بعد محمد بن اشعث نے کھا جانے والے انداز میں ان کی طرف دیکھتے ہوئے کھولتے لہجے میں انہیں مخاطب کیا۔

''جہاں کھڑے ہو اپنے ہتھیار اتار کر وہیں پھینک دو اور دس قدم گن کر دائیں جانب کھڑے ہو جاؤ۔''

محمد بن اشعث کا کہا مانتے ہوئے فوراً انہوں نے اپنے ہتھیار وہاں پھینک دیئے اور دائیں جانب ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ اس موقع پر اُس نے اپنے ساتھیوں میں سے روح بن حاتم کو مخصوص اشارہ کیا جس پر روح بن حاتم آگے بڑھا، ان سب کے ہتھیار سمیٹ کر ایک طرف کر دیئے۔ روح بن حاتم کے بعد اس کے باقی دو ساتھی شبیب بن رواح اور حرب بن قیس بھی اس کے پاس آن کھڑے ہوئے تھے۔ اس موقع پر محمد بن اشعث نے پھر مخصوص اشارہ کیا اور وہ اشارہ پا کر انہوں نے اپنی کمانوں میں تیر جما کر ان کا رخ ان چھ کی طرف کر لیا تھا۔ اس موقع پر کھا جانے والے انداز میں انہیں مخاطب کرتے ہوئے محمد بن اشعث بول اٹھا۔

''میں تم سے ایک سوال پوچھنے لگا ہوں۔ اگر اس کا جواب صحیح نہیں دو گے، جھوٹ بولو گے تو ایسی ذلت کی موت ماروں گا کہ زندگی بھر یاد رکھو گے۔ دیکھو! میرے چچا عثمان بن کثیر کو کس نے قتل کیا تھا؟ اگر تم مالک بن ہیثم کے آدمی ہو تو یقیناً تم جانتے ہو گے۔ نہیں بتاؤ گے تو پھر اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔''

اس پر ان چھ نے آپس میں مشورہ کیا، پھر ان کا سرخیل محمد بن اشعث کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تمہارا اندازہ درست ہے۔ ہم جانتے ہیں تمہارے چچا عثمان بن کثیر کو کس نے قتل کیا تھا۔ وہ شخص بھی مالک بن ہیثم ہی کا آدمی ہے۔ نام اس کا مرداویخ ہے۔ پارسی ہے۔ بڑا خوفناک انسان ہے۔ اس کے اپنے کافی مسلح آدمی بھی ہیں۔''

اس سرخیل کے یہ الفاظ سن کر ہلکا سا تبسم محمد بن اشعث کے چہرے پر نمودار ہوا تھا۔ کہنے لگا۔

''کیا تم مجھے مرداویخ کے محل وقوع سے آگاہ کر سکتے ہو؟''

اس پر وہ شخص پھر بولا اور کہنے لگا۔

''اس کی رہائش یہاں سے کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔ دریائے آمو کی پرانی گزرگاہ کے کنارے ملیکیہ نام کی ایک بستی ہے۔ وہ اسی بستی کا رہنے والا ہے۔ اس بستی کے اندر اس کی قلعہ نما حویلی ہے۔ اور اکثر و بیشتر اپنے مسلح جوانوں کے ساتھ وہ مرو میں مالک بن ہیثم سے بھی جا کر ملتا ہے اور اس سے احکامات حاصل کرتا ہے۔ یہ مرداویخ یوں جانو کرائے کا ایک بہت بڑا قاتل ہے۔ بلا کا جنگجو، عمدہ اور لاجواب قسم کا تیغ زن ہے۔ اسی نے تمہارے چچا عثمان بن کثیر کو قتل کیا تھا۔''

وہ سرخیل جب خاموش ہوا تب محمد بن اشعث دوبارہ انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اس مالک بن ہیثم نے آخر اقلیما کو تلاش کرنے کے لئے تم لوگوں کا ہی انتخاب کیوں کیا؟ کیا تم لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو اقلیما کو اس کے چہرے سے پہچانتا ہو؟''

اس پر سرخیل بولا اور کہنے لگا۔

''بالکل۔ میرے علاوہ میرے دو ساتھیوں نے بھی اس لڑکی کو دیکھ رکھا ہے۔ جس وقت ہم نے دیکھا تھا اس وقت وہ بالکل چھوٹی عمر کی تھی۔ یہ چند برس پہلے کی بات ہے۔ لیکن اس کی خوبصورتی اور اس کے حُسن کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ہم اب بھی اسے پہچان سکتے ہیں۔''

جواب میں غصہ بھری آواز میں محمد بن اشعث کہنے لگا۔

''پھر تو تم لوگوں کا زندہ رہنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔''

''کیا مطلب؟'' اس سرخیل نے ہکلاتے ہوئے کہا تھا۔

جواب میں محمد بن اشعث نے اپنے ساتھیوں کو مخصوص اشارہ کیا اور وہ اشارہ پاتے ہی انہوں نے ایسی تیز تیر اندازی کی کہ ان سب کو چھلنی کر کے رکھ دیا تھا اور وہ سب اپنی جانوں سے ہاتھ دھوتے ہوئے لاشوں کی صورت میں زمین پر گر گئے تھے۔

یہ صورتِ حال سرائے کے لوگوں کے لئے بڑی پریشان کن تھی۔ سرائے کا مالک سالم بن تماضر، عدی بن عمیر اور وہاں جمع ہونے والے سارے لوگ باہر نکل آئے تھے۔

پھر سالم بن تماضر، محمد بن اشعث کے پاس آیا اور بڑی ہمدردی میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''یہ لوگ بنو عباس کے موجودہ حکمران سفاح کے لشکری تھے۔ یہ آپ کو اچھی طرح

جانتے اور پہچانتے تھے۔ کیا آپ بھی......''

اس کی بات کاٹتے ہوئے محمد بن اشعث بول اٹھا۔

''تمہارا اندازہ درست ہے۔ میں اور میرے ساتھی بھی عباسیوں کے لشکر میں شامل ہیں اور میں موجودہ لشکر کے ایک حصہ کا سالار ہوں۔ عباسیوں کا بڑا سالار خازم بن خزیمہ میرا عزیز اور قریبی رشتہ دار ہے۔''

''پھر آپ نے عدی بن عمیر کی حمایت میں انہیں کیوں موت کے گھاٹ اتار دیا؟''

تفکر بھرے انداز میں سالم بن تماضر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا تھا۔

اس پر محمد بن اشعث غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''محترم ابن تماضر! ہم مسلمان ہیں۔ نہ بنو امیہ کے دشمن ہیں نہ بنو عباس کے۔ ہر وہ شخص جو خیر اور نیکی پر ہے اس سے محبت کرتے ہیں اور جو قتل و غارت گری اور زیادتی اور ظلم کا شوقین ہے اس سے نفرت کرتے ہیں۔ یہی ہماری زندگی کا مقصد ہے۔ یہ لوگ جنہیں موت کے گھاٹ اتارا گیا ہے یہ بڑے اونچے درجہ کے مجرم ہیں اور یہ مالک بن ہیثم کے آدمی ہیں۔ مالک بن ہیثم صرف برا انسان ہی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر وہ ایک ایسا شیطان ہے جس کی گرفت کرنا کارِثواب ہے۔''

محمد بن اشعث جب خاموش ہوا تب سالم بن تماضر کچھ دیر خاموش رہا پھر سہمے سہمے سے لہجہ میں وہ محمد بن اشعث کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''ابنِ اشعث! اگر.........''

یہاں تک کہنے کے بعد اچانک سالم بن تماضر رک گیا۔ کچھ ایسے انداز میں جیسے زبان نے اس کا ساتھ دینا چھوڑ دیا ہو۔

اس پر محمد بن اشعث نے اسے مخاطب کیا۔

''آپ رک کیوں گئے؟ اپنی بات مکمل کریں۔''

جواب میں سالم بن تماضر نے ایک لمبا سانس لیا، پھر کہنے لگا۔

''یہ جو چھ آدمی آپ کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترے ہیں یہ بنو امیہ کی شہزادی اقلیما کی تلاش میں آئے تھے۔ میں آپ سے صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر کسی موقع پر آپ کا سامنا اقلیما سے ہو جائے تو آپ اس سے کیا سلوک کریں گے؟''

سالم بن تماضر کے اس سوال پر ہلکا سا تبسم محمد بن اشعث کے چہرے پر نمودار ہو گیا

تھا پھر اچانک وہ سنجیدہ ہو گیا۔ ایک گہری نگاہ اس نے سالم بن تماضر پر ڈالی پھر کہنے لگا۔

''اگر وہ لڑکی مجھے مل جائے یا اچانک میرے سامنے آ جائے تو میں اس کی حفاظت کا سامان کروں گا اور اسے اس کے تحفظ کی خاطر وہاں پہنچا دوں گا جہاں وہ جانا اور رہنا چاہے۔''

محمد بن اشعث کے ان الفاظ پر سالم بن تماضر کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی جبکہ دوسری طرف عدی بن عمیر کے چہرے پر بھی گہرا تبسم کھیل گیا تھا۔

اس موقع پر محمد بن اشعث اور اس کے تینوں ساتھی یعنی روح بن حاتم، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس تینوں بڑے غور سے سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ آخر محمد بن اشعث نے سالم بن تماضر کو مخاطب کیا۔

''اگر تم دونوں برا نہ مانو تو تم دونوں کے چہرے کی حالت سے میں یہ اندازہ لگا رہا ہوں کہ تم دونوں اقلیما سے متعلق جانتے ہو کہ وہ کہاں ہے اور کس جگہ اس نے پناہ لے رکھی ہے۔''

سالم بن تماضر نے اس بار غور سے محمد بن اشعث کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

''آپ کے خیالات جان کر اب میں اور عدی بن عمیر جھوٹ نہیں بولیں گے۔ عدی بن عمیر اسی جرجان شہر کا رہنے والا ہے۔ اس کی بیوی پہلے ہی مر چکی تھی۔ ایک بیٹا تھا جو بنو امیہ کے آخری تاجدار کے حق میں عباسیوں کے خلاف لڑتے ہوئے مارا گیا۔ اب یہ میری ہی سرائے میں قیام کئے ہوئے ہے۔ یہ انتہا درجہ کا مخلص انسان ہے۔ جس وقت اقلیما چھپتی پھرتی تھی تو سب سے پہلے عدی بن عمیر نے اسے اپنے ہاں پناہ دی۔ جب اس نے محسوس کیا کہ اس کا گھر اقلیما کے لئے خطرے سے خالی نہیں تو پھر وہ اقلیما کو میرے پاس لے کر آ گیا اور ان دنوں اقلیما نے میرے ہی ہاں قیام کر رکھا ہے۔''

سالم بن تماضر کے ان الفاظ پر ہلکا سا تبسم محمد بن اشعث کے چہرے پر نمودار ہوا تھا۔ کہنے لگا۔

''یہ تم دونوں نے بڑے ثواب کا کام کیا۔ اس لڑکی کی حفاظت کی جانی چاہئے۔ اگر وہ کبھی یہاں سے نکل کر کسی محفوظ جگہ جانا چاہے تو آپ ہم سے رابطہ قائم کرنا۔ جہاں وہ جانا چاہے گی ہم اسے محفوظ طریقے سے وہاں پہنچا دیں گے۔ ساتھ ہی میں تم لوگوں

سے یہ بھی کہہ دوں کہ میرا باپ بنوامیہ کے آخری حکمران مروان بن محمد کے لشکر میں سالار تھا اور اسی کے حق میں لڑتا ہوا مارا گیا تھا۔ چند ماہ پہلے میرے چچا عثمان بن کثیر کو کسی نے اچانک قتل کر دیا تھا۔ میں گزشتہ کئی دنوں سے قاتلوں ہی کی تلاش میں سرگرداں تھا کہ خداوند قدوس نے میری راہنمائی کی۔ میں اس سرائے میں داخل ہوا اور ان چھ مرنے والوں سے ملاقات ہوگئی جن کے ذریعہ میں یہ جان گیا ہوں کہ میرے چچا کا قاتل کون ہے؟ اب وہ ہماری گرفت اور ہمارے انتقام سے نہیں بچ سکے گا۔ میرا چچا عباسیوں کا طرف دار تھا۔''

محمد بن اشعث جب خاموش ہوا تب سالم بن تماضر دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

''اقلیما کا باپ مروان بن محمد بنوامیہ کا آخری خلیفہ تھا۔ اس لئے عام طور پر خلافتِ بنوامیہ کی بربادی اور تباہی کا ذمہ دار اسی کو سمجھا جاتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ بنوامیہ کی بربادی کے سامان اس کی خلافت سے پہلے ہی اس کے پیش روؤں کی غفلت سے مرتب اور مہیا ہو چکے تھے۔ مروان کی خلافت کا زمانہ کچھ عرصہ کم چھ سال ہے۔ اس مدت میں مروان کو ایک روز بھی چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد سالم بن تماضر رکا، اس کے بعد اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

''اس نے اپنا تمام عہدِ خلافت گھوڑے کی پشت پر ہی بسر کیا۔ اس کی جفاکشی، بہادری اور اس کے عزم و استقلال کا صحیح اندازہ اس لئے بھی نہیں ہو سکا کہ اس کے ہاتھ میں ایک ایسی سلطنت دی گئی تھی جو ناقابل علاج امراض میں مبتلا تھی۔

مروان اگر چند روز پہلے تخت خلافت پر بیٹھا ہوتا تو یقیناً وہ دولت امیہ کی بربادی کو ایک طویل زمانے کے لئے پیچھے ڈال سکتا تھا مگر وہ موجودہ خرابیوں اور بنوعباس کی سازشوں پر غالب نہ آ سکا۔ مروان کوئی ایسا غیر معمولی عالی دماغ اور عقلمند بھی نہ تھا کہ کسی قریب المرگ سلطنت میں از سرِ نو جان ڈال دیتا۔

اس کا تمام زمانہ جھگڑوں اور لڑائیوں ہی میں گزر گیا۔ اس کے عہد خلافت میں عالم اسلام کے اندر ہر طرف تلواریں چمکتی ہوئی نظر آتی تھیں۔ کسی کو اطمینان حاصل نہ تھا۔ کفار پر جہاد کرنے کا تو موقع ہی میسر نہ تھا۔ اس زمانے میں مسلمانوں کا خون مسلمانوں کے ہاتھ سے اس قدر بہایا گیا کہ اس کی نظیر بہت ہی کم کسی زمانے میں مل

سکتی ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد سالم بن تماضر اچانک رک گیا۔ کچھ سوچا۔ پھر شوق بھرے انداز میں محمد بن اشعث کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''جہاں تک اقلیما کا سوال ہے اس نے میری حویلی کے ایک تہہ خانہ میں قیام کر رکھا ہے۔ اسے خبر ہوگئی ہے کہ بنوعباس کے کچھ لوگ اسے تلاش کرتے ہوئے یہاں پہنچے ہیں اور عدی بن عمیر سے تفتیش کر رہے ہیں۔ اس پر سختی کر رہے ہیں۔ ان حالات نے اسے بیمار کر دیا تھا۔ وہ اب بھی بخار میں مبتلا تہہ خانہ میں پڑی ہے اور بڑی بری کشمکش میں ہے۔ اگر آپ اس سے مل کر اسے ڈھارس دیں اور اس پر یہ واضح کر دیں کہ اس کے لئے اب کوئی خطرہ نہیں ہے اور یہ کہ اگر ضرورت پڑی تو اس کی مدد کی جائے گی تو میں سمجھتا ہوں اس سے وہ تندرست ہو جائے گی۔ اس کی صحت بھی بحال ہو جائے گی۔''

جواب میں محمد بن اشعث مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''اس سے ملاقات کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ پر آؤ پہلے ان چھ کی لاشوں کو ٹھکانے لگائیں۔''

جواب میں سالم بن تماضر نے اشارے سے ایک لڑکے کو اپنے قریب بلایا اور کہنے لگا۔

''یہ میرا بیٹا سعید بن سالم ہے۔ میں اسے اقلیما کی طرف بھجواتا ہوں اور ساری صورت حال سے اسے آگاہ کرتا ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی سالم بن تماضر اپنے بیٹے کے کان میں کھسر پھسر کرنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ گفتگو کرتا رہا، اس کے بعد سعید مسکراتا ہوا اور بھاگتا ہوا وہاں سے سرائے سے ملحقہ اپنی سکونتی حویلی کی طرف چلا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی سالم بن تماضر کے کہنے پر اس کی سرائے کے کارندے حرکت میں آئے۔ سرائے کے ایک کونے میں گڑھا کھودا گیا اور مرنے والوں کی لاشوں کو وہاں دفن کر دیا گیا تھا۔ برف باری اب بھی جاری تھی اور اس نے ہر چیز پر سفید چادر بچھا کر رکھ دی تھی۔ اس موقع پر سالم بن تماضر محمد بن اشعث کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میرا اندازہ ہے کہ آپ چاروں لمبے سفر سے آئے ہیں۔ میرے آدمی آپ کے

گھوڑوں کو اصطبل میں باندھ کر ان کے چارے پانی کا اہتمام کرتے ہیں۔ اتنی دیر تک آپ سرائے میں آئیں۔ میں آپ کے کھانے کا اہتمام کرتا ہوں۔''

جواب میں محمد بن اشعث نے جب اثبات میں گردن ہلائی تب سالم بن تماضر کا اشارہ پا کر اس کے آدمی مرنے والوں کے گھوڑوں کے علاوہ محمد بن اشعث اور اس کے ساتھیوں کے گھوڑوں کو بھی اصطبل میں لے گئے تھے۔ جبکہ محمد بن اشعث اپنے ساتھیوں کے ساتھ سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر کے ہمراہ سرائے میں داخل ہوا تھا۔

❁

❁

سالم بن تماضر کا بیٹا سعید بن سالم بھاگتا ہوا اپنی سکونتی حویلی میں داخل ہوا تھا۔ پہلے کمرے میں ہی اس کی ملاقات اپنی ماں رملہ اور اپنی بہن کلثوم بنت سالم سے ہوگئی۔ اس کو اس طرح بھاگتے ہوئے آتا دیکھ کر اس کی بہن جو اس سے بڑی تھی، فکر مندی میں آگے بڑھی، اس کے دونوں ہاتھ پکڑے، پھر تشویش بھرے انداز میں کہنے لگی۔

''میرے عزیز بھائی! تم بھاگتے ہوئے آئے ہو۔ کہو خیریت تو ہے؟...... عدی بن عمیر کو ان بدبخت لوگوں نے درخت کے ساتھ باندھ رکھا تھا۔ اب وہ کیسے ہیں؟''

جواب میں مسکراتے ہوئے سعید بن سالم کہنے لگا۔

''میری عزیز بہن! پہلے اقلیما کو تہہ خانہ سے باہر نکالو اس کے بعد میں تم لوگوں سے اچھی خبریں کہتا ہوں۔''

سعید بن سالم کے ان الفاظ پر رملہ پریشان ہوگئی تھی۔ کلثوم گھورنے کے انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہوگیا؟ ان حالات میں جبکہ اقلیما کو گرفتار کرنے والے ہماری سرائے کے اندر موجود ہیں ہم اقلیما کو تہہ خانہ سے کیسے باہر نکالیں؟''

سعید بن سالم جواب میں مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''تھوڑی دیر پہلے کچھ فرشتے ہماری سرائے میں داخل ہوئے اور انہوں نے ان چھ اوباشوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے جو آپی اقلیما کو گرفتار کرنے کے لئے آئے تھے۔ آپ آپی کو تہہ خانہ سے باہر نکالیں۔ مجھے بابا نے بھیجا ہے۔ میں آپی اور آپ دونوں کی موجودگی میں ایک انتہائی اہم موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔''

سعید بن سالم کے ان الفاظ پر رملہ اور کلثوم دونوں مطمئن اور خوش ہو گئی تھیں۔ پھر کلثوم وہاں سے ہٹی۔ دوسرے کمرے کی طرف گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹی۔ اس کے ساتھ ایک نوعمر اور نوخیز لڑکی تھی جو چاندنی رات کے شبستانوں میں ایک پُر جمال پیکر، شفق کی سرخ رنگت لئے نرم و نازک لطیف کرنوں، آثارِ اُلفت کی دہلیز پر رقص کرتی صبح ازل کی بہاروں جیسی خوبصورت اور حسین تھی۔ اس کی چال کہکشاں پھوار کی مانند، رفتار آبشارِ حیات جیسی تھی۔ جب وہ قریب آئی تو سعید بن سالم نے اسے سلام کہا۔ سلام کے جواب پر یوں لگا جیسے اس کی گفتگو شہد آواز، دلنواز ہو۔ صبح کے نور کے ہالے سا اس کا چہرہ، سحر کی عیاں ہوتی سرخی سے اس کے گال، مرمریں بازو میں دھنک رنگ چوڑیوں کی جھنکار، گلاب رنگوں کے درمیان چمکتے موتیوں جیسے اس کے دانت، خوش نما چنبیلی سی جگمگاتی ریشمی پیشانی اس نوخیز و نوعمر لڑکی کو دہکتی چاندنی میں ایک پیکرِ بے مثال بنائے ہوئے تھی۔ رنگ و نکہت میں ملبوس اس کا تن، مسکراتی بلوری آنکھیں، جسم کا ریشہ ہائے مو تک میں بکھری خوبصورتی اس لڑکی کو ادھ کھلی کلیوں، پھولوں جیسا پُرکشش، چاندنی میں مسکراتے گلابوں اور ویران لق و دق صحرا میں حلقہ در حلقہ اُترتا دھنک رنگوں سا پُرکشش بنائے ہوئے تھی۔ جب وہ تینوں ایک نشست پر بیٹھ گئیں تب سعید بن سالم وہیں ہو بیٹھا اس کے بعد بڑی تیزی سے اس نے سرائے کے اندر جو حالات نمودار ہوئے تھے وہ تفصیل کے ساتھ ان تینوں سے کہہ دیئے تھے۔

سعید بن سالم جب خاموش ہوا تب حسین و خوبصورت اقلیما تھوڑی دیر تک گہری سوچوں میں ڈوبی رہی، اس دوران سعید بن سالم کی ماں رملہ اور بہن کلثوم بنت سالم دونوں جستجو بھرے انداز میں اقلیما کی طرف دیکھ رہی تھیں یہاں تک کہ اقلیما نے سعید بن سالم کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''سعید! میرے بھائی! تُو خبر تو بہت اچھی لے کر آیا ہے پر میرے دل میں اس وقت اندیشے اور وسوسے اُٹھ رہے ہیں۔ اس سے پہلے جن چھ لوگوں نے عم عدی بن عمیر سے تفتیش کی تھی اور انہیں اپنے ستم کا نشانہ بنانا شروع کر دیا تھا اگر یہ نئے آنے والے چاروں بھی انہی کے لشکر کا حصہ ہیں تو کیا وہ بھی میرے خلاف حرکت میں نہ آ جائیں گے؟! اگر ان لوگوں کو یہ بتا دیا گیا کہ میں نے یہاں قیام کر رکھا ہے تو میں ڈرتی ہوں کہیں وہ مجھے گرفتار کر کے وہیں نہ لے جائیں جہاں پہلے والے چھ مجھے لے جانا

چاہتے تھے۔ میرے باپ کا سب سے بڑا دشمن ابو مسلم خراسانی، اس کا وزیر ابو اسحٰق، خالد بن عثمان اور مالک بن ہیثم ہیں۔ ان تینوں کے علاوہ فیروز سنباد بھی ہمارے خاندان کا بدترین دشمن ہے۔ اب یہ چاروں اگر بنو عباس کے لشکر کا ہی ایک حصہ ہیں تو پھر میں سمجھتی ہوں میرے ساتھ دھوکا اور فریب کیا گیا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد اقلیما خاموش ہو گئی۔ اس کے ان الفاظ کے جواب میں رملہ اور کلثوم دونوں ماں بیٹی شکوے بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگی تھیں۔ یہاں تک کہ سعید نے اس گھٹن کو توڑا اور کہنے لگا۔

''اقلیما! میری عزیز بہن! یہ آپ کے اندیشے ہیں۔ ورنہ حقیقت اس کے بالکل الٹ ہے۔ یہ جو چار شخص آئے ہیں ان کا سربراہ محمد بن اشعث ہے۔ دوسرے تین کے نام روح بن حاتم، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس ہیں۔ وہ بنو امیہ کے دشمن نہیں ہیں نہ ہی ایسے لوگ ہیں کہ بنو عباس کی خاطر انسانیت اور انسانوں کو قربان کرتے پھریں۔ لہٰذا میری بہن! ان سے آپ کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد سعید خاموش ہوا پھر اپنی ماں رملہ اور بہن کلثوم بنت سالم کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''اماں اور بہن! اب آپ دونوں اُٹھیں، سب کے لئے کھانا تیار کریں۔ وہ جو چار ہردلعزیز اور فرشتہ صفت مہمان آئے ہیں ان کا کھانا بھی آج ہمارے ہاں ہی ہوگا۔ میرے خیال میں وہ یہاں قیام نہیں کریں گے۔ برف باری میں کہیں سے آئے ہیں اور اس برف باری میں شاید کسی سمت اپنی منزل کو نکل جائیں گے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد سعید بن سالم جب خاموش ہوا تب اقلیما کو کسی قدر حوصلہ ہوا اور وہ سعید کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''میرے بھائی! اگر تمہیں اعتماد اور بھروسہ ہے کہ وہ ہمارے دشمن نہیں، دوست ہیں تو پھر میں خالہ رملہ اور اپنی بہن کلثوم کے ساتھ مل کر ان مہمانوں کے لئے کھانا تیار کروں گی۔''

اقلیما کے ان الفاظ پر سعید بن سالم خوش ہو گیا تھا۔ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ کہنے لگا۔

''میں اب جاتا ہوں۔ آپ تینوں اپنے کام میں لگ جائیں۔''

اس کے ساتھ ہی سعید وہاں سے نکل گیا تھا۔

سالم بن تماضر، عدی بن عمیر، محمد بن اشعت اور اس کے ساتھیوں کو سرائے کے اندر لے گئے۔ ان کے ساتھ جو دوسرے لوگ تھے وہ بھی اندر چلے گئے۔ پھر محمد بن اشعت کی طرف دیکھتے ہوئے سالم بن تماضر کہنے لگا۔

''میں نے اپنے بیٹے سعید کو اپنی حویلی میں بھیجا ہے۔ وہ نہ صرف رونما ہونے والے حالات سے اقلیما بنت مروان بن محمد کو آگاہ کر دے گا بلکہ گھر میں آپ لوگوں کے لئے کھانا تیار کرنے کا بھی کہہ دے گا۔''

سالم بن تماضر جب خاموش ہوا تب محمد بن اشعت کہنے لگا۔

''آپ کیوں زحمت کر رہے ہیں؟ کھانا ہم یہیں سرائے سے کھالیں گے اور اس کے لئے ہم آپ کو ادائیگی بھی کریں گے۔''

سالم بن تماضر نے خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''آپ ہمارے لئے معزز مہمان ہیں۔ خدا کے لئے ایسی گفتگو نہ کیجئے۔ اس سرائے میں آنے کے بعد جو کارنامہ آپ نے انجام دیا ہے وہ کوئی اپنا بھی ہوتا تو نہ کرتا۔ اس وقت عالمِ اسلام میں افراتفری کا عالم ہے۔ کسی کی جان، کسی کا مال محفوظ ہی نہیں ہے۔''

سالم بن تماضر جب خاموش ہوا تب عدی بن عمیر نے دکھ سے بھرپور ایک لمبا سانس لیا پھر کہنے لگا۔

''یہ ہم مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار ہو کر ایک دوسرے کی گردن کاٹ رہے ہیں۔ بنو عباس نے صرف اقتدار حاصل کرنے کی خاطر ہزاروں مسلمانوں کی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کا تہیہ کر لیا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد عدی بن عمیر جب رکا تب محمد بن اشعت اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''یہ مروان بن محمد کی بیٹی اقلیما نے آخر آپ کے ہاں آ کر کیوں پناہ لی۔ کیا آپ پہلے سے ان کے جاننے والے تھے؟''

جواب میں عدی بن عمیر نے پھر ایک لمبا سانس لیا اور کہنے لگا۔

''میرے عزیز! میں اپنے خاندان کے ساتھ اس سے پہلے حران شہر میں رہتا تھا۔

حران ہی میں ہماری ملاقات مروان بن محمد سے ہوئی۔ وہ ایک بہت اچھا انسان تھا۔''

عدی بن عمیر کے خاموش ہونے پر محمد بن اشعت نے اسے مخاطب کیا۔

''کیا آپ مجھے اور میرے ساتھیوں کو اس کے حالات بتائیں گے؟ اس طرح اس برف باری میں ہمارا وقت بھی اچھا گزر جائے گا۔''

اس پر دکھ بھرے انداز میں عدی بن عمیر کہنے لگا۔

''مروان بن محمد خاندانِ بنو امیہ کا آخری خلیفہ تھا۔ اس کو لوگ مروان الحمار بھی کہتے تھے۔ حمار عرب میں صابر ہونے کی وجہ سے مشہور ہے۔ محنت کش آدمی کو بھی حمار کہہ کر پکار جاتا ہے اس لئے اس خلیفہ کو بھی حمار کہنے لگے۔ کیونکہ اس کی خلافت کا تمام زمانہ لڑائی میں بسر ہوا۔ اس نے نہایت صعوبت کش اور صابر ہونے کا ثبوت بہم پہنچایا۔

مروان بن محمد جب خلیفہ ہوا تو بجائے دمشق کے اس نے حران شہر میں اقامت اختیار کی۔ وہیں اس سے ہماری ملاقات ہوئی تھی۔ مروان بن محمد ایسا عمدہ اور اچھا انسان تھا کہ اپنے پیش رو یعنی اپنے سے پہلے خلیفہ جسے معزول کر دیا گیا تھا اور جس کا نام ابراہیم تھا اُسے اپنے پاس بلا لیا اور اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ اگر اپنے ہی مروان بن محمد کی مخالفت نہ کرتے تو مروان بن محمد یقیناً بنو عباس کی طرف سے اٹھنے والی شورش پر قابو پانے میں کامیاب ہو جاتا۔

مروان نے جس وقت حران میں قیام کیا ہوا تھا اور وہ سلطنت کی حالت کو بہتر بنانے میں مصروف تھا اور بنو عباس کی اُٹھتی ہوئی شورش کا بھی قلع قمع کرنے کا تہیہ کئے ہوئے تھا، اسے خبر پہنچی کہ اہلِ حمص بغاوت اور سرکشی کی پوری تیاری کر کے خروج پر آمادہ ہیں اور اطراف و جوانب سے عرب قبائل ان کے پاس پہنچ گئے ہیں۔

مروان اس خبر کے سنتے ہی فوراً لشکر لے کر حمص کی طرف روانہ ہوا۔ اس کے عزیز ابراہیم اور سلیمان بھی اس کے ہمراہ تھے۔ 3 شوال کو وہ حمص پہنچا۔ دیکھا کہ اہلِ حمص نے شہر کے دروازے بند کر رکھے تھے۔ چنانچہ اس موقع پر مروان بن محمد کے کہنے پر اس کے مناد نے پکار پکار کر لوگوں کو مخاطب کر کے کہا۔

''تم لوگوں نے امیر المومنین کی بیعت کیوں توڑی ہے؟''

شہر والوں نے جواب دیا۔

''ہم نے بیعت نہیں توڑی بلکہ ہم مطیع اور فرمانبردار، اپنی بیعت پر قائم ہیں۔ اگر

امیر المومنین یہاں پہنچے ہیں تو ہم شہر کے دروازے کھول دیتے ہیں۔''

چنانچہ انہوں نے شہر کے دروازے کھول دیئے اور مروان بن محمد اپنے لشکر کے ساتھ شہر میں داخل ہوا لیکن شہر والوں نے مروان بن محمد کے ساتھ بددیانتی کی۔ جونہی وہ شہر میں داخل ہوا اس پر حملے شروع ہو گئے۔

یہ حالت دیکھ کر مروان بن محمد شہر کے دروازے پر چڑھ گیا اور مخالفین کا مقابلہ کر کے ان کو شکست فاش دی۔ شہر پناہ تین سو گز کے قریب گرا کر زمین کے برابر کر دی اور اہل شہر سے اپنی بیعت لی۔ ان حالات سے پتہ چلتا ہے کہ مروان بن محمد یقیناً بغاوتوں اور سرکشی کو ختم کرنے کی ہمت اور جرأت رکھتا تھا۔ لیکن حالات کی ستم ظریفی کہ ابھی مروان بن محمد حمص ہی میں تھا کہ خبر پہنچی کہ ایک شخص یزید بن خالد قصری کو کچھ باغیوں نے اپنا سردار بنا کر دمشق پر حملہ کر دیا ہے اور والی دمشق کو محصور کر دیا ہے۔

مروان نے والی دمشق کی امداد کے لئے حمص سے دس ہزار کا ایک لشکر بھیجا۔ اس طرح اس کے اپنے پاس لشکر کی کمی ہو گئی۔ چنانچہ دس ہزار کا یہ لشکر جب دمشق پہنچا تو اندر سے مروان بن محمد کے پہلے لشکر اور باہر سے دس ہزار کے بھیجے ہوئے لشکر نے جب حملہ کیا تو باغیوں کو شکست دے کر بھاگنے پر مجبور کر دیا اور باغیوں کا سردار یزید بن خالد قصری اس ٹکراؤ میں مارا گیا۔ مروان بن محمد کے سالاروں نے اس کا سر کاٹ کر مروان کے پاس بھیج دیا۔

ابھی حمص اور دمشق میں اٹھنے والی بغاوتیں ختم ہی ہوئی تھیں کہ ایک تیسری بری خبر سننے کو ملی۔ ثابت بن نعیم نے اہل فلسطین کو مجتمع کر کے طبریہ کا محاصرہ کر لیا تھا۔ طبریہ میں اس وقت مروان بن محمد کی طرف سے ولید بن معاویہ بن مروان بن حکم والی تھا۔ مروان بن محمد نے یہ خبر سن کر اپنے ایک سالار کو لشکر دے کر اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے روانہ کیا۔ اہل طبریہ اور باغیوں نے شہر سے نکل کر مقابلہ کیا لیکن مروان بن محمد کے لشکر نے انہیں بدترین شکست دی اور باغیوں کے سربراہ ثابت بن نعیم کے تین لڑکے گرفتار کر کے مروان کے پاس بھیج دیئے۔ مروان نے فلسطین کی حکومت پر ابن عبدالعزیز کنعانی کو معمور کیا۔ چنانچہ اس نے تلاش کر کے ثابت بن نعیم کو گرفتار کیا اور مروان کے پاس بھیج دیا۔ مروان نے اس باغی اور اس کے تینوں بیٹوں کو مصلوب کر دیا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد عدی بن عمیر دم لینے کے لئے رکا پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا وہ کہہ رہا تھا۔

''ان واقعات سے فارغ ہو کر مروان بن محمد نے دیر ایوب میں اپنے لڑکوں عبداللہ اور عبیداللہ کی ولی عہدی کی بیعت لی اور ہشام کی لڑکیوں سے ان کا عقد کر دیا۔

اسی دوران ترمذ کے لوگوں نے اسلامی سلطنت سے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ مروان لشکر لے کر ترمذ کی طرف روانہ ہوا اور ترمذ پر ایسے زوردار انداز میں حملہ آور ہوا کہ ترمذ کے باغیوں کو بیعت اور اطاعت قبول کرنا پڑی۔

اس بغاوت کا فرو ہونا تھا کہ ایک اور بری خبر سننے کو ملی۔ وہ یہ کہ ایک شخص ضحاک شعبانی خارجی عراق پر مسلط ہو گیا تھا۔ مروان نے یزید بن عمر بن جبیرہ کو لشکر دے کر روانہ کیا۔ اسی دوران ایک اور سازش اٹھ کھڑی ہوئی۔ بنو امیہ کے خاندان میں سے ایک شخص سلیمان بن ہشام تھا۔ اس کے دماغ میں فتور آ گیا۔ ہوا یوں کہ مروان بن یزید نے عمر بن جبیرہ کے ساتھ مل کر لشکر روانہ کیا تھا۔ اس لشکر کا ایک حصہ رصافہ شہر میں علیحدہ ہو کر سلیمان بن ہشام کے پاس پہنچا اور کہا۔

''آپ خلافت قبول کر لیں اور مروان بن محمد کی جگہ آپ مسلمانوں کے خلیفہ ہو جائیں''

سلیمان نے اس بات کو منظور کر لیا اور ان لوگوں کو ہمراہ لئے قنسرین پہنچ کر سلیمان نے اہل شام کو خط لکھے اور انہیں اپنی خلافت پر آمادہ کیا۔

ان خطوط کا اثر یہ ہوا کہ اہل شام ہر طرف سے سلیمان بن ہشام کی طرف متوجہ ہوئے اور ایک زبردست لشکر سلیمان بن ہشام کے پاس جمع ہو گیا۔

مروان بن محمد کو جب یہ خبر پہنچی تو یزید بن عمر بن جبیرہ کو ایک جگہ قیام کرنے کا حکم بھیجا اور خود لشکر لے کر سلیمان بن ہشام کا مقابلہ کرنے کے لئے نکلا۔

قنسرین کے قریب حناف کے مقام پر مروان اور سلیمان ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوئے۔ مروان بن محمد جنگ کا ایسا ماہر، ایسا عمدہ سالار اور ایسا بہترین تیغ زن تھا کہ لشکر کی کمی کے باوجود اس نے سلیمان بن ہشام کو بدترین شکست دی اور اسے بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔

سلیمان کے جو سالار اور لشکری جنگ کے دوران گرفتار ہوئے انہیں قتل کر دیا گیا۔

اس جنگ میں سلیمان بن ہشام کا لڑکا اور ہشام بن ملک کا ماموں خالد بن ہشام میدان جنگ میں قتل ہوئے جبکہ خود سلیمان بھاگ کر حمص پہنچا اور دوبارہ لشکر مرتب کر کے شہر پناہ کو درست کرنے لگا۔

مروان کو جب اس کی خبر ملی تو لشکر لے کر حمص پہنچا۔ ایک بار شہر سے باہر خون ریز جنگ ہوئی۔ اس جنگ کے بعد پسپائی اختیار کرنے کے بعد سلیمان نے شہر کے اندر داخل ہو کر محصور رہ کر مقابلہ کرنے کی ٹھانی جس پر مروان نے حمص کا محاصرہ کر لیا۔

تقریباً 10 مہینے حمص کا محاصرہ جاری رہا۔ 80 منجنیقیں وہاں پر سنگ باری کرتی رہیں۔ مجبور ہو کر اہلِ حمص نے امان طلب کی اور سلیمان وہاں سے نکل کر تدمر کی طرف بھاگ گیا۔ حمص سے فارغ ہو کر مروان کوفہ میں اُٹھنے والی بغاوت کی طرف متوجہ ہوا۔ وہاں بھی اس نے باغیوں کو پیس کر رکھ دیا۔

اب ضحاک خارجی جو اس سے پہلے شکست اٹھا چکا تھا اس نے پھر سرکشی اختیار کی اور کوفہ کی طرف بڑھا۔ مروان بن محمد کے سالار یزید بن عمر بن جبیرہ نے ضحاک خارجی کا مقابلہ کیا اور اسے شکست دی۔

ضحاک نے دوبارہ لشکر مرتب کیا۔ یزید بن عمر نے دوبارہ اس کو شکست دی اور کوفہ میں داخل ہوا۔ خارجیوں نے کئی بار خروج کیا مگر ہر مرتبہ انہیں مروان بن محمد اور اس کے سالاروں کے ہاتھوں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

چنانچہ مروان بن محمد کا سالار یزید بن عمر بن جبیرہ رات بھر قابض اور متصرف ہو کر وہاں کے حالات درست کرنے لگا اور اپنی طرف سے نصر بن سیار کو خراسان کا گورنر بنا کر بھیجا اور اس نے مروان بن محمد کی بیعت بھی کر لی۔ جن دنوں نصر بن سیار کو خراسان کا گورنر بنا کر بھیجا گیا تھا ان دنوں عباسی تحریک کافی زور پکڑ چکی تھی۔

اس تحریک کی ابتداء کچھ اس طرح ہوئی کہ ایک شخص ابو ہاشم عبداللہ بن محمد بن حنفیہ بن علی ابنِ ابی طالب تھے سلیمان بن عبدالملک کی خلافت کے دور میں ان کی بڑی عزت، ان کا بڑا احترام کیا جاتا تھا۔ لیکن ہاشمی ہونے کی وجہ سے وہ بنو امیہ کے خلاف اپنے دل میں تعصب رکھتے تھے اور بنو امیہ کی حکومت کو مٹانے اور بنو ہاشم کو برسر اقتدار لانے کے خواہاں تھے۔

ان کی کوشش صرف یہیں تک محدود تھی کہ وہ اپنے معتقدوں اور دوستوں میں جس کو

اہل پاتے اپنے خیالات سے آگاہ کر دیتے تھے اور اس طرح کے لوگ انہیں تھوڑے بہت دستیاب ہو گئے جو عراق میں بھی تھے اور خراسان اور حجاز میں بھی تھے۔

دوسری طرف ایک اور شخص محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بھی عباسیوں کی تحریک لے کر اٹھا اور بنو امیہ کی حکومت مٹانے کے درپے ہوا اور بنو عباس کی خلافت قائم کرنے میں مصروف ہوا۔

ایک مرتبہ سلیمان بن عبدالملک کے عہد خلافت میں ابو ہاشم عبداللہ بن محمد سلیمان بن عبدالملک کے پاس دمشق گیا۔ وہاں سے واپسی میں وہ حمیمہ کے علاقے میں بلقا کے مقام پر محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کے پاس ٹھہرا۔ اتفاق سے وہ وہاں بیمار ہو کر فوت ہو گیا۔

فوت ہوتے وقت اس نے محمد بن علی بن عبداللہ کو وصیت کی کہ تم خلافتِ اسلامیہ کو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اس وصیت نے محمد بن علی کو بہت فائدہ پہنچایا۔ یعنی وہ تمام لوگ جو ابو ہاشم بن عبداللہ بن محمد کے معتقد اور ہمراز تھے وہ محمد بن علی کے ہاتھ پر آ کر مخفی طور پر بیعت کرنے لگے۔

اس کے بعد ہجری 100ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت کا دور شروع ہوا۔ اس دور میں محمد بن علی عباسی نے اپنے کارندے عراق، خراسان، حجاز، یمن، مصر وغیرہ کی طرف روانہ کئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اگرچہ بنو امیہ کی نسبت اس عداوت ونفرت کو جو اکثر لوگوں کے دلوں میں تھی، بہت کم کر دیا تھا۔ لیکن پھر بھی محمد بن علی کی تحریک برابر مصروف عمل رہی۔ چنانچہ محمد بن علی کی طرف سے عراق میں ایک شخص میسرہ خراسان میں ابو محمد صادق عباسیوں کی خلافت کے لئے بڑی تیزی سے کام کرنے لگے۔

خود محمد بن علی نے بلقا کے مضافات میں سکونت اختیار کر لی اور وہیں سے اپنی تحریک کو ممالک اسلامیہ میں چلانا شروع کیا۔ چند روز کے بعد محمد بن علی نے اپنے بارہ نقیب مقرر کئے اور ان بارہ نقیبوں کو مختلف علاقوں کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ عباسیوں کی خلافت کا پرچار کریں۔

ہجری 102ھ میں محمد بن صادق خراسانی وہاں کے چند با اثر لوگوں کو جنہوں نے اس دعوت کو قبول کر لیا تھا ہمراہ لے کر محمد بن علی کے پاس آیا۔ انہی ایام میں محمد بن علی

اپنے اس لڑکے کو جس کی عمر صرف پندرہ یوم تھی لے کر آیا اور لوگوں سے کہا کہ یہی تمہارا سردار ہوگا۔ جس لڑکے کو لے کر وہ آیا تھا یہ لڑکا عبداللہ تھا اور یہی عبداللہ آج کل سفاح کے نام سے بنو عباس کا خلیفہ اور مسلمانوں کا حکمران ہے۔

اب بنو عباس نے خراسان میں اپنی دعوت کو مزید تیز کر دیا تھا اور اپنے کچھ سرکردہ لوگوں کو خراسان میں بھیجا تاکہ زور و شور سے وہاں بنو عباس کی تحریک کو تقویت دیں۔ ان لوگوں میں زیادہ اہم ابو محمد صادق و، ابو حیس وغیرہ شامل تھے۔ ان دنوں بنو امیہ کی طرف سے اسد قصری خراسان کا حاکم تھا۔ اسے اتفاقاً بنو عباس کے ان علمبرداروں کا علم ہوگیا اور کچھ مخبروں نے بھی اسے اطلاع دے دی کہ چند آدمی خلافت عباسیہ کے لئے لوگوں کو دعوت دے رہے ہیں۔ چنانچہ اسد قصری نے سب کو گرفتار کر کے قتل کرا دیا۔ صرف ایک شخص جس کا نام عمار تھا، بچ کر بھاگا اور اپنے ایک سالار بقیر بن مہان کو اس کی اطلاع دی۔ بقیر نے یہ کیفیت محمد بن علی کے پاس لکھ کر بھیجی۔

محمد بن علی نے جواب میں لکھا۔

''خدا کا شکر ہے کہ تمہاری دعوت و کوشش کامیاب اور نتیجہ خیز ہوئی۔ تم کو خود اپنے قتل کا منتظر رہنا چاہئے۔''

چنانچہ ہجری 118ھ میں بقیر نے عمار بن زید کو جو عباسیوں کے بہی خواہوں میں سرفہرست تھا خراسان کا سردار بنا کر بھیجا۔ اس نے وہاں جا کر اپنے آپ کو اپنے اصل نام سے ظاہر نہ کیا بلکہ وہاں اس نے اپنا نام خراش رکھ لیا۔

وہاں پہنچ کر اس سے ایک بہت بڑی غلطی ہوئی۔ اس خراش نے بنو عباس کی ہمدردی میں اتنا آگے بڑھ کر کام شروع کیا کہ اس نے بنو عباس کی ہمدردی کو نماز و روزہ پر بھی ترجیح دینا شروع کر دی اور لوگوں سے کہا کہ روزہ نمازوں سے بڑھ کر یہ کام ہے کہ بنو عباس کی خلافت قائم کرنے کی کوشش کی جائے۔

ان حالات کا علم جب محمد بن علی کو ہوا تو وہ یہ حالات سن کر خراش کی نسبت سخت ناراض ہوا۔ وہ کسی پر ردعمل کا اظہار کرنا ہی چاہتا تھا کہ اسی دوران خراسان کے حاکم اسد قصری کو خراش کی اصلیت کا پتہ چل گیا اور اس نے اس کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ محمد بن علی بھی اہل خراسان کی اس ضعیف الاعتقادی پر سخت ناراض ہوئے کہ نماز روزہ پر بنو عباس کی تحریک کو کیوں ترجیح دی گئی۔ اس پر خراسان کی طرف سے ایک وفد محمد بن علی

کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی اس ضعیف الاعتقادی اور خطاؤں کی معافی مانگ لی۔

اب محمد بن علی نے اپنے نقیب اور اپنے داعی مقرر کرنے میں ایک تبدیلی کی۔ جو بھی داعی یا نقیب مقرر کیا جاتا تھا اسے ایک مخصوص عصا دیا جاتا تھا جو نقیبی اور سرداری کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ اس طرح ان نقیبوں اور سرداروں نے بنو عباس کی خلافت کی راہ بڑی تیزی سے ہموار کرنا شروع کی۔

ہجری 124ھ میں اس محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کا انتقال ہوگیا۔ مرتے وقت وہ اپنے بیٹے ابراہیم کو اپنا جانشین بنا گیا اور اپنے نقیبوں اور بہی خواہوں کو وصیت کی کہ میرے بعد سب ابراہیم بن محمد بن علی کو امام تسلیم کر کے اس کی اطاعت و فرمانبرداری کریں۔ انہی حالات میں ایک شخص بکیر بن ماہان، ابراہیم بن محمد کی خدمت میں حاضر ہو کر اور ابراہیم بن محمد سے ہدایت لے کر خراسان کی طرف روانہ ہوا اور وہاں جا کر لوگوں کو محمد بن علی کے فوت ہونے اور ابراہیم بن محمد کے امام مقرر ہونے کی خبر سنائی۔

بکیر بن ماہان نے خراسان جا کر پوشیدہ طور پر اپنے ہم خیال لوگوں کو جمع کر کے سب کو حالات سنائے اور ہدایات پہنچائیں۔ بنو عباس کے بہی خواہوں میں جو کچھ زر نقد ان کے پاس تھا، لا لا کر جمع کیا اور بکیر بن ماہان رقوم کے ڈھیر کو لے کر ابراہیم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اب اسی ابراہیم نے ابو مسلم خراسانی کو خراسان میں اپنی تحریک کا ایک طرح سے سرکردہ بنا کر بھیجا۔

چنانچہ نصر بن سیار جب خراسان پہنچا تو اس وقت خراسان میں دو بڑی قوتیں موجود تھیں۔ ایک ابو مسلم خراسانی اور دوسرا ایک شخص کرمانی تھا۔ نصر بن سیار نے کرمانی کو اپنے ساتھ ملا کر خراسان پر حکومت کرنا چاہی لیکن کرمانی نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔

ان حالات میں نصر بن سیار اور کرمانی کے خلاف جنگوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ دونوں کے درمیان لڑائیاں ہوئیں اور قریباً ہر ایک معرکہ میں نصر کے سالاروں کو کرمانی کے مقابلہ میں شکست ہوئی۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے نصر نے خم ٹھونک کر خود کرمانی کے مقابلے پر جانا چاہا۔ لشکر لے کر نکلا، مرو پہنچا، لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ ابھی یہ لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہی ہوا تھا اور کوئی فریق غالب یا مغلوب نہ ہونے پایا تھا کہ ابو مسلم خراسانی نے ان حالات سے فائدہ اٹھانا چاہا اور اس موقع کو غنیمت سمجھا۔

چنانچہ اپنی عسکری طاقت وہ پہلے ہی مضبوط کر چکا تھا۔ اس موقع پر اُس نے ایک سیاست چلی۔ ایک طرف نصر بن سیار سے خط و کتابت جاری کی اور دوسری طرف کرمانی سے۔

نصر بن سیار کو لکھتا کہ امام ابراہیم نے تمہارے متعلق مجھ کو کچھ ہدایات بھیجی ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ ان سے تم کو فائدہ پہنچے گا۔ اسی مضمون کا خط کرمانی کو لکھتا کہ میں تمہارا ہمدرد ہوں اور امام ابراہیم نے مجھے تمہارے متعلق لکھا ہے کہ ضرورت کے وقت تمہاری مدد کروں۔

یہ خطوط جن قاصدوں کے ہاتھ روانہ کرتا ان کو ہدایت کرتا کہ جو قبائل نصر کے ہمدرد ہیں راستے میں ان کو نصر کے نام کا خط دکھاتے ہوئے جائیں اور جو قبائل کرمانی کے ہمدرد ہیں ان کو کرمانی کے نام خط دکھاتے ہوئے جائیں۔ منشاء اس سے یہ تھا کہ تمام قبائل کی ہمدردی حاصل ہو جائے۔

اس طرح اس نے خارجیوں کی ہمدردی و حمایت بھی مناسب تدبیروں سے حاصل کر لی کہ آخر ابو مسلم خراسانی اپنی جمعیت لے کر کرمانی اور نصر بن سیار کے مورچوں کے درمیان آ کر خیمہ زن ہوا۔

فریقین یہ اندازہ نہ کر سکے کہ وہ کس کی حمایت کرے گا اور کس کی مخالفت میں اترے گا۔ چنانچہ جس روز نصر بن سیار اور کرمانی کے درمیان جنگ ہونی تھی، اس سے ایک روز پہلے کرمانی کو کہلا بھجوایا کہ میں تمہاری طرف سے نصر بن سیار کا مقابلہ کروں گا۔ کرمانی یہ سن کر بے حد خوش ہوا۔

نصر بن سیار کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اس نے کرمانی کو لکھ کر بھیجا کہ ابو مسلم خراسانی چالاکی سے تم کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ تم اس کے فریب میں نہ آنا۔ اس کے مقابلے میں ہم کو اپنی مخالفت فراموش کر دینی چاہیے۔

کرمانی نے پہلی بار نصر بن سیار کی اس رائے کو پسند کیا اور اگلے روز دونوں میں ملاقات کی تجویز منظور ہوئی۔ کرمانی دو سو آدمی لے کر نصر بن سیار سے ملاقات کے لئے نکلا۔ نصر کے آدمیوں نے موقع پا کر کرمانی اور اس کے ہمراہیوں کو قتل کر دیا۔ کرمانی کا بیٹا علی بھاگ کر ابو مسلم کے پاس آیا۔ کرمانی کے لشکری بھی ابو مسلم کے ساتھ مل گئے۔
اس طرح ابو مسلم اور علی بن کرمانی دونوں نے اپنی قوت کو مجتمع کر کے نصر بن سیار پر حملہ

کیا۔ نصر بن سیار کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ کر کسی معمولی شخص کے مکان میں جا چھپا۔
اس طرح ابو مسلم اور علی دونوں نے مرو پر قبضہ کر لیا۔

علی بن کرمانی نے ابو مسلم کے ساتھ تعاون کیا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہی لیکن ابو مسلم نے کہا تم ابھی اس حالت میں رہو۔ ابراہیم کا حکم آنے پر جو مناسب ہو گا، کیا جائے گا۔

نصر بن سیار نے مرو سے نکل کر پھر اپنے گرد و پیش لوگوں کو جمع کرنا شروع کیا۔ دوسری طرف ابو مسلم اور علی بن کرمانی ایک دوسرے کے ساتھ رہتے تھے۔ ابو مسلم نے خارجیوں کے سردار شعبان خارجی کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا۔ کیونکہ نصر بن سیار خارجیوں کا بدترین دشمن تھا۔

علی بن کرمانی اس لئے ابو مسلم کا شریک کار تھا کہ وہ نصر بن سیار سے اپنے باپ کے خون کا انتقام لینا چاہتا تھا۔ نصر بن سیار نے خارجیوں کے سردار کو یہ پیغام بھیج کر جدا کرنا چاہا کہ ابو مسلم مذہبی عقیدے کے لحاظ سے ہمارا ہمنوا نہیں ہے۔ یہ پیغام پہنچنے کے بعد خارجی ابو مسلم کا ساتھ چھوڑ گئے۔ جب ابو مسلم کے مسلک کی اطلاع علی بن کرمانی کو ہوئی تو اس نے بھی ابو مسلم کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس طرح چار گروہ یعنی ابو مسلم، شعبانی خارجی، علی بن کرمانی اور نصر بن سیار اپنے لشکریوں کے ساتھ خراسان میں اِدھر اُدھر سرگرداں ہوئے اور ایک دوسرے کے خلاف اتفاق و مخالفت کی سیاست شروع ہو گئی تھی۔

ان چاروں میں نصر بن سیار اور ابو مسلم خراسانی بہت ہوشیار اور دور اندیش تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابو مسلم خراسانی نے یکے بعد دیگرے مناسب موقع پا کر شعبانی خارجی اور ابن کرمانی کو قتل کر دیا۔ ہجری 131ھ میں رے شہر کے متصل سیار خود بیمار ہو کر مر گیا۔ اس طرح خراسان پر ابو مسلم خراسانی کی گرفت ہو گئی اور وہاں وہ بلا شرکت غیرے حاکم بن کر بیٹھ گیا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد عدی بن عمیر کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ سعید بن سالم بھی اپنی حویلی سے نکل کر وہاں آ کر بیٹھ گیا تھا۔ اس موقع پر سرائے کے خدام میں سے کسی نے عدی بن عمیر کو مخاطب کر کے پوچھا۔
"ابن عمیر! آخر اس ابو مسلم خراسانی نے اتنی جلدی ترقی اور عروج کیسے حاصل

کر لیا؟''

اس پر عدی بن عمیر مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں اس کی تفصیل بھی تمہیں بتاتا ہوں۔ سنو۔ عباسیوں کے امام ابراہیم نے ابو مسلم خراسانی کو عراق اور خراسان کے تمام داعیوں کا سردار بنا کر سب کو حکم دیا تاکہ ابو مسلم کی ماتحتی میں کام کریں اور ابو مسلم کے ہر ایک کام کو مانیں۔ ابو مسلم کے ساتھ ان کی خط و کتابت رہتی تھی اور وہ ابو مسلم کو اپنے ہر ایک منشا سے متعلق مطلع کرتے رہتے تھے۔ اس میں یہ فائدہ تھا کہ ابراہیم کو ہر شخص سے خط و کتابت نہیں کرنی پڑتی تھی۔ ساری اطلاعات ابو مسلم خراسانی ہی سے مل جاتی تھیں۔

جب ابراہیم کی وفات کے بعد اس کا جانشین عباسیوں کا موجودہ حکمران عبداللہ سفاح بنا جو ابراہیم کا بھائی تھا وہ ابراہیم کی طرح ذی ہوش اور عقل مند ہے۔ اس عرصہ تک ابو مسلم نے جلدی جلدی خراسان میں طاقت و قوت حاصل کرنی شروع کی۔ ابراہیم کے بعد جب ابو مسلم کو خراسان میں طاقت اور قوت حاصل ہوگئی تو اسے بنو امیہ کی خلافت کے برباد ہونے کی علامات صاف نظر آنے لگیں۔ اس صورتِ حال کو سامنے رکھتے ہوئے بنو عباس اور علویوں کے خیر خواہوں اور ان سازشی کارروائیوں میں حصہ لینے والوں نے اپنے خاص خاص سربرآوردہ لوگوں کو ذی الحجہ ہجری 130ھ میں جبکہ وہ مکہ میں آئے ہوئے تھے، ایک مکان میں جمع کیا۔

سب کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا کہ بنو امیہ کی بربادی اور خلافت اس کے قبضہ سے نکالنے کی کوشش بہت جلد آخری کامیابی حاصل کرنے والی ہے۔ لہٰذا یہ طے ہونا چاہئے کہ خلیفہ کس کو بنایا جائے۔

اس مجلس میں ابوالعباس عبداللہ سفاح کا بڑا بھائی ابو جعفر منصور بھی موجود تھا اور اولادِ علیؓ میں سے بھی چند حضرات تشریف رکھتے تھے۔ ابو جعفر منصور نے اس موقع پر بلا توقف کہا۔

''حضرت علیؓ کی اولاد میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کر لینا چاہئے۔''

حاضرینِ مجلس نے اس بات کو پسند کیا اور اتفاقِ رائے سے حسن بن علی المعروف بن نفسِ ذکیہ کو منتخب کیا گیا۔ یہ نہایت ہی نازک موقع تھا۔ چونکہ بنو امیہ کی حکومت کو کمزور کرنے اور خراسان پر ابو مسلم کے قابض ہو جانے میں سب سے زیادہ اس بات کو

دخل تھا کہ شیعانِ علیؓ اور شیعانِ بنو عباس مل کر کام کر رہے تھے اور متفقہ طاقت کے ساتھ مصروفِ عمل تھے۔ اگر اس مجلس میں بنو عباس اور علویوں کے درمیان اختلاف پیدا ہو جاتا تو مکہ سے لے کر خراسان کے آخری سرے تک کے تمام علاقوں میں اختلافات کی ایک لہر ایسی سرعت کے ساتھ دوڑ جاتی کہ پھر اس کی روک تھام قابو سے باہر ہو جاتی اور خلافت بنو امیہ میں جو مردہ ہو چکی تھی، از سرِ نو جان پڑ سکتی تھی۔ مگر ابو جعفر منصور کی ہوشیاری اور دانائی نے اس موقع پر بڑا کام کیا اور شیعانِ علیؓ پہلے سے بھی زیادہ جوش کے ساتھ مصروفِ عمل ہو گئے اور ان کی یہ تمام کوششیں عباسیوں کے لئے زیادہ مفید ثابت ہوئیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد عدی بن عمیر رکا، پھر سرائے کے خدام میں سے جس نے سوال کیا تھا اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میرے عزیز! جہاں تک ابو مسلم خراسانی کا تعلق ہے تو اس کا نام ابراہیم بن عثمان بن بشار ہے۔ یہ ایرانی النسل ہے اور مشہور ہے کہ بزرگ جمہر کی اولاد میں سے ہے۔ اصفہان میں پیدا ہوا۔ ماں باپ نے کوفہ سے متصل ایک گاؤں میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ جس وقت ابو مسلم کا باپ فوت ہوا تو ابو مسلم کی عمر سات برس کی تھی۔ اس کا باپ مرتے وقت وصیت کر گیا تھا کہ عیسیٰ بن موسیٰ سراج اس کی پرورش اور تربیت کرے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابو مسلم خراسانی، عیسیٰ بن موسیٰ سراج کے پاس چلا گیا اور وہ اس کو کوفہ میں لے آیا۔ ابو مسلم چار جامے دوزی کا کام عیسیٰ سے سیکھتا رہا اور اسی کے پاس کوفہ میں رہتا تھا۔

عیسیٰ بن موسیٰ اپنے زین اور چار جامے لے کر خراسان، جزیرہ اور موصل کے علاقوں میں فروخت کرنے کے لئے جاتا تھا اور اس سلسلے میں اکثر سفر میں رہتا تھا اور ہر طبقہ کے آدمی سے ملتا تھا۔ اس کی نسبت یہ شبہ ہوا کہ یہ بھی بنو ہاشم اور علویوں کا نقیب ہے۔ اس طرح اس کے خاندان کے دوسرے آدمیوں پر بھی شبہ کیا گیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ یوسف بن عمر والی کوفہ نے عیسیٰ بن موسیٰ اور اس کے چچا زاد بھائی ادریس بن موکل اور دونوں کے چچا عاصم بن یونس عجلی کو قید کر دیا۔ اسی قید خانے میں عیسیٰ بن موسیٰ کی وجہ سے ابو مسلم کا وہاں جانا شروع ہوا۔ یہاں اکثر وہ قیدی تھے۔ جن کو حکومتِ بنو امیہ سے نفرت تھی۔ قید ہو جانے کے بعد لازماً نفرت پیدا ہو جانی چاہئے تھی۔ انہی میں سے

بعض ایسے قیدی بھی تھے جو واقعی بنو عباس اور علویوں کے نقیب تھے لہٰذا ان لوگوں کی باتیں سن سن کر ابو مسلم کے قلب پر بہت اثر ہوا اور وہ بہت جلد ان لوگوں کا ہمدرد بن کر ان کی نگاہ میں اپنا اعتبار قائم کر سکا۔

پھر اتفاق ایسا ہوا کہ قحطبہ بن شبیب جو عباسیوں کے امام ابراہیم کی طرف سے خراسان میں کام کرتا تھا اور لوگوں کو خلافتِ عباسیہ کے لئے دعوت دیتا تھا۔ وہ خراسان سے حمیمہ شہر کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں وہ کوفہ کے ان قیدیوں سے بھی ملا۔ یہاں اس کو معلوم ہوا کہ عیسیٰ بن موسیٰ کا خادم ابو مسلم بہت ہوشیار اور جوہر قابل ہے چنانچہ اس نے عیسیٰ سے ابو مسلم کو مانگ لیا اور اپنے ساتھ لے کر حمیمہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں ابراہیم کی خدمت میں ابو مسلم کو پیش کیا۔ چنانچہ عباسیوں کے سربراہ ابراہیم نے ابو مسلم سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟

ابو مسلم نے کہا میرا نام ابراہیم بن عثمان بن بشار ہے۔ ابراہیم نے کہا نہیں تمہارا نام عبدالرحمٰن ہے۔ چنانچہ اسی روز سے ابو مسلم کا نام عبدالرحمٰن ہو گیا۔ اس موقع پر ابراہیم نے اس کی کنیت ابو مسلم رکھی۔ چنانچہ اسی کنیت کی وجہ سے وہ تاریخ کے اوراق میں بھی ابو مسلم مشہور ہوا۔

چند روز تک ابو مسلم خراسانی ابراہیم کی خدمت میں رہا اور اس نے اچھی طرح ابو مسلم کی فطرت و استعداد کا مطالعہ کر لیا۔ اس کے بعد اپنے ایک مشہور نقیب ابو نجم عمران بن اسمٰعیل کی لڑکی سے اس کا عقد کر دیا۔ ابو نجم عمران بن اسمٰعیل ان لوگوں میں سے تھا جو خلافتِ اسلامیہ کو حضرت علیؓ کی اولاد میں لانا چاہتے تھے۔ اس عقد سے یہ فائدہ حاصل کرنا مقصود تھا کہ ابو مسلم کو شیعانِ علیؓ کی حمایت حاصل رہے اور اس کی طاقت کمزور نہ ہونے پائے۔

اس انتظام و اہتمام کے بعد ابراہیم نے ابو مسلم کو خراسان کی طرف روانہ کیا اور وہاں کے تمام داعیوں اور نقیبوں کو اطلاع دے دی کہ ہم نے ابو مسلم کو خراسان کے تمام علاقوں کا مہتمم بنا کر روانہ کیا ہے۔ سب کو دعوتِ ابو ہاشم کے کام میں ابو مسلم کی فرمانبرداری کرنی چاہئے۔ ابو مسلم جس وقت خراسان پہنچا اس وقت خراسان میں عباسیوں اور علویوں کے بڑے بڑے داعی کام کر رہے تھے۔ ان میں زیادہ مشہور سلیمان بن کثیر، مالک بن ہیثم، زیاد بن صالح، طلحہ بن زریق، عمر بن آیون۔ یہ پانچوں

شخص قبیلہ خزاعہ کے تھے۔ ان کے علاوہ قحطبہ بن شبیب قبیلہ طے سے تعلق رکھتا تھا۔ ابو عیینہ، موسیٰ بن کعب، زہیر بن کہیب، قاسم بن نجاشہ، اسلم بن سلام یہ چاروں بنو تمیم سے تعلق رکھتے تھے۔ ابوداؤد، خالد بن ابراہیم شعبانی، ابو علی ہروی، ابو نجم عمران وغیرہ سب بڑے اہم داعی خیال کئے جاتے تھے۔

جب ابو مسلم خراسان پہنچا تو سلیمان بن کثیر نے اس کو نو عمر ہونے کی وجہ سے واپس کر دیا۔ اس لئے کہ بنو عباس کے یہ تمام نقیب و داعی پختہ عمر کے اور سن رسیدہ تجربہ کار لوگ تھے۔ انہوں نے ایک نو عمر شخص کو اپنی خفیہ کارروائیوں اور رازداری کے مخفی کاموں کا افسر اور مہتمم بنانا خلافِ مصلحت سمجھا۔

ابو مسلم کے وہاں پہنچنے سے پہلے خراسان میں داعیوں کا سربراہ ابوداؤد خالد بن ابراہیم شعبانی تھا اور اس وقت وہ ماوراء النہر کی طرف کسی ضرورت کے تحت گیا ہوا تھا۔ وہ جب مرو میں واپس آیا اور ابراہیم کا خط اس نے پڑھا تو ابو مسلم کو دریافت کیا۔ اس کے دوستوں نے کہا کہ سلیمان بن کثیر نے اسے نو عمر ہونے کی وجہ سے واپس لوٹا دیا ہے کہ اس سے کوئی کام نہ ہو سکے گا اور یہ ہم سب کو اور ان لوگوں کو جنہیں دعوت دی جاتی ہے، خطرات میں مبتلا کر دے گا۔

ابوداؤد نے تمام نقیبوں کو جمع کر کے کہا کہ ابو مسلم خراسانی کو ابراہیم نے کچھ سوچ سمجھ کر اور اس کی قابلیت کو جان کر ہی تمہاری طرف بھیجا ہو گا۔ چنانچہ اسی وقت آدمی روانہ کئے گئے اور ابو مسلم کو راستے سے لوٹا کر واپس خراسان لے گئے۔ سب نے اپنے تمام کاموں کا متولی اور مہتمم ابو مسلم کو بنایا اور بخوشی اس کی اطاعت کرنے لگے۔ چونکہ سلیمان بن کثیر نے اوّل اس کو واپس کر دیا تھا اس لئے ابو مسلم سلیمان بن کثیر کی طرف سے کچھ کبیدہ خاطر ہی رہتا تھا۔ ابو مسلم نے نقیبوں کو ہر طرف شہروں میں پھیلا دیا۔ تمام خراسان میں اس تحریک کو ترقی دینے لگا۔

ہجری 129ھ میں ابراہیم نے ابو مسلم کو لکھ بھیجا کہ اس سال موسمِ حج میں مجھ سے آ کر مل جاؤ تا کہ تم کو تبلیغ دعوت کے مناسب احکامات دیئے جائیں۔ یہ بھی لکھا کہ قحطبہ بن شبیب کو بھی اپنے ہمراہ لیتے آؤ۔ جس قدر مال و اسباب اس کے پاس جمع ہو گیا ہے وہ بھی لیتے آنا۔''

ان خفیہ سازشوں کے لئے ایامِ حج ہی بہترین موقع ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ مکہ

معظمہ میں حج کے لئے دنیا کے ہر حصہ سے لوگ آتے تھے۔ کسی کو کسی کے آنے پر کوئی شبہ کا موقع نہیں ہوتا تھا اور سازشی لوگ وہاں با آسانی مل کر ہر قسم کی گفتگو کر لیتے تھے اور حج کا موقع کبھی ضائع نہ ہونے دیتے تھے۔

چنانچہ ابومسلم بھی دونقیبوں کو ہمراہ لئے ابراہیم سے ملنے کی غرض سے مکہ کی جانب روانہ ہوا۔ حمص کے مقام پر پہنچا تو ابراہیم کا خط ملا جس میں لکھا تھا کہ تم فوراً خراسان کی طرف لوٹ جاؤ۔ اور اگر خراسان سے روانہ نہ ہوئے تو تم وہیں رہو۔ اور اب اپنی دعوت کو پوشیدہ نہ رکھو بلکہ اعلانیہ دعوت دینا شروع کر دو اور جن لوگوں سے بیعت لے چکے ہو، انہیں جمع کر کے قوت کا استعمال شروع کر دو۔ اس خط کو پڑھتے ہی ابومسلم تو مرو کی طرف لوٹ گیا۔ قحطبہ بن شبیب مال و اسباب لئے ابراہیم کی طرف روانہ ہو گیا۔ قحطبہ نے جرجان کا راستہ اختیار کیا۔ اطراف جرجان میں پہنچ کر خالد بن برمک اور ابوعون کو طلب کیا۔ یہ لوگ مع مال و اسباب فوراً حاضر ہوئے۔ قحطبہ اس مال و اسباب کو بھی لے کر ابراہیم کی طرف روانہ ہو گیا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد عدی بن عمیر رکا، کچھ سوچا پھر دوبارہ وہ کہہ رہا تھا۔

''اس سے آگے بنو عباس کے حالات کچھ اس طرح ہیں کہ ابراہیم کی وفات کے بعد حمیمہ شہر میں ان کے خاندان میں سے ابوالعباس، عبداللہ سفاح، ابوجعفر منصور اور عبدالوہاب موجود تھے اور یہ تینوں ابراہیم کے بھائی تھے۔ اس کے علاوہ عیسیٰ بن موسیٰ، داؤد بن عیسیٰ، صالح اسمٰعیل، عبداللہ، عبدالصمد یہ ابراہیم کے چچا تھے۔ مرنے سے پہلے ابراہیم نے اپنے بھائی ابوالعباس عبداللہ سفاح کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا اور اس کے لئے وصیت کر دی تھی کہ کوفہ میں جا کر قیام کرے۔ چنانچہ اس وصیت کے مطابق عبداللہ سفاح معہ مذکورہ بالا اہلِ خاندان حمیمہ سے روانہ ہو کر کوفہ گیا۔ سفاح جب کوفہ پہنچا تو وہ زمانہ تھا کہ کوفہ میں اب ابوسلمہ کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ یہ ابوسلمہ کوفہ میں ابراہیم کی طرف سے قائم مقام اور مرکز کوفہ میں تحریک کا مہتمم تھا لیکن اب اس کی تمام تر کوششیں اولادِ علیؓ کو خلیفہ بنانے میں صرف ہونے لگی تھیں۔ قحطبہ بن شبیب بھی اسی خیال کا آدمی تھا لیکن چونکہ مرتے وقت ابوہاشم بن محمد نے وصیت کر دی تھی کہ محمد بن علی عباسی کو ان کی جماعت کے تمام آدمی اپنا پیشوا تسلیم کر لیں اس لئے کہ وہ اس کے آخری بیان کے مطابق کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔

کوفہ میں اب دو قسم کے آدمی موجود تھے۔ ایک وہ جو آلِ عباسؓ کو خلافت کے خواہاں سمجھتے تھے۔ دوسرے وہ جو آلِ علیؓ کو خلیفہ بنانے کے خواہش مند تھے۔ عباسیوں کے طرفداروں نے سنتے ہی ابوالعباس سفاح کے پاس آنا جانا شروع کر دیا اور اس کے ساتھ ہی شیعانِ علیؓ بھی ابوالعباس کے پاس آنے جانے لگے۔ جب لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ ابوسلمہ حاکم کوفہ نے جو وزیر آلِ علیؓ کے لقب سے مشہور تھا اب وہ ابوالعباس عبداللہ سفاح کے ساتھ مہمان نوازی کے لوازم اور شراکت کی ادائیگی میں کوتاہی کی ہے تو بہت سے شیعانِ علیؓ بھی عبداللہ سفاح کے ہمدرد ہو گئے اور اس طرح ابوالعباس عبداللہ کو کوفہ کی موجودگی میں عام لوگوں کی ہمدردی اور توجہ کو اپنی طرف ملتفت کر لیا تھا۔

آخر ہجری 523ھ کو لوگوں نے مجتمع ہو کر ابوالعباس عبداللہ کو اس کی جائے قیام سے ہمراہ لیا اور دارالعمارہ میں داخل ہوئے۔ عبداللہ سفاح دارالعمارہ سے جامع مسجد میں آیا، خطبہ دیا، نماز جمعہ پڑھائی اور نماز جمعہ کے بعد پھر منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا اور لوگوں سے بیعت لی۔ یہ خطبہ نہایت بلیغ و وسیع تھا۔ اس میں اپنے آپ کو مستحق خلافت ثابت کیا اور لوگوں کے وظائف بڑھانے کا وعدہ کیا۔ اہلِ کوفہ کی ستائش کی۔ اس خطبہ کے بعد عبداللہ سفاح کے چچا داؤد نے منبر پر چڑھ کر تقریر کی اور بنو عباس کی خلافت کے متعلق مناسب الفاظ بیان کر کے بنو امیہ کی مذمت کی اور لوگوں سے کہا کہ آج امیر المومنین عبداللہ سفاح کسی قدر بخار اور اعضاء شکنی کی تکلیف میں مبتلا ہیں اس لئے زیادہ بیان نہ کر سکے۔ آپ سب لوگ ان کے لئے دعا کریں۔

اس کے بعد ابوالعباس عبداللہ سفاح قصرِ امارت کی طرف روانہ ہوا اور اس کا بھائی ابوجعفر منصور مسجد میں بیٹھا ہوا رات تک لوگوں سے بیعت لیتا رہا۔ ابوالعباس عبداللہ سفاح بیعتِ خلافت لینے کے بعد قصرِ امارت میں گیا اور پھر وہاں سے ابوسلمہ کے خیمے میں جا کر اس سے ملاقات کی۔ ابوسلمہ نے بھی بیعت تو کر لی مگر وہ دل سے اس بیعت اور عباسیوں کی خلافت پر رضامند نہ تھا۔ عبداللہ سفاح نے جب مضافاتِ کوفہ کی نیابت اپنے چچا داؤد کو دی اور اپنے دوسرے چچا عبداللہ بن علی کو ابوعون بن یزید کی کمک کے لئے روانہ کیا اور اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کو حسن بن قحطبہ کی مدد کے لئے بھیجا جو واسط کا محاصرہ کئے ہوئے پڑا تھا۔ اس طرح بنو عباس کی طاقت اور قوت پھیلنے لگی اور بنو عباس

نے حضرت علیؓ کی اولاد میں سے جو خلیفہ بنانے کا عزم کیا تھا وہ پس پشت چلتا گیا۔

یہ زمانہ تمام عالم اسلام میں بڑا نازک اور خطرناک زمانہ تھا۔ ہر ایک علاقے اور ہر ایک صوبہ میں جا بجا لڑائیاں اور فسادات برپا تھے۔ واسط میں ابنِ جبیرہ کو مغلوب کرنا آسان نہ تھا۔ اُدھر مروان بن محمد اموی خلیفہ شام میں موجود تھا۔ حجاز میں طوائف الملو کی برپا تھی۔ مصر کی حالت بھی خراب تھی۔ اندلس میں جب عبداللہ بن سفاح خلیفہ ہوا تو اس کے خلیفہ ہوتے ہی آلِ علیؓ یعنی علویوں میں جو اب تک شریک کار تھے ایک ہلچل سے پیدا ہوگئی اور وہ اس نتیجہ پر حیران اور ناراض تھے کیونکہ ان کو اپنی خلافت کی توقع تھی۔ عباسیوں کی اس کامیابی میں سب سے بڑا دخل محمد بن حنفیہ کے بیٹے ابو ہاشم عبداللہ کی اس وصیت کو تھا جو اس نے مرتے وقت محمد بن عبداللہ بن علی بن عباس کے حق میں کی تھی۔ اس وصیت کی وجہ سے شیعوں کے فرقہ کیسانیہ کا یہ عقیدہ قائم ہوا کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب کے بعد محمد بن حنیفہ امام تھے۔ ان کے بعد ان کے بیٹے ابو ہشام عبداللہ امام ہوئے۔ ان کو ان کے بعد محمد علی بن عباسی ان کے جانشین اور امام ہو گئے۔

اس طرح شیعوں کی ایک بڑی جماعت شیعوں سے کٹ کر عباسیوں میں شامل ہو گئی اور علویوں کو کوئی موقع عباسیوں کے خلاف کھڑے ہونے کا نہ مل سکا اور وہ اندر ہی اندر پیچ وتاب کھا کر رہ گئے۔

اس کے بعد جب آخری اموی خلیفہ عمرو بن محمد کا ایک جنگ کے دوران خاتمہ ہو گیا تب ابوالعباس عبداللہ عباسیوں کا پہلا خلیفہ ہوا۔

ابوالعباس عبداللہ خونریزی، سخاوت، حاضر جوابی اور تیز فہمی میں انتہا درجہ کا ممتاز ہے۔ اس کی خونریزی ہی کی وجہ سے اسے ابوالعباس عبداللہ کی بجائے عبداللہ سفاح کہہ کر پکارا جانے لگا ہے۔ خلیفہ ہونے کے بعد اس سفاح نے اپنے چچا داؤد کو پہلے کوفہ کی حکومت پر مامور کیا پھر اس کو حجاز، یمن اور یمامہ کی حکومت پر مامور کیا اور کوفہ پر اپنے بھتیجے عیسیٰ بن محمد کو مقرر کر دیا۔

جب ہجری 133ھ میں داؤد کا انتقال ہو گیا تو سفاح نے اپنے ماموں یزید بن عبیداللہ بن عبدالمدان کو حجاز اور یمامہ کی اور محمد بن یزید بن عبداللہ کو یمن کی گورنری پر مامور کیا۔ ہجری 132ھ میں سفیان بن عیینہ کو بصرہ کا حاکم بنا دیا گیا۔ ہجری 133ھ میں

اس کو معزول کر کے اس کی جگہ اپنے چچا سلیمان بن علی کو سندِ حکومت عطا کی اور بحرین و عمان بھی اسی کی حکومت میں شامل کر دیئے گئے۔

ہجری 132ھ میں سفاح کا چچا اسمٰعیل بن علی اہواز اور دوسرا چچا عبداللہ بن علی شام کا، ابوعون عبدالملک بن یزید مصر کا حاکم مقرر ہوا۔ ابو مسلم خراسانی پہلے ہی خراسان پر حاکم تھا۔ مسلمانوں کے اندر افراتفری دیکھ کر رومنوں کا بادشاہ بھی حرکت میں آیا اور مسلمانوں کے دو شہروں پر حملہ آور ہو کر بزورِ شمشیر انہیں فتح کر لیا۔ ساتھ ہی شمال کی غیر مسلم قوتیں بھی حرکت میں آئیں۔ علاقہ ختن کے بادشاہ نے پَر پُرزے نکالے۔ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے ابو مسلم خراسانی نے اپنے ایک سالار داؤد خالد بن ابراہیم کو بھیجا۔ جس نے ختن کے حکمران کو شکست دی اور وہ بھاگ کر فرغانہ ہوتا ہوا چین کی طرف چلا گیا۔ اسی زمانے میں مسلمانوں کا ٹکراؤ اخشید، فرغانہ اور شاش کے حکمرانوں سے ہوا۔ اسی ٹکراؤ کے نتیجہ میں چین کے شہنشاہ نے ان جھگڑوں میں دخل اندازی کی اور شاش اور فرغانہ کے حکمرانوں کی مدد کے لئے ایک لاکھ فوج بھیج دی۔ چنانچہ خراسان سے ایک سالار زیاد بن صالح کو ان کا مقابلہ کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ چینی فوج اور زیاد بن صالح کا مقابلہ ہوا۔ زیاد بن صالح نے انہیں شکست دی اور پچاس ہزار چینی قتل ہوئے اور بیس ہزار مسلمانوں نے گرفتار کر لئے۔

اب بنو امیہ کا تو ایک طرح سے خاتمہ ہو چکا ہے۔ ان کے بچے کھچے افراد اندلس کی طرف بھاگ گئے ہیں اور بنو عباس کی حکومت مضبوط اور مستحکم ہو گئی ہے۔ ساتھ ہی ان کے مظالم اور ان کی قتل و غارت گری بھی مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی جا رہی ہے......"

یہاں تک کہتے کہتے عدی بن عمیر کو خاموش ہو جانا پڑا اس لئے کہ سعید بن سالم نے دخل اندازی کی اور اپنے باپ سالم بن تماضر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"بابا! کھانا تیار ہو چکا ہوگا۔ مہمانوں کو وہیں لے چلئے۔"

ساتھ ہی مختصر الفاظ میں سعید نے افکیما اور اپنی بہن کے ساتھ جو گفتگو ہوئی تھی اس کی تفصیل بھی کہہ دی تھی۔

اس پر سالم بن تماضر اٹھ کھڑا ہوا اور محمد بن اشعث کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"آپ اپنے ساتھیوں کو میرے ساتھ لائیے۔ میری رہائش گاہ میں چل کر کھانا

کھاتے ہیں اور وہیں اقلیما سے بھی گفتگو ہو جائے گی۔''

محمد بن اشعث اور اس کے تینوں ساتھی اپنی جگہ پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ سالم بن تماضر نے عدی بن عمیر کو بھی اٹھنے کے لئے کہا۔ اس پر سب سرائے کے اس حصہ سے نکل کر سرائے کے مالک سالم بن تماضر کی حویلی کی طرف روانہ ہوئے تھے جو سرائے سے بالکل ملحق تھی۔

سرائے کا مالک سالم بن تماضر سب کو لے کر اپنی رہائش گاہ میں داخل ہوا۔ پہلے سب دیوان خانہ میں بیٹھ گئے۔ پھر سالم بن تماضر اپنی جگہ سے اٹھا اور محمد بن اشعث کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں ابھی تھوڑی دیر تک حاضر ہوا۔''

اس کے ساتھ ہی اٹھ کر وہ دیوان خانہ سے نکل گیا تھا۔ جب وہ دوسرے حصہ کی طرف گیا تو ایک کمرے میں حسین وخوبصورت اقلیما، سالم بن تماضر کی حسین بیٹی کلثوم بنت سالم اور اس کی بیوی رملہ اور بیٹا سعید بن سالم بیٹھے ہوئے تھے۔ سعید شاید سرائے سے نکل کر سیدھا رہائش گاہ کے اس حصہ کی طرف چلا گیا تھا۔

سالم بن تماضر چپ چاپ ان کے سامنے ایک خالی نشست پر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر خاموشی رہی پھر اقلیما کی طرف دیکھتے ہوئے سالم بن تماضر بول اٹھا۔

''اقلیما! میری بچی! میرے خیال میں میری غیر موجودگی میں سعید نے سارے حالات سے تمہیں آگاہ کر دیا ہوگا۔ میری بچی! میں نہیں جانتا ان سے متعلق تیرے کیا خیالات ہیں لیکن میرا ذاتی اندازہ یہ ہے کہ قدرت تمہاری مدد پر آمادہ ہے۔ ایسے لوگ بہت کم ملتے ہیں۔ میری بچی! کیا تو ان کے پاس جا کر ان سے گفتگو نہیں کرے گی؟ تو یہاں سے نکل کر اندلس جانا چاہتی ہے۔ اپنی بہن ارم کو بھی تلاش کرنا چاہتی ہے۔ میرا دل کہتا ہے کہ آنے والے یہ چاروں تمہارے یہ دونوں کام کر سکتے ہیں۔''

سالم بن تماضر جب خاموش ہوا تب کچھ دیر خاموش رہ کر اقلیما نے کچھ سوچا اور پھر کہنے لگی۔

''میں ان کے سامنے نہیں جاؤں گی۔ پردے کے پیچھے رہ کر ان سے گفتگو کروں

گی۔ اب میرا کسی پر اعتبار نہیں رہا۔ ہر کوئی دھوکا اور فریب دیتا ہے۔ اور پھر ان دنوں آپ جانتے ہیں حکومت بنوعباس کی ہے۔ ہر کوئی ان کے حق میں کام کرنے پر تلا ہوا ہے۔ میں ڈرتی ہوں انہوں نے اگر مجھے دھوکا دیا تو میں اپنی بہن ارم کو تلاش کرتے کرتے اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھوں گی اور میرا خیر و عافیت سے اپنی بہن کے ساتھ اندلس جانا خواب و خیال ہو کر رہ جائے گا۔“

جواب میں سالم بن تماضر نے کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔

”بیٹی! وہ لوگ ایسے نہیں ہیں۔ اگر ایسے ہوتے تو جونہی انہیں تمہاری یہاں موجودگی کا علم ہوتا فوراً تمہیں لے کر بنوعباس کے حکمران طبقہ کی طرف لے جاتے اور انعام حاصل کرتے۔ اس لئے کہ کسی اموی شہزادی کا ملنا بنوعباس کے لئے کسی نایاب خزانے سے کم نہیں ہے۔ میری بچی! وہ برے لوگ نہیں ہیں۔ پر ٹھہر شاید جو کام میں نہیں کرسکتا وہ عدی بن عمیر کر گزرے۔“

اس موقع پر اقلیما، سالم بن تماضر کو مخاطب کر کے کچھ کہنے ہی والی تھی کہ وہ اس کمرے سے باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا، عدی بن عمیر کو بھی اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ شاید وہ گفتگو جو سالم بن تماضر کی اقلیما کے ساتھ ہوئی تھی وہ راستے میں عدی بن عمیر سے بھی سالم بن تماضر نے کہہ دی تھی۔ چنانچہ دونوں جب اقلیما کے سامنے آ کر بیٹھ گئے تب اس بار عدی بن عمیر اقلیما کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میری بچی! ان سے ملنے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ فائدہ ہے۔“

”کیا فائدہ ہے؟“ اقلیما نے جستجو بھرے انداز میں عدی بن عمیر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا تھا۔

عدی بن عمیر کے چہرے پر اس موقع پر شفقت بھری مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ کہنے لگا۔

”بچی! میں جانتا ہوں تو بڑی عقل مند دانشور ہے۔ پر جو کچھ میں سوچتا ہوں اسے بھی سن۔ یہ جو چار اچھے نہیں بلکہ میں انہیں نیک اشخاص بھی کہہ سکتا ہوں، ہمارے لئے ایک خوشخبری سے کم نہیں ہیں۔ بیٹی! ان میں جو خصوصیت کے ساتھ محمد بن اشعث ہے جو ان تینوں کا سرکردہ ہے اس کا باپ تمہارے باپ کے دور میں بنوعباس کے خلاف جنگوں میں حصہ لے چکا ہے اور انہی جنگوں میں وہ مارا گیا تھا۔ تاہم اس کا چچا عثمان بن

کثیر ضرور بنوعباس کا ساتھ دیتا رہا ہے اور ان کا نقیب بھی رہا ہے۔ اسی عثمان بن کثیر کو ابومسلم خراسانی کے کہنے پر کچھ لوگوں نے قتل کر دیا۔ اب یہ محمد بن اشعث اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنے چچا کے قاتلوں ہی کی تلاش میں ہے۔ وہ اپنی گفتگو سے یہ بھی ثابت کر چکا ہے کہ وہ ابومسلم خراسانی کا بھی بدترین دشمن ہے۔ اگر اس کے بس میں ہوتا تو اب تک وہ ابومسلم خراسانی کو بھی موت کے گھاٹ اتار چکا ہوتا۔ بیٹی! سرائے سے نکل کر اس طرف آتے ہوئے اس نے مجھ سے رازداری کے ساتھ یہ بھی انکشاف کیا تھا کہ بنو عباس کے موجودہ حکمران سفاح کے بھائی ابومنصور نے اس محمد بن اشعث کو اپنا بیٹا بنا رکھا ہے۔ محمد بن اشعث پر وہ آنکھیں بند کر کے اعتماد و بھروسہ کرتا ہے۔ جہاں تک محمد بن اشعث کی حقیقت کا تعلق ہے تو میری بچی! میں یوں کہہ سکتا ہوں کہ بظاہر وہ بنو عباس کے حق میں ہے لیکن باطن میں وہ بنوامیہ کا بھی طرفدار ہے۔ میری بچی! اس سے مل لینے میں یہ فائدہ ہے کہ آنے والے دور میں اگر تم پر کوئی افتاد آتی ہے، اگر وہ تمہیں شکل سے پہچانتا ہوگا تو تمہاری مدد کر سکے گا اور اگر تمہیں تمہارے چہرے سے ہی نہیں پہچانتا ہوگا تو کسی افتاد کی صورت میں وہ تمہیں کیسے پہچانے گا؟ کیسے تمہاری مدد کر پائے گا؟“

سالم بن تماضر کے ان الفاظ پر اقلیما گہری سوچوں میں ڈوب گئی تھی پھر اپنی جھکی ہوئی گردن سیدھی کی، باری باری ایک نگاہ سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر پر ڈالی پھر کہنے لگی۔

”آپ کہتے ہیں تو میں محمد بن اشعث سے مل لیتی ہوں۔ کیا ایسا ممکن نہیں کہ آپ اسے یہاں بلا لیں اور باقی اس کے ساتھی وہیں بیٹھے رہیں؟“

جواب میں پھر شفقت بھری مسکراہٹ عدی بن عمیر کے لبوں پر نمودار ہوئی۔ کہنے لگا۔

”میری بیٹی! اگر تو اپنا بھلا سوچ سکتی ہے تو میں تیرا بھلا سوچنے میں تم سے پیچھے نہیں ہوں۔ میری بچی! اگر مجھ پر تمہیں اعتماد اور بھروسہ ہے تو اٹھ۔ ان کے ساتھی بھی محمد بن اشعث جیسے ہیں۔ کسی موقع پر تمہیں دھوکا اور فریب نہیں دیں گے۔ اٹھ میرے ساتھ میری بچی! اگر انہوں نے دھوکا دہی سے کام لینا ہوتا تو جس طرح بنوعباس کے وہ کارندے مجھے گوندنی کے درخت سے باندھ کر جبر کر رہے تھے، یہ محمد بن اشعث اور اس

کے ساتھی بھی نہ مجھے وہاں سے کھولتے اور نہ ہی بنو عباس کے کارندوں سے ٹکراتے۔

میری بچی! یہ محمد بن اشعث اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنے چچا کے قاتلوں کی تلاش میں ہے۔ یہ جو کارندے مجھ پر جبر کر رہے تھے ان سے اسے پتہ چل گیا ہے کہ اس کے چچا کو ابو مسلم خراسانی نے کس کے حوالے کیا تھا اور کس نے اسے قتل کیا تھا۔ لہٰذا وہ زیادہ یہاں قیام بھی نہیں کرے گا۔ جونہی برف باری تھمی، وہ یہاں سے کوچ کر جائے گا۔ اور اگر برف باری نہ بھی تھمی تو میرا اندازہ ہے کہ وہ برف باری میں ہی اپنی مہم پر نکل جائے گا۔ اس لئے کہ وہ کچھ کر گزرنے والا آدمی ہے۔ جو کام وہ کرنا چاہتا ہے اس میں تاخیر پسند نہیں کرتا۔ یہی میں نے اس کی شخصیت، اس کی باتوں سے اندازہ لگایا ہے۔''

عدی بن عمیر کی اس ساری گفتگو پر ہلکا سا تبسم اقلیما کے خوبصورت چہرے پر نمودار ہوا تھا، پھر کہنے لگا۔

''عم! اگر آپ دونوں چاہتے ہیں تو پھر اُٹھیں۔ میں آپ کے ساتھ ان کے پاس دیوان خانے میں جانے کے لئے تیار ہوں۔''

اقلیما کے اس ردِعمل پر سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر تو خوشی کا اظہار کر ہی رہے تھے، رملہ، کلثوم اور سعید بھی مسکرا دیئے تھے۔ اس کے بعد جب عدی بن عمیر اپنی جگہ سے اٹھا تو سالم بن تماضر رملہ اور اپنی بیٹی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''تم لوگ بھی ہمارے ساتھ آؤ۔ یہ لوگ ہمارے حامی اور حمایتی ہیں۔ اگر یہ ہم سب کو چہروں سے پہچانتے ہوں تو پھر کسی برے وقت یہ ہم سب کے کام آ سکتے ہیں۔''

چنانچہ سب اس کمرے سے نکل کر دیوان خانہ کی طرف ہو لئے تھے۔ جس وقت سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر کے پیچھے وہ لوگ دیوان خانہ میں داخل ہوئے محمد بن اشعث، روح بن حاتم، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس چاروں اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر جب سب کے ساتھ بیٹھ گئے تب سالم بن تماضر، محمد بن اشعث کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''ابنِ اشعث! میرے بیٹے! عدی بن عمیر کے ساتھ جو بچی بیٹھی ہے یہ اقلیما ہے۔ اس کے ساتھ میری بیٹی کلثوم ہے۔ کلثوم کے ساتھ میری بیوی رملہ ہے۔ آگے سعید

ہے۔ اس کو تم جانتے ہو۔''

اس کے بعد محمد بن اشعث اور اس کے ساتھیوں کا تعارف بھی کرا دیا گیا تھا۔ سالم بن تماضر جب خاموش ہوا تب پہلی بار محمد بن اشعث اقلیما کی طرف دیکھتے ہوئے اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''مروان بن محمد کی بیٹی! آپ کے دل اور ذہن میں یقیناً ہمارے خلاف وسوسات اُٹھے ہوں گے۔ اب تک جو میں سمجھ پایا ہوں اس کے مطابق پہلے دیوان خانہ سے اٹھ کر سالم بن تماضر تمہاری طرف گئے اور میرے خیال میں وہ کسی بات پر یا ہم سے ملاقات کرنے پر تمہیں ضامند نہیں کر سکے ہوں گے۔ لہٰذا واپس آئے اور میرے محترم عدی بن عمیر کو اپنے ساتھ لے کر گئے۔ یہ میرا اندازہ ہے۔ ہو سکتا ہے میرا اندازہ غلط ہو۔ ان سب اندازوں کے باوجود میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ہم تمہاری پوری مدد کریں گے۔ ہم بنو عباس کے عہدے دار ضرور ہیں لیکن کسی کے خلاف ظلم کرنے والے نہیں ہیں۔ میں اور میرا ایک خالہ زاد خادم بن خذیمہ بنو عباس کے سالاروں میں سے ہیں۔ لیکن خدا جانتا ہے کہ ہم نے آج تک بنو امیہ کے کسی فرد پر ظلم و جبر نہیں کیا اور نہ ہی آنے والے دور میں کبھی ہمارا ضمیر ہمیں ایسا کرنے کی اجازت دے گا۔ ہم عرب ہیں۔ بنو امیہ و بنو عباس بھی عرب ہیں۔ یہ اقتدار و حکومت آنی جانی شے ہے، اسے حاصل کرنے، اسے پانے کے لئے جو بھی اپنی حدود سے گزرتا ہے وہ ظالم و جابر ہے۔''

محمد بن اشعث کے ان الفاظ پر اقلیما دھیمے دھیمے سے انداز میں مسکرا دی تھی۔ یہاں تک کہ محمد بن اشعث نے اسے مخاطب کیا۔

''بنت مروان! میں نہیں جانتا تمہارے اپنے مستقبل کے متعلق کیا ارادے ہیں۔ تم تھوڑی سی تفصیل کہو تو پھر ہم اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔''

ایک تیز نگاہ اقلیما نے اس موقع پر ابنِ اشعث پر ڈالی پھر کہنے لگی۔

''گو میری یہ آپ سے پہلی ملاقات ہے لیکن آپ نے جو گفتگو کی ہے اس گفتگو کے الفاظ نے میرے اندر ایک حوصلہ، ایک ولولہ بھر دی ہے۔ اپنے گھر سے بے گھر ہونے کے بعد سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر کے بعد کوئی ایسا شخص نہیں ملا جو ہماری مدد، ہماری اعانت پر آمادہ ہوا ہو یا جس پر میں بھروسہ کر سکوں۔ دراصل جو اُڑتی ہوئی خبریں ہمیں پہنچی ہیں ان کے مطابق بنو عباس کے قتل عام کے ہاتھوں ہمارے جو افراد

بچ گئے تھے وہ اندلس کی طرف چلے گئے ہیں۔ میں اور بڑی بہن ارم اکیلی بھاگی تھیں لیکن ہماری بدقسمتی کہ ہم بچھڑ گئیں۔ میرا دل کہتا ہے کہ وہ زندہ ہے۔ کہیں نہ کہیں میری طرح وہ چھپ کر زندگی بسر کر رہی ہو گی۔ اب میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ میں اندلس کی طرف چلی جاؤں لیکن میں ایسا اپنی بہن ارم کے ساتھ کرنا چاہتی ہوں۔ پہلے میں چاہتی ہوں اسے تلاش کیا جائے۔ جب وہ مجھے مل جائے تو اگر آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مجھے اور بہن کو کسی طرح اندلس پہنچا دیں تو یہ آپ کا ہم پر بڑا احسان، آپ کی بڑی مہربانی ہو گی۔''

''کوئی احسان، کوئی مہربانی نہیں ہو گی۔'' محمد بن اشعث نے غور سے اقلیما کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا تھا۔

''تم بالکل مطمئن رہو۔ یہیں محترم سالم بن تماضر کے ہاں قیام کئے رہو۔ یہاں سے نکل کر میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ شمال کا رخ کروں گا۔ دراصل میں اپنے چچا کے قاتلوں کی تلاش میں نکلا ہوا ہوں۔ ان کا سراغ مجھے مل گیا ہے۔ شمال کی طرف ماضی میں دریائے آموں کبھی بحیرۂ خزر کی طرف گرتا تھا لیکن اب اس نے اپنا رخ بدل لیا ہے اور جو اس کی پرانی گزرگاہ تھی اس کے کنارے ملکیہ نام کی بستی ہے۔ میں اسی کا رخ کروں گا۔ وہاں ایک آتش پرست مردادیغ رہتا ہے۔ اسی نے میرے چچا عثمان بن کثیر کو قتل کیا تھا۔ اسے قتل کرنے کے بعد پہلے میرا ارادہ تھا کہ واپس اپنے گھر کی طرف چلا جاؤں گا اور اپنی ماں اور اپنی بہن دونوں کو چچا کے انتقام کی خبر سناؤں گا۔ لیکن اپنے چچا کے قاتلوں کا کام تمام کرنے کے بعد میں اب اپنے ساتھیوں کے ساتھ تمہاری بہن کی تلاش میں نکلوں گا اور مجھے امید ہے کہ میں اسے تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد محمد بن اشعث رکا۔ حتیٰ کہ سالم بن تماضر کی بیوی رملہ پہلی بار بول اٹھی اور محمد بن اشعث کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''بیٹے! برا مت ماننا۔ کیا میں پوچھ سکتی ہوں تمہارے گھر کے کتنے افراد ہیں؟''

جواب میں محمد بن اشعث، رملہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''اماں! ہم گھر کے صرف تین ہی افراد ہیں۔ میں، میری ماں اور میری چھوٹی بہن۔ ہمارے گھر کے ساتھ ہی ہماری خالہ کا گھر ہے۔ خالہ اور خالو دونوں فوت ہو چکے

ہیں۔ اب وہاں میرا خالہ زاد خادم بن خذیمہ اپنی بیوی اور اپنے دو بچوں کے ساتھ رہائش پذیر ہے۔ اور ہماری یہ رہائش انبار شہر میں ہے۔''

محمد بن اشعث رکا، پھر اس نے اقلیما کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔

''پہلے تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم بہنیں کہاں تک اور کس شہر یا کس مقام تک اکٹھی رہیں؟ اور پھر کہاں سے تم جدا اور علیحدہ ہو گئیں؟''

اقلیمہ نے کچھ سوچا، پھر وہ کہنے لگی۔

''ہمارے باپ نے اپنی حکومت کے آخری دور میں احتیاط کے طور پر ہمیں حران شہر میں رکھا تھا۔ جب حالات زیادہ خراب ہونے لگے تو اس موقع پر عم عدی بن عمیر ہمارے کام آئے۔ یہ میرے باپ کے انتہائی قرابت داروں میں سے تھے لہٰذا انہیں وصیت کی گئی کہ ہماری سلامتی کا کوئی سامان کریں۔ لہٰذا یہ ہم دونوں بہنوں کو لے کر حران سے یہاں جرجان کی طرف روانہ ہوئے۔ اس لئے کہ جرجان میں ان کے عزیز و اقارب کے علاوہ ان کے اہل خانہ بھی تھے۔ اور پھر عم سالم بن تماضر بھی ان کے عزیز و رشتہ دار ہیں۔ ہم حران سے دونوں بہنیں روانہ ہوئیں تو ہمارے خاندان کی کچھ دوسری عورتیں بھی ہمارے ساتھ تھیں۔ ہماری بدقسمتی کہ جب ہم طبرستان اور استر آباد کے درمیان پہنچے تو رات کے وقت کچھ لوگ ہم پر حملہ آور ہوئے۔ وہ سیاہ جھنڈے لہراتے ہوئے آئے تھے۔ چاندنی رات میں ہم نے سیاہ جھنڈے دیکھ لئے تھے۔ وہ بنو عباس تھے جو اکثر و بیشتر سیاہ جھنڈے لہراتے ہوئے بنو امیہ پر حملہ آور ہوتے تھے۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے ہم بھاگ نکلے۔ میں اور عم عدی بن عمیر کوہستانی سلسلے کی ایک کھوہ میں چھپ کر بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ میری بہن اور دوسری عورتیں ادھر اُدھر بھاگ کھڑی ہوئیں اور اب تک ان کا کچھ پتہ نہیں چلا کہاں اور کس حال میں ہیں۔''

یہاں تک کہتے کہتے اقلیما کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔ اس کے بعد قطرے لہرانے لگے تھے۔ وہ ہونٹ کاٹنے لگی تھی۔ اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے محمد بن اشعث نے بڑی نرم آواز میں اسے مخاطب کیا۔

''اب تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں محترم سالم بن تماضر کی سرائے میں تم محفوظ ہو۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری بہن کو تلاش کرنے کی کوشش کی جائے گی اور اسے ڈھونڈ کر یہاں تمہارے پاس ہم اسی سرائے میں لائیں

گے۔ تمہارے اہلِ خانہ میں سے دوسرے لوگ کدھر گئے؟"

اقلیما نے اپنے آنسو پونچھے، سنبھلی، کہنے لگی۔

"میرے دو بھائی تھے۔ عبداللہ بن مروان اور عبید اللہ بن مروان۔ جب میرا باپ مارا گیا تو وہ افریقہ کی طرف بھاگ گئے۔ اب تک ان کا کچھ پتہ نہیں چلا کہ وہ کس حال میں ہیں۔"

(ایک بھائی عبید اللہ بن مروان تو افریقہ کی سرزمین میں مارا گیا، دوسرا بھائی عبداللہ بن مروان عباسیوں کے تیسرے خلیفہ مہدی کے دور میں افریقہ سے گرفتار ہو کر مہدی کے سامنے پیش کیا گیا اور مہدی نے اسے قید خانے میں ڈال دیا تھا)

اقلیما رکی، پھر دوبارہ محمد بن اشعت کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"میرے باپ کے کچھ لوگ انتہا درجہ کے دشمن تھے۔ وہ ہر صورت میں اسے قتل کرنے کے درپے تھے۔ وہ ایسا نہ کرتے تو شاید میرا باپ بھی اپنی جان بچا کر اندلس کی طرف بھاگتا یا افریقہ میں جا کر جان بچانے میں کامیاب ہو جاتا۔"

اس موقع پر محمد بن اشعت نے غور سے اقلیما کی طرف دیکھا، پھر پوچھا۔

"کیا تم جانتی ہو تمہارے باپ کے قاتل کون تھے؟"

محمد بن اشعت کے اس سوال پر اقلیما پھر رو دی تھی۔ کچھ دیر ایسی حالت میں رہی، دوبارہ اس نے اپنے آپ کو سنبھالا، پھر ہچکیوں اور سسکیوں میں کہنے لگی۔

"میرے باپ کا سر ایک شخص خالد قصری نے کاٹا تھا جبکہ میرے باپ کے قتل کے درپے دو خارجی بھی تھے۔ ایک کو خیبری کہتے تھے اور دوسرے کا نام سلیمان بن ہشام تھا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد اقلیما جب رکی تب محمد بن اشعت نے اپنے ساتھیوں میں سے روح بن حاتم کو دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"روح بن حاتم! میرے عزیز بھائی! ذرا اس خالد قصری، خیبری اور سلیمان بن ہشام کے نام یاد رکھنا۔ جہاں اقلیما کی بہن ارم کو تلاش کیا جائے گا، وہاں اقلیما کے باپ مروان بن محمد کے قاتل خالد قصری کو بھی تلاش کیا جائے گا۔ اور جس طرح اس نے اس کے باپ کا سر کاٹا تھا ایسے ہی خالد قصری کا بھی سر کٹے گا۔ اس کے بعد خیبری اور سلیمان بن ہشام جو مروان بن محمد کے مخالف تھے، اس کے خلاف مخالفانہ کارروائیاں

کرتے رہے ہیں ان کی بھی خوب خبر لی جائے گی۔"

اتنا کہنے کے بعد محمد بن اشعت رکا، اس کے بعد اس نے باری باری سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر کی طرف دیکھا، کہنے لگا۔

"میں آپ دونوں کا انتہا درجہ کا ممنون اور شکر گزار ہوں کہ آپ دونوں نے ہماری دعوت اور مہمان نوازی کا اہتمام کیا۔ کھانا کھانے کے بعد اگر برف باری رک گئی تو ہم یہاں سے کوچ کر جائیں گے۔ اگر نہ رُکی تو رات آپ کی سرائے میں اس وقت تک گزاریں گے جب تک کہ برف باری تھم نہیں جاتی۔ اس لئے کہ جونہی برف باری تھمے گی، ہم یہاں سے کوچ کریں گے۔ ہماری پہلی منزل دریائے آمو کی پرانی گزرگاہ کے کنارے ملکیہ نامی بستی ہوگی جہاں میں اپنے چچا کے قاتل مرداوخ سے نمٹوں گا۔"

اس موقع پر سالم بن تماضر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

"پہلے اٹھو۔ سب کھانا کھاتے ہیں۔"

اس پر سب کھڑے ہو گئے۔ ساتھ والے کمرے میں گئے۔ سب نے مل کر کھانا کھایا۔ پھر پہلے کی طرح دیوان خانہ میں آ کر بیٹھ گئے۔ اس موقع پر پہلی بار اقلیما نے محمد بن اشعت کی طرف دیکھتے ہوئے گفتگو کرنے میں پہل کی تھی۔ کہنے لگی۔

"کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں اس سرائے میں محفوظ ہوں اور بنو عباس کے کچھ اور کارندے ہمیں آن نہیں گھیریں گے؟"

محمد بن اشعت مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

"تمہیں تو بڑا بہادر اور شجاع ہونا چاہئے۔ اس قدر خوف زدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

جواب میں اقلیما بھی مسکرائی اور کہنے لگی۔

"میں بزدل نہیں ہوں۔ بہترین گھڑ سوار ہونے کے علاوہ عمدہ تیغ زن بھی ہوں۔ لیکن جو حالات ہم پر اور بنو امیہ پر بیتے، انہیں دیکھ کر، انہیں سن کر میں لرز جاتی ہوں۔ اگر آپ وہ حالات سنیں تو آپ کی بھی حالت مجھ سے مختلف نہ رہے۔"

اس موقع پر اچانک محمد بن اشعت اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ باہر دیکھا۔ ابھی برف باری جاری تھی۔ دوبارہ اپنی نشست پر بیٹھ گیا، اقلیما کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"ابھی برف باری جاری ہے۔ تھمی نہیں ہے۔ اس کے تھمنے تک تم وہ حالات سناؤ

جن کے تحت بنواُمیہ پر ظلم کیا گیا۔ اس طرح جہاں ہمیں ان حالات کی تفصیل ملے گی۔ وہاں ہمارا وقت بھی گزر جائے گا۔ اس طرح ہو سکتا ہے اس وقت تک برف باری تھم جائے اور اس کے بعد ہم کوچ کر جائیں گے۔''

محمد بن اشعت کے ان الفاظ کے جواب میں حسین اقلیما وہاں بیٹھے سب لوگوں کو بنو امیہ پر ہونے والے مظالم کی تفصیل بتانے لگی۔

(خلافتِ اسلامیہ کو جو قوم یا خاندان وراثتاً اپنا حق سمجھے وہ سب غلطی اور ظلم میں مبتلا ہیں۔ بنواُمیہ نے اگر حکومتِ اسلامی کو اپنی ہی قوم اور خاندان میں باقی رکھنا چاہا تو یہ ان کی غلطی تھی۔ بنو عباس یا بنو ہاشم اگر ان کو اپنا خاندانی حق سمجھتے تھے تو یہ بھی ان کی غلطی اور نا انصافی تھی۔

مگر چونکہ دنیا میں عام طور پر لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں، لہٰذا سلطنت اور حکومت میں بھی حق و وراثت کو بھی جاری سمجھا جاتا ہے۔ اس بناء پر جو شخص کسی غاصب سلطنت سے اپنا حق یعنی سلطنت واپس چھینتا ہے تو وہ اکثر قتل و تشدد سے کام لیا کرتا ہے۔ لیکن اس قتل و تشدد کو بنو عباس نے بنو اُمیہ کے حق میں جس طرح روا رکھا، اس کی مثال کسی دوسری جگہ نظر نہیں آتی۔

ہاں اگر تاریخی زمانوں سے گزر کر نیم تاریخی حقائق کو قابلِ اعتناء سمجھا جائے تو بخت نصر نے بنی اسرائیل کو قتل کرنے میں بڑی سفاکی سے کام لیا اور بنی اسرائیل کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی قوم آج تک دنیا میں موجود ہے۔

اس سے بھی بڑھ کر ہندوستان میں آریاؤں نے غیر آریاؤں پر مظالم کی انتہا کر دی تھی مگر کوہ ہمالیہ اور بندھیاچل کے جنگلوں اور راجپوتانہ کے ریگستانوں نے غیر آریاؤں کی نسل کو اپنی آغوش میں چھپائے رکھا اور ہندوؤں کی شودر قوموں کی صورت میں وہ آج بھی ہندوستان کی آبادی کا ایک قابلِ تذکرہ حصہ سمجھے جاتے ہیں۔

ہندوستان کے آریاء بھی ایرانی اور خراسانی لوگوں کی طرح آریاء تھے۔ عباسیوں کے خراسانی سپہ سالار جو زیادہ تر ایرانی اور خراسانی تھے، انہوں نے ہی بنو عباس کو بنو اُمیہ کے قتل اور غارت اور تشدد پر آمادہ کیا تھا کہ ہندوستان کے غیر آریاؤں کی مظلومی کے افسانے درست نظر آنے لگے۔

دنیا کی خفیہ انجمنوں کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان خفیہ سازشوں کو کامیاب بنانے والے حد سے زیادہ قتل و خون ریزی، مظالم اور بے رحمی کا ارتکاب کر سکتے ہیں۔ تاریخ اسلام میں بھی ہم برابر اسی بات کا ثبوت پاتے چلے آئے ہیں۔

خاندانِ بنو اُمیہ خلافتِ اسلامی کا نکالنا کوئی جرم نہ تھا۔ لیکن خاندانِ بنو اُمیہ سے خلافتِ اسلامیہ کو نکال کر ایک دوسرے خاندان کو اسی طرح خلافتِ اسلامیہ کے سپرد کر دینا کوئی خوبی کی بات نہ تھی۔ اسلام اور عالمِ اسلام کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ لہٰذا بنو عباس کو نہایت ہی قابلِ شرم خون ریزی اور قتل و غارت گری کا ارتکاب کرنا پڑا۔

بنو عباس کے سالاروں میں سے ابو مسلم خراسانی اور قحطبہ بن شبیب اور دوسرے نقبائے بنو ہاشم نے خراسان کے شہروں میں جس قدر قتل عام کا بازار گرم کیا، اس کا تھوڑا سا تذکرہ بیان کیا جاتا ہے:

عباسیوں کا ابراہیم جو عباسیوں کے پہلے خلیفہ سفاح کا بھائی تھا اس نے خود ابو مسلم کو اپنے آخری خط میں تاکیدی طور پر لکھا تھا کہ خراسان میں کسی عربی بولنے والے کو زندہ نہ رکھنا۔ اس سے ان کا مدعا یہی تھا کہ بنو اُمیہ کے طرف دار لوگ خراسان میں وہی عرب قبائل تھے جو فاتحانہ خراسان میں سکونت پذیر تھے۔

باشندگانِ خراسان جو نومسلم تھے وہ سب کے سب دعوتِ عباسیہ کے معمول بن سکتے تھے۔ ابو مسلم نے قتل کرائے اور نتیجہ یہ ہوا کہ خراسان میں جو کثیر تعداد عرب قبائل پہنچ کر ان علاقوں کی زبان و معاشرت، تمدن کو عربی بنانے میں کامیابی حاصل کر رہے تھے وہ سب کے سب اس ظالم و غیر ذمہ دار ابو مسلم کے ہاتھوں مارے گئے، قتل ہو گئے اور عربی عنصر جو تمام ملک کو اپنا ہم رنگ بنا رہا تھا، یکلخت مغلوب اور بے اثر اور ناپید ہو گیا جس کی وجہ سے ایرانی زبان اور تمدن، ایرانی معاشرت، ایرانی اخلاق مرتے مرتے ان علاقوں میں پھر زندہ ہو گیا۔ اگر یہ نہ ہوتے تو ایران اور خراسان مصر کی طرح آج عربی ملک ہوتے۔

لیکن ایرانیوں کی عربوں کے خلاف دشمنی اور پھر اس کے پس منظر میں جو مجوسی کارکن کارفرما تھے، انہوں نے خراسان کو عربی کی بجائے فارسی ملک بنا دیا۔ ان ظلم کرنے والوں میں ابو مسلم سرفہرست ہے۔ اس لئے کہ یہ ظالم خود خراسانی اور ایرانی النسل

تھا۔ اس کے لئے عربوں کے قتل سے زیادہ کوئی دوسرا دلچسپ کام ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

قومی تعصب جس کو اسلام نے بالکل مٹا دیا تھا، عہد بنو اُمیہ ہی میں آج پھر عود کر آیا تھا اور اسی قومی عصبیت اور قبائلی اختراع کے واپس آ جانے کا نتیجہ تھا کہ بنو اُمیہ نے کسی طرح تمام عربی قبائل بالخصوص بنو ہاشم کو مجبور بنا دیا تھا۔ اس لئے کہ وہ ہر اس شخص کو جس کی نسبت معلوم ہوتا کہ یہ قبیلہ بنو اُمیہ سے تعلق رکھتا ہے، نہایت خوف و وحشت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس نے قابو پاتے ہی اپنی تمام قوت اس خوف و خطر سے محفوظ رہنے کے لئے صرف کر دی اور مصمم ارادہ کر لیا کہ اس قبیلے کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دیا جائے۔

بنو عباس کا پہلا خلیفہ عبداللہ بن سفاح بذاتِ خود بڑا ظالم، سفاک اور جابر تھا۔ اس کا چچا عبداللہ بن علی جب 5 رمضان 132 ہجری کو دمشق میں داخل ہوا تو اس نے مسلمانوں کے قتل عام کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ جب بنو اُمیہ کا آخری خلیفہ مروان بن محمد بصرہ کے مقام پر قتل ہو چکا تو عباسیوں کے لئے سب سے ضروری کام بنو اُمیہ کا استحصال تھا لیکن خلافتِ بنو اُمیہ کے قصرِ رفیع کو منہدم کرنے کے کام میں بعض بنو اُمیہ بھی عباسیوں کے شریک ہو گئے تھے اور فاتح عباسیوں کے ساتھ عزت و تکریم کے ساتھ رہتے تھے۔

اس طرح بنو اُمیہ کی نسل کا تخم سوخت ہونا ممکن نہ تھا لیکن ابو مسلم اس کام پر کمر ہمت باندھ چکا تھا۔ اس نے عبداللہ سفاح اور عباسی سرداروں کو بار بار لکھا کہ بنو اُمیہ کے کسی فرد کو چاہے وہ کیسا ہی ہمدرد اور بہی خواہ کیوں نہ ہو، ہرگز زندہ نہ چھوڑا جائے۔

ابو مسلم خراسانی کے اس مشورے پر خوب عمل ہوا۔ بعض افراد ایسے بھی تھے جنہوں نے بڑی بڑی جمعیت کے ساتھ عین نازک اور خطرناک موقعوں پر عباسیوں کی شرکت اور اُموی خلیفہ کی بغاوت اختیار کر کے نہایت اہم مدد پہنچائی تھی۔ ان کو قتل کرنے میں انسانی شرافت مانع نہ تھی۔

چنانچہ ابو مسلم نے جب یہ اندازہ لگایا کہ بنو عباس ان لوگوں پر ہاتھ نہیں اٹھا رہے جن کا تعلق بنو اُمیہ سے ہے اور جن کے ساتھ اچھے اور بہتر تعلقات ہیں اور جو اخلاق کے اعلیٰ معیار پر قائم ہیں۔ چنانچہ اس کام کو کرنے کے لئے ابو مسلم نے ایک انتہائی گھٹیا

اور گھناؤنا کھیل شروع کیا۔ بنو اُمیہ کا مکمل طور پر خاتمہ کرنے کے لئے ابو مسلم نے یہ اہتمام کیا کہ شاعروں اور مصاحبوں کو، جو عباسی خلیفہ اور عباسی سپہ سالاروں کے دربار میں آمد و رفت رکھتے تھے، رشوتیں بھیج بھیج کر اور اپنی جانب سے لوگوں کو یہ تعلیم دے دے کر روانہ کیا کہ دربار میں جا کر ایسے اشعار پڑھیں اور ایسی باتیں کریں کہ جن سے بنو اُمیہ کی نسبت عباسیوں کا غصہ بھڑکے اور ان کی طبیعت میں انتقام اور قتل کے لئے اشتعال پیدا ہو گئے۔ چنانچہ اس کی کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ عباسیوں نے چن چن کر ہر ایک بنو اُمیہ کو قتل کیا۔ سفاح نے سلیمان بن ہشام بن عبدالملک کو سرِ دربار ایک ایسے ہی شاعر کے اشتعال انگیز اشعار سن کر بلا توقف قتل کر دیا۔ حالانکہ سلیمان بن ہشام، عبداللہ سفاح کی مصاحبت میں موجود اور اس کا بڑا ہمدرد، نیک اور درد مند انسان تھا۔

عبداللہ بن علی جن دنوں فلسطین کی طرف تھا، نہر ابی فطرس کے کنارے دستر خوان پر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا اور 90/80 کے لگ بھگ بنو اُمیہ کے لوگ جو اس کے ساتھی، اس کے ہم نوا، اس کے دوست، اس کے مخلص اور نیک لوگ تھے، اس کے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ اسی اثناء میں شاعر شبل بن عبداللہ آ گیا۔ اس نے فوراً اپنے اشعار پڑھنے شروع کر دیئے جن میں بنو اُمیہ کی مذمت اور ان کے قتل کی ترغیب دی گئی تھی۔

یہ اشعار سن کر عبداللہ بن علی یعنی جو بنو عباس کے پہلے خلیفہ کا چچا تھا، حرکت میں آیا، اسی وقت حکم دیا کہ بنو اُمیہ کے ان سب 90/80 افراد کو قتل کر دو۔ اس پر اس کے خادموں نے فوراً قتل کرنا شروع کر دیا۔ ان میں سے بہت سے ایسے تھے جو بالکل گئے تھے۔ بعض ایسے بھی تھے جو زخمی ہو کر گر پڑے تھے مگر ابھی ان میں دم باقی تھا۔

اس عبداللہ بن علی نے جس میں انسانیت نام کی کوئی چیز نہ تھی، دوسرا کام یہ کیا کہ اس نے ان سب مقتول اور زخمیوں کی لاشوں کو لٹا کر اس پر دستر خوان بچھوایا اور دستر خوان پر کھانا چنا گیا اور عبداللہ بن علی مع ہمراہیوں کے پھر اس دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھانے میں مصروف ہوا۔ یہ لوگ کھانا کھا رہے تھے اور ان کے نیچے وہ زخمی پڑے تھے جو ابھی مرے نہیں تھے، کراہ رہے تھے۔ حتیٰ کہ یہ کھانا کھا چکے اور وہ سب مر گئے۔ ان مقتولوں میں محمد بن عبدالملک بن مروان اور عبدالواحد بن سلیمان بن سعید بن عبدالملک اور ابو عبیدہ بن ولید بن عبدالملک بھی شامل تھے۔

اس کے بعد عبداللہ بن علی بن عباس نے خلفائے بنو اُمیہ کی قبروں کو کھدوایا، عبدالملک کی قبر سے اس کی کھوپڑی برآمد ہوئی۔ امیر معاویہؓ کی قبر سے کچھ نہیں نکلا۔ بعض قبروں سے بعض بعض اجزاء برآمد ہوئے۔ باقی سب مٹی بن چکے تھے۔ ہشام بن عبدالملک کی قبر کھودی گئی تو صرف ناک کی اونچائی ضائع ہوئی تھی، باقی تمام لاش صحیح سالم تھی۔ چنانچہ عبداللہ بن علی نے اس لاش کو کوڑے لگوائے، پھر اس کو صلیب پر چڑھایا، پھر جلا کر اس کی راکھ کو ہوا میں اُڑا دیا۔ اس کے علاوہ عبداللہ بن علی کے بھائی سلیمان بن علی بن عبداللہ بن عباس نے بصرہ میں بنو اُمیہ کے ایک گروہ کو قتل کر کے لاشوں کو راستے میں پھکوا دیا اور دفن کرنے کی ممانعت کر دی۔ لاشوں کو مدتوں کتے کھاتے رہے۔

عبداللہ بن علی کے دوسرے بھائی یعنی سفاح کے چچا داؤد بن علی نے مکہ و مدینہ اور حجاز و یمن میں چن چن کر لوگوں کو قتل کرایا اور بنو اُمیہ سے کسی کا نام و نشان باقی نہ رکھا۔ غرض تمام ممالک میں حکم جاری کر دیا گیا کہ جہاں کوئی بنو اُمیہ نظر آئے، ان کو بلا دریغ قتل کر دیا جائے۔

مختلف صوبوں کے والی اور شہروں کے حاکم جو عموماً عباسی تھے، اپنی جگہ اس تجسس میں مصروف رہنے لگے کہ کہیں کسی بنو اُمیہ کا پتہ چلے اور اس کو قتل کیا جائے۔

یہاں تک کہ جس طرح کسی درندے کا شکار کرنے کے لئے لوگ گھر سے نکلتے ہیں اسی طرح بنو اُمیہ کا شکار کرنے کے لئے یہ لوگ روزانہ اپنے گھروں سے نکلتے تھے۔ بنو اُمیہ کے لئے کوئی مقام، کوئی گاؤں، کوئی قصبہ، کوئی شہر، کوئی گلی، کوئی کوچہ امن کے لئے سودمند نہ تھا اور برسوں ان کو تلاش کر کر کے عباسی لوگ قتل کرتے رہے۔

خراسان میں ظالم ابو مسلم نے یہ کام اور بھی زیادہ اہتمام اور ہمت کے ساتھ انجام دیا۔ اس نے نہ صرف بنو اُمیہ کے ان لوگوں کو جنہوں نے کبھی نہ کبھی بنو اُمیہ کی کوئی حمایت یا خدمات انجام دی تھیں، قتل کرا دیا۔ اس قتل عام میں جو لوگ بچ بچ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگ کر جا سکے، انہوں نے اپنا بھیس بدل بدل کر نام اور قوم دوسری بتا کر سرحدوں کا رخ کیا۔

خراسان کے صوبوں اور ولایتوں میں یہ قتل عام چونکہ بہت زیادہ سخت اور شدید تھا لہٰذا یہاں جو بنو اُمیہ اور ان کے ہمدرد قبائل تھے وہ سندھ اور کوہستانِ سلیمان اور کشمیر کی

طرف بھاگ کر پناہ گزین ہوئے۔ جن لوگوں نے اپنے قبیلوں کے نام بدل لئے تھے وہ بھی رفتہ رفتہ اسلامی حکومت کی حدود سے باہر نکل آئے۔ اس لئے کہ ان کو سلطنت عباسیہ کی حدود میں اطمینان نصیب نہیں ہو سکتا تھا۔

یہ مفرور عرب قبائل جو سندھ، کشمیر، پنجاب وغیرہ کی طرف بھاگ کر آئے تھے، ان کی نسلیں کہا جاتا ہے کہ آج تک ہندوستان میں موجود ہیں اور اپنے بدلے ہوئے ناموں، پیشوں کی وجہ سے اپنے عربی نژاد ہونے کو بھول گئی ہیں۔

بنو اُمیہ کا ایک شہزادہ عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام، بنو عباس کا شکار ہوتے ہوتے بال بال بچ گیا اور فرار ہو کر مصر اور قیروان سے ہوتا ہوا اُندلس پہنچ گیا۔ اُندلس چونکہ دعوتِ عباسیہ کے اثر سے نسبتاً پاک تھا اور وہاں بنو اُمیہ کے بہی خواہ بکثرت موجود تھے، لہٰذا اُندلس پہنچتے ہی وہ اس سرزمین پر قابض ہو گیا اور ایک ایسی سلطنت کی بنیاد ڈالی اور اس سلطنت کو اس نے ایسا کامیاب کیا جس کو عباسی خلفاء ہمیشہ رشک کی نگاہوں سے دیکھتے رہے اور اپنے پورے دور میں اُموی سلطنت کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔

بنو عباس کی ان ظالمانہ اور جابرانہ کارروائیوں کو دیکھ کر لوگوں کی آنکھیں کھلیں۔ اور جب بنو اُمیہ کا آخری خلیفہ مروان بن محمد مارا گیا اور لوگوں نے یہ دیکھا، بنو اُمیہ نے تو کچھ ظالم کئے ہی نہیں، یہ بنو عباس تو ان کو بہت پیچھے چھوڑ گئے ہیں، ان کی نسبت یہ نہایت ظالم اور جابر ثابت ہوئے ہیں، لہٰذا مختلف مقامات پر ان کے خلاف بغاوتیں اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ سب سے پہلے بلقا کے علاقے کا حبیب بن مرۃ، جو حاکمِ بلقا تھا، اُٹھا اور بنو عباس کے پہلے خلیفہ سفاح کے خلاف اُس نے علمِ بغاوت کھڑا کیا۔ دوسری طرف قنسرین کا حاکم بھی بغاوت پر آمادہ ہو گیا۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ بنو عباس کے حق میں بیعت کر چکا تھا۔ اہلِ حمص بھی اس کے شریک ہو گئے۔ دوسری طرف آرمینیا کے حاکم اسحٰق نے عباسیوں کے خلاف علمِ بغاوت کھڑا کر دیا۔

تمام بغاوتوں کو فرو کرنے کے لئے عبداللہ سفاح نے اپنے سرداروں اور رشتہ داروں کو بھیجا اور اپنے مظالم اور جبر کو آگے بڑھاتے ہوئے بتدریج ان باغیوں کے خلاف کامیابی حاصل کی۔

لیکن واسط کا حاکم یزید بن عمر بن جبیرہ ان کے جبر، ان کے ظلم، ان کے استبداد سے بچا ہوا تھا اور ان کی اطاعت کرنے پر بھی آمادہ نہیں تھا۔ آخر مجبور ہو کر یزید بن عمر

بن جبیرہ نے عباسیوں کے پہلے خلیفہ عبداللہ سفاح سے صلح کر لی اور اس کی بیعت پر آمادہ ہو گیا۔ لیکن ابو مسلم خراسانی بچپن سے ظالم اور عربی عناصر کا دشمن تھا۔ اُسے یہ بات گوارا نہ ہوئی۔ اُس نے خراسان سے عبداللہ سفاح کو لکھا کہ یزید بن عمر کا وجود بے حد خطرناک ہے، اس کو قتل کر دو۔ لہٰذا دھوکا سے قتل کر دیا گیا۔

اب بنو عباس کے خلاف کوفہ میں ابو سلمہ باقی رہ گیا تھا۔ بظاہر کوئی موقع اس کے قتل کا حاصل نہ تھا اور اس کا نمبر سب سے بعد اس لئے آیا کہ علویوں کی قوت اس ابو سلمہ کے ساتھ تھی چنانچہ اس ابو سلمہ سے متعلق بھی ابو مسلم نے خلافت عباسیہ کو مشورہ دیا کہ ابو سلمہ کو فوراً قتل کرا دو۔

اس پر پہلے عباسی خلیفہ عبداللہ سفاح نے اپنے چچا داؤد بن علی کے مشورے سے ابو مسلم کو لکھا کہ اگر ہم اس کو قتل کرا دیں گے تو اس ابو سلمہ کے طرف دار علویوں کی جانب سے اعلانیہ مخالفت اور بغاوت کا خطرہ ہے تو وہاں سے کسی شخص کو بھیج دو، جو ابو سلمہ کو قتل کر دے۔

ابو مسلم تو یہ چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے اس شخص مراد بن انس کو جو بڑا ظالم اور جابر تھا، ابو سلمہ کو قتل کرنے کے لئے مامور کیا اور بھیج دیا۔ مراد نے کوفہ میں آ کر ایک روز کوفہ کی کسی گلی میں جبکہ ابو سلمہ جا رہا تھا، اس پر وار کیا۔ ابو سلمہ مارا گیا۔ مراد بن انس بھاگ گیا اور لوگوں میں مشہور ہوا کہ خارجی ابو سلمہ کو قتل کر گیا ہے۔ اس قتل کے بعد ابو مسلم نے اور بے شمار لوگوں کو قتل کرایا۔ ابو مسلم نے چن چن کر ہر اُس شخص کو جو اس کی مخالفت کر سکتا تھا، قتل کرا دیا)

اقلیما جب محمد بن اشعث اور وہاں بیٹھے لوگوں کو بنو اُمیہ کے قتل کی واردات سے متعلق تفصیل سے بتا چکی، تب ابنِ اشعث نے کچھ سوچا اور اقلیما کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اے بنتِ مروان! میں دیکھتا ہوں، باہر برف باری تھم گئی۔ اب میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ یہاں سے کوچ کروں گا۔ اگر تم برا نہ مانو تو مجھے اپنی طرف سے کوئی ایسی چیز دے دو جس سے تمہاری بڑی بہن اِرم شناسا ہو۔ اس لئے کہ جب ہم اس کی تلاش میں نکلیں گے اور اللہ کرے وہ ہمیں مل جائے اور جب مل جائے تو ہو سکتا ہے وہ ہم پر بھروسہ اور اعتماد نہ کرے۔ اگر تمہاری طرف سے کوئی چیز ہمارے پاس ہو گی، جس کو وہ پہچان سکے تو پھر میرے خیال میں وہ ہم پر اعتماد اور بھروسہ کر لے۔ اس طرح اُس

سے مل جانے کے بعد ہم بڑی آسانی کے ساتھ اسے تمہارے پاس لا سکیں گے۔''

محمد بن اشعث جب خاموش ہوا تب اقلیما نے ایک لمبا سانس لیا اور کہنے لگی۔

''آپ کا کہنا ٹھیک ہے۔ اگر آپ لوگوں کو میری بہن مل بھی جاتی ہے تو میرے خیال میں وہ آپ پر اعتماد اور بھروسہ نہیں کرے گی۔''

اس کے ساتھ ہی اقلیما نے کچھ سوچا، پھر چونکی، اپنی انگلی سے ایک انتہائی قیمتی ہیرا جڑی انگوٹھی اس نے اُتاری، اپنی جگہ سے اُٹھی، محمد بن اشعث کے سامنے آئی اور انگوٹھی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہنے لگی۔

''یہ اپنے پاس رکھیں۔ ہمارے بابا نے ایسی انگوٹھیاں ہم دونوں بہنوں کو دی تھیں۔ میری بہن کے پاس بھی ایسی ہی انگوٹھی ہے۔ اللہ کرے وہ آپ کو جب مل جائے، یہ انگوٹھی جب آپ دکھائیں گے تو یقیناً میری بہن آپ پر اعتماد اور بھروسہ کرے گی۔''

محمد بن اشعث نے وہ انگوٹھی لے کر محفوظ کر لی، پھر اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑا ہوا۔ سالم بن تماضر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''باہر برف باری تھم گئی ہے۔ اب میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ یہاں سے کوچ کروں گا۔ میں اور میرے ساتھی آپ کے ممنون اور شکر گزار ہیں۔ اس کہ آپ نے ہماری مہمان نوازی کا اہتمام کیا۔''

اس پر بڑی ممنونیت سے سالم بن تماضر بول اُٹھا۔

''بیٹے! کس قسم کی گفتگو کر رہے ہو؟ ہمیں تمہارا شکر گزار اور ممنون ہونا چاہئے کہ اس سرائے میں داخل ہو کر ان شیطانوں سے آپ نے عدی بن عمیر کی جان چھڑائی اور ہمیں اس لحاظ سے بھی آپ کا ممنون ہونا چاہئے کہ اب آپ اقلیما کی حفاظت کرنے کے بعد اس کی بہن کو تلاش کرنے کی بھی ہامی بھر چکے ہیں۔ اب جبکہ آپ یہاں سے رخصت ہونے والے ہیں تو میری آپ سے گذارش ہے کہ ہمارے ہاں آتے رہیے گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد سالم بن تماضر کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لئے کہ اس کی بیٹی کلثوم بول اُٹھی تھی۔

''بھائی! اسے آخری ملاقات نہ سمجھئے گا۔ میرا نام کلثوم ہے۔ میرے بابا آپ سے میرا تعارف کرا چکے ہیں۔ جہاں کہیں بھی آپ جائیں اور فارغ ہوں تو یہ ضرور یاد رکھئے

گا کہ اس سرائے کی اس ملحقہ حویلی میں کلثوم نام کی ایک بہن بھی رہتی ہے اور مجھے اُمید ہے کہ ہمارا بھائی کبھی کبھی ہم سے ملنے ضرور آیا کرے گا۔‘‘

محمد بن اشعث مسکرایا اور کہنے لگا۔’’خداوند نے چاہا تو ایسا ہی ہوگا۔‘‘

اس پر عدی بن عمیر بول اُٹھا۔

’’بیٹے! عباسیوں کے جن چھ کارکنوں کا تم نے خاتمہ کیا ہے، انہیں تو ہم نے دفن کر دیا ہے۔ ان کی کسی کو خبر نہیں ہوگی۔ اوپر سے بارش اور برف باری بھی ہے۔ ان کے گھوڑوں اور قدموں کے جو نشانات تھے، وہ بھی ختم ہو چکے ہیں۔ بیٹے! ان کی ایک نشانی رہ گئی ہے۔ وہ ان کے چھ گھوڑے ہیں۔ ہماری تم سے التماس ہے وہ گھوڑے اپنے ساتھ لیتے جاؤ۔ کہیں بیچ کر رقم حاصل کر لینا۔ ان گھوڑوں کو یہاں رکھنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔‘‘

عدی بن عمیر جب خاموش ہوا تب سالم بن تماضر کہنے لگا۔

’’عدی بن عمیر کا کہنا درست ہے۔ وہ گھوڑے آپ اپنے ساتھ لے جائیں۔ وہ ہمارے لئے خطرہ بن سکتے ہیں۔‘‘

اس کے بعد محمد بن اشعث اور اس کے ساتھی حرکت میں آئے۔ سب سے انہوں نے الوداع کہا، گھوڑوں کو اصطبل سے نکالا، چاروں اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور مرنے والوں کے گھوڑوں کو اپنے آگے آگے ہانکتے ہوئے وہ وہاں سے کوچ کر گئے تھے۔

آسمان پر گہرے بادل بنے ہوئے تھے تاہم برف باری رکی ہوئی تھی۔

محمد بن اشعث، روح بن حاتم، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس چاروں اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے دریائے آمو کی پرانی گزرگاہ کی طرف جا رہے تھے۔ راستے میں انہوں نے اپنے ہاتھوں مارے جانے والے چھ اوباشوں کے گھوڑوں کو بیچ دیا تھا۔ یہ گزرگاہ شمال سے جنوب تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس لئے کہ دریائے آمو اس سے پہلے بحیرۂ کیسپین یعنی بحیرۂ خزر میں گرتا تھا لیکن اس نے اپنا رخ بدلا اور بحیرۂ کیسپین کی بجائے وہ بحیرۂ خوارزم میں گرنے لگا۔

کوہستانی سلسلے میں سے ہوتے ہوئے ابھی وہ دریائے آمو کی پرانی گزرگاہ کے کنارے ملیکہ نام کی بستی کے قریب ہی تھے کہ اچانک ایک طرف سے ایک گھڑسوار اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا آیا۔ وہ ان کے پاس سے گزر کر آگے بڑھنے لگا۔ اس کا رخ بھی دریائے آمو کی پرانی گزرگاہ کی طرف تھا۔ ان کے پاس سے تھوڑا سا آگے جا کر ایک دم اس نے اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچتے ہوئے روک لیا، پھر گھوڑے کو اس نے پلٹایا، قریب آیا اور بڑے تعجب اور کسی قدر حیرت سے محمد بن اشعث کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

’’ابنِ اشعث! میرے محترم! آپ یہاں؟......... خیریت تو ہے؟‘‘

اس پر ابنِ اشعث غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

’’میں نے تمہیں پہچانا نہیں۔‘‘

اس پر وہ نوجوان کہنے لگا۔

’’بھلے آپ مجھے پہچانیں یا نہ پہچانیں لیکن ہم تو آپ کو اپنا امیر خیال کرتے ہیں۔

دراصل یہاں سے لگ بھگ دس فرسنگ مشرق میں ایک مہم کے سلسلے میں ابو مسلم خراسانی نے اپنے لشکر کے ساتھ قیام کر رکھا ہے۔ اسی نے مجھے اس سمت بھیجا ہے۔ یہاں دریائے آمو کی پرانی گزرگاہ کے کنارے ملکیہ نام کی ایک بستی ہے۔ وہاں کا ایک پارسی سردار مرداویخ ہے۔ اسے ابو مسلم خراسانی نے فی الفور اپنے پاس طلب کیا ہے۔''

اس قاصد کے ان الفاظ پر محمد بن اشعث چونکا اور کہنے لگا۔

''اگر یہ معاملہ ہے تو کیا میرا ایک کام کر گزرو گے؟''

وہ نوجوان مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''امیر واہ! آپ نے بھی یہ خوب کہی۔ ایک کام چھوڑ، آپ کی خاطر تو میں سینکڑوں کام کرنے کے لئے تیار ہوں۔''

''اچھا یہ بتاؤ، تم مرداویخ کو لے کر کب واپس آؤ گے؟ اور ابو مسلم خراسانی کی طرف کب جاؤ گے؟''

وہ نوجوان غور سے محمد بن اشعث کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میرے لئے ابو مسلم خراسانی کا حکم یہی ہے کہ میں آج ہی اسے لے کر واپس اس کے لشکر کی طرف جاؤں۔''

''اس آدمی کو اس نے اپنے پاس کیوں بلایا ہے؟'' غور سے اس قاصد کی طرف دیکھتے ہوئے محمد بن اشعث نے پوچھ لیا تھا۔

''میں یہ تو نہیں جانتا کیوں بلایا ہے لیکن ابو مسلم خراسانی نے مجھے یہ ضرور کہا تھا کہ مرداویخ کو صرف یہ کہنا کہ ان دنوں اس کے لئے اپنی بستی میں رہنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ لہٰذا فی الفور اپنی حفاظت کی خاطر اس کے پاس اس کے لشکر میں پہنچ جائے۔ امیر! آپ نے بتایا نہیں کہ آپ مجھ سے کون سا کام لینا چاہتے ہیں؟''

محمد بن اشعث نے کچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔

''یہ جو تم پیچھے کوہستانی سلسلہ چھوڑ کر آئے ہو، وہ شاہکاہ کوہستانی سلسلے کے اندر سے ہو کر گزرتی ہے؟''

قاصد نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''آپ کا اندازہ درست ہے۔ ڈیڑھ سے دو فرسنگ تک یہ شاہراہ کوہستانی سلسلوں سے گھری ہوئی ہے۔''

اس پر کسی قدر اطمینان بھرے انداز میں محمد بن اشعث کہنے لگا۔

''اگر یہ معاملہ ہے تو پھر جاؤ، مرداویخ کو بلا کر لاؤ۔ میں بھی اسی کی طرف جا رہا ہوں۔ اچھا ہوا تم راستے میں مل گئے بلکہ میں یہ خیال کرتا ہوں کہ تم نے کسی حد تک میرا کام آسان کر دیا ہے۔ تم جانتے ہو میرے منہ بولے چچا عثمان بن کثیر کو ابو مسلم خراسانی کے کہنے پر کسی نے قتل کیا تھا۔ اب مجھے پتہ چلا ہے کہ قتل کرنے والا یہ مرداویخ ہی تھا۔ لہٰذا جب تم اسے بلا کر اپنے ساتھ لاؤ گے تو میں اسی شاہراہ پر اسے روکوں گا جو شاہراہ کوہستانی سلسلے سے ہو کر گزرتی ہے اور اسی شاہراہ پر اس سے اپنا حساب بے باق کر لوں گا۔ تم واپس جا کر ابو مسلم خراسانی سے کہنا کہ جس وقت تم مرداویخ کو لے کر آ رہے تھے، راستے میں کوئی حملہ آور ہوا اور مرداویخ کا کام تمام کر کے رکھ دیا۔''

اس پر خوف بھرے انداز میں وہ قاصد کہنے لگا۔

''لیکن مرداویخ اکیلا تو نہیں ہوگا۔ اس کے ساتھ اس کے کافی محافظ اور جنگجو ہوں گے۔ اس بناء پر آپ چاروں کیسے اس کا مقابلہ کریں گے؟ وہ ایک نامور پارسی سردار ہے اور جس کے تعلقات ابو مسلم سے گہرے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد قاصد کچھ دیر کو رکا، پھر کہنے لگا۔

''امیر! جہاں تک ابو مسلم کا تعلق ہے تو وہ آپ پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت اور جسارت نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ اسے اور اس کے وزیروں، سالاروں اور سرکردہ لوگوں کو خبر ہے کہ عباسی خلیفہ سفاح کے بھائی ابوجعفر منصور نے آپ کو اپنا بیٹا بنا رکھا ہے اور جہاں کہیں بھی جاتے ہیں، ابوجعفر منصور کو خبر ہوتی ہے کہ آپ کہاں ہیں۔ اس بناء پر ابو مسلم خراسانی یا اس کے ساتھی آپ پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو ابوجعفر ان کا قتل عام کرنے میں ایک لمحہ کی بھی دیر نہیں کرے گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد وہ قاصد جب رکا تب اسے مخاطب کرتے ہوئے محمد بن اشعث کہنے لگا۔

''اگر یہ بات ہے تو جو کچھ میں نے کہا ہے اس سے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟''

قاصد مسکرایا اور کہنے لگا۔

''میرا خیال، وہی ہے جو آپ کا ہے۔ امیر! آپ کے کام کی تکمیل کے لئے تو میں ہر کام کو رد کر سکتا ہوں۔ میں پہلے آپ کے تحت کام کرنے والے لشکر میں شامل تھا لیکن

جب انبار شہر سے ابو مسلم کو ایک مہم کے سلسلے میں کمک بھیجی گئی تو اس کمک میں مجھے بھی شامل کر دیا گیا۔ تب سے میں اس کے لشکر میں شامل ہوں۔''

اس قاصد کے ان الفاظ پر محمد بن اشعث مسکرایا اور کہنے لگا۔

''تمہاری اس گفتگو نے مجھے خوش کر دیا ہے۔ کیا تمہارے علاوہ ابو مسلم خراسانی کے لشکر میں کوئی اور بھی ہے جو تمہارا ساتھی ہونے کے ساتھ ساتھ میرا ہمنوا بھی ہو؟''

اس پر اُس قاصد کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا اور کہنے لگا۔

''امیر! میرا نام عمیس بن حزام ہے۔ ابو مسلم خراسانی کے لشکر میں میرا ایک اور ساتھی بھی ہے۔ نام اس کا ولید بن جعفر ہے۔ وہ بھی میری طرح اس سے پہلے آپ کے تحت کام کرتا رہا ہے اور میرا ہمنوا ہے۔ جس طرح میں ابو مسلم خراسانی کی قتل و غارت گری کی کارروائیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اسی طرح وہ بھی ابو مسلم خراسانی کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔''

محمد بن اشعث مسکرایا، پھر اس نے اپنے گھوڑے کی زین میں بندھی ہوئی خرجین میں ہاتھ ڈالا، نقدی کی ایک تھیلی نکالی، اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس کے قریب گیا اور نقدی کی وہ تھیلی اس کا ہاتھ پکڑ کر تھماتے ہوئے کہنے لگا۔

''یہ اپنے پاس رکھو۔ تمہارے کام آئے گی۔''

اس پر عمیس بن حزام نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور کہنے لگا۔

''نہیں امیر! میں آپ سے یہ نہیں لوں گا۔ اس طرح یہ بات عیاں ہوگی کہ آپ سے رقم لے کر میں آپ کا یہ کام کر رہا ہوں، جبکہ خدا گواہ ہے میں اپنے کائنات کے رب کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں عمیس بن حزام اور میرا ساتھی ولید بن جعفر دونوں ہی آپ کے لئے مخلص اور بغیر کسی لوبھ و لالچ کے کام کرنے والے ہیں۔''

اس پر محمد بن اشعث نے اس کا ہاتھ پکڑا اور زبردستی تھیلی اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''اگر یہ بات ہے تو یہ تھیلی اپنے پاس رکھو۔ اس نقدی میں سے کچھ ولید بن جعفر کو بھی دینا۔ یوں جانو یہ تمہارا انعام ہے اور تم اس کے حق دار ہو۔''

محمد بن اشعث کے زور دینے پر عمیس بن حزام نے نقدی کی وہ تھیلی لے لی، پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''امیر! آپ اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ کس جگہ گھات لیں گے؟ میں نہیں جانتا مروادیخ اپنے ساتھ کتنے آدمی لے کر آتا ہے۔ یہ جو آپ کے ساتھی ہیں، انہیں میں تو جانتا ہوں، پر آپ کی طرح یہ بھی مجھے نہیں جانتے۔ بہرحال امیر! میں آپ کو مخلصانہ مشورہ دوں گا کہ کسی مناسب جگہ گھات لگائیے جہاں آپ آسانی سے مروادیخ اور اس کے ساتھیوں سے نمٹ لیں۔''

اس پر محمد بن اشعث مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''ابنِ حزام! سن۔ جس جگہ یہ آنے والی شاہراہ کوہستانی سلسلے میں داخل ہوتی ہے، اس کوہستانی سلسلے میں داخل ہونے کے بعد ایک فرسنگ کا فاصلہ پُر امن گزرے گا، اس کے بعد تم اپنی رفتار تیز کرتے ہوئے مروادیخ کے آگے کچھ فاصلہ کر لینا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوگا وہ وقت کی آنکھ، فضاؤں کی بصارت دیکھے گی کہ مروادیخ پر کیا گزرتی ہے۔ میں مروادیخ کو شکل سے نہ جانتا ہوں نہ پہچانتا ہوں۔ لیکن میرا دل کہتا ہے اور مجھے پکی اور پختہ امید ہے کہ اس کوہستانی سلسلے میں، میں مروادیخ سے اپنے چچا کا انتقام لینے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔''

محمد بن اشعث جب خاموش ہوا تب عمیس بن حزام مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''امیر! اب آپ فکر نہ کریں۔ جو پیغام ابو مسلم خراسانی نے مجھے دیا ہے، میں اس میں زیادہ شدت اور خوف پیدا کر دوں گا اور ایسی لفاظی بنا کر مروادیخ کو پیش کروں گا کہ وہ آج ہی میرے ساتھ ابو مسلم کی طرف جانے کے لئے تیار ہو جائے گا آپ بالکل بےفکر رہیں۔ یہ شاہراہ جس وقت کوہستانی سلسلے میں داخل ہوتی ہے، ایک فرسنگ کی مسافت کے بعد میں ان کے آگے ہو جاؤں گا اور ان کے اور اپنے درمیان تھوڑا سا فاصلہ کر لوں گا۔ اس کے بعد آپ اپنی کارروائی کی ابتداء کیجئے گا۔ آپ کی کارروائی شروع ہونے کے بعد میں اپنے گھوڑے سے اُتر کر کسی چٹان کی اوٹ میں چلا جاؤں گا اور یہ ساری کارروائی دیکھتا رہوں گا اور آپ کی کارروائی مکمل ہونے کے بعد میں پھر ابو مسلم خراسانی کی طرف جاؤں گا اور اس سے کہوں گا کہ میں مروادیخ کو لے کر آ رہا تھا کہ راستے میں کچھ لوگ حملہ آور ہوئے جنہوں نے مروادیخ اور اس کے ساتھیوں کا کام تمام کر دیا اور میں بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر بھاگا اور اس کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہوا ہوں۔''

اس پر محمد بن اشعث مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

"اب تم مرداویخ کی بستی ملیکیہ کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس طرف جاتا ہوں جہاں شاہراہ کوہستانی سلسلے میں داخل ہوتی ہے۔ اتنی دیر تک میں ایک تحریر بھی لکھ دوں گا۔ وہ تحریر تم اپنے ساتھ لے جانا اور کسی مناسب موقع پر وہ تحریر کسی تیر کے ساتھ باندھ کر رات کے وقت وہ تیر ابو مسلم کے خیمے کی طرف چلا دینا۔ اگر ایسا موقع نہ ملے تو پھر تیر کسی نہ کسی طرح اس کے خیمے کے قریب زمین میں گاڑ دینا۔ وہ تحریر جب ابو مسلم پڑھے گا تو ایک بار حواس باختہ ضرور ہو گا۔"

عمیس بن حزام نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ پھر محمد بن اشعث کے کہنے پر اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور مغرب کی طرف بڑھ گیا۔ جبکہ محمد بن اشعث، روح بن حاتم، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس اپنے گھوڑوں کو موڑتے ہوئے اور انہیں ایڑ لگاتے ہوئے مشرق میں اس سمت کا رخ کر رہے تھے جہاں مشرق کی طرف جانے والی شاہراہ تھوڑی سی مسافت کے بعد کوہستانی سلسلے میں داخل ہوتی تھی۔

شام سے تھوڑی دیر پہلے عمیس بن حزام مرداویخ اور اس کے دس محافظوں کے ساتھ اس شاہراہ پر نمودار ہوا جو دریائے آمو کی پرانی گزرگاہ کی طرف سے مشرق کے کوہستانی سلسلوں کی طرف آتی تھی۔

آگے آگے عمیس بن حزام تھا اور اس کے پیچھے مرداویخ اور اس کے دس محافظ تھے۔ جب وہ اس جگہ آئے جہاں شاہراہ کوہستانی سلسلے میں داخل ہوتی تھی، تب عمیس بن حزام نے اپنے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی تھی۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے مرداویخ اور اس کے ساتھی بھی اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگاتے ہوئے ان کی رفتار تیز کر چکے تھے۔ اس کے باوجود عمیس بن حزام نے ان کے اور اپنے درمیان خاصا فاصلہ رکھا تھا۔

وہ کوہستانی سلسلے کے اندر لگ بھگ ایک فرسنگ آگے گئے ہوں گے کہ برف سے ڈھکی کوہستانی چوٹیوں کی طرف سے موسلاھار بارش کی طرح کسی نے تیر برسانے شروع کئے۔ اس تیر اندازی کو دیکھتے ہوئے عمیس بن حزام نے زور زور سے چلاتے ہوئے مرداویخ کو مخاطب کر کے کہا۔

"مرداویخ! قریبی چٹان کے پیچھے ہو کر اپنی جان بچاؤ۔"

مرادیخ فوراً گھوڑے سے کود گیا اور ایک قریبی چٹان کی اوٹ میں چلا گیا۔ لیکن اس کے ساتھی تیروں سے چھلنی ہو کر اپنے گھوڑوں سے گر پڑے تھے۔

یہ صورت حال مرداویخ کے لئے بڑی پریشان کن تھی۔ اتنی دیر تک عمیس بن حزام بھی ایک چٹان کے پیچھے جا چکا تھا۔ وہ بیٹھے ہی بیٹھے اس چٹان کی طرف آیا جس کے پیچھے مرداویخ نے پناہ لے رکھی تھی۔ مرداویخ انتہائی پریشانی اور فکرمندی میں عمیس بن حزام کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"ابنِ حزام! اس کوہستانی سلسلے کے اندر میری نہ کسی سے دشمنی تھی نہ عداوت۔ پھر یہ کون لوگ ہیں جنہوں نے ہم پر اس قدر تیز اور موسلادھار بارش کی طرح تیر اندازی کی۔ میں دیکھتا ہوں میرے سارے ہی ساتھی تیروں سے چھلنی ہو کر اپنے گھوڑوں سے گر گئے ہیں۔ دیکھ! میں اور تم ہی بچے ہیں۔ میرا دل کہتا ہے کہ میرے ساتھیوں میں سے اکثر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ اگر کوئی بچا بھی ہے تو اس قدر زخمی ہوگا کہ وہ کام کا نہیں رہے گا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد مرداوخ رُکا، پھر پہلے سے بھی زیادہ دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

"ابنِ حزام! اس سے پہلے میں کئی بار اس کوہستانی سلسلے سے گزرتا رہا ہوں۔ اکثر میں اکیلا بھی آتا جاتا رہا ہوں لیکن کسی نے آج تک مجھ پر تیر اندازی نہیں کی۔ میں سمجھتا ہوں اس کوہستانی سلسلے میں ایک تبدیلی اور انقلاب رونما ہوگیا ہے، جو یقیناً میرے حق میں ایک بری فال سے بھی بدتر ثابت ہو رہا ہے۔"

یہاں تک کہتے کہتے اچانک مرداوخ کو رُک جانا پڑا۔ اس لئے کہ کوہستانی سلسلے کی چوٹی پر محمد بن اشعت، روح بن حاتم، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس نمودار ہوئے۔ وہ اپنے گھوڑوں کی باگیں پکڑے ہوئے تھے۔ پھر اپنے گھوڑوں کی باگیں پکڑے ہی پکڑے وہ کوہستانی سلسلے سے نیچے اُترنے لگے تھے۔ جب وہ قریب آئے تب مرداوخ کا چہرہ ہلدی ہوگیا اور دکھ بھرے انداز میں وہ عمیس بن حزام کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"ابنِ حزام! یہ جو چار اشخاص آ رہے ہیں، میں سمجھتا ہوں یہ تو میری موت ثابت ہوں گے تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں گے، اس سے متعلق تو میں نہیں جانتا لیکن یہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

اس پر عمیس بن حزام تجاہل عارفانہ سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے تعجب کا اظہار کر کے کہنے لگا۔

"یہ کون لوگ ہیں؟ اور کیا تم انہیں جانتے ہو؟"

"ہاں! میں انہیں جانتا ہوں۔" پہلے سے بھی زیادہ کپکپاتی آواز میں مرداوخ نے کہنا شروع کیا تھا۔ "ان میں جو آگے آگے ہے وہ ہماری سلطنت کا نامور سالار محمد بن

اشعت ہے۔ باقی تین روح بن حاتم، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس ہیں اور یہ تینوں محمد بن اشعت کے جانثار ساتھی ہیں۔"

"اگر آگے آگے محمد بن اشعت ہے تو پھر اے مرداوخ! تمہیں محمد بن اشعت اور اس کے ساتھیوں سے کیا خطرہ ہے؟ کیا کسی موقع پر تم نے ان کی حق تلفی کی ہے؟ ان میں سے کسی کے ساتھ زیادتی کی ہے؟"

مرداوخ دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

"ابنِ حزام! لگتا ہے قضا اپنے پَر پھیلائے اور چیختی چلاتی میری طرف بڑھ رہی ہے........" یہاں تک کہتے کہتے مرداوخ کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ محمد بن اشعت اور اس کے پیچھے پیچھے روح بن حاتم، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس قریب آ گئے تھے۔ ان کے قریب آنے پر عمیس بن حزام اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑا ہوا تھا اور محمد بن اشعت کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"میں ابومسلم خراسانی کا قاصد ہوں۔ میرا نام عمیس بن حزام ہے اور میں دریائے آموکی پرانی گزرگاہ کے پاس ملکیہ نام کی بستی کی طرف گیا ہوا تھا۔ میں وہاں سے مرداوخ کو بلا کر لایا ہوں۔ واپس جا رہا تھا تو یہاں تیر اندازی ہوئی۔ میں سمجھتا ہوں تیر اندازی کرنے والے آپ لوگ ہیں۔"

عمیس بن حزام کی اس مصنوعی گفتگو پر محمد بن اشعت مسکرایا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"پہلے یہ بتا کہ مرداوخ کہاں ہے؟"

عمیس بن حزام نے اپنے قریب ہی ایک چٹان کی طرف اشارہ کیا۔ کہنے لگا۔

"مرداوخ بھی یہ میرے قریب ہی بیٹھا ہوا ہے۔"

اس پر چلاتی اور توانا آواز میں محمد بن اشعت نے کہا۔

"مرداوخ! اپنی جگہ پر اُٹھ کر کھڑے ہو جاؤ........ ایسا نہیں کرو گے تو ناحق مارے جاؤ گے۔"

مرداوخ چپ چاپ اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑا ہوا۔ محمد بن اشعت آگے بڑھا، پہلے اس کی کمر سے ہتھیاروں کی پیٹی کھول کر پھینک دی، پھر اس کا بازو پکڑ کر چٹان سے باہر لایا۔ اس موقع پر مرداوخ کانپ رہا تھا۔ چٹان سے باہر لا کر محمد بن اشعت نے اس کا

ہاتھ چھوڑ دیا اور کہنے لگا۔

''مروادخ! کانپ کیوں رہے ہو؟ تم پر کپکپاہٹ کیوں طاری ہے؟ کیا تم سے کوئی بہت بڑا جرم ہو گیا تھا جس کی بناء پر مجھے دیکھتے ہی تمہاری یہ کیفیت ہو گئی ہے؟''

مروادخ نے اپنے آپ کو سنبھالا اور کپکپاتی آواز میں کہنے لگا۔

''میں نے کسی کو کیا نقصان پہنچانا ہے۔ یہ جو اچانک ہم پر تیر اندازی ہوئی اس کی وجہ سے میری یہ حالت ہو گئی ہے۔''

مروادخ جب خاموش ہوا تب اسے مخاطب کر کے محمد بن اشعت کہنے لگا۔

''مجھے پہچانتے ہو، میں کون ہوں؟''

مروادخ نے اپنے ہونٹوں پر مصنوعی مسکراہٹ بکھیر دی، کہنے لگا۔

''بنو عباس کے لشکریوں کا ہر لشکری آپ کو جانتا اور پہچانتا ہے کہ آپ بنو عباس کے سالار محمد بن اشعت ہیں۔ آپ کے ساتھ جو آپ کے تین ساتھی ہیں میں انہیں بھی پہچانتا ہوں۔ یہ مدح بن حاتم، شعیب بن رداح اور حارث بن قیس ہیں۔''

مروادخ کے خاموش ہونے پر محمد بن اشعت کچھ دیر تک اسے کھا جانے والے انداز میں دیکھتا رہا، پھر پوچھا۔

''مروادخ! جانتے ہو ہم نے کیوں تم پر تیر اندازی کی؟ تمہارے ساتھیوں کا اس طرح کیوں خاتمہ کر دیا؟ میرے خیال میں تم نے اندازہ لگا لیا ہوگا۔''

مروادخ بڑی ڈھٹائی سے کہنے لگا۔

''میں کچھ اندازہ نہیں لگا سکا۔ میری آپ سے کوئی عداوت اور دشمنی نہیں ہے، پھر میں کیسے جان جاؤں کہ آپ نے میرے اور میرے ساتھیوں پر اس طرح موت طاری کر دینے والی تیر اندازی کیوں کی ہے؟''

اس پر محمد بن اشعت پہلے کی نسبت زیادہ کھولتے ہوئے لہجے میں مروادخ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''مروادخ! میرے چچا عثمان بن کثیر کو کس نے قتل کیا تھا؟''

مروادخ نے ایک کپکپاتی نگاہ محمد بن اشعت پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔ ''ایسے بڑے اور بھیانک کام یقیناً ابو مسلم خراسانی کے کہنے پر ہی کئے جاتے ہیں۔''

غصہ کی حالت میں محمد بن اشعت نے اپنے چوڑے پھل کی تلوار کھینچ لی تھی۔ اس

بھاری بھر کم چمکتی تلوار کو دیکھ کر مروادخ کانپنے لگا تھا۔

محمد بن اشعت نے اسے مخاطب کیا۔

''میں نے تم سے یہ نہیں کہا کہ کس کے حکم پر میرے چچا عثمان بن کثیر کو قتل کیا گیا، میں نے تم سے یہ پوچھا تھا، قتل کس نے کیا تھا؟ میرے چچا کا قاتل کون ہے؟''

اس پر مروادخ کپکپانے لگا۔ منہ سے کچھ نہ بولا اُس کی یہ کیفیت دیکھتے ہوئے محمد بن اشعت نے اپنی برچھا نما تلوار کی نوک اس کی گردن پر رکھ دی، پھر اس پر ہلکا سا دباؤ ڈالتے ہوئے کہنے لگا۔

''جھوٹ مت بولو۔ جو کچھ میں پوچھ رہا ہوں، سچ بتاؤ ورنہ ایسی ذلت آمیز اور بری موت ماروں گا کہ آنے والی نسلوں کے لئے عبرت بن جاؤ گے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد محمد بن اشعت رکا، پھر سوالیہ انداز میں اسے مخاطب کر کے پوچھا۔

''کیا تم نے عثمان بن کثیر کو قتل نہیں کیا تھا؟''

اس سوال پر مروادخ ہلدی ہو کر رہ گیا تھا۔ کپکپانے لگا تھا۔ محمد بن اشعت نے اپنی تلوار بلند کی اور اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہنے لگا۔

''ابھی بھی وقت ہے، سچ بول جاؤ۔ ورنہ بری طرح مارے جاؤ گے۔''

مروادخ نے کپکپاتی آواز میں کہہ دیا۔

''ہاں...... میں نے عثمان بن کثیر کو ابو مسلم خراسانی کے حکم پر قتل کیا تھا۔''

جونہی مروادخ نے یہ الفاظ ختم کئے۔ محمد بن اشعت کی تلوار بلند ہو کر مروادخ کو خون میں نہلاتی چلی گئی تھی۔ مروادخ لاش کی صورت میں زمین پر گر گیا تھا۔

مروادخ کا خاتمہ کرنے کے بعد آہستہ آہستہ چلتا ہوا محمد بن اشعت عمیس بن حزام کے پاس آیا پہلے اس کا شانہ تھپتھپایا پھر خوش کن انداز میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''ابن حزام! میں تمہارا انتہا درجہ کا شکر گزار اور ممنون ہوں کہ تم نے ہماری منصوبہ بندی کے مطابق کام کیا اور مروادخ اور اس کے ساتھیوں کو اپنے ساتھ لے کر آئے۔''

اس کے ساتھ ہی محمد بن اشعت نے اپنے لباس کے اندر سے تہہ کیا ہوا ایک کاغذ نکالا اور وہ عمیس بن حزام کی طرف بڑھاتے ہوئے کہنے لگا۔

''یہ خط ابو مسلم خراسانی کے نام ہے۔ اس سے متعلق میں پہلے ہی تفصیل کے ساتھ

تمہیں بتا چکا ہوں۔ کسی نہ کسی طرح یہ خط ابو مسلم خراسانی کے خیمے تک پہنچانا ہے اور ابو مسلم خراسانی جب اس خط کو پڑھے گا تو تم دیکھنا اپنے سامنے اس کائنات کو چکراتا اور زمین کو اپنے پاؤں تلے سے ہٹتا ہوا محسوس کرے گا۔''

اس کے بعد عمیس بن حزام اور اپنے تینوں ساتھیوں کے ساتھ ابنِ اشعت نے مرواذیخ اور اس کے ساتھیوں کا جائزہ لیا۔ ان کے پاس سے کافی نقدی ملی۔ اس نقدی کا ایک خاصا بڑا حصہ محمد بن اشعت نے عمیس بن حزام کے حوالے کیا، باقی کی نقدی اپنے ساتھیوں روح بن حاتم، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس میں بانٹ دی تھی۔ اس کے بعد عمیس بن حزام کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''ابنِ حزام! اب تم اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ ہم جس کام کے لئے ان سرزمینوں کی طرف آئے تھے، اس کام کی تکمیل کر چکے ہیں۔ اب ہم واپس اپنی منزل کا رخ کریں گے۔''

محمد بن اشعت کے کہنے پر عمیس بن حزام اپنے گھوڑے پر سوار ہوا، ہاتھ ہلا کر سب کو الوداع کہا، پھر اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر وہ کوہستانوں سے گھری ہوئی اس شاہراہ پر اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑا رہا تھا۔

محمد بن اشعت کچھ دیر وہاں کھڑا رہا، پھر اپنے تینوں ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ''میرے عزیز بھائیو! ہم اب یہاں سے انبار کا رخ کریں گے۔ وہاں پہنچ کر اپنے کچھ ساتھیوں کو مقرر کرنا۔ جن کو تم مقرر کرو گے وہ ہمارے جانثار اور قابلِ اعتماد ہونے چاہئیں اور ان کے ذمہ یہ کام لگانا کہ وہ استر آباد اور طبرستان کے درمیانی علاقوں میں اِرم نام کی کسی لڑکی کو تلاش کرنے کی کوشش کریں۔ اگر وہ لڑکی مل گئی تو اسے لے کر ہم جرجان میں افکیما کے پاس جائیں گے۔ جب دونوں بہنیں اکٹھی ہو جائیں گی تو پھر میرا خیال ہے یہ فیصلہ کریں گی کہ وہ یہاں رہنے کی بجائے اُندلس جانا پسند کریں گی۔ چونکہ میں ان کے تحفظ اور حفاظت کا وعدہ کر چکا ہوں لہٰذا ان دونوں کو لے کر افریقہ کی بندرگاہ طنجہ کا رخ کریں گے اور وہاں انہیں اندلس کی طرف جانے والے جہاز میں بٹھانے کے بعد ہم واپس آجائیں گے۔''

محمد بن اشعت کے ان تینوں ساتھیوں نے جب اس سے اتفاق کیا تب محمد بن اشعت کے کہنے پر سب اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے، اس کے بعد انہوں نے اپنے

گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور ایک سمت انہیں سرپٹ دوڑا دیا تھا۔

چاروں اپنے گھوڑوں کو اس شاہراہ پر سرپٹ دوڑا رہے تھے جو جرجان اور طوس کے درمیانی حصہ سے نکل کر استر آباد، وہاں سے طبرستان، قزوین اور ہمدان سے ہوتی ہوئی دریائے فرات کی طرف انبار شہر کی طرف جاتی تھی۔ بنو اُمیہ کے دارالحکومت دمشق کے برخلاف بنو عباس کے پہلے خلیفہ سفاح نے انبار شہر کو اپنا دارالسلطنت بنایا تھا اور انبار شہر کے قیام ہی کے دوران اس نے اپنا ایک محل اور اراکینِ سلطنت کے مکان انبار شہر سے ذرا باہر بنوائے۔ یہ چھوٹی سی ایک بستی الگ قائم ہو گئی تھی۔ اس کا نام ہاشمیہ رکھا گیا تھا۔ چنانچہ ایک روز اسی ہاشمیہ نام کی بستی کی ایک حویلی پر محمد بن اشعت دستک دے رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا۔ دروازہ کھلتے ہی جو شخص دروازے کے سامنے نمودار ہوا وہ محمد بن اشعت کا خالہ زاد اور بنو عباس کا بہترین سپہ سالار خازم بن خزیمہ تھا۔ اسے دیکھتے ہی محمد بن اشعت نے اپنے گھوڑے کی باگ چھوڑ دی، بھاگ کر آگے بڑھا اور خازم بن خزیمہ سے بغل گیر ہو گیا تھا۔ پھر انتہائی عقیدت میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے بھائی! آپ سب لوگ خیریت سے تو ہیں؟''

خازم بن خزیمہ مسکرایا اور کہنے لگا۔

''جو سوال مجھے کرنا چاہئے وہ پہلے تم مجھ سے کر رہے ہو۔ خیریت تو ہمیں تمہاری دریافت کرنی چاہئے۔ ہم تو سب گھر پر ہیں۔ ہمیں کیا ہونا تھا۔ میں ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی تمہارے ہاں آیا ہوں۔ اس لئے کہ انبار شہر میں بڑی بے چینی سے تمہارا انتظار کیا جا رہا ہے۔''

اس پر محمد بن اشعت غور سے خازم بن خزیمہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''وہ کیوں؟''

''ابنِ خزیمہ مسکرایا اور کہنے لگا۔

''اس سوال کا جواب میں دروازے پر ہی کھڑے ہو کر نہیں دوں گا۔ پہلے اندر آؤ، پھر تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں۔''

اتنی دیر تک حویلی کے اندر سے محمد بن اشعت کی ماں عبادہ بنت عبداللہ، اس کی چھوٹی بہن خولہ بنت اشعت، خازم بن خزیمہ کی بیوی ربیب بنت اسد اور خازم بن

خزیمہ کا بیٹا مجیر بن خازم باہر نکل آئے تھے۔

سب باری باری محمد بن اشعت سے ملے۔ اس دوران محمد بن اشعت کی چھوٹی بہن خولہ بنت اشعت نے گھوڑے کی باگ پکڑ کر اسے اصطبل کی طرف لے جانا چاہا کہ محمد بن اشعت اس کی طرف گھورنے کے انداز میں دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''یہ تیرا کام نہیں ہے۔ تُو یہیں رک میری بہن! میں گھوڑے کو خود باندھ کر آتا ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی محمد بن اشعت گھوڑے کو اصطبل کی طرف لے گیا اس کا دہانہ اور زین اتارنے کے بعد اور اس سے بندھی ہوئی خرجینیں اپنے کندھے سے لٹکانے کے بعد لوٹا۔ اتنی دیر تک خازم بن خزیمہ نے حویلی کا بیرونی دروازہ بند کر دیا تھا۔ پھر سب جا کر دیوان خانہ میں بیٹھ گئے۔

جونہی محمد بن اشعت ایک نشست پر بیٹھا اور کندھے سے لٹکائی ہوئی دونوں خرجینیں اس نے اپنے سامنے رکھ لیں، اس کی ماں عبادہ بنت عبداللہ اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''بیٹے! کسی اور موضوع پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ بتا کہ جس کام کے لئے تُو نکلا تھا، اس کا کیا بنا؟ میرے بچے! میں اور تیری بہن ہی نہیں، تیرا خالہ زاد خازم بن خزیمہ، اس کی بیوی ربیبہ بنت اسد، بیٹا مجیر ابنِ خوارزم بڑی بے چینی سے تمہارا انتظار کرتے رہے ہیں۔ مجیر گو ابھی چھوٹا ہے لیکن خوارزم کے بعد سب سے زیادہ یہ تم سے مانوس ہے۔ یہ ہر روز تمہارا پوچھا کرتا تھا اور میں کسی نہ کسی بہانے سے اسے مطمئن کر دیا کرتی تھیں۔''

اپنی ماں کے پوچھنے پر محمد بن اشعت نے جرجان کی سرائے میں جانے، وہاں سالم بن تماضر، عدی بن عمیر، اقلیما اور دوسرے لوگوں سے ملاقات اور پھر مالک بن ہیثم کے کارکنوں کا خاتمہ کرنے اور پھر عثمان بن کثیر کے قاتلوں کا پتہ لگانے کے بعد مرداویج کی موت تک کے سارے حالات تفصیل سے سنا ڈالے تھے۔

محمد بن اشعت جب خاموش ہوا تب عبادہ بنت عبداللہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ دوسری طرف خولہ بنت اشعت، ربیبہ بنت اسد اور باقی سب لوگ بھی بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ اس موقع پر خوارزم بن خزیمہ محمد بن اشعت کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''ابنِ اشعت! میرے بھائی! تمہارے پاس آرام کرنے کے لئے صرف دو دن ہیں۔ اس کے بعد مجھے اور تمہیں ایک مہم سونپی جا رہی ہے اور لشکر لے کر ہمیں اس مہم پر روانہ ہونا ہوگا۔ مجھے خلیفہ سفاح نے دو دن پہلے بلایا تھا اور اس مہم کے متعلق تفصیل سے گفتگو کی تھی۔ وہ چاہتا ہے کہ ایک سالار کی حیثیت سے تم بھی اس لشکر میں شامل ہو۔ تم چونکہ سفاح کے بڑے بھائی ابوجعفر کے پسندیدہ آدمی ہو اور اس نے تمہیں اپنا بیٹا بنا رکھا ہے لہٰذا سفاح بھی تمہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ سفاح کا خیال ہے کہ تمہارے ساتھ جانے سے فتح یقینی ہو جائے گی۔ اس بناء پر اس نے مجھے حکم دیا تھا کہ جونہی محمد بن اشعت اس مہم سے لوٹے جس پر گیا ہوا ہے، سفاح کو نہ صرف تمہاری آمد کی اطلاع کی جائے بلکہ تم سفاح کے سامنے پیش ہو تاکہ اس موضوع پر سفاح تم سے گفتگو کرے۔ لہٰذا میں تم سے کہوں کہ نہا دھو لو، اس کے بعد دونوں بھائی سفاح کے پاس چلتے ہیں۔''

اس پر محمد بن اشعت اُٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں خرجینیں اس نے اپنی ماں کے سامنے رکھ دیں اور کہنے لگا۔ ''اماں! ان میں بہت سا سامان ہے جو مجھے ہمارے ہاتھوں مرنے والے لوگوں کے پاس سے ملا۔ اس میں سے کچھ چیزیں ایسی ہیں جو میری بہن خولہ بنت اشعت اور ربیبہ بنت اسد دونوں کے کام آ سکتی ہیں۔''

اس موقع پر محمد بن اشعت کی چھوٹی بہن خولہ بنت اشعت اُٹھی اور محمد بن اشعت کا بازو پکڑتے ہوئے کہنے لگی۔ ''بھائی! آپ میرے ساتھ آئیں۔ میں آپ کو نیا لباس نکال کر دیتی ہوں۔ آپ نہائیں، لباس تبدیل کریں اور پھر بھائی خازم بن خزیمہ کے ساتھ خلیفہ کے پاس چلے جائیں۔''

محمد بن اشعت نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ دونوں بہن بھائی باہر نکلے۔ خولہ بنت اشعت نے اسے ایک نیا لباس نکال کر دیا۔ محمد بن اشعت پہلے نہایا، لباس تبدیل کیا، اس کے بعد اپنی ماں سے اجازت لے کر وہ خازم بن خزیمہ کے ساتھ بنوعباس کے خلیفہ سفاح کی رہائش گاہ کی طرف ہو لیا تھا۔

جہاں تک بنو عباس کے پہلے خلیفہ سفاح کا تعلق ہے تو اس کا پورا نام ابوالعباس سفاح بن محمد علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم ہے۔ ہجری 104ھ میں حمیمہ کے علاقے میں پیدا ہوا، وہیں پرورش پائی۔ اپنے بھائی ابراہیم کا جانشین ہوا۔ اپنے بھائی منصور سے عمر میں چھوٹا تھا۔

بنو عباس علوی اور دوسرے خاندانوں کی نسبت اپنی خلافت کے لئے زیادہ پُر امید تھے اس لئے کہ مشہور مؤرخ ابنِ جریر طبری کا قول ہے کہ جس روز سے حضورؐ نے اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب سے فرمایا تھا تمہاری اولاد میں خلافت آئے گی، اسی روز سے اولادِ عباس خلافت کی امیدوار چلی آتی تھی۔

عبداللہ سفاح خون ریزی، سخاوت، حاضر جوابی، تیز فہمی میں یکتا تھا۔ خلیفہ بننے کے بعد سفاح نے پہلے اپنے چچا داؤد کو کوفہ کی حکومت پر مامور کیا، پھر اس کو حجاز، یمن اور یمامہ کی امارت سونپ دی اور کوفہ پر اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد کو مقرر کر دیا۔

جب ہجری 133ھ میں داؤد کا انتقال ہو گیا تو سفاح نے اپنے ماموں یزید بن عبیداللہ بن عبدالمدان حارثی کو حجاز اور یمن کی اور محمد بن یزید بن عبیداللہ بن عبدالمدان کو یمن کی گورنری پر مامور کیا۔ صفوان بن خینہ کو بصرہ کا عامل مقرر کیا گیا۔ ہجری 133ھ میں اس کو معزول کر کے اس کی جگہ سلیمان بن علی کو سند حکومت عطا کی اور بحرین اور اومان بھی اسی کی حکومت میں شامل کر دیئے تھے۔

ہجری 132ھ میں سفاح کا چچا اسمٰعیل بن علی اہواز کا، دوسرا چچا عبداللہ بن علی شام کا، ابوعون بن ملک بن یزید مصر کا، ابو مسلم خراسانی خراسان اور جبال کا خالد بن برمک وزیرِ مال گزاری مقرر کیا گیا تھا۔

ابو مسلم نے اپنی طرف سے محمد بن اشعث کو فارس کا گورنر بنا کر بھیجا تھا۔ یہ محمد بن اشعث کوئی دوسرا تھا۔ کسی زمانے میں سفاح نے اپنے چچا عیسیٰ بن علی کو فارس کی سند گورنری دے کر بھیجا۔ محمد بن اشعث پہلے پہنچ چکا تھا۔ جب عیسیٰ بن علی پہنچا تو ابنِ اشعث نے اوّل اس کو فارس کی حکومت سپرد کرنے سے انکار کر دیا پھر یہ اقرار لے کر کہ یہ کبھی منبر پر خطبہ نہ دے گا اور جہاد کے سوا کبھی تلوار نہ اٹھائے گا اس کو فارس کی حکومت سپرد کر دی مگر حقیقتاً خود ہی حکمران تھا۔

جب محمد بن اشعث فوت ہو گیا تو سفاح نے اپنے چچا اسمٰعیل بن علی کو فارس کی حکومت پر بھیجا اور محمد بن ثور کو موصل کی حکومت پر بھیجا۔ اہلِ موصل نے محمد بن ثور کو نکال دیا۔ یہ لوگ بنو عباس سے منحرف تھے۔ سفاح سے ناراض ہو کر اپنے بھائی یحییٰ بن محمد علی کو بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ کیا۔ یحییٰ بن محمد نے موصل پہنچ کر قصرِ امارت میں قیام کیا اور اہلِ موصل کے بارہ سربرآوردہ آدمیوں کو دھوکے سے بلا کر قتل کر دیا۔ اہلِ موصل میں اس سے اشتعال پیدا ہو گیا اور وہ جنگ کرنے پر تیار ہو گئے۔ یحییٰ نے یہ حالت دیکھ کر منادی کرا دی جو شخص جامع مسجد میں چلا آئے گا اس کو امان دی جائے گی۔ یہ سن کر لوگ جامع مسجد کی طرف دوڑ پڑے۔

جامع مسجد کے دروازے پر یحییٰ نے اپنے مسلح آدمیوں کو کھڑا کر دیا تھا۔ جو شخص جامع مسجد کے اندر جاتا تھا، قتل کر دیا جاتا تھا۔ اس طرح اس ظالم یحییٰ بن محمد نے گیارہ ہزار آدمیوں کو قتل کیا۔ پھر شہر میں قتل عام کیا گیا۔ رات ہوئی تو یحییٰ کے کان میں ان عورتوں کے رونے کی آواز آئی جن کے شوہر، باپ، بھائی اور بیٹے ظلماً قتل کر دیئے گئے تھے۔ صبح ہوتے ہی یحییٰ نے حکم دیا کہ عورتوں اور بچوں کو بھی قتل کر دیا جائے۔ پھر تین روز تک لشکر کو اہلِ شہر کا خون مباح اور حلال کر دیا گیا۔ اس حکم کے سنتے ہی شہر میں قتلِ عام بڑی شدت سے جاری ہو گیا تھا۔

یحییٰ کے لشکر میں چار ہزار زنگی بھی تھے۔ زنگیوں نے عورتوں کی عصمت دری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ ہزارہا عورتوں کو پکڑ پکڑ کر لے گئے۔ چوتھے روز یحییٰ گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کی سیر کے لئے نکلا۔ ایک عورت نے ہمت کر کے یحییٰ کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور کہا۔

’’کیا تم بنی ہاشم نہیں ہو؟ کیا تم حضورؐ کے چچا کے لڑکے نہیں ہو؟ کیا تم کو یہ خبر نہیں

ہے کہ مومنات اور مسلمات سے زنگیوں نے جبراً نکاح کر لیا ہے؟''

یہ تیز خنجر جیسے الفاظ سن کر یحییٰ کوئی جواب نہ دے سکا۔ چلا گیا۔ اگلے روز زنگیوں کو تنخواہ تقسیم کرنے کے بہانے سے بلایا۔ جب تمام زنگی جمع ہو گئے تو سب کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔

سفاح کو جب ان حالات کی اطلاع ہوئی تو اس نے اسمٰعیل بن علی کو موصل بھیج دیا اور یحییٰ کو فارس کی حکومت پر تبدیل کر دیا گیا۔

سفاح کے دورِ خلافت میں ہجری 133ھ میں قیصرِ روم نے ملطیہ اور کالیکیا شہر مسلمانوں سے بزورِ شمشیر فتح کر لئے۔ اسی سال میں یزید بن عبیداللہ بن عبدالمدان نے مدینہ سے ابراہیم بن حبان سلمی کو یمامہ کی طرف فوج دے کر روانہ کیا۔ وہاں مثنیٰ بن یزید بن عمر اپنے باپ کے زمانے سے حاکم تھا۔ اس نے ابراہیم کا مقابلہ کیا اور مارا گیا۔ اسی سال بخارا میں شریق بن شیخ مہدی نے ابومسلم کے خلاف خروج کیا اور تیس ہزار سے زیادہ آدمی جمع کر لئے۔ ابومسلم نے زیاد بن صالح کو شریق کے مقابلے پر روانہ کیا۔ شریق نے مقابلہ کیا اور مارا گیا۔

اب ہجری 134ھ آ گیا تھا۔ اور اس سال بسام بن ابراہیم نے بنوعباس کے خلیفہ سفاح کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیا تھا۔ بسام بن ابراہیم کسی دور میں خراسان کا ایک نامور سالار تھا۔ علمِ بغاوت بلند کرنے کے بعد اس نے مدائن شہر پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب اسی بسام بن ابراہیم کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے خلیفہ سفاح خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعت دونوں بھائیوں کو بھیجنا چاہتا تھا۔

خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعت دونوں جب سفاح کے قصر میں داخل ہوئے، ان کے آنے کی اطلاع دی گئی تو سفاح نے انہیں فوراً طلب کر لیا۔ جب وہ اس کے سامنے گئے تو سفاح نے ان کی عزت افزائی کی اور اپنے سامنے عزت و احترام کے ساتھ بٹھایا، پھر محمد بن اشعت کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''تمہارے خالہ زاد خازم بن خزیمہ نے مجھے بتایا کہ تم کسی کام کے سلسلے میں گئے ہوئے تھے۔ اب جبکہ تم واپس آ گئے ہو تو خازم بن خزیمہ نے تمہیں اس مہم کی تفصیل بتا دی ہو گی جس پر تم دونوں نے روانہ ہونا ہے۔ اس کے لئے میں نے اس لشکر کا بھی تعین کر دیا ہے جو تمہارے ساتھ جائے گا۔ میں چاہتا ہوں تم اگر آج آئے ہو تو دو دن آرام

کرو۔ اس کے بعد لشکر لے کر بسام کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ میں چاہوں گا کہ وقت ضائع کئے بغیر تم دونوں بھائی اسے اپنے سامنے زیر کر لو۔ میں تمہارے ساتھ اپنا چوبدار روانہ کرتا ہوں۔ دونوں مستقر کی طرف جاؤ۔ وہ تمہیں اس لشکر کی نشاندہی کر دے گا جس نے تمہارے ساتھ جانا ہے۔''

سفاح کی اس تجویز سے خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعت دونوں نے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ سفاح کے کہنے پر وہ دونوں اس کے چوبدار کے ساتھ ہو لئے تھے۔ راستے میں ایک جگہ محمد بن اشعت رک گیا۔ ایک حویلی کے دروازے پر دستک دی۔ پہلی دستک پر ہی اندر سے محمد بن اشعت کا ساتھی روح بن حاتم نکلا۔ اسے مخاطب کر کے محمد بن اشعت کہنے لگا۔

''میں اور بھائی ابھی سفاح سے مل کر آ رہے ہیں۔ ہم دونوں ایک لشکر لے کر بسام کے خلاف مہم پر نکل رہے ہیں۔''

پھر اپنا منہ محمد بن اشعت روح بن حاتم کے قریب لے گیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ''روح بن حاتم! تم چونکہ کھوجی بھی ہو لہٰذا تمہارے ذمہ میں یہ کام لگاتا ہوں کہ جن لوگوں نے اقلیما کی بہن ارم کو تلاش کرنا ہے ان کے ساتھ جاؤ اور ارم کی تلاش میں تم ان کے ساتھ رہو۔ میری طرف سے شبیب بن رواح اور حرب بن قیس دونوں کو پیغام بھجوا دو کہ وہ میرے پیچھے پیچھے مستقر میں پہنچ جائیں۔ وہ ہمارے ساتھ اس لشکر میں شامل ہوں گے جو بسام کی بغاوت فرو کرنے کے لئے یہاں سے روانہ ہو گا۔''

روح بن حاتم نے محمد بن اشعت کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ اس کے بعد محمد بن اشعت اور خازم بن خزیمہ تھوڑی دیر ہی وہاں رکے ہوں گے کہ روح بن حاتم جلدی جلدی گیا اور شبیب بن رواح اور حرب بن قیس کو بھی بلا کر لے آیا اور اس کے بعد چاروں سفاح کے چوبدار کے ساتھ مستقر کا رخ کر رہے تھے۔ چاروں نے پہلے اس لشکر کا معائنہ کیا جس نے بسام کی بغاوت فرو کرنے کے لئے ان کے ساتھ جانا تھا۔ اس لشکر کو تیار رہنے کا حکم دینے کے بعد وہ اپنی اپنی حویلی کی طرف چلے گئے تھے۔

دو دن بعد چاروں لشکر لے کر بسام کی بغاوت فرو کرنے کے لئے مدائن کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

❀❀❀

حسین و خوبصورت اقلیما ایک روز سالم بن تماضر کی حویلی میں دیوان خانے میں اکیلی بیٹھی تھی کہ تھوڑی دیر بعد کلثوم بنتِ سالم اور اس کی ماں رملہ بھی دیوان خانہ میں داخل ہوئیں۔ اقلیما کے سامنے بیٹھتے ہوئے کلثوم کہنے لگی۔

''آپی! میں نے کھانا تیار کر لیا ہے۔ اگر بھوک محسوس کرتی ہوں تو کھا لیں۔''

اس پر اقلیما غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''نہیں۔ عم سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر آئیں گے تو سب کے ساتھ مل کر کھائیں گے۔''

اقلیما کے ان الفاظ پر رملہ اور کلثوم دونوں خوش ہو گئی تھیں۔ کچھ دیر خاموشی رہی پھر کلثوم اقلیما کی طرف بڑے غور سے دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''آپی! جب بنو اُمیہ کی حکومت اس قدر مضبوط اور مستحکم تھی تو اس کے اندر زوال اور ٹوٹ پھوٹ کے آثار کیسے اور کیوں پیدا ہو گئے؟''

کلثوم کے ان الفاظ پر اقلیما دکھی اور اُداس ہو گئی تھی۔ اُس کی کیفیت کو کلثوم نے بھانپ لیا تھا لہٰذا معذرت طلب انداز میں کہنے لگی۔

''لگتا ہے میرے سوال سے آپ کی دل شکنی ہوئی ہے۔ لہٰذا میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں۔''

اقلیما فوراً مسکرا دی۔ کہنے لگی۔

''کلثوم! تم میری چھوٹی بہن ہو۔ کس قسم کی گفتگو کرتی ہو۔ میں تمہارے کسی بھی جملہ سے نہ ناراض ہو سکتی ہوں نہ اس سے میری دل شکنی ہوتی ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ میں تمہیں تفصیل بتاتی ہوں کہ بنو اُمیہ آخر زوال و انحطاط اور بربادی کا شکار کیوں ہوئے۔''

اقلیما کچھ دیر خاموش رہ کر سوچتی رہی۔ آخر بولی اور رملہ اور کلثوم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''دراصل بات یہ ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کے نصف آخر سے جو اندرونی سرکشی اور خفیہ سازشیں شروع ہوئیں ان کا ایک ابتدائی حصہ اس نتیجہ پر ختم ہوا کہ حضرت امیر معاویہؓ خلیفہ تسلیم کئے گئے اور خلافت بنو اُمیہ کی بنیاد رکھی گئی۔ خلافت بنو اُمیہ کی ابتداء ہی میں اس کی ہلاکت اور بربادی اور عالم اسلام کی بدنصیبی کا سب سے بڑا سامان بانی خلافت بنو اُمیہ یعنی حضرت امیر معاویہؓ کے ہاتھوں یہ پیدا ہوا کہ انہوں نے اپنے

بیٹے یزید کو ولی عہد بنایا۔ یہ ولی عہدی کی وبا ایسی شروع ہوئی کہ اس نے آج تک مسلمانوں کا پیچھا نہیں چھوڑا۔

امیر معاویہؓ کے اسی عمل کا نتیجہ تھا کہ وہ خوشگوار اور نافع نو جمہوریت جو اسلام نے قائم کی تھی، ضائع ہو کر اس کی جگہ خاندانوں کی حکومتیں جو نوع انسانی کے لئے ایک لعنت ہیں، برباد ہونے کے بعد دوبارہ قائم ہو گئیں۔

خاندانِ بنو اُمیہ میں حضرت معاویہؓ، عبدالملک بن مروان، ولید بن عبدالملک تین خلیفہ اپنی فتوحاتِ ملکی اور قابلیت سے ملک داری کے اعتبار سے ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے بعد عمر بن عبدالعزیزؒ ان کے خاندان میں بالکل ایک نرالی قسم کے خلیفہ تھے۔ ان کی خلافت بالکل خلافت راشدہ کے اوّلین زمانے کا نمونہ تھی۔

عمر بن عبدالعزیزؒ پر چونکہ مذہبیت اور شریعت غالب تھی لہٰذا وہ کسی پہلو میں بھی کسی اُموی خلیفہ سے مشابہہ نہیں کہے جا سکتے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت کا زمانہ اگرچہ بہت ہی تھوڑا زمانہ ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ خلافت کے مرتبہ کو بلند کر دیا ہے۔ باوجود ہر قسم کے قابل اعتراض اور قابل ملامت حرکات کے خلافت بنو اُمیہ کو محض حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی وجہ سے قابلِ فخر خلافت کہا جا سکتا ہے۔

اس کے بعد ہشام بن عبدالملک بھی ایک ایسا خلیفہ گزرا جس کو اوّل الذکر تین خلیفاؤں کی فہرست میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ ہشام بن عبدالملک کے پورے دس برس بھی نہیں گزرنے پائے تھے کہ خلافتِ بنو اُمیہ کا عالی شان قصر منہدم ہو کر زمین کے برابر ہو چکا تھا اور اس کی بنیادیں بھی اکھیڑ کر پھینک دی گئی تھیں۔

جن پانچ خلیفاؤں کے نام میں لے چکی ہوں ان کے علاوہ سب کے سب عیش پرست، تن آسان اور عقل و بصیرت سے نا آشنا تھے اور ہرگز اس قابل نہ تھے کہ کسی اتنی بڑی شہنشاہی کے فرمانروا ہوں جیسی کہ خلافت بنو اُمیہ کی تھی۔ اسلام نے آ کر موسیقی اور شراب نوشی کو مٹا دیا تھا لیکن انہی خلفاء بنو اُمیہ نے ان دونوں پلید اور منکر چیزوں کو پھر رواج دیا جس کا سلسلہ آج بھی مسلمانوں میں موجود ہے۔

اس کے علاوہ بنو اُمیہ کے جرائم کی فہرست میں ایک یہ جرم بھی قابلِ تذکرہ ہے کہ اسلام نے خاندانوں اور قبیلوں کی تفریق و امتیاز کو مٹا کر سب کی ایک ہی برادری اور ایک قبیلہ بنا دیا تھا۔ بنو اُمیہ نے قبیلوں کی عصبیت اور امتیاز کو از سر نو پھر زندہ کر دیا اور

حمیت جاہلیہ کو پھر واپس بلانے کے سامان فراہم کر دیئے۔ انہوں نے عربوں کے فراموش شدہ سبق کو پھر یاد دلایا اور مسلمان قوم و قبیلہ کو اسلامی اخوت پر ترجیح دینے لگے۔ جس چیز کو بنو اُمیہ نے دوبارہ پیدا کیا بالآخر وہی چیز ان کی بربادی کا باعث ہوئی۔ یعنی علویوں اور عباسیوں نے اسی خاندانی امتیاز کو آلہ کار بنا کر بنو اُمیہ کی بربادی کے سامان فراہم کرنا شروع کر دیئے تھے۔

اور پھر بنو اُمیہ نے اپنی خلافت اور حکومت کے قیام و استحکام کے لئے ظلم و تشدد اور لوگوں کے قتل کرنے میں دریغ اور تامل نہیں کیا تھا۔ خلفاء بنو اُمیہ کے سب سے زیادہ نامور اور کارگر اہل کار صوبہ دار وہی تھے جو سب سے زیادہ لوگوں کو بلا دریغ قتل کرنے اور سختی سے کام لینے والے تھے۔ بنو اُمیہ کو ظلم و تشدد کا طرزِ عمل مجبوراً اپنی حکومت قائم رکھنے کے لئے اختیار کرنا پڑا تھا لیکن آخری میں یہی طرزِ عمل ان کی بربادی کا باعث ثابت ہوا۔ کیونکہ رعایا کے دلوں میں ان کی حمایت، ہمدردی۔ مسلسل خوف و دہشت کے جاری رہنے سے جاتی رہی تھی۔

اس پر مستزاد یہ کہ بنو اُمیہ اس میں شک نہیں کہ قبائلِ قریش اور ملک عرب میں ایک نامور اور سردار قبیلہ تھا، اس قبیلے میں اکثر ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے جو تدبیر اور رائے میں اپنے ہمعصروں پر فوقیت رکھتے تھے اور حکومت و ملک داری کے اصولوں سے واقف تھے۔ یہ خصوصیتیں اس قبیلہ کو عہد جاہلیت میں بھی حاصل تھیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ بنو اُمیہ کے گھروں میں کوئی نالائق پیدا ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر بنو اُمیہ میں ولی عہدی کی رسم جاری نہ ہوتی اور خلیفہ کا انتخاب صرف قبیلہ بنو اُمیہ میں محدود کر دیا جاتا یعنی مسلمان اپنی مرضی اور کثرتِ رائے سے قبیلہ بنو اُمیہ کے کسی قابل اور لائق ترین شخص کو خلافت کے لئے منتخب کر لیا کرتے تب بھی اگرچہ بڑی بے انصافی اور غلطی ہوتی تاہم خلافت بنو اُمیہ کی یہ حالت نہ ہوتی اور عالم اسلام کو اتنا بڑا نقصان نہ پہنچتا جو پہنچا۔ اس طرح ممکن تھا خلافتِ بنو اُمیہ کی عمر بہت زیادہ طویل ہو جاتی اور وہ شکایتیں جو خلافتِ بنو اُمیہ سے پیدا ہوئیں شاید پیدا نہ ہوتیں۔

ساتھ ہی میں یہ بھی کہوں گی کہ خفیہ تدبیروں، سازشوں اور چالاکیوں میں بنو اُمیہ کو دوسرے قبائل پر فضیلت حاصل تھی اور ان کی خلافت کا قیام انہی چیزوں سے امداد حاصل کرنے کا نتیجہ تھا۔ لیکن تعجب ہے کہ انہی چیزوں کے ذریعے ہاشمیوں نے انہیں

مغلوب کیا۔ حالانکہ ہاشمی ان چیزوں میں ان کے شاگرد تھے۔ اس کا سبب بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ دولت اور حکومت کے مردم افگن نشہ نے انہیں جاہل اور غافل بنا دیا تھا اور ولی عہدی کی رسمِ بد نے اس جہالت و غفلت کو اور بھی بڑھا دیا تھا۔

ان باتوں کے علاوہ بنو اُمیہ کی خلافت میں بعض ایسی خوبیاں بھی پائی جاتی تھیں جو ان کے بعد بہت ہی کم دیکھی جا رہی ہیں اور ان کے جانشینوں کو نصیب نہ ہوئیں۔ مثلاً خلافتِ بنو اُمیہ نے خلافتِ راشدہ کی فتوحات کو وسعت دے کر مشرق و مغرب میں دور دور تک پھیلا دیا۔ مشرق میں چین اور مغرب میں بحرِ ظلمات تک انہوں نے گویا اپنے زمانے کی تمام متمدن دنیا کو فتح کر ڈالا۔ انہی کے زمانے میں سمندروں کے دور دراز جزیروں پر، براعظم افریقہ کے ریگستانوں اور ہندوستان کے میدانوں تک اسلام پہنچا۔ خلافتِ بنو اُمیہ کے زمانے میں اسلامی حکومت زیادہ سے زیادہ دنیا میں پھیل چکی تھی اور حکومتِ اسلامیہ کا ایک مرکز تھا۔“

(بنو اُمیہ کے بعد مسلمانوں کو جدید فتوحاتِ ملکی کا بہت کم موقع ملا۔ گویا ملک گیری بنو اُمیہ نے ختم کر دی۔ اس کے بعد صرف ملک داری باقی رہی۔ بنو اُمیہ کے بعد اسلامی حکومت کا مرکز بھی ایک نہیں رہا بلکہ ایک سے زیادہ الگ الگ حکومتیں قائم ہونے لگیں جن میں خلافتِ عباسیہ سب سے بڑی حکومت تھی)

یہاں تک کہنے کے بعد اقلیما دم لینے کے لئے رکی، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

”بنو اُمیہ کے عہد خلافت میں عربوں کی حیثیت ایک فاتح قوم کی رہی۔ عربی اخلاق، عربی زبان، عربی تمدن، عربی مراسم سب پر غالب و فائق تھے۔ لیکن بنو اُمیہ کے بعد عجمی اور دوسری مفتوحہ قوموں کو یہ مرتبہ حاصل ہونے لگا کہ وہ عربوں پر حکومت کریں اور عربوں کی کسی فضیلت و خصوصیت میں فاتحانہ عظمت کو تسلیم نہ کریں۔

مزید یہ کہ عہد بنو اُمیہ میں اگرچہ خارجی، شیعہ اور بعض دوسرے گروہ پیدا ہو گئے تھے لیکن سب کا عمود مذہب اور مدارِ استدلال قرآن و حدیث کے سوا کچھ نہ تھا۔ کتاب و سنت کے سوا کسی تیسری چیز کو قاضی نہ سمجھتے تھے۔ لیکن بعد میں ایسے بہت سے فرقے مسلمانوں میں پیدا ہونے لگے جنہوں نے کتاب و سنت کو پس پشت ڈال کر اپنے پیر و مرشدوں، اماموں اور صاحب گروہ علماء کے اقوال و اجتہاد، پیروی کو کافی سمجھا۔ یہی وجہ

تھی کہ خلافتِ بنو اُمیہ کے زمانے میں مسلمانوں کی تمام تر توجہ قرآن مجید اور سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف ملتفت رہی۔ اس کے بعد قرآن مجید کی طرف سے مسلمانوں نے التفات کم کیا اور غفلت کا برتاؤ شروع کیا اور یہ نحوست یہاں تک ترقی پذیر ہوئی جو مسلمانوں کے لئے یقیناً نقصان کا باعث بنی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ خلافتِ راشدہ میں اعلیٰ درجہ کی کامیابی اور فتح یہ سمجھی جاتی تھی کہ لوگ شرک و گمراہی سے نجات پا کر توحید و عبادتِ الٰہی کی طرف متوجہ ہو جائیں اور مذہب اسلام لوگوں کا دستورِ عمل بن جائے۔ مال و دولت اور مادی شان و شوکت کی کوئی قدر و قیمت، عزت و وقعت نہ تھی لیکن خلافتِ بنو اُمیہ میں مال و دولت، شان و شوکت کو کامیابی سمجھا جانے لگا اور بیت المال کا روپیہ ان لوگوں کے لئے زیادہ صرف ہونے لگا جو خلافت و سلطنت کے لئے خاندانِ بنو اُمیہ کے موجب تقویت اور مفید ثابت ہو سکتے تھے۔

جن لوگوں نے بنو اُمیہ کی کسی طرح اعانت کی یا جن کو خوش رکھنا وہ اپنے لئے ضروری سمجھتے تھے ان کی طرف سے بے التفاتی برتی گئی اور ان کے حقوق ان کو نہ ملتے تھے۔ یہ رسمِ بد بعد کی خلافتوں میں اور بھی زیادہ ترقی کر گئی۔ اسی نسبت سے عام طور پر مسلمانوں میں اغراض پرستی اور باہمی رقابت بڑھتی چلی گئی تھی۔

ابتدائے اسلام اور خلافتِ راشدہ کے زمانے میں مسلمانوں کی زندگی نہایت سادہ اور ان کی ضروریاتِ زندگی بہت محدود تھیں۔ عہدِ بنو اُمیہ میں سامانِ عیش کا استعمال شروع ہوا اور وہ سپاہیانہ انداز جو پہلے موجب فخر تھا، بتدریج مٹتے مٹتے بالکل دور ہونے لگا۔ خوبصورت لباس، پُرتکلف مکانات اور زیب و زینت کے سامان ضروریاتِ زندگی میں داخل ہونے لگے اور اسی نسبت سے مسلمانوں کے اندر صدیقؓ، فاروقؓ، خالدؓ اور ضرارؓ کے نمونے کم ہی نظر آنے لگے تھے۔ اس کے علاوہ بنو اُمیہ کے جو رقیب تھے انہوں نے بھی نہ صرف بنو اُمیہ کی طاقت و قوت پر ضرب لگائی بلکہ ان کی ساکھ کو بھی کمزور کر کے رکھ دیا۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ہاشمیوں اور اُمیوں میں جو رقابت پیدا ہوئی تھی، اس کا نتیجہ حضرت علیؓ کے بعد حضرت امام حسنؓ کے خلافت سے دستبردار ہونے پر یہ نکلا کہ بنو اُمیہ نے بنو ہاشم پر غلبہ پایا اور بازی لے گئے۔ جمل اور صفین کی معرکہ آرائیوں

اور خارجیوں کی لڑائیوں کے بعد خلافت کا بنو اُمیہ میں چلا جانا بنو ہاشم کی ایک ایسی ناکامی تھی کہ وہ خلافت کے حصول کے لئے تلواروں کو کند محسوس کر چکے تھے اور جلد طاقت کے استعمال پر آمادہ نہیں ہو سکتے تھے۔ لیکن امیر معاویہؓ کے بعد یزید کا خلیفہ مقرر ہونا اور ولی عہدی کی بدعت کا ایجاد ہونا بنو اُمیہ کے لئے بے حد مضر اور ان کی کمزوری کا سامان تھا۔ لہٰذا حضرت امام حسینؓ نے جرأت سے کام لیا اور اپنے ہمدردوں کی نصیحت پر عمل نہ کیا جس کے نتیجہ میں کربلا کا حادثہ نمودار ہوا۔

مسلمانوں کی باہمی چپقلش کا نتیجہ یہ نکلا کہ امیر معاویہؓ کے کمزور جانشین یزید اور یزید کے غلط کار اہل کار ابن زیاد نے اپنے اعمالِ ناپسندیدہ سے بنو ہاشم کی ہمتوں کو تو پست کر دیا لیکن ساتھ ہی بنو اُمیہ کی مقبولیت کو نقصان پہنچا کر عام لوگوں کو بنو اُمیہ کی مخالفت کے اظہار پر دلیر بنا دیا جس کے نتیجے میں ابن زبیرؓ کا واقعہ پیش آیا۔ ابنِ زبیرؓ کا واقعہ جب پیش آیا تو حکومت اُمیہ کا تاجدار ایک زبردست شخص تھا اس لئے وہ حکومت کی اس کمزوری کو جلد دور کر کے نہ صرف اقتدار رفتہ کو قائم کر سکا بلکہ اس نے پہلے سے بھی زیادہ لوگوں کو مرعوب اور خوفزدہ بنا دیا۔ یہ عبدالملک بن مروان تھا جو بڑا صاحب بصیرت اور عقل مند انسان تھا۔

اسی عبدالملک بن مروان کی وجہ سے ہاشمیوں کے لئے تلوار کے استعمال اور طاقت کے اظہار کا کوئی موقع باقی نہ رہا۔ انہوں نے اپنے جوشِ انتقام کے لئے دوسرا راستہ اختیار کیا اور ان کارروائیوں سے فائدہ اٹھایا جو وہ عبداللہ بن سباح اور اس کے قابضین بھی دیکھ چکے تھے اور جن کے سبب وہ صفین اور دوسرے معرکوں میں ناکام ہو چکے تھے۔

ہاشمیوں میں صرف دو ہی گھرانے سردار اور مقتداء پائے جاتے تھے۔ ایک حضرت علیؓ کی اولاد اور دوسری حضرت عباسؓ کی اولاد۔ حضرت علیؓ حضورؐ کے چچا زاد اور داماد تھے اور حضرت عباسؓ آپ کے چچا تھے۔ دونوں گھرانے اپنے آپ کو اہلِ بیت نبوی میں شمار کرتے تھے۔ اس لئے ان کی عظمت اور سیادت سب کو تسلیم تھی۔ حضرت علیؓ کو چونکہ بنو اُمیہ کے مقابلے میں براہِ راست مصائب کا سامنا کرنا پڑا تھا اس لئے علویوں میں عباسیوں کی نسبت زیادہ جوش تھا۔ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد علویوں میں فاطمیوں کو زیادہ جوش تھا اور وہ زیادہ درپے انتقام تھے۔ علویوں میں دو گروہ تھے ایک وہ

جو حضرت امام حسینؓ کی اولاد کو مستحق خلافت سمجھتے تھے۔ دوسرے وہ جو محمد بن حنفیہ کو سب سے زیادہ خلافت کا حق دار مانتے تھے۔ تیسرا گروہ عباسیوں کا تھا۔ سب سے زیادہ طاقتور گروہ فاطمیوں یا حضرت امام حسینؓ کے طرف داروں کا تھا کیونکہ واقعہ کربلا کی وجہ سے ان کو لوگوں کی زیادہ ہمدردی حاصل تھی اور دوسرے یہ کہ حضرت فاطمۃ الزہرہؓ کی اولاد ہونے کے سبب بھی زیادہ مکرم اور محبوب تھے۔

اس کے بعد دوسرا گروہ محمد بن حنفیہ کا تھا۔ اس کے بعد عباسیوں کا مرتبہ تھا۔ بعد میں فاطمیوں کے اندر بھی دو گروہ ہو گئے۔ ایک وہ جو زید بن علی بن حسین کے طرف دار تھے وہ زیدی کہلوائے۔ دوسرے وہ جنہوں نے حضرت اسمٰعیل بن حضرت جعفرؒ صادق کے ہاتھ پر بیعت کی۔ وہ اسمٰعیلی کے نام سے مشہور ہوئے۔ مذکورہ بالا تینوں گروہ بنو اُمیہ کے مخالف اور تینوں مل کر اہل بیت کے ہوا خواہ کہلاتے تھے۔

محمد بن حنفیہ جو حضرت علیؓ کے بیٹے تھے ان کا بھی اپنا ایک مقام اور مرتبہ تھا۔ اس کے علاوہ علویوں کو جب کبھی موقع ملا انہوں نے خروج میں تامل نہیں کیا مگر اکثر ناکام ہی رہے۔ علویوں کی ان کارروائیوں اور ناکامیوں کے اس انجام سے عباسی عبرت حاصل کرتے رہے اور انہوں نے بنو اُمیہ کے خلاف اپنی کوششوں کو بڑی احتیاط اور مال اندیشی کے ساتھ جاری رکھا۔

ان تینوں گروہوں نے اپنے لئے ایک ہی راہِ عمل تجویز کی کہ پوشیدہ طور پر لوگوں کو اپنا ہم خیال بنایا جائے اور مخفی طور پر لوگوں سے بیعت لی جائے تاکہ بنو اُمیہ کے مقابلے کے قابل طاقت فراہم ہو جائے۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے عباسیوں اور علویوں نے اپنے نمائندے مختلف ملکوں میں پھیلا دیئے جو نہایت مخفی طریقوں سے تقریریں کرتے، وعظ کہتے اور بنو اُمیہ کی حکومت کے عیوب و نقائص لوگوں کو سمجھاتے اور خلافت و حکومت کا حق صرف انہی کا قرار دیتے۔

یہ خفیہ اشاعتی کام بڑی رازداری، بڑے عزم کے ساتھ شروع کیا گیا۔ اس کام کی ابتداء عبدالملک بن مروان کے زمانے سے ہی شروع ہو چکی تھی اور تینوں گروہوں کو ایک دوسرے کی سرگرمیوں کا علم تھا لیکن چونکہ تینوں کے دشمن بنو اُمیہ تھے اس لئے ان تینوں گروہوں کے اندر آپس میں کوئی رقابت نہ تھی اور ایک دوسرے کے راز کی اطلاع ہو جانے پر پوشیدہ رکھنے اور افشا ہونے سے بچانے کی کوشش کرتے تھے۔ ہر ایک کے

کارندے اور نقیب اگرچہ جدا تھے لیکن تبلیغ کے لئے ان کو ایسے الفاظ استعمال کرنے کی تاکید کی گئی تھی جس سے دوسرے گروہ کے ساتھ تصادم لازم نہ آئے۔

مثلاً بجائے اس کے کہ حضرت عباس، محمد بن حنفیہ یا حضرت امام زین العابدین کی فضیلت بیان کی جائے صرف اہلِ بیت کا ایک عام لفظ بیان کیا جاتا تھا اور اہل بیت کی فضیلت بیان کر کے ان کو مستحق خلافت ثابت کرنے کی کوشش ہوتی تھی۔ پھر یہی نہیں کہ آپس میں ایک دوسرے کی مخالفت نہ کرتے بلکہ بنو اُمیہ کی مخالفت کے جوش میں خارجیوں کے ساتھ بھی یہ لوگ ہمدردی اور اعانت کا برتاؤ جائز سمجھتے تھے۔ کیونکہ خارجی بھی شروع ہی سے بنو اُمیہ کے خلاف تھے اور ان کے خلاف کوششوں میں معروف رہتے تھے۔

حالانکہ خارجی جس طرح خلافتِ بنو اُمیہ کے دشمن تھے اسی طرح حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کے بھی بدترین دشمن تھے۔ بہرحال اس خفیہ اشاعت کے کام میں علویوں سے بار بار جلد بازی کا ارتکاب ہوا اور وہ زیادہ خوبی کے ساتھ اس کام کو انجام نہ دے سکے۔ لہٰذا خلفائے بنو اُمیہ کو علویوں کی کارروائیوں اور سازشوں کا علم ہوتا رہا اور وہ ان کے خلاف انسدادی کارروائیوں کا موقع پاتے رہے۔ لیکن عباسیوں کی سازش سے خلفائے بنو اُمیہ آخر تک بے خبر رہے اور اسی لئے عباسی علویوں کو پیچھے چھوڑ کر کامیابی حاصل کر کے اپنی خلافت قائم کرنے میں فوزمند ہو گئے۔''

اتنا کہنے کے بعد اکلیما رکی، پھر دُکھ بھرے انداز میں کہنے لگی۔

''عباسیوں نے علاوہ بیان کردہ تدابیر کے ایک اور احتیاط بھی کی کہ اپنا مرکز مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، دمشق وغیرہ میں سے کسی بڑے شہر کو نہیں بنایا بلکہ ایک نہایت غیر معروف گاؤں حمیمہ جو بنو اُمیہ کی عطا کردہ جاگیر اور دمشق اور مدینہ کے درمیان واقع تھا اور باوجود دمشق سے قریب ہونے کے خلفائے بنو اُمیہ کے والیوں کی توجہ سے محفوظ تھا اپنی اسی قیام گاہ کو انہوں نے اپنی سازشوں کا مرکز بنایا۔

علویوں کی چونکہ کوششیں اور سازشیں طشت ازبام ہوتی رہیں لہٰذا وہ بار بار قتل ہوتے رہے لیکن بنو عباس اس قسم کے نقصان سے بالکل محفوظ رہے اور ان کی سازش کی رفتارِ ترقی معتدل رفتار سے جاری رہی۔ اس رفتارِ ترقی میں بہت بڑی طاقت اس لئے پیدا ہو گئی کہ محمد بن حنفیہ کی جماعت بہ تمام و کمال بنو عباس کے ساتھ شامل ہو کر ایک

جماعت بن گئی۔ اس طرح اندر ہی اندر کام کرتے ہوئے یہ عباسی آخر بنو اُمیہ کی خلافت ختم کر کے اپنی خلافت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ آپ لوگ دیکھتے ہیں جس قدر مسلمانوں پر مظالم ان عباسیوں نے کئے ہیں، اُمیوں نے آج تک کسی مسلمان پر نہ کئے تھے۔ انہوں نے لوگوں کو بے دریغ قتل کیا۔ قتل کے لئے مسجد کے تقدس کو بھی نگاہ میں نہ رکھا۔''

اقلیما مزید کچھ کہنا چاہتی تھی کہ عین اسی لمحہ حویلی میں سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر داخل ہوئے۔ پھر اقلیما، رملہ اور کلثوم تینوں اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ انہوں نے دیوان خانہ میں ہی کھانا لگایا پھر سب اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔

ابو مسلم خراسانی نے اپنے لشکر کے ساتھ ایک مہم کے سلسلے میں قیام کیا ہوا تھا۔ وہیں سے اس نے عمیس بن حزام کو مرداویج کو بلانے کے لئے روانہ کیا تھا لیکن عمیس بن حزام کی روانگی کے بعد ابو مسلم جو خراسان کا والی تھا اپنے مرکزی شہر مرو کی طرف چلا گیا تھا۔ چنانچہ عمیس کو واپس مرو پہنچنے میں تاخیر ہو گئی۔

ابو مسلم خراسانی ایک روز مرو شہر کے قصر میں اپنے وزیر ابو اسحٰق خالد، اپنے سالاروں میں سے مالک بن ہیثم، فیروز سنباد، جہور بن مرار، عبدالجبار بن عبدالرحمٰن کے ساتھ بیٹھا کسی موضوع پر گفتگو کر رہا تھا کہ اس کا ایک سالار دروازے پر نمودار ہوا اور ابو مسلم خراسانی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''مالک! عمیس بن حزام جسے آپ نے مرداویج کو بلانے کے لئے بھیجا تھا وہ لوٹ آیا ہے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہے۔''

ان الفاظ کے جواب میں ابو مسلم نے چونکتے ہوئے اس سالار کی طرف دیکھا پھر پوچھا۔

''کیا عمیس بن حزام کے ساتھ مرداویج بھی ہے؟''

اس سالار نے پہلے نفی میں گردن ہلائی، پھر کہنے لگا۔

''نہیں، وہ اکیلا ہے اور اکیلا ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہے۔''

ان الفاظ نے ابو مسلم کو اور زیادہ پریشان کر دیا تھا۔ لہٰذا اُس نے اُس سالار کو عمیس بن حزام کو بھیجنے کے لئے کہا۔ تھوڑی دیر بعد عمیس بن حزام وہاں داخل ہوا۔ سب سے اس نے سلام کہا۔ ابو مسلم نے اسے اپنے سامنے بیٹھنے کے لئے کہا۔ عمیس بن حزام جب بیٹھ گیا تب ابو مسلم نے اسے مخاطب کیا۔

"میرے عزیز! میں نے تجھے مرداویخ کو بلانے کے لئے بھیجا تھا لیکن میں دیکھتا ہوں تُو اکیلا آیا ہے۔ مرداویخ کہاں ہے؟"

اس پر دکھ بھرے انداز میں ابنِ حزام کہنے لگا۔

"آپ کے حکم کے مطابق میں بڑی برق رفتاری سے مرداویخ کی بستی کی طرف گیا اور آپ ہی کے حکم کا اتباع کرتے ہوئے میں نے وہاں قیام بھی نہیں کیا، اسی روز مرداویخ کو لے کر روانہ ہوا۔ لیکن ہماری بدقسمتی کہ جس وقت ہم کوہستانی سلسلوں سے گھری شاہراہ پر سفر کر رہے تھے، میں سب سے آگے آگے تھا۔ کوہستانی سلسلے کے اوپر سے ہم پر تیز تیر اندازی کی گئی۔ اس تیر اندازی کے نتیجہ میں مرداویخ اور اس کے سارے محافظ مارے گئے اور میں بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر بھاگا۔ کوہستانی سلسلے کی چوٹی سے تیر اس طرح برسائے گئے تھے جیسے موسلا دھار بارش ہوتی ہے اور جس کے نتیجہ میں کوئی بچ نہ پایا۔"

عمیس بن حزام کے ان الفاظ پر جہاں ابومسلم خراسانی اُداس اور افسردہ ہو گیا تھا، وہاں اس کا وزیر ابواسحٰق، خالد بن عثمان اور سارے سالار بھی پریشان اور فکرمند ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ ابومسلم خراسانی نے عمیس بن حزام کو مخاطب کر کے کہا۔

"ابنِ حزام! تم لمبا سفر طے کر کے آئے ہو۔ جاؤ اپنے گھر جا کر آرام کرو۔"

اس کے ساتھ ہی عمیس بن حزام نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر اپنے وزیر ابو اسحٰق، خالد بن عثمان اور اپنے لشکریوں کے سب سے بڑے سالاروں میں سے مالک بن ہیثم اور فیروز سنباد کی طرف دیکھتے ہوئے ابومسلم خراسانی کہنے لگا۔

"میرے ساتھیو! یہ مرادیخ کو کون قتل کر سکتا ہے؟"

ابومسلم خراسانی کے ان الفاظ کے جواب میں اس کا سالار فیروز سنباد بول اٹھا۔ کہنے لگا۔

"مرداویخ نے محمد بن اشعث کے منہ بولے چچا کو موت کے گھاٹ اتارا تھا اور اس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا تھا کہ محمد بن اشعث ایک نہ ایک روز مرداویخ کو ضرور موت کی گہری نیند سلا دیتا۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ کام محمد بن اشعث کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔"

فیروز سنباد جب خاموش ہوا تب اس کی طرف بڑے غور سے دیکھتے ہوئے ابومسلم

خراسانی کہنے لگا۔

"لیکن جو خبریں اب تک ہمیں ملی ہیں ان کے مطابق خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث دونوں نے انبار شہر ہی میں قیام کر رکھا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ انبار سے ان علاقوں تک کسی لشکر کے ساتھ محمد بن اشعث نے سفر کیا ہو اور ہمیں خبر بھی نہ ہوئی ہو۔ اور پھر محمد بن اشعث کو کیسے خبر ہو گئی کہ اس کے چچا کا قاتل مرداویخ ہے۔ اس کا تو کسی کو علم ہی نہیں۔ میں نے تو بڑی رازداری کے ساتھ اس محمد بن اشعث کے چچا کو مرداویخ کے حوالے کیا تھا۔ ہاں اس کے کچھ ساتھی مرداویخ کے ساتھ ضرور تھے لیکن مجھے امید ہے کہ کم از کم محمد بن اشعث کو اب تک یہ نہیں پتہ چل سکا ہو گا کہ اس کے چچا کا قاتل کون ہے؟"

یہاں تک کہنے کے بعد ابومسلم خراسانی چند لمحے رکا، پھر اپنے خدشات کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"اگر مرداویخ کو قتل کرنے والا محمد بن اشعث ہے تو پھر وہ ان علاقوں کی طرف اکیلا نہیں آیا۔ چند دستے لے کر آیا ہو گا۔ اگر مرداویخ کا قتل اس کے ہاتھوں ہوا ہے تو پھر آنے والے دن ہمارے لئے انتہائی غیر محفوظ بلکہ خطرناک ہوں گے۔ اس لئے کہ مرداویخ کو قتل کرتے وقت یقیناً محمد بن اشعث پر یہ بھی انکشاف ہو گیا ہو گا کہ اس کے چچا کو قتل کرنے کا حکم میں نے دیا تھا اور مرداویخ نے اسے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ لہٰذا اگر مرداویخ کا قاتل محمد بن اشعث ہے تو کل کو اس کا دراز دست ہمارے گریبان تک بھی پہنچ سکتا ہے۔ لہٰذا محمد بن اشعث کے ہاتھوں مرداویخ کا قتل ہمارے لئے ان گنت مصیبتوں کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔

اور اگر مرداویخ کو قتل کرنے والا محمد بن اشعث نہیں ہے تب ہمارے لئے زیادہ خطرناک صورت حال پیدا ہو جائے گی۔ اس کا مطلب ہے کوئی اور گروہ ہمارے خلاف اور محمد بن اشعث کے حق میں اُٹھ کھڑا ہوا ہے جس نے مرداویخ کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔ میرے بھائیو! میں دو دن تمہیں دیتا ہوں۔ اس موضوع پر سوچو۔ دو دن بعد پھر مجلس کریں گے اور دیکھیں گے حالات کس رخ پر جاتے ہیں اور ہمیں انہیں کس رخ پر موڑنا چاہئے۔"

اس کے ساتھ ہی ابومسلم خراسانی نے اپنی وہ مجلس ختم کر دی تھی۔

اگلے روز ابو مسلم خراسانی جب صبح سویرے اپنی خواب گاہ سے نکلا تو دنگ رہ گیا۔ اس لئے کہ اس کی خواب گاہ کی بیرونی دیوار کے اندر ایک خنجر پیوست تھا۔ اس خنجر کے دستے کے ساتھ ایک کاغذ لٹک رہا تھا۔ ابو مسلم خراسانی بڑی تیزی سے آگے بڑھا۔ خنجر کو کھینچ کر دیوار سے نکالا۔ اس کے ساتھ جو کاغذ بندھا ہوا تھا، اسے کھولا پھر اس پر لکھی تحریر پڑھنے لگا تھا۔

''ابو مسلم خراسانی! ہم جانتے ہیں کہ تُو کفر و الحاد کا فرستادہ ہے اور زخموں کے شبستان سجانے کا بڑا شوقین ہے۔ تُو اوہام کی زنجیروں کی اسیری میں برفانی سانسوں، درختوں کے زرد پتوں، آہوں بھری ہواؤں کی داستانیں رقم کرنے کا بہت شوقین ہے۔ جس اندھے انسانی قانون کا تُو پیروکار ہے، یاد رکھنا وہ تمدن گہری گمراہیوں اور انا پرستی کی طرف لے جاتا ہے۔ قسم طاقتور و دانا خالق کی جو قسمتوں کا تعین کرنے والا ہے۔ جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے اور جو تقدیروں کا تعین کرنے والا ہے۔ اب عشق کے اطوار، حُسن کے انداز، بینائی کے محدب عدسے، روشنی کی قوسیں بدل گئی ہیں۔ اب وقت کی بے ثباتی کے قصوں، زندگی کے سپاٹ میدانوں اور تقدیر کے لمحوں، تقویم کی ساعتوں کے اساسی خدوخال تبدیل ہو چکے ہیں۔ ابو مسلم خراسانی! اب زمین کا خشک چہرہ، وقت کی سرمئی آہٹیں، ہزیمت و بے ثباتی خون مانگتی ہے۔

سن ابو مسلم خراسانی! تیرے خلاف اب ایسے نوجوان اُٹھیں گے جو صحرا کی وسعتوں، سمندر کی گہرائیوں میں بگولوں کے ساتھ دھمال کرتی چارسُو پیچ و تاب آندھیوں کی طرح اُٹھیں گے۔ تیری حالت الم ناک سناٹوں کی شوریدگی سی بنا کر رکھیں گے اور نیلے سمندر کے چنگھاڑتے پانیوں میں لپکتی جھپکتی برق اور آتش فشانی اُبلتے لاوے کی طرح تیرا تعاقب کریں گے۔

ابو مسلم خراسانی! تُو اپنے آپ کو ارضی دیوتا خیال کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ تُو بنو عباس کی کشتی کا ناخدا ہے۔ سن رکھنا! تُو نے بگولوں کا ہمزاد، ہمسفر بن کر بے گناہ اور ان گنت مسلمانوں کا خون بہایا۔ اب تیرے خلاف ایسے نوجوان اُٹھیں گے جو مجبوریوں کی طاقت، ناتوانوں کا سرمایۂ حیات ہوں گے۔ وہ قوم کے علمبردار بن کر تجھ جیسے ظالموں اور جابروں کے خلاف

حرکت میں آئیں گے۔ سن ابو مسلم خراسانی! وہ ہمارا لہو، ہم ان کا لہو۔ ہم اُن کے شجر اور وہ ہمارا ثمر ہوں گے۔ وہ تیرے خلاف موت کے بھنور کھڑے کرتی کڑی کمانوں، موت کے خیابان سجاتی قہر بھری کمندوں، برق کے کوندے گراتی تلواروں، شرارے اُڑاتے تیروں کی طرح حرکت میں آئیں گے۔ صحرا کے ذرّہ ذرّہ، سمندر کی بوند بوند، کوہستانوں کے کنکر کنکر میں تمہارے لئے خوف و ہراس بھرتے چلے جائیں گے۔ ایسے نوجوان جب تمہارے خلاف حرکت میں آئیں گے تو خدا کی رضائیں وہ اپنے دامن میں، کائنات کی فضائیں اپنی جھولی میں سمیٹے ہوں گے۔

سن ابو مسلم خراسانی! ایسے قضا کے سے شمشیر کار جوان بے انت میدانوں کے ساحر بن کر جب تیرے خلاف حرکت میں آئیں گے تو نسلوں کو پگھلانے والے عناصر، بلندیوں کو نگل جانے والے بھنور کھڑے کرتے سمندر کی صورت اختیار کر جائیں گے۔ اس روز سرابوں کے سناٹوں میں تُو خون آلود ڈوبتے سورج کی مانند ہوگا۔ زہر بھرے کشکول سے اندھی کھائیوں میں تیرے لئے کھولتی آتش فشانی کا رقص ہوگا۔ اس روز تیرے لئے فنا کے آتشی لمحے، تیری روح کی گہرائیوں کے ویران جبرِ مسلسل کی طرح تیرے دل کے ساحلوں کو بے چین کر کے رکھ دیں گے۔

ابو مسلم خراسانی! اب تُو اس ظلمت خانۂ خاک میں چپ کی پتھریلی چاپ، احساس کے لہو سے تر شکستہ آرام کی طرح انتظار کر اُس دن کا، اُس وقت کا انتظار کر جب تیری بقاء کو فناء میں تبدیل کر دیا جائے گا اور وہ تیری زندگی کا آخری دن ہوگا۔ ابو مسلم خراسانی! بے شک اس وقت ہم تیرے سامنے عقابوں کے اس بچہ کی طرح بے بس ہیں جو غصہ میں پھڑ پھڑانے پر مجبور ہے۔ لیکن جب ہم اُمیدوں کے مظہر اور نئی شمشیرِ برہنہ بن کر تمہارے سامنے آئیں گے تو تمہارے سامنے نفرت و جبر کا ایسا طوفان کھڑا کریں گے جو قلعوں کو ریت کے کچے گھروندوں کی طرح اُڑا کر رکھ دے گا۔''

یہ خط پڑھنے کے بعد ابو مسلم خراسانی پریشان ہو گیا۔ لہٰذا اسی وقت اس نے سارے سالاروں کو بلا لیا اور جب اس کے سارے سالار اس کے سامنے آگئے

خط اس نے پڑھ کر سنایا۔ خط کی تحریر سن کر سب کے چہروں پر ہوائیاں اُڑنے لگی تھیں۔

اس موقع پر ابو مسلم نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہنا شروع کیا تھا۔

'' یہ جو خنجر کے دستے سے پیغام باندھ کر میری خواب گاہ کی بیرونی دیوار پر پیوست کر دیا گیا ہے تو یہ کسی عام آدمی کا کام نہیں ہے۔ نہ ہی عام آدمی اس طرح بے باکانہ لہجہ استعمال کر سکتا ہے اور نہ ہی وہ اتنا خوفناک کام سرانجام دے سکتا ہے۔ بہر حال ہمیں محتاط رہنا ہوگا۔ اس کا مطلب ہے ہمارے لشکر میں بھی ہمارے دشمنوں کے کارندے اور حشرات الارض کام کر رہے ہیں۔''

اس کے ساتھ ہی ابو مسلم خراسانی نے کچھ سوچا پھر بڑے سالار فیروز سنباد کو وہ خنجر تھمایا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

'' یہ خنجر آج بازار لے جانا اور اس کی قیمت معلوم کرنا۔ ساتھ ہی مختلف دکانوں سے یہ بھی معلوم کرنا کہ یہ خنجر کون ان سے خرید کر لے گیا ہے۔ اس طرح ہم اس حرکت کرنے والے کو پہچاننے اور سامنے لانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔''

اس کے بعد ابو مسلم خراسانی کے کہنے پر سب اپنی اپنی رہائش گاہوں کی طرف چلے گئے تھے۔

بنو عباس کا باغی بسام بن ابراہیم ایک روز مدائن شہر میں اپنے سالاروں کے ساتھ اس جگہ بیٹھا تھا جہاں کبھی ایرانیوں کا قدیم اور پرانا محل ایوانِ مدائن یا تختِ کسریٰ ہوا کرتا تھا۔ وہیں بسام بن ابراہیم نے اپنے سارے سالاروں کو مشاورت کے لئے طلب کیا تھا۔

یہ تختِ کسریٰ یا ایوانِ مدائن ایرانیوں کے بادشاہ نوشیرواں نے تعمیر کیا تھا۔ ایک تو یہ بہت بڑا ہال تھا اور اس کے ذرا فاصلے پر ایک عمارت تھی جو انتہائی خوبصورت تھی اور جنوب کی طرف ایک ٹیلہ تھا جس کو حریمِ کسریٰ بھی کہتے تھے اور شمال کی طرف بعض عمارتوں کا سلسلہ بھی تھا۔

ان تمام عمارتوں میں صرف تاخِ کسریٰ ایک ایسا حصہ تھا جس کے آثار اب تک باقی ہیں۔ اس کا سامنے کا رخ جو شمال کی جانب کو ہے، 9 گز اونچا ہے۔ اس میں ایک دیوار ہے جس میں کوئی کھڑکی نہیں لیکن وہ برجستہ ستونوں اور محرابوں سے آراستہ ہے۔ چھوٹی محرابوں کی قطاریں چار منزلہ عمارتوں کی صورت میں بنی ہوئی ہیں۔ اس قسم کی دیواروں کے نمونے مشرق کے ان شہروں میں جہاں یونانیت کا اثر زیادہ تھا، ضرور ملتی ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ پلمیرہ شہر میں ایسی عمارتیں دیکھی جا سکتی ہیں۔

ایوانِ مدائن کی اس عمارت کے سامنے کے رُخ پر شاید سنگِ مرمر کی تختیاں مڑھی گئی تھیں۔ تانبے کے پترے جن پر سونے یا چاندی کا ملمع کیا گیا تھا اس پر چڑھائے گئے تھے۔ 1888ء تک سامنے کا رخ اور مرکزی ہال کمرہ اپنی جگہ قائم تھے۔ لیکن اس سال شمالی بازو خراب ہو چکا تھا۔ اور اب جنوبی بازو بھی گرنے کو تھا۔

سامنے کی دیوار کے وسط میں ایک عظیم الشان محراب کا دہانہ تھا جس کی گہرائی کل

کی عمارت کے آخر تک چلی گئی تھی۔ یہ دربار کا ہال کمرہ تھا اور اس کی لمبائی 43 میٹر اور چوڑائی 25 میٹر تھی۔ سامنے کے رخ کے دونوں بازو کے عقب میں پانچ پانچ کمرے تھے جو اونچائی میں طاق سے بہت کم تھے اور جن پر محراب دار چھتیں تھیں اور باہر کی طرف ایک بلند دیوار سے گھری ہوئی تھی۔

عمارت کی مغربی دیوار کے پیچھے غالباً وسط میں ایک مربع شکل کا ہال کمرہ تھا جو دربار کے کمرے کا جوڑ تھا۔ اس کے دونوں طرف دو چھوٹے چھوٹے کمرے تھے۔ تمام دیواریں اور محرابیں اینٹوں کی بنی ہوئی تھیں اور ان کے آثاروں کی چوڑائی غیر معمولی تھی۔

(اہلِ جرمنی نے جو حال ہی میں کھدائی کی ہے اسے عہد ساسانی کی آرائش استر کاری کے قطعات بھی برآمد ہوئے ہیں)

یہ ایوانِ مدائن اپنی ساخت کے لحاظ سے تمدن کے ابتدائی مدارج کا نمونہ تھا۔ وہ دیکھنے والوں کو اپنی مجموعی شکل یا جزئیات کی خوبصورتی سے اس قدر حیرت و رعب میں نہیں ڈالتا جتنا کہ اپنی جسامت اور اپنے طول و عرض سے۔ ایران کے قدیم بادشاہ عموماً اسی میں رہا کرتے تھے۔ ایک عرب شاعر نے اس محل سے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا ترجمہ کچھ اس طرح ہے:

''محل کی حیرت انگیز بناوٹ کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ کسی پہاڑ کی اونچی چوٹی میں تراشا گیا ہے۔ وہ اتنا بلند ہے کہ اس کی دیواروں کے کنگرے کوہستانوں تک اٹھائے گئے ہیں۔ ہمیں پتہ نہیں چلتا کہ آیا اس کو آدمیوں نے جنوں کے رہنے کے لئے بنایا تھا یا جنوں نے آدمیوں کے لئے۔''

مشہور مؤرخ خاقانی جب فریضہ حج ادا کرنے کے بعد لوٹا تو اُس کا گزر مدائن سے ہوا۔ اس کے کھنڈرات سے متاثر ہو کر اس نے ایوانِ مدائن کے نام سے ایک نظم لکھی اس نظم کا ترجمہ کچھ اس طرح ہے:

''پیشتر اس کے کہ اس عادل شہنشاہ کا خواب باب ختم کیا جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعض اقوال کا ذکر کر دیا جائے جو اب بھی مشعلِ راہ کا کام دیتے ہیں۔

اگر زمانہ ہمارے موافق نہ ہو تو ہمیں زمانے کے مطابق ہونا چاہیے۔

دنیا سرائے فانی ہے۔ ہم مسافر ہیں۔ سرائے کو چھوڑ کر مسافر کو جانا ہی ہوتا ہے۔

کسی ساکن چیز کو متحرک نہ کرو اور ہر متحرک کو ساکت کر دو۔

وہ بادشاہ جو رعایا کے زر و مال سے خزانے کو پُر کرتا ہے اس شخص کی طرح ہے جو اپنے گھر کی مٹی کھود کر چھت پر ڈالتا ہے۔

گنہگاروں کو معاف کر دینے میں وہ لذت دیکھی جو ان سے انتقام لینے میں نہیں ہے۔

کوئی چیز مملکت کو اتنا نقصان نہیں پہنچاتی جتنا سستی۔

کوئی چیز ایسا درست راستہ نہیں دکھائی جیسا باہمی مشورہ تائید ایزدی حاصل کرنے کا۔

عدل سے بڑھ کر اور کوئی وسیلہ نہیں۔

رحمت خداوندی کا احساس احسان سے بڑھ کر اور ذریعہ نہیں۔

مقصد کے حصول کا صبر سے بڑھ کر اور کوئی طریقہ نہیں۔

ہم اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ خاندان کی بزرگی اور شرافت ہی امتیازات حاصل کرنے کے لائق ہے۔

بسام بن ابراہیم جب ایوانِ مدائن میں بیٹھا اور اس کے سارے سالار بھی اس کے پاس آن جمع ہوئے تو انہیں مخاطب کر کے بسام بن ابراہیم کہنے لگا۔

''میرے ساتھیو! ہمارے مخبر جو ابھی ابھی خبر لے کر آئے ہیں ان کے مطابق عباسی خلیفہ سفاح نے ہم پر حملہ آور ہونے کے لئے خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث کو ایک لشکر دے کر بھیجا ہے۔ پہلی بات جو میں تم سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ اس میں کوئی شک نہیں خازم بن خزیمہ، محمد بن اشعث دونوں بڑے عمدہ تیغ زن اور بہترین سالار ہیں۔ لیکن میرا دل کہتا ہے کہ ہم انہیں شکست دے کر مار بھگائیں گے۔ میں نے تم لوگوں کو اس لئے نہیں بلایا کہ تم لوگوں سے یہ پوچھا جائے کہ ہمیں ان کا مقابلہ کس طرح کرنا چاہئے۔ مقابلہ تو میں ان کا ایسا کروں گا کہ ان کے سامنے سوائے شکست اور ناکامی اور کچھ نہیں دکھائی دے گا۔ میں تم لوگوں سے صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آیا ہمیں

مدائن شہر میں محصور رہ کر ان دونوں کا مقابلہ کرنا چاہئے یا شہر سے باہر نکل کر جنگ کی طرح ڈالنی چاہئے؟ میرے اس سوال پر سارے آپس میں مشورہ کرو اور پھر مجھے اس کا جواب دو۔"

یہاں تک کہنے کے بعد بسام بن ابراہیم خاموش ہو گیا۔ اس کے سارے سالار آپس میں صلاح و مشورہ کرنے لگے۔ پھر ایک جہاندیدہ سالار بسام بن ابراہیم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"جہاں تک ہم نے آپس میں مشاورت کرنے کے بعد فیصلہ کیا ہے اس کے مطابق ہمیں شہر میں محصور رہ کر مقابلہ نہیں کرنا چاہئے۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو اس کے نتائج ہمارے حق میں اچھے نہیں ہوں گے۔ اس لئے کہ خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث جب اپنے لشکر کو لے کر یہاں پہنچیں گے اور انہوں نے دیکھا کہ ہم مدائن شہر میں محصور ہو گئے ہیں تو یہ جان کر ان کے حوصلے بلند ہو جائیں گے کہ ہم ان کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ اسی بناء پر شہر کے اندر محصور رہ کر دفاعی جنگ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس خازم بن خزیمہ، محمد بن اشعث اور ان کے چھوٹے سالاروں کے ہی حوصلے بلند نہیں ہوں گے بلکہ ان کے تحت جو لشکر آ رہا ہے وہ لشکر بھی جب دیکھے گا کہ جن کا ہم مقابلہ کرنے کے لئے آئے ہیں وہ ان کی آمد سے متفکر اور پریشان ہو کر شہر میں محصور ہو گئے ہیں تو ان کے حوصلے بھی بلند ہو جائیں گے اور وہ بڑھ چڑھ کر ہم پر ضرب لگائیں گے اور کامیابی اور فتح حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ جبکہ ہمارے لشکر پر اس کا منفی اثر ہو گا۔ لشکری یہ سمجھیں گے کہ ہم آنے والے دونوں سالاروں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ اسی بناء پر شہر میں محصور ہو گئے ہیں۔ بس ہمارا فیصلہ یہی ہے کہ شہر سے باہر نکل کر خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث کا مقابلہ کیا جائے۔ آگے جو فیصلہ آپ کریں گے آخری وہی ہو گا۔"

اپنے سالاروں کا یہ متفقہ فیصلہ جان کر بسام بن ابراہیم نے خوشی کا اظہار کیا۔ کچھ دیر مسکراتا رہا، پھر خوشی کی اس لہر میں اپنے سالاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"جو فیصلہ تم سب نے کیا ہے وہ میرے اطمینان، میری آسودگی کا باعث ہے۔ ہمارے مخبروں کا کہنا ہے کہ دو دن تک خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث لشکر لے کر مدائن پہنچ جائیں گے۔ لہٰذا ہمارے پاس تیاری کے لئے کل کا دن ہے۔ پرسوں ہم اپنے

لشکر کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر پڑاؤ کریں گے۔ اب تم سب مل کر اپنی تیاریوں کو عروج پر پہنچا دو۔"

اس کے ساتھ ہی بسام بن ابراہیم نے وہ مجلس ختم کر دی تھی۔

اگلا پورا دن لشکر کی تیاری میں صرف کیا گیا اور پھر اس سے اگلے روز بسام بن ابراہیم اور اس کے سالار حرکت میں آئے، اپنے لشکر کو مدائن شہر سے نکالا اور مدائن سے باہر انہوں نے خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث کا مقابلہ کرنے کے لئے پڑاؤ کر لیا تھا۔

❁❁❁

سورج طلوع ہونے سے تھوڑی دیر بعد خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث مدائن شہر سے باہر اس جگہ پہنچے جہاں بسام بن ابراہیم اور اس کے سالاروں نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر رکھا تھا۔ چنانچہ خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نے بھی ان کے سامنے پڑاؤ قائم کیا۔ جونہی وہ پڑاؤ قائم کر چکے، بسام بن ابراہیم کے لشکر میں طبل بجنے لگے جو اس بات کا اشارہ تھا کہ بسام بن ابراہیم جنگ کی ابتداء کرنے لگا ہے۔

یہ صورت حال دیکھتے ہوئے خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نے بھی اپنے لشکر کو استوار اور صفوں کو درست کرنا شروع کر دیا تھا۔ پھر دونوں ایک جگہ جمع ہوئے اور خازم بن خزیمہ محمد بن اشعث کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"اے برادر عزیز! لشکر کو تو ہم نے راستے ہی میں دو حصوں میں تقسیم کر لیا تھا۔ ذرا سامنے بسام بن ابراہیم کو دیکھو۔ اس میں کوئی شک نہیں اس کی تعداد ہم سے زیادہ ہے لیکن ہم نے اس پر گرفت کرنی ہے اور اس پر ہر صورت میں فتح حاصل کرنی ہے۔ میرے عزیز بھائی! پہلے بسام بن ابراہیم کو جنگ کی ابتداء کرنے کا موقع دیں گے، اس کے بعد ہم باری باری دشمن پر اپنی ضرب کی ابتداء کریں گے۔ ایک ساتھ آگے نہیں بڑھیں گے۔ پہلے میں بسام بن ابراہیم کے لشکر پر ضرب لگاؤں گا۔ اس کے سامنے کے زیادہ سے زیادہ حصہ کو اپنے ساتھ مصروف رکھنے کی کوشش کروں گا۔ میرے بھائی! میرے حملہ آور ہونے کے ساتھ ہی ساتھ تم بھی اپنے حصہ کے لشکر کے ساتھ پوری طاقت و قوت کے ساتھ حملہ آور ہونا اور دشمن کے تھوڑے سے سامنے والے حصہ کے علاوہ تم ان کے پہلو پر بھی ضرب لگاتے چلے جانا۔ اس طرح ہم بسام بن ابراہیم کے

لئے سامنے اور پہلو کی طرف دو محاذ کھول دیں گے۔ مجھے امید ہے کہ اگر ہم پوری طاقت وقوت کے ساتھ ان پر ضربیں لگائیں تو بسام بن ابراہیم زیادہ دیر تک ہمارا سامنا نہیں کر پائے گا۔"

محمد بن اشعث نے خازم بن خزیمہ کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ پھر دونوں اپنے اپنے لشکر کے سامنے جا کھڑے ہوئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد بسام بن ابراہیم اور اس کے سالاروں نے اپنے لشکر کو بے کراں دکھ کی مسافتوں میں عمروں کے تسلسل کو تمام کرتی عذاب بھری بے روک آندھیوں کی طرح آگے بڑھایا پھر وہ وقت کے الاؤ میں بقا کو فنا میں تبدیل کرتے تباہی و بربادی کے بپھرے سمندر، روشنی اور سایوں کے درمیان راستوں کو بے پڑاؤ کرتے بے رحم اندھے طوفانوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

بسام بن ابراہیم کے ساتھ ہی ساتھ ابنِ خزیمہ نے بھی اپنے کام کی ابتداء کی اور وہ فطرت کے آئینے کے روبرو کھڑے ہو کر صف بہ صف، قطار در قطار تاریخ کا قرض چکاتے نفرت آلود جبر کے عذاب کی طرح حرکت میں آیا اور زمین کی ننگی پیٹھ پر گریبان چاک کرتے دلوں کی دھڑکنوں کو تمام کرتے برق کے برستے تازیانوں، آندھیوں کے خوفناک رقص کی طرح بسام بن ابراہیم کے لشکر پر حملہ آور ہوا تھا۔

خازم بن خزیمہ کے حملہ آور ہونے کے تھوڑی ہی دیر بعد محمد بن اشعث کی طرف سے خوفناک انداز میں پہلے تکبیریں بلند کی گئیں، اس کے بعد محمد بن اشعث گناہوں کی سرزمینوں میں بدی کے غلیظ جسموں میں پیوست ہو جانے والے قدرت کے قہر بھرے ناوک اور رگ رگ میں سنسناہٹ اور خون کے ہر قطرے میں سرطان زدہ آتشی بگولوں کی طرح گھس جانے والے انداز میں آگے بڑھا۔ اس کے بعد اُس نے موت وزیست کے دھندلکوں میں تاریخ کے آسمان، وقت کے ساحلوں پر حیات کے لمحوں کو مرتعش روح، بدن کے تعلق کو شکستِ ذات کا شکار کرتے عناصر کی طغیانیوں اور بارش کی طرح برستے عذابوں میں خدوخال کو بگاڑ دینے والی عدل کی خوفناک طغیانیوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

مدائن شہر کے نواح میں دونوں لشکریوں کے ٹکرانے سے ہواؤں سے خلاؤں تک خوفناک صدائیں بلند ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ نسلی اور عصبی روایات کی آڑ میں لپکتے

شعلوں میں ہولناک تباہی اپنا رنگ دکھانے لگی تھی۔ سلگتی دوپہر میں الم گزیدہ مناظر بے وفا لمحوں کے تابوت کھڑے کرنے لگے تھے۔ بڑے بڑے جری سورما معروف کو مجہول، معلوم کو نامعلوم، بزم کو رقابتوں کی رزم گاہ میں تبدیل کرتے چلے گئے تھے۔ بڑے بڑے زہریلے جنگجو ظلمتوں کے نزول، سنگریزوں کے طوفانوں اور آفتوں کی تاریک آندھیوں کے روپ کی طرح نفس نفس کا عتاب بننے لگے تھے۔

رزم گاہ میں دوزخ کا کہرام، منافرت کی ہولناک آگ اور اجل کی طغیانیوں نے رنگ دکھانا شروع کر دیا تھا۔

بسام بن ابراہیم اور اس کے سالاروں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث کو شکست دے کر مار بھگانے میں کامیاب ہو جائیں لیکن اُن کی ہر کوشش، اُن کا ہر جتن ناکام ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ اپنے پہلے ہی حملے میں خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نے ان کے لشکریوں کی ایک خاصی بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا اور اب جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا بسام بن ابراہیم کے لشکر کی تعداد کم ہوتی جا رہی تھی اور اسی کمی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خازم بن خزیمہ، بسام بن ابراہیم کے لشکر کے سامنے والے حصہ پر پوری طرح چھانے لگا تھا جبکہ محمد بن اشعث پہلے سے طے شدہ منصوبہ بندی کے تحت بڑی تیزی کے ساتھ اپنے لشکر کو بسام بن ابراہیم کے لشکر کے پہلو کی طرف سمیٹنے لگا تھا۔ اس طرح خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث دونوں بھائیوں نے بسام بن ابراہیم اور اس کے سالاروں کے لئے دو انتہائی خوفناک اور قضا بھرے محاذ کھول کر رکھ دیئے تھے۔

تھوڑی دیر کی مزید جنگ کے بعد بسام بن ابراہیم کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اور جب اس نے دیکھا کہ اس کے لشکریوں کا بڑی تیزی سے قتل عام شروع ہو گیا ہے اور اس کے لشکری اگلے حصہ سے لشکر کے پچھلے حصوں کی طرف بھاگنے کی کوشش کر رہے ہیں تب وہ شکست قبول کرتے ہوئے بھاگ کھڑا ہوا تاکہ شہر میں محصور ہو کر مقابلہ کرے۔ لیکن بسام بن ابراہیم کی بدبختی کہ شہر سے باہر نکل کر پڑاؤ کرنے سے پہلے اُس نے شہر کے دروازوں پر کوئی خاص انتظامات نہیں کئے تھے جس سے خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نے پورا فائدہ اُٹھایا اور جونہی بسام بن ابراہیم شکست اُٹھا کر شہر میں داخل ہوا اس کے پیچھے پیچھے خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث بھی اپنے لشکر کو لے کر

شہر میں داخل ہو گئے۔

کچھ دیر کے لئے شہر کے اندر گھمسان کا رن پڑا اور اس رن کے درمیان جہاں باغیوں کا خاتمہ کر دیا گیا وہاں بسام بن ابراہیم اور اس کے باغی سالار بھی اپنے انجام کو پہنچے۔ اس طرح خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نے نہ صرف بسام بن ابراہیم کو مدائن شہر سے باہر شکست دی بلکہ شہر میں داخل ہو کر بھی انہوں نے اپنی فتح مندی کا آخری کیل ٹھونکا اور اب مدائن شہر پر ان کی گرفت اور ان کا قبضہ تھا۔

❀❀❀

ابو مسلم خراسانی مرو شہر میں اپنے قصر میں اپنے وزیر ابو اسحٰق، خالد بن عثمان اور اپنے دست راست اور لشکریوں کے سالار مالک بن ہیثم کے ساتھ بیٹھا کسی موضوع پر گفتگو کر رہا تھا کہ اس کے پاس مالک بن ہیثم کے بعد سب سے بڑے سالار فیروز سنباد نے اس کمرے میں قدم رکھا جس میں وہ تینوں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

فیروز سنباد کی آمد پر ابو مسلم خراسانی، ابو اسحٰق، خالد بن عثمان اور مالک بن ہیثم تینوں نے خوشی کا اظہار کیا اور اپنی جگہ سے اُٹھ کر پُر جوش انداز میں اس سے مصافحہ کیا۔ جب سب لوگ بیٹھ گئے تو اپنے لباس کے اندر سے فیروز سنباد نے وہ خنجر نکالا جو خنجر ابو مسلم خراسانی کی رہائش گاہ کی دیوار میں پیوست کیا گیا تھا اور جس کے ساتھ محمد بن اشعث کا پیغام تھا اور ایسا عمیس بن خزام نے کیا تھا۔

کچھ دیر تک فیروز سنباد خنجر کو اُلٹ پلٹ کر دیکھتا رہا پھر ابو مسلم خراسانی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں نے مرو شہر کی سامانِ حرب وضرب بنانے والی ساری دکانوں کو چھان مارا۔ سب کو یہ خنجر دکھایا اور سب نے اس بات کی تائید کی کہ یہ خنجر مرو کا نہیں بنا ہوا۔ سب لوگوں نے اس بات کی بھی تائید کی کہ ایسے خنجر صرف دمشق میں بنتے ہیں اور ایسے تیز ہوتے ہیں کہ جسے لگ جائے اس کے بچنے کی امید نہیں رہتی۔''

فیروز سنباد کے اس انکشاف پر ابو مسلم خراسانی تھوڑی دیر تک گردن جھکا کر سوچتا رہا۔ اس دوران ابو اسحٰق، خالد بن عثمان اور مالک بن ہیثم بھی خاموش رہے۔ پھر ابو مسلم خراسانی فیروز سنباد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اس کا مطلب ہے اگر ہمارے لشکر میں نہیں تو مرو شہر میں ایسے لوگ ہیں جن کے

پاس دمشق کا اسلحہ ہے اور وہ بنو اُمیہ کے حامی ہیں اور میری رہائش گاہ تک دسترس رکھتے ہیں۔ فیروز سنباد! اپنے سارے کارندوں کو متنبہ کر دو کہ آج کے بعد پہلے کی نسبت زیادہ چوکنے اور چوکس رہیں۔ اگر یہ خنجر دمشق کا بنا ہوا ہے تو پھر یقیناً میری رہائش گاہ میں پیغام کے ساتھ جو یہ خنجر پیوست کیا گیا تھا تو یہ بنو اُمیہ کے کسی فرد یا کسی حامی کی کارروائی ہے۔''

یہاں تک کہتے کہتے ابو مسلم خراسانی کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لئے کہ اس کا ایک چھوٹا سالار اس کمرے کے دروازے پر نمودار ہوا اور ابو مسلم خراسانی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''آپ کے مخبروں میں سے ایک آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہے۔''

اس پر ابو مسلم خراسانی کے چہرے پر چمک پیدا ہوئی اور سالار کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اس مخبر کو فوراً اندر بھیج دو۔''

اس پر وہ سالار وہاں سے ہٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک مخبر اس کمرے کے دروازے پر نمودار ہوا۔ ہاتھ کے اشارے سے ابو مسلم خراسانی نے اسے آگے آنے کے لئے کہا۔ جب وہ آگے بڑھا تو ابو مسلم خراسانی نے اسے بیٹھنے کے لئے نہیں کہا۔ اس پر وہ کھڑا ہی رہا۔ پھر ابو مسلم خراسانی نے اسے مخاطب کیا۔

''کیا تم کوئی اچھی خبر لے کر آئے ہو؟''

اس پر آنے والا مخبر کہنے لگا۔

''جو خبر میں لے کر آیا ہوں اس کا اندازہ صرف آپ کر سکتے ہیں کہ وہ ہمارے لئے اچھی ہے یا بری۔ خبر یہ ہے کہ جیسا کہ آپ پہلے سے جانتے ہیں مدائن میں بسام بن ابراہیم نے بغاوت کھڑی کی تھی........''

یہاں تک کہتے کہتے اس مخبر کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ ابو مسلم خراسانی بول اٹھا۔

''ہاں! بغاوت کھڑی کی تھی اور ایسا اُس نے میرے کہنے پر ہی کیا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ بسام بن ابراہیم کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے سفاح مجھے طلب کرے۔ میں بسام بن ابراہیم کو کوئی نقصان نہ پہنچاؤں اور بغاوت کو بھی ختم کر دوں اور اس طرح سفاح کو میری اہمیت کا پہلے سے زیادہ احساس ہو گا۔ اب کہو! مدائن کے حالات میں کیا

تبدیلی پیدا ہوئی ہے؟''

اس پر مخبر کہنے لگا۔

''بسام بن ابراہیم کی اس بغاوت کو فرد کرنے کے لئے سفاح نے خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث کو روانہ کیا تھا۔ مدائن شہر سے باہر ہولناک لڑائی ہوئی اور اس لڑائی میں خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نے دونوں فاتح کی حیثیت سے مدائن شہر میں داخل ہو چکے ہیں اور بسام بن ابراہیم بھاگ چکا ہے جبکہ اُس کے ایک سالار مغیرہ نے مدائن کے نواح میں ایک ایسی بستی کے اندر قیام کر رکھا ہے جس بستی میں سفاح کے ننھیال کے لوگ بستے ہیں اور بسام میں ابراہیم کے سالار مغیرہ نے اسی بستی میں ان دنوں پناہ لے رکھی ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد جب وہ مخبر خاموش ہوا تب ابو مسلم نے کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔

''تم جو خبر لے کر آئے ہو اس کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ برا، دوسرا حصہ اچھا ہے۔ یہ جو خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نے بسام بن ابراہیم کی بغاوت کو فرو کر کے مدائن پر قبضہ کر لیا ہے تو یہ ایک نہایت بری اور ناقابل برداشت خبر ہے۔ اس طرح سفاح اور اس کے بھائی ابوجعفر منصور کی نگاہوں میں خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث کی وقعت اور توقیر اور زیادہ ہو جائے گی۔ تاہم خبر کا دوسرا حصہ ہمارے لئے بڑا سود مند ثابت ہو سکتا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد ابومسلم خراسانی رُکا، کچھ سوچا، دوبارہ آنے والے مخبر کو وہ مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔

''اپنے ساتھیوں کے ساتھ ابھی اسی وقت مدائن کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث کو جا کر یہ خبر دینا کہ بسام بن ابراہیم کے سالار مغیرہ نے مدائن کی ایک نواحی بستی میں پناہ لے رکھی ہے۔ بس اب تم جاؤ۔ اس سے زیادہ تم نے کچھ نہیں کرنا۔''

اس کے ساتھ ہی ابومسلم خراسانی کا وہ مخبر وہاں سے نکل گیا تھا۔

جب وہ مخبر وہاں سے چلا گیا تب ابومسلم خراسانی کا وزیر ابو اسحٰق خالد بن عثمان، ابومسلم کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''اگر ہمارا مخبر بسام بن ابراہیم کے سالار مغیرہ کی پناہ گاہ سے خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث کو مطلع کر دے گا تو اس سے ہمیں کیا فائدہ ہو گا؟ مدائن کی بغاوت کو فرو کرنے میں جو مقام خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث سفاح کی نگاہوں میں حاصل کر چکے ہیں، اسے ختم تو نہیں کیا جا سکتا۔''

ابواسحٰق کے ان الفاظ کے جواب میں ابومسلم خراسانی کے چہرے پر دبی دبی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ کہنے لگا۔

''ابو اسحٰق! بظاہر ایسا ہی نظر آتا ہے لیکن جو کام میں نے اپنے مخبر کے ذمہ لگایا ہے جب اس کی تکمیل ہو جائے گی تو پھر دیکھنا سفاح کیسے خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث دونوں کو قتل کرتا ہے۔''

''وہ کیسے؟'' اس بار ابومسلم خراسانی کے سالار فیروز سنباد نے چونکتے ہوئے کہا تھا۔

فیروز سنباد کے ان الفاظ کے جواب میں ابومسلم خراسانی کہنے لگا۔

''وہ اس طرح کہ جب ہمارے مخبر خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث کو جا کر یہ خبر دیں گے کہ بسام بن ابراہیم کا سالار مغیرہ مدائن کی ایک نواحی بستی میں پناہ لئے ہوئے ہے۔ جیسا کہ مخبر بتا چکا ہے اس بستی میں سفاح کے ننھیال والے بستے ہیں۔ چنانچہ یہ خبر سن کر خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث یقیناً اس بستی کے خلاف حرکت میں آئیں گے۔ اُن سے مغیرہ کو طلب کریں گے۔ اگر وہ مغیرہ کو مہیا نہیں کریں گے تو خازم بن خزیمہ کے مزاج سے میں واقف ہوں۔ یقیناً وہ اس بستی کے خلاف حرکت میں آئے گا اور قتل عام کرے گا۔ جب ایسا ہو جائے گا تو اس کی خبر بن سفاح کو پہنچے گی کہ خازم بن خزیمہ نے اس کے ننھیال والوں کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے تو یاد رکھنا سفاح کسی بھی صورت خازم بن خزیمہ کو زندہ نہیں رہنے دے گا۔ چونکہ محمد بن اشعث اس مہم میں خازم بن خزیمہ کے ساتھ ہے۔ لہٰذا اس قتلِ عام کا وہ بھی ذمہ دار ہو گا۔ لہٰذا سفاح خازم بن خزیمہ کے ساتھ محمد بن اشعث کی بھی گردن ناپنے سے دریغ نہیں کرے گا۔

میرے عزیز ساتھیو! انبار شہر میں اگر تیغ زنی اور لشکریوں کی سپہ سالاری کے لئے میرا کوئی رقیب یا میرا کوئی ہمسر ہے تو یہ صرف دو بھائی ہیں۔ خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث دونوں خالہ زاد ہیں۔ دونوں تلوار کے دھنی ہیں۔ لاجواب تیر انداز، بے مثال تیغ زن ہیں اور پھر تم لوگ جانتے ہو محمد بن اشعث تو میرے دشمنوں میں سرفہرست ہے۔

اگر میرا بس چلے تو میں اسے ایک لمحہ کے لئے بھی زندہ نہ رہنے دوں۔ لیکن میں کھل کر اس کے خلاف حرکت میں بھی نہیں آ سکتا۔ اس لئے کہ سفاح کے بڑے بھائی ابوجعفر منصور نے اس محمد بن اشعث کو اپنا بیٹا بنا رکھا ہے اور ابوجعفر منصور محمد بن اشعث کی ہر معاملے میں حمایت و مدد کرتا ہے۔ جہاں تک خازم بن خزیمہ کا تعلق ہے تو سفاح آنکھیں بند کر کے اُس کے ہر فعل کی تائید کر دیتا ہے۔ لہٰذا انبار میں اگر کوئی مجھے زیر کر سکتا ہے یا بنو عباس کے خلفاء میں مجھے گرا سکتا ہے، مجھے نیچا دکھا سکتا ہے۔ میری عزت و وقار کو پامال کر سکتا ہے تو وہ خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث ہیں۔"

یہاں تک کہنے کے بعد ابو مسلم خراسانی جب خاموش ہوا تب فیروز سنباد تفکرات اور کسی قدر پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"ابو مسلم! یہ جو ہم نے چاروں طرف اپنے پَر پھیلانے شروع کر دیئے ہیں تو کہیں ایسا نہ ہو سفاح ہمارے خلاف ہی حرکت میں آ جائے۔"

فیروز سنباد کے ان الفاظ پر ابو مسلم خراسانی کا چہرہ غصے میں سرخ ہو گیا تھا۔ غراتے ہوئے کہنے لگا۔

"اس سفاح کی ایسی تیسی۔ اُس کی مملکت میرے سہارے کھڑی ہے۔ اگر میں آج اس کے خلاف بغاوت کھڑی کر دوں تو دنوں میں نہیں تو ہفتوں کے اندر اُس کی حکومت اُس کی مملکت کو اُلٹ کر میں خود خلیفہ بن سکتا ہوں اور عالمِ اسلام پر حکمرانی کر سکتا ہوں۔ ویسے بھی تمہاری آمد سے پہلے میں ایک انتہائی اہم موضوع پر ابو اسحٰق اور مالک بن ہیثم سے گفتگو کر رہا تھا۔"

ابو مسلم خراسانی رُکا، کچھ سوچا پھر خصوصیت کے ساتھ فیروز سنباد کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"فیروز سنباد! خراسان پر ہماری گرفت اور ہمارا قبضہ ایسا مضبوط اور مستحکم ہے کہ سفاح اور اس کا بڑا بھائی ابوجعفر منصور اگر اپنی موجودہ طاقت کو دس گنا بھی زیادہ کر کے میرے خلاف حرکت میں آئیں تو وہ خراسان کو مجھ سے چھین نہیں سکتے۔ اب میں صرف خراسان تک ہی محدود نہیں رہوں گا۔ میں سفاح کے بعد اس کے بڑے بھائی ابوجعفر منصور کو خلیفہ نہیں بننے دوں گا۔ آج کے بعد میں ایک نئے کام کی ابتداء کر رہا ہوں اور وہ یہ کہ خراسان کے بعد میں عراق اور حجاز کی طرف متوجہ ہوں گا۔ اپنے نقیب، اپنے بھی

خواہ ان دونوں صوبوں کی طرف روانہ کروں گا اور وہاں کے لوگوں کو اپنے حق میں استوار اور ہموار کرنے کی کوشش کروں گا۔ اور جب میں دیکھوں گا کہ میرے نقیبوں اور مخبروں کے کہنے کے مطابق ان دونوں صوبوں میں حالات میرے حق میں ہیں تو میں اپنا لشکر لے کر خراسان سے نکلوں گا اور عراق اور حجاز کے صوبوں پر قبضہ کر لوں گا۔ اس کے بعد میں دیکھوں گا بنو عباس کا خلیفہ سفاح میرے خلاف کیسے حرکت میں آتا ہے۔ جب ایسا ہو جائے گا تو یاد رکھنا یہی سفاح جو آج کل ہم پر حکمرانی کر رہا ہے، میرا محکوم ہو کر میرے سامنے زانو ادب طے کرے گا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد ابو مسلم خراسانی رکا، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا وہ کہہ رہا تھا۔

"میرے ساتھیو! ایک بات یاد رکھنا۔ سفاح کے دربار میں اس وقت کچھ لوگ بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان لوگوں میں محمد بن اشعث اور خازم بن خزیمہ تو سرفہرست ہیں۔ ان دو کے علاوہ روح بن حاتم، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس بھی سفاح اور اس کے بڑے بھائی جعفر منصور کی نگاہوں میں بڑے پسندیدہ ہیں۔ اس کے علاوہ عثمان بن نہیک جو محمد بن اشعث اور خازم بن خزیمہ کا حامی نہیں بلکہ وہ ایک غیر جانبدار شخص ہے وہ بھی قصر خلافت میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ان سب کی خبریں برابر میرے پاس پہنچتی رہتی ہیں۔ اس لئے کہ وہاں ہمارا ایک سالار جہور بن مرار عجلی بھی کام کر رہا ہے اور وہ ہمیں اپنے آدمیوں کے ذریعے پل پل کی خبریں پہنچاتا ہے۔ جہور بن مرار عجلی بظاہر سفاح اور اس کے بڑے بھائی منصور کا بڑا ہی خواہ اور حمایتی ہے لیکن باطن میں وہ ہمارا آدمی ہے۔ جب بھی حالات موافق ہوئے میں جہور بن مرار عجلی کو اشارہ کروں تو وہ سفاح اور اس کے بڑے بھائی ابوجعفر منصور کے خلاف علم بغاوت کھڑا کر دے۔"

ابو مسلم خراسانی دم لینے کے لئے پھر رکا، کچھ سوچا، پھر اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے وہ پھر کہہ رہا تھا۔

"عزیز ساتھیو! بنو عباس کی خلافت اور حکومت میری کوششوں کی مرہونِ منت ہے۔ اگر میں انہیں خلافت دلا سکتا ہوں تو یہ خلافت ان سے چھین بھی سکتا ہوں۔ خلافت دلانے کا کام میں مکمل کر چکا ہوں، اب خلافت چھیننے کے کام کی ابتداء ہوگی۔"

اس کے ساتھ ہی ابو مسلم خراسانی کچھ دیر تک مکروہ انداز میں مسکراتا رہا پھر اُٹھ کھڑا

ہوا۔ ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

’’آؤ اب تربیت گاہ کی طرف جاتے ہیں جہاں ہمارے نئے لشکریوں کی تربیت کا کام شروع ہو چکا ہے۔‘‘

چنانچہ ابو مسلم خراسانی کے کھڑے ہونے پر ابواسحٰق، مالک بن ہیثم اور فیروز سنباد بھی اپنی جگہوں پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر وہ مرو کے اس قصر سے نکل کر تربیت گاہ کی طرف جا رہے تھے۔

خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث ابھی تک مدائن شہر ہی میں قیام کئے ہوئے تھے اور اس کے نظم و نسق کو درست کرنے میں مصروف تھے۔ مدائن شہر دریائے دجلہ کے دونوں کناروں پر آباد تھا۔ مغربی کنارے کا شہر سکندر اعظم کے جانشینوں نے بسایا تھا۔ مشرقی کنارے کا شہر ایرانی شہنشاہوں نے تعمیر کرایا تھا۔ ان دونوں شہروں کو ملا کر مدائن کہتے تھے۔ دونوں ایک روز اپنے سالاروں کے ساتھ مدائن شہر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ابو مسلم خراسانی کے مخبروں کے ذریعہ سے ایک مخبر اُن کے پاس آیا اور خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

’’میں آپ دونوں کے لئے ایک اچھی خبر لے کر آیا ہوں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آپ نے بسام بن ابراہیم کو بدترین شکست دی ہے۔ بسام بن ابراہیم بھاگ چکا ہے لیکن اُس کے نامور سالار مغیرہ نے مدائن کی ایک نواحی بستی میں قیام کر رکھا ہے اور لوگوں کو وہ خلیفہ سفاح کے خلاف اُبھار رہا ہے۔‘‘

یہ خبر سن کر خازم بن خزیمہ کے چہرے پر چمک پیدا ہوئی تھی۔ دوسری طرف محمد بن اشعث بھی خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ چنانچہ یہ خبر پانے کے بعد خازم بن خزیمہ نے اپنے کچھ دستے اُس بستی کی طرف بھجوائے اور وہاں کے سرکردہ لوگوں کو اپنے پاس طلب کیا۔ مؤرخین خصوصیت کے ساتھ علامہ ابن خلدون کا بیان ہے کہ اس بستی میں پہلے عباسی خلیفہ سفاح کے کوئی 70 کے قریب رشتہ دار قیام کئے ہوئے تھے۔ چنانچہ جب وہ لوگ خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث کے پاس آئے تو خازم بن خزیمہ نے پہلے تو انہیں باغی بسام بن ابراہیم کے سالار مغیرہ کو اپنے ہاں پناہ دینے پر ان کی ملامت کی اس کے بعد انہیں دھمکی دی کہ وہ اگر مغیرہ کو اپنے ہاں چھپائے ہوئے ہیں تو اسے اس کے

حوالے کر دیں۔

اس پر ان لوگوں کے سرکردہ نے خازم بن خزیمہ کو مخاطب کر کے کہا۔

''بسام بن ابراہیم کے سالار مغیرہ یقیناً ہمارے پاس اجازت حاصل کر کے آیا تھا کہ ایک شب اُس نے ہمارے پاس گزاری۔ اس کے بعد وہاں سے چلا گیا۔''

اُن کے ان انکشاف پر خازم بن خزیمہ نے برہمی کا اظہار کیا اور انہیں ڈرایا دھمکایا کہ وہ لوگ خلیفہ سفاح کے مفاد کے خلاف کام کر رہے ہیں۔

خازم بن خزیمہ کی اس دھمکی کے جواب میں وہ لوگ بھی سختی کے ساتھ پیش آئے۔

اس پر خازم بن خزیمہ برہم ہوا چنانچہ اپنے لشکر کے ساتھ وہ حرکت میں آیا اور اُس بستی کے لوگوں کو قتل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے مکانات بھی اُس نے منہدم کروا دیئے تھے۔

اُن لوگوں کی یہ حالت ہوئی تو اُن میں سے جو لوگ بچے وہ اپنے سردار زیاد بن عبیداللہ حارثی کے پاس گئے۔ بقول علامہ ابن خلدون عبیداللہ حارثی ان کو لے کر خلیفہ سفاح کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جو حالات اب پیش آئے تھے وہ سب سفاح سے کہے اور ساتھ ہی سفاح سے یہ بھی التجا کی کہ وہ خازم بن خزیمہ کے اس ناشائستہ فعل کو سامنے رکھتے ہوئے خازم بن خزیمہ کے قتل کا حکم جاری کرے۔

سفاح کو خازم بن خزیمہ کے قتل پر جلد آمادہ کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس لئے کہ خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث صرف سفاح ہی کے پسندیدہ سالار نہیں تھے بلکہ اس کے بڑے بھائی ابوجعفر منصور کے بھی پسندیدہ تھے۔ گو ابوجعفر منصور اس وقت خود جزیرہ میں قیام کئے ہوئے تھا اس کے بھائی سفاح نے اُسے جزیرہ کا والی بنا کر بھیجا ہوا تھا۔ تاہم زیاد بن عبیداللہ حارثی نے انبار شہر میں قیام کیا اور گاہے، گاہے سفاح کی خدمت میں حاضر ہوتے ہوئے خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث دونوں کے قتل پر اسے آمادہ کرتا رہا۔

سفاح بھی روز عبیداللہ حارثی کی شکایات سنتا۔ لیکن ابھی تک اس نے کوئی عمل نہیں کیا تھا۔ انہی دنوں جزیرہ سے سفاح کے بڑے بھائی ابوجعفر منصور کا ایک قاصد آیا اور سفاح سے اُس نے یہ گزارش کی کہ خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نے جو کارروائی کی ہے وہ بالکل مناسب اور حق پر مبنی ہے۔ لہٰذا ان دونوں کے خلاف کوئی کارروائی نہ

کی جائے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ اسی دوران انبار شہر کے اُمراء میں سے موسیٰ بن کعب اور ابو جہم بن عطیہ دونوں سفاح کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ بڑے سرکردہ امراء میں شمار کئے جاتے تھے۔ چنانچہ موسیٰ بن کعب سفاح کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''امیر المومنین! خازم بن خزیمہ آپ کا قدیمی جانثار ہے۔ اس نے آپ کی بے حد اعانت کی ہے۔ آپ کے ساتھ مل کر اپنے عزیز و اقارب سے لڑا ہے اور جو شخص آپ کا مخالف ہوا ہے، اس کو ہی اس نے قتل کر ڈالا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ اس سے درگزر کیا جائے۔ اور جہاں تک محمد بن اشعث کا تعلق ہے آپ جانتے ہیں، نوعمر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ بڑے نایاب سالاروں میں شمار کیا جاتا ہے اور اس کی خدمات کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد موسیٰ بن کعب جب خاموش ہوا تب کسی قدر خفگی اور غصہ کا اظہار کرتے ہوئے سفاح کہنے لگا۔

''کس پاگل نے تم لوگوں سے کہہ دیا ہے کہ میں خازم بن خزیمہ یا محمد بن اشعث کے خلاف کوئی کارروائی کروں گا۔ وہ دونوں ایسے سالار ہیں جنہیں میں ہی نہیں، میرا بڑا بھائی ابوجعفر منصور بھی بیٹے کی حیثیت دیتا ہے۔ پھر میں ان دونوں کے خلاف کیوں کارروائی کروں گا۔ میں خاموشی اس لئے اختیار کئے ہوئے ہوں چونکہ ابن خزیمہ نے میرے ننھیال کی جس بستی پر حملہ کیا ہے، حملہ کرنے میں ابن خزیمہ اور محمد بن اشعث دونوں حق پر ہیں لیکن میں اپنے ننھیال کے قبیلے والوں کو بھی مطمئن کرنا چاہتا ہوں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد سفاح جب خاموش ہوا تو موسیٰ بن کعب پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''امیر المومنین! اگر آپ خازم بن خزیمہ کے خلاف بھی کوئی کارروائی نہیں کرنا چاہتے اور اپنے ننھیال والوں کو بھی مطمئن رکھنا چاہتے ہیں تو پھر ایک کام کیجئے۔ خازم بن خزیمہ کو کسی سرحد پر بھیج دیجئے جہاں دشمن کے خلاف جنگوں کا سلسلہ جاری رہتا ہو۔ اگر وہ جنگ میں مار ڈالا گیا تو فہو المراد اور اگر کامیاب ہو گیا تو آپ کو اس کا ثواب ملے گا۔''

موسیٰ بن کعب کے ان الفاظ کو سفاح نے پھر ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا تھا۔

کہنے لگا۔

''میں اسے کسی ایسے محاذ پر کیوں بھیجوں جہاں وہ مار ڈالا جائے۔ مجھے اُس کی اور محمد بن اشعت کی بھی ضرورت ہے۔ ایک بات یاد رکھنا جہاں تک میں اب تک سمجھ پایا ہوں، ابو مسلم خراسانی میرے خلاف بغاوت کر سکتا ہے لیکن خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعت میرے خلاف بغاوت نہیں کر سکتے۔ وہ ایسے جانثار اور قابل اعتماد ہیں کہ میں آنکھیں بند کر کے ان پر اعتماد اور بھروسہ کر سکتا ہوں۔ میری نگاہوں میں میرے نزدیک وہ ابو مسلم خراسانی سے بھی بڑھ کر ہیں۔ تاہم اپنے ننھیال والوں کو مطمئن کرنے کے لئے میں نے ایک طریقہ وضع کیا ہے۔ وہ یہ کہ یہاں سے ایک مزید لشکر خازم بن خزیمہ کی طرف روانہ کروں اور اسے اومان کی طرف روانہ کروں جہاں خارجیوں نے اودھم مچا رکھا ہے اور چاروں طرف تباہی اور بربادی کا کھیل کھیل رہے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ خازم بن خزیمہ خارجیوں کی خوب سرکوبی کرے گا اور ان کی بغاوت اور ان کی سرکشی کا خاتمہ کرے گا۔

جہاں تک محمد بن اشعت کا تعلق ہے تو اس کے لئے میں یہ حکم جاری کر رہا ہوں کہ وہ خازم بن خزیمہ سے علیحدہ ہو جائے۔ اس کے لئے بھی میں یہاں سے ابوداؤد خالد بن ابراہیم کی سرکردگی میں ایک لشکر روانہ کر رہا ہوں اور ابوداؤد خالد بن ابراہیم اور محمد بن اشعت کے ذمہ میں یہ کام لگا رہا ہوں کہ وہ کش کے غیر مسلم حکمرانوں کے خلاف حرکت میں آئیں اور ان کے علاقوں کو فتح کرنے کی کوشش کریں۔ مجھے امید ہے کہ محمد بن اشعت اور ابوداؤد خالد بن ابراہیم ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس طرح ان دو مہموں کے شروع ہونے سے میرے ننھیال والے بھی مطمئن ہو جائیں گے کہ میں نے خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعت دونوں کو سرحدی جنگوں کی طرف روانہ کر دیا ہے۔''

سفاح کے ان الفاظ پر موسیٰ بن کعب اور ابوجہیم عطیہ دونوں خوش ہو گئے تھے اور سفاح کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے تھے۔ چنانچہ اگلے روز سفاح نے ایک لشکر خازم بن خزیمہ کی مدد کے لئے روانہ کیا اور اس کے لئے حکم جاری کیا کہ وہ اومان میں بغاوت کھڑی کرنے والے خارجیوں کے خلاف حرکت میں آئیں اور دوسرا لشکر محمد بن اشعت کے لئے روانہ کیا اور اس کے لئے یہ حکم جاری کیا کہ ایک نیا لشکر ابوداؤد خالد بن ابراہیم

کی سرکردگی میں اس کے پاس آ رہا ہے۔ لہٰذا جو لشکر پہلے سے اس کی کمانداری میں کام کر رہا ہے۔ اسے اور نئے لشکر کو لے کر وہ کش کے غیر مسلم حکمرانوں کے خلاف حرکت میں آئے۔''

چنانچہ سفاح نے ایک لشکر خازم بن خزیمہ کی طرف روانہ کیا اور دوسرا لشکر اپنے سالار ابوداؤد خالد بن ابراہیم کو دے کر محمد بن اشعت کی طرف روانہ کر دیا تھا۔

یہ دونوں لشکر جب مدائن پہنچے تب خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعت دونوں سفاح کے حکم کے مطابق حرکت میں آئے۔ خازم بن خزیمہ نئے لشکر کو اپنے ساتھ ملانے کے بعد اومان کی طرف روانہ ہو گیا تھا جبکہ محمد بن اشعت نئے آنے والے سالار ابوداؤد خالد بن ابراہیم اور اس کے ساتھ آنے والے لشکر کو لے کر کش کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

جہاں تک خارجیوں کا تعلق ہے تو اسلام کے قدیم ترین فرقے کے پیروکار تھے۔ اسلام کی سیاسی تاریخ میں ان کا کردار یہ تھا کہ انہوں نے متواتر بغاوتیں کیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اکثر پورے کے پورے صوبے عارضی طور پر ان کے قبضہ میں چلے گئے۔ امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے سامنے حضرت عثمانؓ کی شہادت سے متعلق جو تجویز جنگ صفین میں پیش کی تھی اس سے خوارج کا ایک علیحدہ فرقہ پیدا ہوا۔ باغیوں کا پڑاؤ نہروان کی نہر کے کنارے تھا۔ اس کے کوفہ کے باہر نکلنے کی وجہ سے اس فرقے کا نام خوارج ہو گیا۔

خوارج نے جلد ہی اپنے تعصب اور تنگ نظری کا اظہار پے در پے ناپسندانہ اور دہشت ناک افعال کی صورت میں کیا۔ انہوں نے اعلان کیا کہ حضرت علیؓ کا دعویٰ خلافت باطل ہے اور ساتھ ہی انہوں نے حضرت عثمانؓ کے مسلک کی بھی مذمت کی اور ان کی شہادت کا انتقام لینے کے ارادے سے بھی اپنی برأت کا اظہار کیا۔ جو لوگ ان کے نظریے کو تسلیم نہ کرتے انہیں کافر اور دین سے خارج قرار دینے لگے۔

انہوں نے بہت سے لوگ قتل کیے۔ رفتہ رفتہ ان کی قوت بڑھتی گئی۔ بہت سے غیر عرب بھی ان میں شامل ہو گئے۔

جب خوارج سے حضرت علیؓ کی ابتدائی گفت و شنید ناکام رہی تو مجبوراً اس بڑھتے ہوئے خطرے کو دور کرنے کے لئے کارروائی کرنی پڑی۔

چنانچہ 17 جولائی 685ء کو جنگِ نہروان لڑی گئی۔ خارجیوں کو بری طرح شکست ہوئی۔ آئندہ دو برسوں میں بھی مقامی بغاوتوں کا سلسلہ جاری رہا۔

خود حضرت علیؓ ایک خارجی عبدالرحمٰن ابنِ ملجم کے خنجر سے شہید ہوئے۔ ابنِ ملجم

کے سسرال میں بہت سے لوگ جنگِ نہروان میں قتل ہو چکے تھے۔ ایک روایت یہ ہے کہ خارجیوں کی سازش کا مقصد یہ تھا کہ حضرت علیؓ، امیر معاویہؓ اور مصر کے گورنر عمروؓ بن العاص کو بہ یک وقت قتل کر دیا جائے۔ حملے کے لئے ایک ہی تاریخ، ایک ہی وقت مقرر ہوا۔ امیر معاویہؓ پر حملہ ہوا تو وہ زخمی ہو گئے۔ عمروؓ بن العاص اس رات بیمار تھے۔ ان کی جگہ خارجہؓ بن خطافہ امامت کے لئے مسجد قاہرہ میں آئے اور شہید کر دیئے گئے۔ امیر معاویہؓ کے بیس سالہ دور میں کوفہ اور بصرہ میں باغیوں نے کئی بغاوتیں کیں لیکن امیر معاویہؓ کے حُسنِ تدبیر اور سیاسی بصیرت کے باعث سازشوں کو پھیلنے کا موقع نہ مل سکا لیکن وہ بھی خوارج کو ختم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

خارجیوں کی ہلاکتوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ جن کے قتل کا بدلہ لینا خارجی تحریک کی ایک نمایاں علامت قرار پائی۔ خوارج کے حملے اب گوریلا جنگ اختیار کر رہے تھے۔ یزید اوّل کے مرنے کے بعد جو خانہ جنگی شروع ہوئی اس کے خلفشار میں خارجی تحریک نے بہت زور پکڑا اور ملک کی صورتِ حال نازک ہو گئی۔ خارجیوں کی سب تحریکوں میں اسلامی سلطنت کے استحکام کے لئے جو تحریک سب سے زیادہ خطرناک اور اپنی نوعیت کے اعتبار سے سب سے زیادہ شدید اور مصالحانہ تھی، وہ نافع بن ازرک کی سرکردگی میں اُبھری جس کی وجہ سے خارجیوں کا کچھ عرصہ کے لئے کرمان، فارس اور دوسرے مشرقی صوبوں پر تسلط ہو گیا تھا۔

اس بغاوت پر پہلے مہلب بن ابوصفرا، پھر حجاج بن یوسف کی کئی سال کی جدوجہد کے بعد قابو پایا جا سکا۔ حجاج کی سرگرمی اور ہمت نے خارجی تحریک کا قطعی طور پر خاتمہ کر دیا۔ جب اموی عہد کے اواخر میں مرکزی حکومت میں ناقابلِ تدارک انحطاط آیا تو خوارج نے پھر سر اُٹھایا اور بنواُمیہ کے آخری دور میں خوارج کی دو بڑی بغاوتیں اُٹھیں۔

ایک زیہا ابنِ قیس شعبانی کی بغاوت جو الجزیرہ اور عراق میں اُٹھی۔ دوسری عبداللہ بن یحییٰ کی بغاوت جو عرب میں اُٹھی لیکن ناکام رہی۔

ان بغاوتوں نے جو فتنہ و فساد برپا کیا، اس سے اُموی حکومت کی مشرقی فصیل برباد ہو گئی اور عباسیوں کو اس بات کا موقع مل گیا کہ وہ آسانی سے سلطنت کے قلب تک پہنچ سکیں۔ عباسیوں کے عہد میں چند مقامی بغاوتیں ہوئیں اور اب خارجیوں نے اپنی پوری طاقت و قوت کو اومان میں جمع کر لیا تھا اور یہیں سے اُٹھ کر وہ عباسی قوت پر ضرب

لگانے کے درپے تھے۔ اب خارجیوں کی اسی بغاوت اور سرکشی کو فرو کرنے کے لئے خازم بن خزیمہ کو اومان کی طرف روانہ کیا گیا تھا۔

جہاں تک ان خوارج کے مذہبی عقائد کا تعلق ہے تو ان میں کوئی یکسانی نہ تھی۔ ان کے متعدد اور مستقل فرقوں کے اپنے اپنے خاص عقائد تھے۔ ان فرقوں کی مجموعی تعداد بیس تھی۔ مسئلہ خلافت کے بارے میں خوارج کے تمام فرقوں میں اتفاق تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ مومنوں کا یہ فرض ہے کہ وہ ایسے امام کو جو اپنے نیک راستے سے بھٹک گیا ہو، اس کو اسی بناء پر معزول کر دیں۔

دوسری طرف وہ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہر مرد مومن جس کا کردار اخلاقی اور مذہبی اعتبار سے ناقابل ملامت ہو اس بات کی اہلیت رکھتا ہے کہ وہ جماعت کی متفقہ رائے سے امامت کے بزرگ ترین عہدے کے لئے منتخب کر لیا جائے۔

اپنے خلفاء کے علاوہ وہ جن خلفاء کو برحق تسلیم کرتے تھے وہ صرف حضرت ابوبکرؓ صدیق اور حضرت عمرؓ فاروق ہی۔ حضرت عثمانؓ کو وہ ان کے عہد خلافت کے ابتدائی چھ سال تک خلیفہ مانتے ہیں اور حضرت علیؓ کو جنگ صفین تک۔ خوارج کا ایک بڑا عقیدہ یہ ہے کہ اعمال صالح کے بغیر ایمان صرف حصول نجات کے لئے کافی نہیں ہے۔ اگر کسی شخص سے کوئی گناہ کبیرہ سرزد ہو جائے تو اس کے مومن ہونے سے انکار کرتے ہیں اور اسے مرتد تصور کرتے ہیں۔

خوارج کے ایک انتہا پسند فرقہ ازارکہ کا کہنا ہے کہ جو کوئی اس طرح کا کافر ہو جائے وہ اسلام کے دائرے میں دوبارہ داخل نہیں ہو سکتا اور اسے اس کے جرم میں بیوی بچوں سمیت قتل کر دینا چاہئے۔ وہ ان مسلمانوں کو جو خوارج نہیں انہیں مرتد سمجھتے ہیں۔ خوارج کے بعض فرقے یہودیوں اور عیسائیوں کو ہر طرح کا امن دے کر انہیں گھروں تک بحفاظت پہنچانے کا ذمہ بھی لیتے تھے۔ بہرحال انہی خوارج کی سرکوبی کے لئے خازم بن خزیمہ کو اومان کی طرف روانہ کیا تھا جہاں خوارج نے ایک بہت بڑا فتنہ برپا کر رکھا تھا۔

خازم بن خزیمہ کا پہلا ٹکراؤ اومان کے نواح میں خارجیوں کے سالار شعبان سے ہوا۔ شعبان کو خازم بن خزیمہ نے شکست دی۔ چنانچہ یہ شکست اٹھا کر خارجی شعبان اومان کی طرف بھاگا جہاں پہلے سے خارجیوں کا ایک بہت بڑا لشکر موجود تھا۔ چنانچہ

شعبان نے یہ فیصلہ کیا کہ اومان ہی کے ساحل پر سارے خارجیوں کے لشکر کو استوار کر کے خازم بن خزیمہ کا مقابلہ کیا جائے۔

یہ ارادہ کرنے کے بعد شعبان اومان پہنچا اور ایک بہت بڑا لشکر تیار کر لیا تاکہ خازم بن خزیمہ کا مقابلہ کیا جا سکے۔

دوسری جانب خازم بن خزیمہ کو جب خبر ہوئی کہ اس کے ہاتھوں سے شکست اٹھا کر خارجی شعبان اومان کے ساحل کی طرف چلا گیا ہے اور وہاں اس نے خوب طاقت اور قوت پکڑ لی ہے اور اس کے پاس ایک بہت بڑا لشکر بھی ہو گیا ہے۔

چنانچہ یہ خبریں آنے کے بعد خازم بن خزیمہ نے وقت ضائع نہیں کیا۔ آندھی اور طوفان کی طرح اس نے بھی اومان کے ساحل کا رخ کیا تھا۔

دوسری طرف شعبان خارجی بھی خازم بن خزیمہ ہی کا منتظر تھا۔ چنانچہ جب ابن خزیمہ اپنے لشکر کے ساتھ اومان کے ساحل پر پہنچا تو اس سے ٹکرانے کے لئے خارجیوں کا سالار اور حاکم شعبان پہلے سے تیار اور مستعد تھا۔ چنانچہ خازم بن خزیمہ کے پہنچتے ہی اس نے اپنے لشکر کی صفیں درست کرنا شروع کر دی تھیں۔

اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے خازم بن خزیمہ نے بھی اپنے لشکر کو استوار کیا۔ کچھ دیر تک دونوں لشکروں کے اندر طبل بجتے رہے۔ اس کے بعد شعبان خارجی نے اپنے کام کی ابتداء کی اور وہ نفرت کی کڑی دھوپ میں پلتے بھولے بسرے افسانوں، گرادنوں کے لمحات کھڑے کرتے شمالی بیابانوں کے وحشیوں اور گھور اماوس کے ماحول میں موت کا لاوا پھیلاتے آگ کے دامن کی طرح خازم بن خزیمہ اور اس کے لشکریوں پر حملہ آور ہوا تھا۔

جواب میں خازم بن خزیمہ نے بھی اپنی کارروائی کرنے میں دیر اور تاخیر سے کام نہیں لیا۔ وہ بھی ہر شے کو شکست کا شکار کرتے بارش کی طرح برستے ہولناک عذابوں، اذیتوں کے آثار میں بھی کھڑے ہو کر جوان جذبوں، طاقت و قوت، ریاضت و استقامت اور نفرت کی ہولناک آگ کی صورت اختیار کرتی آندھیوں کی طرح خارجیوں پر حملہ آور ہوا تھا۔

اومان کے ساحل پر جب یہ دونوں لشکر آپس میں ٹکرائے تو خاموش ساحل پر کرب دنیا کے بگولوں کی بارش، اذیتوں کے رنگ بکھیرتی طوفانی یورش کا سماں بندھ گیا تھا۔

زندگی کے کاروانوں، نفس نفس کے بیابانوں میں قہر بکھیرتی ساعتیں رقص کرنے لگی تھیں۔ لشکری پانی کی تلاش میں آوارہ بھٹکتے اور پیاس کے مارے اندھے طیور کی طرح اِدھر اُدھر بھٹکتے ہوئے اپنے مخالفوں کا خاتمہ کر کے اپنی کامیابی کے درپے دکھائی دینے لگے تھے۔ بڑے بڑے جنگ آزما خشک پتوں کے قافلوں کی طرح ڈھیر ہونے لگے تھے۔ خارجیوں نے اپنے سردار شعبان کی سرکردگی میں اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ خازم بن خزیمہ اور اس کے لشکر کو شکست دے کر مار بھگائیں لیکن خازم بن خزیمہ اس کے سامنے چٹان اور آہن کی طرح جم گیا تھا اور اُس کے اس جذبے اور ولولے کو دیکھتے ہوئے اُس کے لشکری بھی اُسی کے سے جذبوں کا اظہار کر رہے تھے۔

چنانچہ خازم بن خزیمہ کی کمانداری میں اُس کے لشکری کچھ ایسی ہولناک تڑپ اور کربناک درد کے ساتھ خارجیوں پر حملہ آور ہوئے تھے کہ آن کی آن، ساعت کی ساعت میں خارجیوں کی حالت ایسی ہونے لگی جیسے خازم بن خزیمہ کے ساتھیوں کی صورت میں ان پر آسمان سے آگ برسنے لگی ہو یا بے چین شراروں کی اُڑان نے انہیں اپنے حصار میں لے کر بے بس اور مجبور کرنا شروع کر دیا ہو۔ ابنِ خزیمہ اور اُس کے لشکریوں نے بڑی تیزی سے خارجیوں کی حالت ریزہ ریزہ بکھرتی ریت، فنا کی تحریروں اور قضاء کے سیلابی ریلے میں بہتے خس و خاشاک کی سی کرنا شروع کر دی تھی۔

خارجیوں کے سالار اور حاکم شعبانی نے جب دیکھا کہ خازم بن خزیمہ اپنے لشکر کے ساتھ ان پر زور اور دباؤ ڈالتا چلا جا رہا ہے اور یہ کیفیت اگر زیادہ دیر تک جاری رہی تو خازم بن خزیمہ اُسے اور اُس کے ساتھیوں کو نہ صرف بدترین شکست دینے میں کامیاب ہو جائے گا بلکہ اُن کا قتلِ عام شروع کر دے گا۔ یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے شعبان نے ایک بار پھر اپنے لشکریوں کو للکارتے ہوئے ابنِ خزیمہ پر پوری طاقت و قوت کے ساتھ حملہ آور ہونے کی ترغیب دی۔

شعبان کی اس ترغیب سے پسپائی کا شکار ہوتے ہوتے خارجی پھر سنبھلے اور اپنے سردار شعبان کی انگیخت پر وہ ایک بار پھر انسانیت کو مصروف کرتے حرص و ہوس کے کھولتے سمندر اور فضاؤں، ہواؤں میں پھیلتے چڑھتے طوفانوں کی طرح خازم بن خزیمہ کے لشکر پر حملہ آور ہو کر اپنی پسپائی کو اپنی کامیابی میں تبدیل کرنے کی کوشش کرنے لگے تھے۔

دوسری طرف خازم بن خزیمہ اور اس کے ساتھ کام کرنے والے دوسرے لشکری بھی اس ساری کیفیت کو بھانپ گئے تھے۔ چنانچہ اس صورتِ حال میں خازم بن خزیمہ نے بھی اپنے لشکریوں کو للکارا اور ان کی ہمت بڑھائی کہ اگر وہ ایک زوردار حملہ خارجیوں پر کریں تو خارجیوں کے پاؤں اُکھڑ جائیں گے۔ شکست اُن کا مقدر بن جائے گی۔ چنانچہ ابنِ خزیمہ کی اس انگیخت پر اُس کے ساتھی بھی قطرہ قطرہ پگھلاتی، ذرہ ذرہ سلگاتی زہریلی آندھیوں اور درد کی بے انت راہوں پر وقت کو ساکت کرتی، شکست کی نفی کر دینے والی صداؤں کی طرح حملہ آور ہونے لگے تھے۔

خازم بن خزیمہ اور اُس کے ساتھیوں کے یہ حملے اس قدر جان لیوا اور ہولناک تھے کہ خارجی اور ان کا سالار شعبانی انہیں زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکے۔ چنانچہ ابنِ خزیمہ کے ہاتھوں انہیں بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ جب وہ بھاگے تو خازم نے بڑی بے دردی اور بڑی سرعت کے ساتھ ان کا تعاقب کیا اور ان کی اکثریت کو اس نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس طرح خازم بن خزیمہ نے اومان میں اُٹھنے والے خارجیوں کی اس بغاوت اور سرکشی کو مکمل طور پر روند کر رکھ دیا تھا۔

❀❀❀

جن دنوں خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نے مدائن کو فتح کرنے کے بعد وہاں قیام کئے ہوئے تھے انہی دنوں جبکہ سفاح انبار شہر کے قصر میں بیٹھا ہوا تھا، اُس کے چوبدار نے اُسے ابومسلم کے دو قاصدوں کے آنے کی اطلاع کی۔ چنانچہ سفاح کے حکم پر جب اُن دونوں قاصدوں کو اس کے سامنے پیش کیا گیا تب سفاح نے انہیں مخاطب کر کے پوچھا۔

''مجھے بتایا گیا ہے کہ تمہیں ابومسلم نے بھیجا ہے۔ کہو تم میرے لئے کیا پیغام لے کر آئے ہو؟''

اس پر ان میں سے ایک سفاح کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''امیر! بات یہ ہے کہ ابومسلم نے سنا ہے کہ خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نے چونکہ مدائن فتح کر لیا ہے اور اس مہم سے وہ فارغ ہو چکے ہیں اور آپ انہیں کسی اور مہم پر روانہ بھی نہیں کر رہے ہیں اس لئے ابومسلم چاہتا ہے کہ خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث دونوں نہیں تو کم از کم ابنِ اشعث ہی کو اُس کی طرف بھیج دیا جائے تا کہ وہ ابومسلم کے

تحت لشکریوں کے سالار کی حیثیت سے کام کرے۔ اس لئے کہ کش کے غیر مسلم حکمرانوں کی طرف سے اکثر و بیشتر ہمارے علاقوں پر حملے ہوتے رہتے ہیں۔ لہٰذا ابومسلم خراسانی چاہتا ہے کہ محمد بن اشعث کو کش کی اس مہم پر روانہ کیا جائے اور وہ اس کے ماتحت کام کرے۔''

جس وقت سفاح سے یہ گفتگو ابومسلم کے قاصد کر رہے تھے اس وقت سفاح کے پاس زیاد بن صالح اور صباح بن نعمان دو سالار بیٹھے ہوئے تھے۔ ابومسلم خراسانی کے قاصدوں کا پیغام سن کر زیاد بن صالح اور صباح بن نعمان دونوں ہی حیرت اور تفکرات بھرے انداز میں کبھی ابومسلم خراسانی کے قاصدوں اور کبھی سفاح کی طرف دیکھ لیتے تھے۔ سفاح نے بھی اُن کے اس طرح دیکھنے سے اُن کی حیرت اور پریشانی کا اندازہ لگا لیا تھا۔ چنانچہ اُس نے ابومسلم خراسانی کے قاصدوں کو مخاطب کر کے کہا کہ تم چند روز یہاں قیام کرو۔ میں تیز رفتار قاصد ابنِ اشعث کی طرف روانہ کرتا ہوں اور پھر دیکھتا ہوں کہ ابومسلم خراسانی کے اس جواب میں وہ کیا کہتا ہے؟ اس کے ساتھ ہی سفاح نے اپنے چوبدار کو اشارہ کو اور وہ ابومسلم خراسانی کے دونوں قاصدوں کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

ابومسلم خراسانی کے یہ دونوں قاصد جب چلے گئے تب صباح بن نعمان حیرت زدہ سے انداز میں تھوڑی دیر تک سفاح کو دیکھتا رہا، پھر کہنے لگا۔

''امیر! ابومسلم خراسانی کے یہ دونوں قاصد کیسا اَن ہونا، کیسا بے حقیقت سا پیغام لے کر آئے ہیں۔ ابومسلم نے جو یہ پیغام بھیجا ہے کہ محمد بن اشعث کو اُس کی طرف بھیجا جائے اور اُس کے ماتحت کش کے حکمرانوں کے خلاف جنگ کرے تو ایسا ابومسلم خراسانی ایک پرخاش، تعصب اور نفرت کی آگ کے تحت کر رہا ہے۔ آپ جانتے ہیں ابومسلم خراسانی ایک عرصہ سے محمد بن اشت اور خازم بن خزیمہ کے خلاف چلا آ رہا ہے۔ اُس کے آدمیوں نے ہی محمد بن اشعث کے چچا کو قتل کیا تھا جو آپ ہی نہیں، آپ کے بڑے بھائی ابوجعفر منصور کا بھی بڑا جانثار، مخلص اور ضرورت کے ہر موقع پر کام آنے والا شخص تھا۔ دراصل ابومسلم نے یہ پیغام دے کر محمد بن اشعث جیسے عمدہ اور لاجواب سالار کی توہین اور بے عزتی کرنے کی کوشش کی ہے۔ ابومسلم یہ خیال کرتا ہے کہ وہ ناقابل تسخیر ہے۔ کوئی بھی دوسرا تیغ زن اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

امیر! میں دعویٰ سے کہتا ہوں اگر ابومسلم خراسانی اور محمد بن اشعث کا تیغ زنی کا انفرادی مقابلہ کرا دیا جائے تو محمد بن اشعث اس ابومسلم خراسانی کو چند لمحوں کے اندر اپنے سامنے ڈھیر کر کے رکھ دے گا۔ لیکن چونکہ ابومسلم خراسانی ایک سازشی انسان ہے اور خراسان کے اندر اُس نے طاقت اور قوت حاصل کر لی ہے۔ اس بناء پر وہ ہر کام اپنی مرضی کے مطابق کرنا چاہتا ہے۔

امیر! میں آپ سے یہ بھی کہہ دوں کہ آنے والے دور میں یہ ابومسلم خراسانی آپ اور آپ کے بھائی ابوجعفر منصور کے لئے بھی بڑے بڑے مسائل پیدا کر سکتا ہے۔ جہاں تک محمد بن اشعث کا تعلق ہے تو ابومسلم خراسانی تو خلوص اور جانثاری میں محمد بن اشعث کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد صباح بن نعمان تھوڑی دیر کے لئے رُکا، کچھ سوچا، دوبارہ وہ سفاح کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''امیر! میں محمد بن اشعث ہی نہیں، خازم بن خزیمہ کے تحت بھی کام کر چکا ہوں۔ یہ دونوں سالار لاجواب، بے مثل، بے نظیر ہی نہیں بلکہ یہ بڑے وفادار ہیں۔ کسی کے خلاف یہ ناحق حرکت میں نہیں آتے۔ قتل و غارت گری اُن کا مشغلہ نہیں ہے۔ جبکہ ابومسلم خراسانی اُن کا اُلٹ ہے۔ ابومسلم خراسانی جو محمد بن اشعث کو خراسان بلا کر اپنے نائب کی حیثیت سے کام لینا چاہتا ہے تو ایسا وہ صرف اس لئے نہیں کر رہا کہ محمد بن اشعث کو اپنے سامنے نیچا دکھائے بلکہ یاد رکھئے گا کہ اگر ایسا ہوا تو ایک نہ ایک دن سازش اور غداری سے کام لیتے ہوئے یہی ابومسلم خراسانی محمد بن اشعث کا خاتمہ کرا دے گا۔

ایسا اس لئے ہو گا کہ آپ نے سنا ہو گا کہ پچھلے دنوں یہ افواہ اُڑی تھی کہ محمد بن اشعث کے چچا کو ابومسلم خراسانی کے سالار مالک بن ہیثم کے کہنے پر ایک مجوسی مرداویج اور اس کے ساتھیوں نے موت کے گھاٹ اُتارا تھا۔ اس کے بعد یہ بھی خبریں آئیں کہ مالک بن ہیثم کے اُس پارسی ساتھی مرداویج اور اس کے کئی ہمراہیوں کو کسی نے موت کے گھاٹ اُتار دیا ہے۔ اس طرح ابومسلم اور اس کے سالار مالک بن ہیثم کے دلوں میں کانٹے چبھ گئے ہیں کہ ان کے ایک ہردلعزیز ساتھی کو مروا دیا گیا ہے۔ وہ یہی سوچ رہے ہیں کہ ایسا یقیناً محمد بن اشعث نے کیا ہو گا۔ لہٰذا محمد بن اشعث کو اپنے پاس

خراسان بلا کر اور کسی مناسب موقع پر اس کا کام تمام کر کے وہ اپنے ساتھی مرداویج کا انتقام بھی لینا چاہتے ہیں۔'' یہاں تک کہنے کے بعد صباح بن نعمان جب خاموش ہوا تب ہلکا سا تبسم عباسی خلیفہ سفاح کے چہرے پر نمودار ہوا، پھر کہنے لگا۔

''میں تمہارے ان الفاظ سے مکمل طور پر اتفاق کرتا ہوں۔ مرداویج کا قتل صحیح ہوا ہے اور اسے قتل کیا جانا چاہئے تھا۔ اور میں جانتا ہوں یہ کام خود محمد بن اشعث نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر کیا ہے۔ انہیں ایسا کرنا چاہئے تھا۔ جہاں تک ابو مسلم خراسانی کا تعلق ہے تو یہ شخص کسی بھی صورت میں قابلِ بھروسہ اور قابلِ اعتماد نہیں ہے۔ جہاں تک محمد بن اشعث کا تعلق ہے تو اس پر تو میں مکمل اعتماد اور بھروسہ کر سکتا ہوں۔ وہ ضرورت کے وقت چھاتی تان کر ہمارے سامنے آ سکتا ہے۔ یہی کیفیت اُس کے خالہ زاد خازم بن خزیمہ کی بھی ہے۔ ہماری نگاہوں میں اُن دونوں کے مقابلے میں ابو مسلم خراسانی اپنے اعمال کے لحاظ سے بالکل ہلکا ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ابو مسلم خراسانی محمد بن اشعث کو جو خراسان بلا رہا ہے وہ اپنے ماتحت اُس سے کام لینا چاہتا ہے تو اس طرح وہ محمد بن اشعث کا خاتمہ کرانا چاہتا ہے۔ لیکن ایک روز وقت دیکھے گا کہ ابو مسلم خراسانی خود اس محمد بن اشعث کے ہاتھوں مارا جائے گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد سفاح رکا، پھر وہ صباح بن نعمان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''ابھی اور اسی وقت تیز رفتار قاصد محمد بن اشعث کی طرف روانہ کرو۔ اسے ساری صورتِ حال سے آگاہ کرو اور اسے میرا یہ پیغام دو کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تمہارا اور ابو مسلم خراسانی کا تیغ زنی کا مقابلہ کرایا جائے گا اور جو مقابلہ جیتے گا اسے نہ صرف خراسان کا حاکم مقرر کر دیا جائے گا بلکہ شمال کی مہموں کا سربراہ بھی وہی ہوگا۔ اس کے بعد جو پیغام محمد بن اشعث کی طرف آئے گا، وہی ابو مسلم خراسانی کی طرف بھیج دیا جائے گا۔ پھر دیکھتے ہیں ابو مسلم خراسانی کیا جواب دیتا ہے۔''

چنانچہ اسی روز تیز رفتار قاصد محمد بن اشعث کی طرف روانہ کر دیئے گئے جو چند ہی دن بعد واپس آئے اور عباسی خلیفہ سفاح کو خبر دی کہ محمد بن اشعث ابو مسلم خراسانی کے ساتھ تیغ زنی کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہے۔''

محمد بن اشعث کا یہ پیغام ملنے کے بعد سفاح نے ابو مسلم خراسانی کے دونوں قاصدوں کو بلایا اور انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''آج ہی میرا پیغام لے کر ابو مسلم خراسانی کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ اُس نے جو محمد بن اشعث کو مانگا تھا تو میں نے اس سلسلے میں محمد بن اشعث سے مشورہ کیا ہے۔ محمد بن اشعث کا کہنا ہے کہ ابو مسلم خراسانی کو انبار شہر بلایا جائے۔ یہاں اُس کا اور ابو مسلم خراسانی کا تیغ زنی کا مقابلہ کرایا جائے جو تیغ زنی میں فائق و کامیاب ہو۔ وہی خراسان کا حاکم مقرر کیا جائے اور شمال کے غیر مسلم حکمرانوں کے خلاف اُسے ہی سالارِ اعلیٰ بنا کر یہ مہم سونپی جائے۔''

چنانچہ اُسی روز سفاح کا یہ پیغام لے کر اس کے قاصد خراسان کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ سفاح نے اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اُس کے دوسرے روز اُس نے اپنے دونوں سالاروں صباح بن نعمان اور زیاد بن صالح کو ان کے پیچھے پیچھے روانہ کیا تاکہ خراسان کے حالات کا جائزہ لیں، ابو مسلم خراسانی کی کارروائیوں پر نگاہ رکھیں اور پھر پورے حالات سے اسے آگاہ کریں۔

ابو مسلم خراسانی کے قاصد جب اُس کے پاس پہنچے اور سفاح کا پیغام اُسے دیا تب ابو مسلم خراسانی بڑا سیخ پا ہوا۔ اُس نے اسے اپنے لئے توہین سمجھی کہ اس کا مقابلہ محمد بن اشعث سے کرایا جائے اور جو جیتے اُسے ہی خراسان کا حاکم مقرر کیا جائے۔ اس لئے کہ خراسان کو تو ابو مسلم خراسانی اپنی ذاتی ملکیت سمجھتا تھا۔ لہٰذا ابو مسلم کے ساتھ تیغ زنی کے اس مقابلے کی دعوت کا اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوسری طرف سفاح کے دونوں سالار صباح بن نعمان اور زیاد بن صالح بھی وہاں پہنچ گئے۔ وہاں قیام کے دوران انہوں نے حالات پر نظر رکھنا شروع کر دی تھی۔

دوسری طرف سفاح نے ایک اور احتیاط برتی۔ اس نے چونکہ محمد بن اشعث کو کش کے غیر مسلم حکمرانوں پر ضرب لگانے کے لئے روانہ کیا تھا اور اُن کا علاقہ ابو مسلم کے صوبہ خراسان سے ملتا تھا لہٰذا سفاح نے محمد بن اشعث کے نام پیغام بھیجا تھا کہ جس مہم پر وہ جا رہا ہے اس مہم کے دوران وہ ابو مسلم خراسانی کی طرف سے محتاط رہے۔

محمد بن اشعث اور ابوداؤد خالد بن ابراہیم دونوں اپنے لشکر کو لے کر کش کے علاقوں کی طرف بڑھے۔ کش کا بادشاہ فرید، اس کا بھائی تادان اور دیگر سالار ایک بہت بڑا لشکر لے کر اس کے مقابل آئے اور دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے پڑاؤ کر گئے اور ایک دوسرے سے ٹکرانے کی تیاریوں میں لگ گئے تھے۔

جنگ کی ابتداء کرنے سے پہلے جس وقت محمد بن اشعث ایک طرف اپنے چھوٹے سالاروں سے گفتگو کر رہا تھا اور دوسری طرف ابوداؤد خالد بن ابراہیم کچھ سالاروں سے بات چیت کر رہا تھا۔ سفاح کے مخبروں میں سے ایک محمد بن اشعث کے پاس آیا۔ آنکھ کے اشارے سے محمد بن اشعث کو ایک طرف بلایا۔ اس پر محمد بن اشعث جس کام میں مصروف تھا، اسے چھوڑ دیا۔ آنے والے اُس مخبر کی طرف بڑھا۔ جب وہ اس کے قریب گیا تب محمد بن اشعث کو مخاطب کرتے ہوئے وہ مخبر بڑی رازداری اور سرگوشی میں کہنے لگا۔

''اس ٹکراؤ اور جنگ کے دوران محتاط رہئے گا۔ جہاں تک میں معلومات حاصل کر سکا ہوں ان کے مطابق ابوداؤد خالد بن ابراہیم، ابومسلم خراسانی کا آدمی ہے۔ ابومسلم خراسانی نے ابوداؤد خالد بن ابراہیم کی طرف اپنے کچھ آدمی بھیجے ہیں اور ابوداؤد کے نام مسلم خراسانی نے یہ پیغام بھیجا ہے کہ جس وقت جنگ اپنے زوروں پر آئے وہ اپنے حصہ کے لشکر کو لے کر پسپائی اختیار کرے اور کش کے حکمرانوں اور ان کے سالاروں اور لشکریوں کے سامنے محمد بن اشعث کو اکیلا چھوڑ دے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد وہ مخبر رُکا، پھر دوبارہ وہ محمد بن اشعث کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''امیر! بات یہ ہے کہ ابومسلم خراسانی آپ سے دشمنی و عناد رکھتا ہے۔ آپ کا ہر مہم میں کامیاب ہونا ابومسلم خراسانی کو بڑا گراں گزرتا ہے۔ وہ یہی خیال کرتا ہے کہ بنو عباس صرف اُس پر اعتماد اور بھروسہ کریں اور جو وہ حکم دے، جو وہ کام کرے، اُسے آخری خیال کیا جائے اور اس کی خلاف ورزی نہ کی جائے اور نہ اس پر کوئی تنقید کی جائے۔ دراصل ابومسلم نے اپنے دل میں یہ خیال بٹھا لیا ہے کہ بنوعباس کی یہ حکومت اس کے دم سے ہے۔ وہ یہ بھی خیال کرتا ہے کہ جس دن اس نے بنوعباس کا ساتھ دینا ترک کر دیا تو بنوعباس کی یہ حکومت لمحوں کے اندر بوسیدہ دیوار کی طرح گر کر ختم ہو جائے گی۔ اسی بناء پر وہ ہر کام اپنی حدود سے باہر نکل کر کرتا ہے۔

امیر! اس جنگ میں شروع میں ابوداؤد خالد بن ابراہیم دشمن پر بھرپور ضرب لگائے گا لیکن جب وہ دیکھے گا کہ آپ بھی اپنے حصہ کے لشکر کے ساتھ دشمن کے ساتھ بری طرح مصروف ہو چکے ہیں تب وہ ایک دم پیچھے ہٹے گا تاکہ آپ دشمن کے مقابلے پر اکیلے رہ جائیں اور فتح و کامرانی کی بجائے کش کے حکمرانوں کے مقابلے میں آپ کو شکست کا سامنا کرنا پڑے۔

ابومسلم چاہتا ہے کہ اگر کش کے اس لشکر کے مقابلے میں آپ کو شکست ہوئی تو بنو عباس کے خلیفہ سفاح کی نگاہوں میں آپ کی قدر و قیمت کم ہو جائے گی اور وہ زیادہ سے زیادہ ابومسلم خراسانی پر بھروسہ اور اعتماد کرنے لگے گا۔ بس یوں جانیں کہ کش کے لشکریوں کے ہاتھوں آپ کی شکست کا اہتمام کر کے ابومسلم خراسانی اپنے سامنے آپ کو نیچا دکھانا چاہتا ہے۔ اس کے دل میں یہ بات تو بیٹھ چکی ہے کہ آپ تیغ زنی کے فن میں اس سے بالا اور اعلیٰ ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو جس طرح سفاح نے اسے کہا تھا کہ وہ انبار چلا آئے، محمد بن اشعث اور اس کے درمیان تیغ زنی کا مقابلہ کراتے ہیں اور جو فتح مند ہوگا وہی نہ صرف خراسان کا حکمران بنے گا بلکہ شمال کے وحشیوں کی مہم کی سربراہی بھی اس کے سپرد کی جائے گی۔ ابومسلم خراسانی کا اس چیلنج کے مقابلے میں خراسان سے نکل کر انبار کی طرف نہ جانا، اس نشاندہی کو عیاں کرتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو آپ کے مقابلے میں تیغ زنی کے فن میں کمتر خیال کرتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ یقیناً اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے اس انبار کا رخ ضرور کرتا۔

آپ کی طرف سے اسے چونکہ تیغ زنی کے مقابلے کی دعوت دی گئی تھی، اس کا

انتقام وہ آپ سے اس طرح لے رہا ہے کہ ابوداؤد خالد بن ابراہیم سے ساز باز کر کے کش کے حکمرانوں کے مقابلے میں آپ کو شکست سے دوچار کرنے کے درپے ہے۔ تا کہ عباسیوں کی نگاہوں میں آپ کی ساکھ اور عزت کو ختم کیا جا سکے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد وہ مخبر جب خاموش ہوا تب ہلکی سی مسکراہٹ میں محمد بن اشعت کہنے لگا۔

''اس ابومسلم خراسانی اور ابوداؤد خالد بن ابراہیم کی ایسی تیسی۔ عزت وعظمت، طمطراق میرے خداوند قدوس کی طرف سے ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے، عزت دیتا ہے، جسے چاہتا ہے ذلت سے دوچار کر دیتا ہے۔ ابومسلم خراسانی جیسے مجوسی نسل کی ایسی تیسی کہ وہ میری تقدیر سے کھیلنے کی کوشش کرے۔ میرے مالک، میرے خالق، میرے سوہنے رب نے جو میرے مقدر میں لکھ دیا ہے، اسے کوئی ٹال نہیں سکتا اور جو کچھ اس نے میرے مقدر میں نہیں لکھا وہ مجھے کوئی نہ دے سکتا ہے نہ عنایت کر سکتا ہے۔ میں تو اپنا پورا اعتماد، اپنا پورا بھروسہ اپنے رب پر کرتا ہوں۔ میں جانتا ہوں ابومسلم جیسے مجوسی باہر سے مسلمان ضرور ہیں، باطن میں یہ مجوسیوں کے ہوا خواہ ہیں اور ان کو یہ درد اور کرب بھی ہے کہ ان کا پرانا مذہب مسلمانوں کے ہاتھوں خوار اور خراب ہوا ہے۔ لہٰذا ابومسلم اور اس کے بہت سے ساتھی اسی بناء پر ہم عربوں کے خلاف ہیں۔ ایرانیوں کا اس لئے ساتھ دیتے ہیں کہ پورے ایران میں کبھی مجوسی مذہب رائج تھا، لہٰذا وہ دوبارہ ایرانیوں کو مجوسیت ہی کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ لیکن میرے خداوند کو اگر منظور ہوا تو کوئی بھی اسلام قبول کرنے والوں کو مجوسیت کی طرف نہیں لے جا سکتا۔

اگر کش کے ان سالاروں اور لشکریوں کے سامنے ابوداؤد خالد بن ابراہیم مجھے رُسوا کرنے، دھوکا دینے کے لئے اور ابومسلم خراسانی کا کہا مانتے ہوئے پسپا ہونا چاہتا ہے تو ہو لے۔ اس جنگ میں میرے محترم رب نے اگر میرے مقدر میں کامیابی اور فوزمندی لکھی ہے تو ابومسلم جیسا سیاہ کار انسان اسے شکست میں تبدیل نہیں کر سکتا۔ اب تُو مطمئن رہ اور جا، اپنے کام میں لگ جا۔''

اس کے ساتھ ہی مخبر وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ دوبارہ محمد بن اشعت اپنے سالاروں کے پاس آیا اور جو گفتگو مخبر کے ساتھ ہوئی تھی، اس کی روشنی میں اس نے بڑی راز داری کے ساتھ اپنے سالاروں کے ساتھ صلاح مشورہ کیا۔ اس موقع پر اس نے اپنی جنگی

منصوبہ بندی میں کوئی تبدیلی کر دی تھی۔ اس کے بعد جب کش کے حکمرانوں کے لشکر میں جنگ کی ابتداء کرنے کے لئے طبل بجنے لگے تب محمد بن اشعت سنبھلا، اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا اس طرف گیا جس طرف ابوداؤد خالد بن ابراہیم اپنے حصے کے لشکر کے سامنے آ گیا تھا۔ قریب آ کر محمد بن اشعت اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے عزیز! شروع میں ہی دشمن کے خلاف پوری طاقت وقوت کے ساتھ جارحیت اختیار کر لینی ہے تا کہ شروع میں ہی ہم دشمن کے پاؤں اکھیڑنے میں کامیاب ہو جائیں۔''

ابوداؤد خالد بن ابراہیم نے بظاہر مسکراتے ہوئے محمد بن اشعت کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا لیکن اندر ہی اندر وہ بہت گھناؤنے ارادے کر چکا تھا۔

آخر دونوں لشکر روبرو ہوئے۔ جنگ کی ابتداء غیر مسلم کش حکمرانوں نے کی۔ پھر وہ بے کراں آسمان تلے گردِ سفر کی طرح اُڑا مارنے والے ہوس کی بُو کے دوزخ، زمین کے زندان میں بیاض، وقت کو خون آلود کر دینے والے کند کرب کے اندھے ویران ریگزاروں اور دھوئیں کی اُٹھتی افسردہ لہروں میں صداؤں اور سوچوں کے طوفانوں کی طرح حملہ آور ہو گئے۔

کش کے اس حملے کے جواب میں سب سے پہلے ابوداؤد خالد بن ابراہیم حرکت میں آیا اور وہ کش کے لشکر پر یادوں کے بیابانوں میں دکھ بھری شام کی پرچھائیوں، اجنبیت کی دُھند میں لمحوں کو ویران کرتی گھور گھٹاؤں کی برق، خوابوں کے جزیروں کو ویران اور بے نام کر دینے والی مہیب شعبدہ گری کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

اس موقع پر محمد بن اشعت نے اپنی جنگی منصوبہ بندی کو یکسر تبدیل کر دیا تھا۔ ابوداؤد خالد بن ابراہیم کے حملہ آور ہونے کے بعد وہ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ سلگتی ریت کے صحراؤں میں نفاست اور تازگی کو بگاڑتی لُو، روزنِ زندان میں پتھر کی طرح چپ، ماحول میں زندگی کو اُجاڑتی ان گنت خراشوں کی طرح حرکت میں آیا۔ پھر سامنے آ کر دشمن کا مقابلہ کرنے کی بجائے وہ رات کی دہلیز پر اُترتی شام میں آگ کے کھولتے سمندر، لطف ولذت کی نیرنگیوں کو بے نسب و بے گمان لمحوں میں تبدیل کر دینے والے تقدیر کے بدترین، پُرشور بگولوں اور آسمان کے گنبد سے اُترتی بارش کے شانوں پر کڑکتی بدن کی دھجیاں تک اُڑاتی برق کی ہولناک چمک کی طرح کش کے لشکر کے پہلو پر حملہ

آور ہو گیا تھا۔

کچھ دیر تک دونوں لشکر ہولناک انداز میں ایک دوسرے سے ٹکراتے رہے۔ اس کے بعد جب محمد بن اشعث نے یہ اندازہ لگایا کہ اس سے بے وفائی کرنے کے لئے ابومسلم کے کہنے پر داؤد خالد بن ابراہیم اپنے حصہ کے لشکر کے ساتھ پیچھے ہٹنے لگا ہے، تب محمد بن اشعث نے ایک بہت بڑا قدم اٹھایا۔ ایک دم اُس نے اپنے لشکر کا رُخ بدلا، پھر وہ ضبط کی اذیت ناکیاں طاری کرتے وقت کے بدترین خونی مناظر، مرگ کے سرمئی سایوں میں زخم زخم کر دینے والے سوچوں کے کرب خیز جال اور خونی دستک دیتی قضا اور درد کے پیوند لگاتی موت کی طرح کِش کے لشکر کے درمیانی حصہ پر حملہ آور ہوا تھا۔

اور یہ حملہ ایسا زوردار اور جان لیوا تھا کہ محمد بن اشعث کِش کے لشکر میں کچھ اس طرح گھستا گیا تھا جیسے تیز دھار کا خنجر تربوز کا سینہ چیرتا ہوا اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ یہی کیفیت محمد بن اشعث نے طاری کی اور اس نے دشمن کے لشکر کے درمیانی حصہ میں گھس کر کش کے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ایک حصہ ابوداؤد خالد بن ابراہیم کے ساتھ ہی برسرِ پیکار رہا۔ اس میں کِش والوں کا بادشاہ قرید اور بھائی تازان بھی شامل تھے۔ جبکہ لشکر کے دوسرے حصہ پر ایسے جان لیوا حملے محمد بن اشعث نے شروع کئے کہ لمحوں کے اندر انہیں بدترین شکست دی۔ وہ حصہ بھاگ کھڑا ہوا اور محمد بن اشعث کسی چوپان کی طرح ان کے پیچھے لگ گیا تھا اور بڑی تیزی سے ان کی تعداد کم کرنے لگا تھا۔

ابوداؤد خالد بن ابراہیم نے جب دیکھا کہ ابومسلم خراسانی نے جو اس کے لئے تجویز پیش کی تھی وہ تو اب بالکل بے کار ہو گئی ہے۔ محمد بن اشعث نے اب دشمن کے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے اور ایک حصہ کو شکست دے کر اس نے مار بھگایا ہے اور اس کے تعاقب میں لگ گیا ہے۔ اس نے سوچا کہ جس لشکر کے ساتھ وہ ٹکرا رہا ہے اب اگر اس کے سامنے سے اس نے پسپا ہونے کی کوشش کی تو جس طرح محمد بن اشعث نے کِش کے بھاگتے لشکر کا تعاقب شروع کر دیا ہے اس طرح کِش کے لشکر کا دوسرا حصہ اس کا تعاقب شروع کر کے اسے موت کے گھاٹ بھی اتار سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے پسپا ہونے کی بجائے اس حصہ پر زوردار حملے شروع کر دیئے تھے۔

چنانچہ ابوداؤد خالد بن ابراہیم نے کِش کے اُس لشکر کو بدترین شکست دی۔ اس

ٹکراؤ کے دوران کِش کا بادشاہ قرید بھی گرفتار ہوا تھا۔ اس نے امان طلب کی لیکن ابوداؤد نے اسے امان نہیں دی اور قتل کر دیا۔ اُس کا بھائی تازان بھی لشکر میں شامل تھا اور اپنی طرف سے ابوداؤد خالد بن ابراہیم نے تازان کو کِش کا حکمران بنا دیا اور یہ سارے فیصلے اس نے محمد بن اشعث سے مشورہ کئے بغیر ہی کر دیئے تھے۔

ابوداؤد خالد بن ابراہیم نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس نے ایک اور بھی قدم اُٹھایا۔ اُس نے کِش والوں کی شکست کے بعد اس کے پڑاؤ پر قبضہ کر لیا اور وہاں سے جس قدر قیمتی اور نفیس چیزیں ہاتھ لگیں وہ فی الفور ابومسلم کی طرف روانہ کر دیں۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ ان چیزوں میں منقش سونے کے ریشمی کپڑے، سامانِ آرائش، نفیس نفیس اسباب، چینی کا سامان جس کو زمانے کی آنکھ نے نہ دیکھا تھا، شامل تھا۔ وہ سارا سامان ابومسلم خراسانی کی طرف روانہ کر دیا۔ ابومسلم خراسانی اس وقت سمرقند میں اپنے لشکر کے ساتھ قیام کئے ہوئے تھا سمرقند ہی میں اس کی خدمت میں صباح بن نعمان اور زیاد بن صالح حاضر ہوئے تھے۔

صباح بن نعمان نے بڑی بے باکی سے ساری گفتگو ابومسلم خراسانی سے کی تھی جو خلیفہ سفاح سے ہوئی تھی۔ جبکہ اس کے مقابلے میں زیاد بن صالح بالکل خاموش رہا۔

چنانچہ ابومسلم خراسانی نے اپنے ایک سالار کو حکم دیا کہ صبح بن نعمان کو قتل کر دیا جائے جبکہ زیاد بن صالح کو چپ رہنے کا انعام اس نے یہ دیا کہ اسے اس نے سمرقند کا حاکم مقرر کر دیا تھا۔ ابومسلم خراسانی اس زیاد بن صالح سے بھی مشکوک ہو گیا اور زیاد بن صالح کو بھی موت کے گھاٹ اُتروا دیا۔ اس وقت تک ابوداؤد خالد بن ابراہیم اپنے حصہ کے لشکر کو لے کر محمد بن اشعث سے مشورہ کئے بغیر طالقان کی طرف چلا گیا تھا۔ محمد بن اشعث کِش والوں کا تعاقب کرنے کے بعد جب واپس آیا اور اسے ساری صورت حال کی خبر ہوئی تب وہ جان گیا کہ ابومسلم اور ابوداؤد خالد بن ابراہیم بڑی گہری سازشوں میں مصروف ہیں چنانچہ اُس نے کسی ردِعمل کا اظہار نہ کیا۔ اپنے حصہ کا لشکر لے کر وہ انبار کی طرف روانہ ہو گیا تھا جبکہ ابوداؤد خالد بن ابراہیم جس وقت اپنے حصہ کے لشکر کے ساتھ طالقان میں قیام کئے ہوئے تھا تو ابومسلم خراسانی کا ایک مخبر اس کے پاس آیا۔ اس مخبر نے ابوداؤد پر یہ انکشاف کیا کہ اس کے ایک سالار عیسیٰ نے چند خطوط ابومسلم کے ہمراہیوں کے پاس بھیجے تھے جن میں ابوداؤد کی برائیاں لکھی ہوئی تھیں۔

ساتھ ہی ابومسلم نے وہ خطوط بھی ابوداؤد کی طرف روانہ کر دیئے تھے۔ چنانچہ ابوداؤد نے فوراً عیسیٰ بن مہان کو پٹوا کر قید کر دیا۔ کچھ عرصہ قید میں رکھا، پھر رہا کر دیا اور پھر اپنے آدمیوں کو یہ بھی حکم دے دیا کہ جونہی عیسیٰ کو زندان سے رہائی دی جائے اور وہ باہر نکلے تو اسے قتل کر دینا۔ چنانچہ عیسیٰ بن مہان جونہی زندان سے نکلا، ابوداؤد کے لشکری اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کو مار ڈالا۔

ان ساری کارروائیوں کی تکمیل کے بعد ابومسلم اپنے لشکر کے ساتھ بخارا سے اپنے مرکزی شہر مرو کی طرف چلا گیا تھا۔

❁

❁

محمد بن اشعث ایک روز اپنے لشکر کے ساتھ انبار شہر میں داخل ہوا۔ لشکر کو اس نے مستقر کی طرف روانہ کر دیا۔ خود سفاح سے ملنے کے لئے اس کے قصر کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہ سفاح کی خدمت میں حاضر ہوا تو سفاح کے پاس اس وقت اس کا چچا عبداللہ بن علی اور عباسیوں کا بہترین سالار اور محمد بن اشعث کا خالہ زاد خازم بن خزیمہ بیٹھے ہوئے تھے۔

سفاح نے محمد بن اشعث کی کامیابی پر اسے مبارکباد دی۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر شاندار انداز میں اس کا استقبال کیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن علی، خازم بن خزیمہ بھی پرجوش انداز میں محمد بن اشعث سے ملے تھے۔ سفاح کے کہنے پر محمد بن اشعث اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ پھر کِش کی مہم میں جو کچھ پیش آیا تھا، وہ اس نے سفاح سے کہہ دیا تھا۔

محمد بن اشعث جب خاموش ہوا تب سفاح دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

''ابنِ اشعث! اس میں کوئی شک نہیں، ابوداؤد خالد بن ابراہیم نے بہت غلط قدم اٹھایا لیکن وہ ہمارا اور تمہارا دشمن نہیں ہے۔ ایسا اُس نے ابومسلم خراسانی کی دھونس اور دھمکی کے تحت کیا۔ تمہاری آمد سے پہلے اُس کا ایک خاص آدمی میری خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے انکشاف کیا کہ وہ کِش والوں کے ساتھ جنگ کے دوران تمہیں دھوکا دے کر اور اپنے حصہ کے لشکر کے ساتھ پسپا ہوا تا کہ محمد بن اشعث کو شکست ہو اور وہ میری نگاہوں میں گر جائے۔ اس طرح ابومسلم خراسانی اپنے علاوہ کسی دوسرے سالار کو ترقی کرتے نہیں دیکھنا چاہتا۔ ابومسلم خراسانی نے ابوداؤد خالد بن ابراہیم کو یہ بھی دھمکی دی تھی کہ اگر شکست ہو تو بھاگ کر اس کے پاس آ جانا، محمد بن اشعث کی مدد نہ کرنا۔ اُس نے ابوداؤد خالد بن ابراہیم کو یہ بھی پیغام دیا کہ اگر کِش والوں کے خلاف محمد بن

اشعت اکیلا کامیابی حاصل کرے تو تم یہ کرنا کہ جب وہ کش والوں کو شکست دے کر ان کا تعاقب کرے تو سارے مالِ غنیمت پر قبضہ کر کے وہ سب کچھ میری طرف روانہ کر دینا۔

چنانچہ ابوداؤد خالد بن ابراہیم نے یہ سب کچھ ابومسلم خراسانی کی دھونس اور دھمکی کے تحت کیا ہے۔ ورنہ وہ ہمارا دشمن نہیں ہے۔ تمہارے خلاف بھی کبھی حرکت میں نہ آتا اگر ابومسلم خراسانی بیچ میں نہ پڑتا۔ دراصل ابومسلم خراسانی اب اپنی حدود سے نکلتا جا رہا ہے۔ میرے خلیفہ بننے کے بعد اُس نے آج تک میری بیعت بھی نہیں کی، نہ ہی میری خدمت میں حاضر ہو کر اس نے کبھی اس بیعت کا ذکر کیا۔ محمد بن اشعث! تمہاری غیر موجودگی میں، میں نے اپنے بھائی ابوجعفر منصور کو یہاں بلا لیا ہے۔ وہ آج یا کل یہاں پہنچ جائے گا۔ میں اُسے چند دستوں کے ساتھ خراسان کی طرف بھیجنا چاہتا ہوں تاکہ وہ ابومسلم خراسانی سے میری بیعت لے۔ مجھے امید ہے کہ آج نہیں تو کل میرا بڑا بھائی ابوجعفر منصور یہاں پہنچ جائے گا۔ پہلے میرا ارادہ تھا کہ میں تمہیں ابوجعفر منصور کے ساتھ بھیجوں گا۔ اس لئے کہ اس نے تمہیں اپنا بیٹا بنا رکھا ہے۔ وہ سب سے زیادہ تم پر اعتماد اور بھروسہ کرتا ہے۔ لیکن تم چونکہ ایک بڑی مہم سے واپس آئے ہو لہٰذا میں تمہیں کچھ دن آرام کرنے کا موقع دیتا ہوں۔ تم اچھے وقت پر آئے ہو اس لئے کہ خازم بن خزیمہ سے مشورہ کرنے کے بعد میں نے ایک فیصلہ بھی کیا ہے۔''

محمد بن اشعث نے سفاح کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

''کیسا فیصلہ؟''

اس پر سفاح مسکرایا اور کہنے لگا۔

''یہ تم دونوں کے سامنے میرا چچا عبداللہ بن علی بیٹھا ہے۔ میں نے اسے شام اور عراق کا حاکم بنانے کے بعد اسے رومنوں کے خلاف حرکت میں آنے کے لئے مقرر کر دیا ہے۔''

سفاح یہیں تک کہنے پایا تھا کہ اس کا چوبدار کمرے کے دروازے پر نمودار ہوا اور سفاح کو اس کے بھائی ابوجعفر منصور کے آنے کی اطلاع دی جو ان دنوں جزیرہ کا عامل تھا۔ یہ خبر سن کر سفاح کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اتنی دیر تک سفاح کا بڑا بھائی ابوجعفر منصور اس کمرے میں داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی سب اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

ابوجعفر منصور آگے بڑھ کر پہلے سفاح سے، پھر اپنے چچا عبداللہ بن علی سے، پھر خازم بن خزیمہ، بعد میں محمد بن اشعث کے قریب آ کر مسکرایا اور اپنے دونوں بازو اس نے پھیلا دیئے اور ساتھ ہی اس نے محمد بن اشعث کو اپنے ساتھ بغل گیر کر لیا تھا۔ پھر منصور اپنا منہ محمد بن اشعث کے کان کے قریب لے گیا اور کہنے لگا۔

''خراسان میں کش والوں کے خلاف جو تم نے ابوداؤد خالد بن ابراہیم کی پسپائی کے باوجود شکست دی اس پر میں تمہیں مبارک باد دیتا ہوں۔ تم نے ابومسلم خراسانی کے ارادوں اور سازشوں کو کچل کر رکھ دیا ہے۔ یہ خبر سن کر مجھے کتنی خوشی ہوئی، وہ میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ ابومسلم خراسانی نے چاہا تھا کہ تمہیں شکست سے دوچار کر کے ہماری نگاہوں میں گرا دے۔ اس موقع پر اگر تمہیں شکست بھی ہو جاتی تو قسم اللہ پاک کی تمہاری حیثیت میری نگاہوں میں بہت زیادہ قابلِ تکریم ہو جاتی۔ اس لئے کہ تمہیں دھوکا دیا گیا تھا۔''

محمد بن اشعث سے ملنے کے بعد ابوجعفر منصور اپنے بھائی سفاح کے پاس بیٹھ گیا، پھر سفاح نے گفتگو کا آغاز کیا، کہنے لگا۔

''بھائی! آپ کی آمد سے پہلے ہم سب ابومسلم خراسانی سے ہی متعلق گفتگو کر رہے تھے کہ اس نے ہر حد کو پامال کر دیا ہے۔ اپنی حدود سے باہر نکل گیا۔ وہ اپنے آپ کو شمالی علاقوں کا مطلق العنان حکمران سمجھنے لگا ہے۔ خراسان کے اندر جو بھی وہ فیصلہ کرتا ہے اس سلسلے میں مجھ سے نہ کوئی مشورہ لیتا ہے اور نہ ہی میری اجازت کا طلب گار ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خراسان میں ایک خودمختار سلطنت قائم کرنے کے درپے ہو گیا ہے جبکہ ہم اُس کے اس اقدام کو نہ پسند کریں گے، نہ برداشت کریں گے۔ میرے بھائی! پہلے یہ بتاؤ کہ اپنی جگہ الجزیرہ میں کسی کو حاکم مقرر کر کے آئے ہو؟''

اس پر ابوجعفر منصور نے گلا صاف کیا، کہنے لگا۔

''میں وہاں اپنی طرف سے مکاتب بن حکیم کو مامور کر کے آیا ہوں کیونکہ وہ ہمارا مخلص اور جانثار ہے۔ لہٰذا اُس پر ہر طرح سے اعتماد اور بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔''

ابوجعفر منصور جب خاموش ہوا تب سفاح اسے مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''بھائی! تمہاری غیر موجودگی میں ابومسلم خراسانی نے اپنا ایک قاصد میری طرف روانہ کیا تھا۔ اس وقت محمد بن اشعث اور خازم بن خزیمہ دونوں مدائن کی فتح سے فارغ

ہو چکے تھے۔ اپنا قاصد بھیج کر ابو مسلم خراسانی نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ محمد بن اشعث کو اس کی طرف روانہ کر دیا جائے اور وہ شمالی مہموں میں اس کے نائب کی حیثیت سے کام کرے گا........"

سفاح یہیں تک کہنے پایا تھا کہ بیچ میں ابو جعفر منصور ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"ابو مسلم خراسانی ایسا اس لئے چاہتا تھا کہ وہ محمد بن اشعث کو اپنے سامنے زیر کرے۔ ابو مسلم خراسانی تیغ زنی اور دوسرے فنونِ حرب و ضرب میں محمد بن اشعث اور خازم بن خزیمہ کو اپنا سب سے بڑا حریف خیال کرتا ہے۔ اس بناء پر وہ ان دونوں ہی کو اپنے سامنے زیر کرنے کے درپے ہے۔ جہاں تک خازم بن خزیمہ کا تعلق ہے تو اس کے معاملے میں وہ جذباتی نہیں ہے۔ اس لئے کہ اُس نے یہ سوچ رکھا ہے کہ اگر محمد بن اشعث کو اپنے سامنے زیر کر لیا جائے تو خازم بن خزیمہ خود ہی اس کے سامنے زیر ہونے پر مجبور ہو جائے گا۔ لیکن ابو مسلم خراسانی کی یہ دیرینہ اور بری خواہش کبھی پوری نہیں ہو گی۔ پھر آپ نے اس کی بات کا کیا جواب دیا؟"

جواب میں سفاح مسکرایا اور کہنے لگا۔

"جب اس نے قاصد بھیج کر یہ مطالبہ کیا تب میں نے محمد بن اشعث سے اس کا ردعمل جاننے کی کوشش کی۔ اس وقت وہ مدائن میں قیام کئے ہوئے تھا چنانچہ اس نے کہلا بھیجا کہ اس کا اور ابو مسلم خراسانی کا تیغ زنی کا مقابلہ کرا دیا جائے۔ تیغ زنی کے مقابلے میں جو جیتے، وہی کماندار رہے گا۔ دوسرا اس کے ماتحت کام کرے گا۔ اس کے علاوہ جیتنے والا ہی خراسان کا حاکم ہو گا۔

ابو جعفر منصور! میرے عزیز بھائی! میں نے یہ پیغام نہ صرف ابو مسلم خراسانی کے قاصد کے ہاتھ بھیجا بلکہ اپنے چھوٹے سالاروں میں سے صباح بن نعمان کو بھی یہ پیغام دے کر بھیجا۔ ابو مسلم ایسا سرکش، ایسا بے مہار ہو چکا ہے کہ اس نے صبح بن نعمان کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ ایسا اُس نے اس لئے کیا تھا کہ ابنِ نعمان ہمیشہ محمد بن اشعث کے حق میں بولنے والا تھا۔

میرے بھائی! میں نے تمہیں اب اس لئے بلایا ہے کہ تم ایک وفد اور چند محافظ دستوں کے ساتھ خراسان کا رُخ کرو اور وہاں ابو مسلم خراسانی سے میری خلافت کی

بیعت لو۔ اس کا ایسا کرنا بے حد ضروری ہے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو یاد رکھنا آنے والے دور میں وہ خراسان ہی نہیں، دوسرے کئی صوبوں میں اپنی طاقت اور قوت کو مضبوط اور مستحکم کر کے اپنی خود مختاری اور علیحدہ مملکت کا اعلان کر دے گا۔ لہٰذا ابو مسلم خراسانی کو ابھی سے اپنی گرفت میں کر لینا چاہئے۔

پہلے میں نے ارادہ کیا تھا کہ جب تم خراسان کی طرف روانہ ہو گے تو محمد بن اشعث کو تمہارے ساتھ کر دوں گا۔ لیکن اب میں نے سوچا کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ ایک تو یہ ایک لمبی مہم سے آیا ہے، اسے آرام کی ضرورت ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ اگر تمہارے ساتھ جاتا ہے تو اس کی موجودگی میں ابو مسلم خراسانی خار کھائے گا۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ کوئی غلط فیصلہ کرے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو میں اس کے خلاف حرکت میں آنے سے ہچکچاؤں گا نہیں۔"

سفاح یہاں تک کہنے کے بعد جب خاموش ہوا تب ابو جعفر منصور اُسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میں کل یہاں سے خراسان کی طرف کوچ کروں گا۔ ابو مسلم خراسانی سے ملوں گا۔ اس سے آپ کی بیعت لوں گا، پھر دیکھوں گا کہ کیا احوال ہیں۔ اگر اُس نے سمرقند کے اندر ہمارے خلاف اور اپنے حق میں ماحول بنا رکھا ہے تو میں آپ سے یہ کہوں گا کہ اسے خراسان کی حاکمیت سے معزول کر کے کسی اور صوبہ کا حاکم مقرر کیا جا سکتا ہے۔ بہر حال آنے والے دور میں ہمیں اس ابو مسلم خراسانی کو اپنی گرفت میں رکھنے کی ضرورت ہے۔"

سفاح کے علاوہ ان دونوں کے چچا عبداللہ بن علی نے بھی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ اس کے بعد سفاح اُٹھ کھڑا ہوا۔ سب کو آرام کرنے کا مشورہ دیا۔ محمد بن اشعث اور خازم بن خزیمہ اپنے گھر چلے گئے۔ ابو جعفر منصور نے صرف ایک بار شب انبار میں قیام کیا، دوسرے روز وہ ایک وفد اور چند محافظ دستوں کے ساتھ خراسان کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ پہلے عباسی خلیفہ سفاح نے جب اپنے بھائی ابو جعفر منصور کو خراسان کی طرف بیعت لینے کے لئے بھیجا اور اپنے بھائی کے ہاتھ ہی اُس نے ابو مسلم کے نام خراسان کی سندِ گورنری بھیجی، یہ سفاح کی طرف سے ابو مسلم کے لئے ایک انعام

اور اُس کی کارروائیوں کے لئے عمدہ تحفہ تھا۔ لیکن ابو مسلم خراسانی کی عادات بگڑ چکی تھیں۔ وہ اپنے آپ کو ناقابلِ تسخیر خیال کرنے لگا تھا۔ وہ یہ بھی سمجھ رہا تھا کہ اب بنو عباس کی خلافت صرف اس کے دم سے قائم ہے اور جس روز اُس نے بنو عباس کے خلاف علمِ بغاوت کھڑا کیا، اُسی روز بنو عباس کی خلافت کی عمارت ریت کے گھروندے کی طرح زمین پر آ رہے گی۔

چنانچہ انہی خیالات کے تحت ابو مسلم خراسانی کسی کو اپنے برابر نہیں سمجھتا تھا۔ یہی معاملہ اُس نے عباسی خلیفہ سفاح کے بڑے بھائی ابو جعفر منصور کے ساتھ کیا۔

ابو جعفر منصور جب ابو مسلم کے پاس خراسان پہنچا تو مؤرخین لکھتے ہیں ابو مسلم کا برتاؤ ابو جعفر منصور کے ساتھ مؤدبانہ نہ تھا بلکہ اُس کی ہر ایک حرکت سے خودسری اور مطلق العنانی محسوس ہوتی تھی اور اسے ابو جعفر منصور نے بری طرح محسوس کیا تھا۔

مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ چونکہ ابو مسلم اور ابو جعفر منصور کے درمیان ایک کشیدگی دلوں میں پیدا ہو چکی تھی۔ چنانچہ خراسان سے واپسی کے بعد ابو جعفر منصور نے اپنے چھوٹے بھائی اور عباسیوں کے خلیفہ اوّل کو سارے حالات کہہ سنائے۔ اس پر سفاح بھی ابو مسلم خراسانی کی طرف سے فکر میں پڑ گیا تھا۔ وہ یہ سوچنے لگا تھا کہ ابو مسلم کے اقتدار و اختیار اور تسلط کو اب کسی طرح کم کرنا چاہئے۔ دوسری طرف ابو مسلم خراسانی بھی محتاط ہو گیا تھا۔ وہ چونکہ اقتدار پسند تھا لہٰذا اُس کو جب خلیفہ سفاح کی طرف سے شبہ پیدا ہوا تو اس نے صرف خراسان ہی نہیں اپنے اثر و اقتدار کو ناکافی سمجھ کر عراق اور حجاز کی طرف بھی اپنے نقیبوں اور اپنے مخبروں کے ذریعے گرفت کرنے کی کوششیں شروع کر دی تھیں تاکہ اگر ضرورت پڑے تو عباسیوں کو کچل کر اپنی حکومت قائم کر سکے۔

ابو مسلم کے ان ارادوں سے متعلق مؤرخین مزید لکھتے ہیں:۔

”ایک ایسے شخص کا جو دعوتِ عباسیہ کو کامیاب بنا چکا تھا، حجاز، عراق اور تمام اسلامی ممالک پر اپنی مقبولیت بڑھانے کا مخفی طریقہ سے آمادہ ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔ لیکن اس کو یہ بات یاد نہ رہی تھی کہ اس کے مقابلے میں وہ خاندان ہے جس میں محمد بن علی، ابراہیم بن محمد جیسے اشخاص یعنی بانی تحریک عباسیہ پیدا ہو چکے ہیں اور خلافت بنو اُمیہ کی بربادی سے فارغ ہو کر ابھی اس کے سر پر قابض ہیں۔ ابو مسلم خراسانی نے اگرچہ عباسیوں

کے لئے بہت کام کیا تھا لیکن وہ اس کام میں عباسیوں کا شاگرد تھا اور عباسیوں کا ہی تربیت یافتہ تھا۔“

اسی دوران ایک اور حادثہ آن نمودار ہوا۔ وہ یہ کہ ابو مسلم خراسانی نے سفاح نے حج کی اجازت طلب کی۔ سفاح چونکہ اب ابو مسلم خراسانی کی طرف سے بددل ہو چکا تھا لہٰذا وہ ابو مسلم خراسانی کو نیچا دکھانے کے لئے کوئی موقع ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے بھائی منصور سے کہا کہ وہ بھی حج کرنے کے لئے ایک عرضداشت مجھے بھیج دے اور ساتھ ہی اسے کہا کہ وہ فوراً حج کے لئے تیار ہو جائے۔ وہ اُسے امیرِ حج بنا کر بھیجے گا تاکہ اگر ابو مسلم خراسانی حج کرنا چاہتا ہے تو وہ تمہارے ماتحت ہو جائے۔ اسے امیرِ حج بنا کر میں نہیں بھیجنا چاہتا۔

چنانچہ ابو منصور حج کے لئے تیار ہو گیا اور اسے سفاح نے امیرِ حج مقرر کر دیا۔ دوسری طرف خلیفہ سفاح نے ابو مسلم خراسانی کو بھی حج کی اجازت دے دی اور لکھا کہ 500 آدمیوں سے زیادہ اپنے ہمراہ نہ لانا۔

سفاح کے اس حکم کے جواب میں ابو مسلم نے پیغام بھیجا کہ لوگوں کو مجھ سے عداوت ہے۔ اتنے تھوڑے آدمیوں کے ساتھ سفر کرنے میں مجھے جان کا خطرہ ہے۔

سفاح نے پھر پیغام بھجوایا کہ اگر یہ بات ہے تو زیادہ سے زیادہ 1000 آدمی کافی ہیں۔ زیادہ مسلح آدمیوں کا ساتھ ہونا اس لئے باعثِ تکلیف ہوگا کہ سفر میں سامانِ رسد کی فراہمی دشوار ہوتی ہے۔

چنانچہ ابو مسلم خراسانی نے پھر بھی سفاح کی بات نہ مانی۔ وہ خراسان کے مرکزی شہر مرو سے آٹھ ہزار کے مسلح لشکر کے ساتھ روانہ ہوا۔ جب خراسان کی حدود پر پہنچا تو سات ہزار کے لشکر کو سرحدی مقام پر پڑاؤ کر کے قیام کرنے کا حکم دیا اور ایک ہزار جنگجوؤں کے ساتھ وہ دارالحکومت انبار کی طرف بڑھا۔

سفاح ابو مسلم کے خلاف کسی مناسب موقع پر حرکت میں آنا چاہتا تھا لہٰذا اس موقع پر سفاح نے اپنے بڑے بڑے نامی سالاروں کو استقبال کے لئے بھیجا۔ اس طرح جب ابو مسلم خراسانی سفاح کے دربار میں حاضر ہوا تو اُس کی بے حد تعظیم و تکریم کی گئی اور کہا کہ اس سال میرے بھائی ابو جعفر منصور کا ارادۂ حج نہ ہوتا تو میں تم ہی کو امیرِ حج مقرر کرتا۔ اس طرح ابو مسلم خراسانی کی امیرِ حج ہونے کی خواہش پوری ہونے سے رہ گئی۔

الغرض ابوجعفر منصور اور ابومسلم خراسانی دونوں انبار سے حج کے لئے روانہ ہو گئے۔

ابومسلم خراسان سے اپنے ساتھ بہت بڑا خزانہ لے کر آیا تھا۔ دوسرے منصور کی معیت اسے ہرگز پسند نہیں تھی کیونکہ وہ آزادانہ بہت سے کام جو کرنا چاہتا تھا، نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے حج کی طرف جاتے ہوئے راستے میں ہر منزل پر ابوجعفر منصور کو نیچا دکھانے کی کوشش کی۔ اُس نے کنوئیں کھدوائے، سرائے بنائیں اور مسافروں کو سہولتیں پہنچانے کے کام کئے۔ کپڑے تقسیم کئے، لنگر خانے جاری کئے اور لوگوں کو بے دریغ انعام دیئے۔ اپنی سخاوت اور بخشش کے ایسے نمونے دکھانے کہ لوگوں کے دل اس کی طرف مائل ہونے لگے۔ ابومسلم خراسانی ایسا ہی چاہتا تھا۔

مکہ میں بھی کام اس نے وسیع پیمانے پر کئے جہاں ہر طرح کے لوگ موجود تھے۔

ایامِ حج گزرنے پر ابوجعفر منصور نے روانگی کا قصد نہیں کیا تھا کہ ابومسلم مکہ سے روانہ ہو گیا۔ مکہ سے دو منزل اس طرف آ گیا تھا کہ دارالخلافہ انبار کا قاصد اس کو ملا جو سفاح کے مرنے کی خبر اور ابوجعفر منصور کے خلیفہ ہونے کی خوشخبری لے کر ابوجعفر منصور کے پاس جا رہا تھا۔

ابومسلم نے اس قاصد کو دو روز تک اپنے پاس روکے رکھا، پھر منصور کے پاس روانہ کر دیا۔ ابومنصور کو ابومسلم کے پہلے ہی روانہ ہونے کا ملال تھا۔ اب اسے اور رنج ہوا کہ ابومسلم نے اس خبر کو سننے پر ابومنصور کو خلافت کی مبارکباد نہیں بھیجی۔ بیعت کرنے کے لئے نہیں ٹھہرا۔ سب سے پہلے اسی کو بیعت کرنی چاہئے تھی۔ کم از کم ابومنصور کے آنے تک اسی مقام پر قیام کرنا نہایت ضروری تھا کہ دونوں ساتھ ساتھ سفر کرتے۔ ابوجعفر منصور یہ خبر سنتے ہی فوراً مکہ سے روانہ ہو گیا لیکن ابومنصور اس سے آگے آگے سفر کرتا ہوا انبار پہنچا اور ابومسلم اس کے بعد انبار میں داخل ہوا۔

دراصل ابومسلم خراسانی اور ابوجعفر منصور کو روانہ کرنے کے بعد عباسی خلیفہ عباس عبداللہ سفاح چار برس آٹھ مہینے خلافت کرنے کے بعد 13 ذی الحجہ کو فوت ہوا۔ اس کے چچا عیسیٰ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ انبار میں دفن کر دیا گیا۔ اس نے مرنے سے پہلے اپنے بھائی ابوجعفر منصور اور اس کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ کی ولی عہدی کا عہد نامہ لکھ کر ایک کپڑے میں لپیٹ کر اور اپنے اہلِ بیت کی مہریں لگا کر عیسیٰ کے سپرد کر دیا تھا۔ چونکہ منصور موجود نہیں تھا اس لئے عیسیٰ بن موسیٰ نے منصور کی خلافت کے لئے لوگوں

نے نیابتاً بیعت لی اور اس واقعہ کی اطلاع کے لئے قاصد مکہ کی طرف روانہ کر دیا۔

ابوالعباس عبداللہ سفاح نے مال و دولت سے اپنی خلافت کے قیام اور استحکام میں اسی طرح کام لیا جس طرح بانی خلافت بنو اُمیہ امیر معاویہؓ سے لیا کرتا تھا۔ امیر معاویہؓ نے اپنی سخاوت کے لئے اپنے مخالفوں یعنی علویوں تک کا منہ بند کر دیا تھا اور ان کو اپنا ہمدرد بنا لینے میں کامیابی حاصل کی تھی۔ اسی طرح بانی خلافت عباسیہ سفاح کے مقابلہ پر بھی علوی خلافت کے دعوے دار تھے۔ انہوں نے عباسیوں کے ساتھ مل کر بنو اُمیہ کو برباد کیا تھا اور اب عباسیہ خاندان میں خلافت کے چلے جانے سے وہ بالکل اسی طرح ناخوش تھے جیسے خاندانِ بنو اُمیہ میں خلافت کے چلے جانے سے ناراض تھے۔ عبداللہ سفاح نے بھی علویوں کو امیر معاویہؓ کی طرح بے دریغ دولت دے کر خاموش کر دیا تھا۔

جب سفاح کو کوفہ میں خلیفہ بنایا گیا تو عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی اور دوسرے علوی لوگ کوفہ میں آئے اور کہا یہ کیا بات ہے کہ خلافت جو ہمارا حق تھا اس پر تم نے قبضہ کیا۔ یہ وہی عبداللہ بن حسن مثنیٰ ہے جس کے لڑکے محمد کو مکہ میں مجلس کے اندر عباسیوں اور علویوں نے مل کر خلافت کے لئے منتخب کیا تھا۔ تمام حاضرینِ مجلس کے ساتھ ابوجعفر منصور نے بھی محمد کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

سفاح نے عبداللہ بن حسن مثنیٰ کی خدمت میں دس لاکھ درہم پیش کر دیئے حالانکہ یہ رقم سفاح کے پاس اُس وقت موجود نہ تھی، ابنِ مقرن سے قرض لے کر دی تھی۔ اس طرح ہر ایک علوی کو انعام و اکرام سے مالا مال کر کے رخصت کیا۔

عبداللہ بن حسن ابھی سفاح کے پاس سے رخصت نہ ہوئے تھے کہ مروان بن محمد کے قتل ہونے کی خبر اور بہت سے قیمتی جواہرات اور زیورات جو مالِ غنیمت میں آئے تھے وہ اس کے پاس پہنچے۔ سفاح نے وہ تمام قیمتی جواہرات و زیورات بھی عبداللہ بن حسن مثنیٰ کو دے دیئے اور اسی ہزار دینار دے کر وہ زیورات ایک تاجر نے عبداللہ بن حسن سے خرید لئے۔

الغرض کہ عبداللہ سفاح نے اس کام میں ذرا بھی کوتاہی کی ہوتی تو یقیناً علوی اعلانیہ مخالفت پر آمادہ ہو کر اُٹھ کھڑے ہوتے اور اس وقت ممکن تھا بہت سے نُقبا بھی جو کافی اثر رکھتے تھے ان کا ساتھ دیتے اور عباسیوں کے لئے اپنی خلافت قائم رکھنا بے حد دشوار ہو جاتا۔ لہٰذا عبداللہ سفاح کے کارناموں میں سب سے بڑا کارنامہ یہ سمجھنا چاہئے

کہ اس نے تمام علویوں کو مال و دولت دے کر خاموش رکھا اور کسی کو مقابلہ پر کھڑا نہ ہونے دیا۔ عبداللہ سفاح کی وفات کے بعد بھی علوی خروج پر آمادہ ہو گئے مگر اب خلافتِ عباسیہ تو مستعد ہو چکی تھی۔

بہر حال ابوجعفر منصور حج کے بعد انبار پہنچا اور وہ بنو عباس کا دوسرا خلیفہ ہوا۔ جہاں تک اس کے نسب کا تعلق ہے وہ ابوجعفر عبداللہ منصور بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن مُطلب سے تھا۔ اس کی ماں جس کا نام سلامہ تھا، بربری لونڈی تھی۔ ابوجعفر منصور ہجری میں 95 ھ میں اپنے دادا کی حیات میں پیدا ہوا۔ بعض روایتوں کے بموجب وہ ہجری 101 ھ میں پیدا ہوا تھا۔

ابوجعفر منصور ہیبت، شجاعت، جرأت، عقل اور رائے میں خصوصی امتیاز رکھتا تھا۔ لہو ولعب کے پاس نہ پھٹکتا تھا۔ ادب و فقہ کا عاملِ کامل تھا۔ اس نے امام ابوحنیفہؒ کو عہدۂ قضا سے انکار کرنے کے جرم میں قید کر دیا تھا۔ انہوں نے قید خانہ ہی میں انتقال کیا۔ بعض کا قول ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے منصور پر خروج کرنے کا فتویٰ دیا تھا اس لئے اُنہیں زہر دلوا دیا تھا۔

منصور نہایت فصیح و بلیغ اور خوش تقریر شخص تھا۔ حرص و بخل سے اس کو متہم کیا جاتا ہے۔ عبداللہ بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک اموی نے ہجری 138 ھ یعنی منصور کے عہد خلافت میں اُندلس میں اپنی حکومت قائم کی۔

مؤرخ ابنِ عساکر نے لکھا ہے جب منصور طالب علمی میں اِدھر اُدھر پھرا کرتا تھا تو ایک روز کسی منزل پر اُترا تو چوکیدار نے اُس سے دو درہم محصول کے مانگے اور کہا کہ جب تک محصول نہ ادا کرو گے اس منزل پر نہ ٹھہر سکو گے۔ منصور نے کہا میں بنو ہاشم سے ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔ مگر وہ نہ مانا۔ پھر منصور نے کہا کہ میں حضور ﷺ کے چچا کے بیٹوں میں سے ہوں۔ وہ پھر بھی نہ مانا۔ منصور نے کہا کہ میں قرآنِ مقدس جانتا ہوں، مجھے معاف کر دے۔ اس نے پھر بھی نہ سنا۔ منصور نے کہا میں اعلیٰ فقیہہ اور ماہر فرائض ہوں۔ وہ پھر بھی نہ مانا۔ آخر منصور کو دو درہم دینے ہی پڑے۔ اُسی روز سے منصور نے ارادہ کر لیا کہ مال و دولت جمع کرنا چاہیے۔

منصور نے ایک دفعہ اپنے بیٹے مہدی کو نصیحت کی کہ بادشاہ بغیر رعایا کی اطاعت کے قائم نہیں رہ سکتا اور رعایا بغیر عدل کے اطاعت نہیں کر سکتی۔ سب سے بہتر آدمی وہ

ہے جو باوجود قدرت کے عفو کرے اور سب سے بے وقوف وہ ہے جو ظلم کرے۔ کسی معاملہ میں بلاغور وفکر حکم نہیں دینا چاہئے کیونکہ فکر وتحمل ایک آئینہ ہے جس میں انسان اپنا حُسن دیکھ لیتا ہے۔ دیکھو! ہمیشہ نعمت کا شکر ادا کرنا۔ قدرت بھر عفو کرنا۔ تالیفِ قلوب کے ساتھ اطاعت کی اُمید رکھنا، فتح یابی کے بعد تواضع و رحمت اختیار کرنا۔

ابومنصور عباسیوں کا دوسرا خلیفہ ہوا اور ابومسلم خراسانی اسے خلیفہ تسلیم کرنے کے بعد خراسان کی طرف چلا گیا۔ اُس وقت تو ابومسلم نے ابومسلم خراسانی سے کوئی تعرض نہیں کیا لیکن ابومسلم خراسانی کی بڑھتی ہوئی طاقت وقوت، اُس کی پھیلتی ہوئی حرص و ہوس اور خراسان سے نکل کر دوسرے علاقوں پر قبضہ کرنے کی طمع نے ابومنصور کو چوکس اور فکرمند کر دیا تھا۔ اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ جونہی اسے موقع ملا، ابومسلم خراسانی کا خاتمہ کرنے کے لئے اس پر ہاتھ ضرور ڈالوں گا۔

انبار شہر میں محمد بن اشعث اپنی حویلی کے ایک کمرے میں اپنی ماں عبادہ بنت عبداللہ اور بہن خولہ بنت اشعث کے ساتھ بیٹھا کسی موضوع پر گفتگو کر رہا تھا کہ حویلی میں اس کے ساتھی سالاروں میں سے روح بن حاتم، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس داخل ہوئے۔

محمد بن اشعث نے انہیں دیوان خانہ میں بٹھایا، خود بھی ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ پھر روح بن حاتم کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''ابنِ حاتم! میں نے تمہارے سپرد ایک انتہائی اہم مہم کی تھی، اس کا کیا بنا؟''

اس پر روح بن حاتم مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں اسی مہم کے سلسلے ہی میں تو آپ کے پاس آیا ہوں۔ بات یہ ہے کہ جو آدمی ہم نے انکیما کی بہن اِرم کو تلاش کرنے کے لئے روانہ کئے تھے انہوں نے اِرم کا سراغ کسی حد تک لگا لیا ہے۔ گو کھل کر اس کا پتہ نہیں چلا لیکن اُس کی نشان دہی ہونے کی اُمید ضرور ہے۔ دراصل انکیما کی بہن استر آباد کے آس پاس ہی انکیما سے بھٹک کر علیحدہ ہو گئی تھی۔ استر آباد شہر کے نواح میں ایک بستی ہے۔ اس بستی کا ایک چرواہا ہے۔ وہ بستی سے باہر کوہستانی سلسلے میں ریوڑ چراتا ہے۔ وہ انکیما کی بڑی بہن ارم کے حال سے واقف ہے۔ یہ میرے ساتھیوں نے پتہ کیا ہے۔ میں خود اُس چرواہے سے ملا نہیں ہوں۔ میں پہلے آپ کو اس کی اطلاع اس لئے کرنا چاہتا ہوں کہ اگر میں اس سے ملاقات کر لیتا تو پھر وہ میری طرف سے مشکوک ہو جاتا اور کہیں ادھر اُدھر ہو جاتا۔ ایسی صورت میں ہمیں ارم کا کہیں نام ونشان نہ ملتا۔ لہٰذا اُس سے ملاقات کرنے اور اِرم سے متعلق اُسے کریدنے سے پہلے میں آپ کی طرف آ گیا ہوں۔ میرے بھائی! اب

اس چرواہے سے اگر بات کی جائے تو اِرم بنت مروان بن عمر کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد روح بن حاتم جب خاموش ہوا تب انہیں مخاطب کرتے ہوئے محمد بن اشعث کہنے لگا۔

''تم تھوڑی دیر بیٹھو۔ میں اپنی ماں اور بہن سے اس موضوع پر گفتگو کر کے لوٹتا ہوں۔'' اس کے ساتھ ہی محمد بن اشعث اُٹھ کر دیوان خانے سے نکل گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا اور اپنے تینوں ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے ساتھ آؤ۔''

اس پر وہ تینوں اُٹھ کر محمد بن اشعث کے ساتھ ہو لئے تھے۔ حویلی سے نکلے، یہاں تک کہ محمد بن اشعث ان تینوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تم انبار شہر کے شمال مشرق میں نکل کر میرا انتظار کرو۔ اپنی پوری تیاری کے بعد نکلنا۔ ہمارا رخ استر آباد شہر کی طرف ہو گا۔ میں پہلے بھائی خازم بن خزیمہ کو بھی اپنی روانگی کی اطلاع دیتا ہوں اس کے بعد خلیفہ ابو جعفر منصور کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں اور اس سے اجازت لیتا ہوں کہ مجھے کچھ ضروری امور نمٹانے کے لئے انبار سے باہر رہنا پڑے گا۔ مجھے امید ہے کہ وہ مجھے اجازت دیدے گا اور اس کے اجازت ملنے کے بعد میں انبار شہر کے شمال مشرق میں تم سے آن ملوں گا اور پھر ہم استر آباد کی طرف روانہ ہوں گے۔''

روح بن حاتم، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس تینوں نے محمد بن اشعث کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ پھر تینوں وہاں سے ہٹ کر ایک طرف چلے گئے تھے۔ اُن کے جانے کے بعد محمد بن اشعث اپنی حویلی سے متصل حویلی میں داخل ہوا جو اُس کے خالہ زاد خازم بن خزیمہ کی تھی۔ وہاں وہ خزم بن خزیمہ سے ملا اور اپنی روانگی کی اُسے اطلاع دینے کے بعد وہ سیدھا انبار کے قصر کی طرف گیا۔ ابو جعفر منصور کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سے چند دن انبار شہر سے باہر رہنے کی اجازت لی۔ اس کے بعد واپس اپنی حویلی میں آیا، تیاری کی، ماں اور بہن سے اجازت لی اور پھر اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر وہ انبار شہر سے نکلا تھا۔

جب وہ انبار شہر کے شمال اور مشرق کی طرف آیا تب اس نے دیکھا وہاں پہلے سے اس کے تینوں ساتھی اس کے منتظر تھے۔ لہٰذا انہیں لے کر وہ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو

گیا۔ چاروں نے ابھی بہ مشکل دو فرسنگ ہی فاصلہ طے کیا ہوگا کہ سامنے کی طرف سے دو سوار اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے آئے تھے۔ جب وہ قریب آئے تب محمد بن اشعث شاید انہیں پہچانتے ہوئے اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچتے ہوئے اسے روکنے لگا تھا۔ اُس کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے ساتھیوں نے بھی گھوڑوں کو روک دیا تھا۔ سامنے کی طرف سے آنے والے ان کے قریب آ کر رُکے۔ انہیں دیکھتے ہی چاروں خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ آنے والے ان کے قریب آ کر رُکے، انہیں دیکھتے ہی چاروں خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ آنے والے دونوں وہ ساتھی تھے جنہیں محمد بن اشعث کے کہنے پر روح بن حاتم نے اقلیما کی بڑی بہن ارم کو تلاش کرنے کے لئے مقرر کیا تھا۔ جب وہ قریب آئے تب محمد بن اشعث اُنہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے ساتھیو! کیا تم ہمارے لئے کوئی اچھی خبر لے کر آئے ہو؟''

اس پر ان میں سے ایک مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''یقیناً ہم آپ کے لئے اچھی خبر لے کر آئے ہیں۔ اس لئے کہ استر آباد کے نواح میں ارم کے سلسلے میں ہمیں ایک چرواہا مشکوک دکھائی دیا تھا۔ ہم نے مختلف لوگوں سے بڑے رازدارانہ انداز میں تحقیق کی اور سب کا اشارہ اُس چرواہے کی سمت ہی تھا۔ وہ چرواہا بڑا نیک، بڑا دیندار شخص ہے۔ اُس کی طرف نشان دہی ہونے کے بعد روح بن حاتم تو اس معاملے کی اطلاع دینے کے لئے آپ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہم دونوں کو وہیں چھوڑ گئے۔ ان کی غیر موجودگی میں ہم اُس بوڑھے سے ملتے رہے اور اُسے کریدتے رہے۔ جب اُسے یقین ہوگیا کہ ہم اقلیما اور اُس کی بہن ارم کے دشمن نہیں بلکہ ان دونوں بہنوں کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں، تب اُس نے وہ راز اُگل دیا جو ہم اُس سے حاصل کرنا چاہتے تھے۔

''کیسا راز؟'' بڑے شوق سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے محمد بن اشعث نے پوچھ لیا تھا۔

اس پر وہ آنے والا دوبارہ بول اُٹھا۔

''اچھا ہوا آپ سے ہماری ملاقات یہیں انبار کے نزدیک ہی ہوگئی۔ آپ کو استر آباد جانا نہیں پڑا۔ اقلیما کی بڑی بہن ارم وہاں نہیں ہے۔ اُس نے چند دن وہاں قیام کیا تھا۔ جب وہ افراتفری میں اپنی بہن اقلیما سے بچھڑی تھی تب اُس نے اُسی بوڑھے

چرواہے کے ہاں پناہ لی تھی۔ پھر جب اُس نے چرواہے پر اپنی ذات کا انکشاف کیا تو وہ چرواہا اُس کی مدد کرنے کے لئے تیار ہوگیا۔ دراصل اقلیما اور ارم کے ننھیال کے لوگ دریائے دجلہ کے کنارے بہاتمہ نام کی ایک بستی میں گمنامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کسی کو یہ پتہ نہیں ہے کہ وہ ان دونوں کے ننھیال میں سے ہیں۔ اس چرواہے کے ہاں قیام کے دوران ارم نے انکشاف کیا کہ وہ اُس چرواہے کے ہاں غیر محفوظ رہے گی۔ لہٰذا اُسے دریائے دجلہ کے کنارے بہاتمہ نام کی بستی میں اُس کے ننھیال والوں کے ہاں منتقل کر دیا جائے۔ چنانچہ اُس چرواہے نے بڑی ذمہ داری کا ثبوت دیا اور بقول اُس کے اُس نے کچھ محافظوں کے ساتھ ارم کو دریائے دجلہ کے کنارے بہاتمہ نام کی اُس بستی میں پہنچا دیا ہے۔ جب اس چرواہے نے یہ حقیقت اُگل دی، تب ہم نے اُس سے پوری تفصیل حاصل کر لی اور اُس سے انکشاف کیا کہ دریائے دجلہ کے کنارے بہاتمہ نام کی بستی میں اپنے جن ننھیال والوں کے ہاں ارم گئی ہے وہ ننھیال کی طرف سے اُس کا ماموں ہے۔ اس چرواہے کا کہنا تھا کہ اُس شخص کا نام حارث بن لبید ہے۔ اُس کی بیوی کا نام نابقہ بنت علقمہ اور اُس کی ایک بیٹی اور بیٹا ہے۔ بیٹی کا نام خنسا بنت حارث اور بیٹے کا نام بشار بن حارث ہے۔

آنے والے ان دونوں کے اس انکشاف پر محمد بن اشعث اور اُس کے ساتھوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ محمد بن اشعث نے اپنے گھوڑے کو آگے بڑھایا، پھر پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے انہیں شاباش دی، پھر انہیں انعام میں کچھ نقدی بھی دی۔ ساتھ ہی انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تم دونوں نے ہمارا سفر مختصر کر دیا ہے ورنہ ہم چاروں یہاں سے نکل کر پہلے استر آباد کا رخ کرتے۔ وہاں سے اُس بوڑھے سے رازداری سے کچھ حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ ہوسکتا ہے اس کوشش میں ہمیں کئی دن وہاں قیام کرنا پڑتا۔ لیکن تم نے تقریباً سارا کام ہی سمیٹ دیا ہے۔ اب پلٹتے ہیں اور سب دریائے دجلہ کے کنارے بہاتمہ نام کی بستی کا رُخ کرتے ہیں۔''

سب نے محمد بن اشعث کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ اس کے بعد اپنے گھوڑوں کا رُخ انہوں نے موڑا اور اب وہ اپنے گھوڑوں کو دریائے دجلہ کے رُخ پر سرپٹ دوڑا رہے تھے۔

اُس بستی کے قریب جب وہ ایک سرائے کے پاس سے گزرنے لگے تب محمد بن اشعث نے اپنے گھوڑے کو روک دیا۔ اُس کی طرف دیکھتے ہوئے باقی سب بھی اپنے گھوڑوں کی لگامیں کھینچ چکے تھے۔ پھر محمد بن اشعث نے کچھ سوچا اور اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تم پانچوں اسی سرائے میں قیام کرو۔ اگر ہم سب حارث بن لبید کے ہاں گئے تو یاد رکھنا وہ ہماری طرف سے مشکوک ہو جائے گا اور جو کچھ ہم اس سے پوچھنا چاہتے ہیں وہ بتانے سے انکار کر دے گا۔ لہٰذا میں اکیلا اس کی طرف جاتا ہوں۔ اس سے بات کرتا ہوں۔ جو بھی صورتِ حال سامنے آئی، سرائے میں آکر تم سے بیان کرتا ہوں۔ دیکھو! تھوڑی دیر تک سورج غروب ہو جائے گا۔ میں چاہتا ہوں حارث بن لبید سے بات کرنے کے بعد آنے والی شب اسی سرائے میں بسر کریں۔ اس کے بعد جو بھی صورتِ حال سامنے آئی، اس کے مطابق عمل کریں گے۔''

ان پانچوں نے محمد بن اشعث کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ پھر وہ سرائے میں داخل ہوئے جبکہ محمد بن اشعث اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتا ہوا آگے بڑھا اور بہاتمہ نام کی بستی میں داخل ہوا۔ لوگوں سے پوچھتا ہوا وہ ایک حویلی کے دروازے پر آیا۔ اپنے گھوڑے سے اُترا، پھر آگے بڑھ کر اُس نے اس حویلی کے دروازے پر دستک دی تھی۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا۔ دروازہ کھولنے والا پندرہ سولہ برس کا ایک لڑکا تھا۔ محمد بن اشعث کو دیکھتے ہی کہنے لگا۔

''میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔ آپ کون ہیں؟ کس سے ملنا چاہتے ہیں؟''

اس پر محمد بن اشعث نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا، کہنے لگا۔

''اگر میں غلطی پر نہیں تو تمہارا نام بشار بن حارث ہے۔''

وہ لڑکا مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ ''میرا نام بشار بن حارث ہی ہے۔''

اتنی دیر تک اندرونی حصہ سے دس بارہ سال کی ایک لڑکی بھی بھاگتی ہوئی دروازے پر آ گئی تھی۔ وہ بھی بشار بن حارث کے پاس آن کھڑی ہوئی۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے محمد بن اشعث کہنے لگا۔

''اگر میں غلطی پر نہیں تو یہ تمہاری چھوٹی بہن خنسا بنت حارث ہے۔''

وہ لڑکا مزید خوش ہو گیا تھا۔ خنسا بنت حارث بھی خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔ یہاں

تک کہ محمد بن اشعث نے بشار بن حارث کو مخاطب کر کے کہا۔

''ذرا واپس جاؤ اور اپنے باپ حارث بن لبید کو دروازے پر بھیجو۔''

اس پر وہ دونوں بہن بھائی پیچھے ہٹ گئے تھے۔ اتنی دیر تک محمد بن اشعث نے اپنے گھوڑے کو حویلی سے باہر ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا تھا۔ کوئی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ ایک شخص دروازے پر نمودار ہوا۔ اتنی دیر تک محمد بن اشعث بھی اپنے گھوڑے کو باندھ کر دروازے پر آ چکا تھا۔ آنے والا محمد بن اشعث کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرا نام حارث بن لبید ہے۔ میرے بیٹے نے مجھے بتایا کہ آپ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں اور کس سلسلے میں مجھ سے ملنا چاہتے ہیں؟''

محمد بن اشعث نے غور سے اس کی طرف دیکھا، کہنے لگا۔

''کیا یہ ساری گفتگو دروازے پر کھڑے ہو کر ہی ہوگی؟ میں آپ سے ایک ایسے موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں جس میں بھلائی ہی بھلائی، بہتری ہی بہتری ہے۔''

حارث بن لبید نے کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔ ''آپ اندر آ جائیں۔''

محمد بن اشعث حویلی میں داخل ہوا۔ حارث بن لبید اُسے اپنے دیوان خانہ میں لے گیا۔ جب دونوں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ گئے تب حارث بن لبید کہنے لگا۔

''اب کہیں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟''

اس پر بڑے رازدارانہ انداز میں محمد بن اشعث نے اقلیما سے ملاقات اور اس ملاقات کے بعد اِرم کی تلاش میں استر آباد کے چرواہے سے اِرم سے متعلق معلومات کے حصول اور پھر اُس کے پاس آنے تک کی ساری تفصیل کہہ دی تھی۔ یہ ساری تفصیل جان کر حارث بن لبید کچھ دیر تک گہری سوچوں میں ڈوبا رہا۔ یہاں تک کہ محمد بن اشعث نے اسے مخاطب کیا۔

''آپ میری طرف سے کسی شک، کسی شبہ کا اظہار نہ کریں۔ میں اقلیما اور اِرم دونوں کے علاوہ آپ کا بھی دوست اور غمگسار ہوں، دشمن نہیں ہوں۔''

محمد بن اشعث کے ان الفاظ کے جواب میں حارث بن لبید نے ایک لمبا سانس لیا اور دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

"ارم بیمار ہے۔ لگاتار دُکھ اور غم نے اُسے جانے کس روگ میں مبتلا کر دیا ہے۔ میں انکار نہیں کروں گا، اُس نے میرے ہاں ہی قیام کر رکھا ہے۔ آپ میرے ساتھ آئیں۔ میں اس سے آپ کی ملاقات کرتا ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی حارث بن لبید اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑا ہوا۔ محمد بن اشعث اس کے پیچھے ہولیا۔ دونوں ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ وہاں پہلے سے بشار بن حارث، خنسا بنت حارث دونوں بہن بھائی بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن کے ساتھ ایک عورت تھی جو شاید ان کی ماں نابغہ بنت علقمہ تھی اور سامنے ایک مسہری پر ایک لڑکی لیٹی ہوئی تھی جس کی شکل کافی حد تک اقلیما سے ملتی تھی۔ جونہی وہ دونوں اپنے کمرے میں داخل ہوئے سب اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بستر پر لیٹی ہوئی لڑکی بھی بیٹھ گئی تھی۔

حارث بن لبید نے ایک خالی نشست کی طرف اشارہ کرتے ہوئے محمد بن اشعث کو بیٹھنے کے لئے کہا۔ محمد بن اشعث وہاں بیٹھ گیا۔ تب جو لڑکی بستر پر لیٹی ہوئی تھی جس کی شکل اقلیما سے ملتی جلتی تھی۔ شاید وہی ارم تھی۔ حارث بن لبید اُس کے پاس بیٹھ گیا اور جو تفصیل محمد بن اشعث نے دیوان خانے میں بیٹھ کر حارث بن لبید سے کہی تھی، وہی حارث بن لبید نے اس لڑکی سے کہہ دی تھی۔

یہ ساری تفصیل جان کر کچھ دیر تک وہ لڑکی گہری سوچوں میں ڈوبی رہی، پھر محمد بن اشعث کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"بھائی! میں اس سے انکار تو نہیں کرتی کہ میں ارم نہیں ہوں۔ میں اقلیما کی بڑی بہن ارم ہی ہوں۔ لیکن جو تفصیل آپ نے بتائی ہے میرے بھائی! میں اسے کیسے سچا جان لوں؟ کیسے اعتبار کرلوں؟ اس لئے کہ ہم نے اس سے پہلے بڑے دھوکے، بڑے فریب کھائے ہیں اور ان دھوکوں اور فریب ہی کی وجہ سے تو میں بیمار ہوگئی ہوں۔"

اس پر محمد بن اشعث اپنی جگہ سے اُٹھا، اپنے لباس کے اندر سے ایک ہیروں جڑی انتہائی قیمتی انگشتری نکالی، ارم کے سامنے آیا، وہ انگشتری اُس نے اپنی ہتھیلی پر رکھی اور پھر اپنی ہتھیلی کو ارم کے سامنے لے گیا اور کہنے لگا۔

"میری عزیز بہن! ذرا اس انگشتری کو دیکھ۔ کیا اس میں تیری پہچان ہے؟"

ارم نے محمد بن اشعث کی ہتھیلی پر رکھی ہوئی وہ انگشتری اُٹھائی۔ کچھ دیر تک اُلٹ پلٹ کر دیکھتی رہی، پھر اُس کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے، رو پڑی۔ ساتھ ہی اُس کی

ہچکیاں اور سسکیاں اُبھرنے لگی تھیں۔

یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے محمد بن اشعث نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہنے لگا۔ "سن ارم بنت مروان! رونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہارے رونے کی وجہ بھی جان گیا ہوں۔ دیکھو تمہارے سر پر میرا ہاتھ ایک بھائی کا ہاتھ ہے۔ فکرمند نہ ہو۔ میں جانتا ہوں یقیناً تمہیں اپنی بہن اقلیما یاد آگئی ہوگی۔ سنو! وہ بالکل خیریت سے ہے اور ایک محفوظ جگہ اس نے قیام کر رکھا ہے۔ اسی نے مجھے تمہاری تلاش کے لئے کہا تھا۔ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ حرکت میں آیا۔ آخر استر آباد کے ایک چرواہے سے تمہارا پتہ چل گیا لہٰذا ہم یہاں آگئے۔ میں اپنا تعارف بھی کرا دوں۔ گو میں بنو عباس کے لشکر کا سالار محمد بن اشعث ہوں لیکن بنو اُمیہ کا دشمن نہیں ہوں۔ حق کو حق، خیر کو خیر سمجھنے والا ہوں۔ لہٰذا میری بہن! مجھ پر اعتماد اور بھروسہ کرنا۔"

ارم نے اتنی دیر تک اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ اپنی آنکھیں خشک کیں، وہ انگشتری جو اس نے محمد بن اشعث کی ہتھیلی سے اُٹھائی تھی، کئی بار اُسے چوما، پھر وہ انگشتری اُس نے محمد بن اشعث کو واپس تھماتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"یہ انگشتری میری بہن اقلیما کی ہے۔ ایسی ہی ایک میرے پاس بھی ہے۔ یہ ایک خوشی کے موقع پر ہمارے باپ نے دونوں بہنوں کو دی تھی۔ میرا یہ رونا خوشی کا رونا ہے کہ میری بہن اقلیما زندہ ہے۔ میں تو یہی سمجھ بیٹھی تھی کہ ہم دونوں کے بچھڑ جانے کے بعد وہ بے چاری نہ جانے کہاں دھکے کھاتے کھاتے ختم ہوگئی ہوگی۔ آپ کا آنا اور انگشتری کا مجھے دکھانا میرے لئے باعثِ خوشی اور اطمینان ہے۔ اب میں آپ پر اعتماد اور بھروسہ کرسکتی ہوں۔ اس کے باوجود کہ آپ بنو عباس کے سالار ہیں، میں آپ پر اعتماد کروں گی۔"

اس پر محمد بن اشعث کہنے لگا۔

"میری عزیز بہن! میرے ساتھ میرے پانچ ساتھی بھی ہیں۔ انہیں میں نے بستی سے باہر ایک سرائے میں ٹھہرا دیا ہے۔ اب تُو یہ بتا کہ تُو اقلیما کے پاس جرجان جانا پسند کرے گی یا اُسے میں یہاں لے آؤں؟"

اس پر ارم جھٹ سے بول پڑی۔

"میں جرجان جا کر کیا کروں گی؟ اصل میں ہم دونوں نے مل کر فیصلہ کیا تھا کہ ہم

یہاں سے اُندلس چلی جائیں گی جہاں ہمارے زیادہ عزیز و اقارب جا چکے ہیں۔ میں چاہتی ہوں میری بہن یہاں ماموں کے ہاں منتقل ہو جائے، پھر ہم حالات کا جائزہ لیں گی اور اگر ہمیں کوئی محفوظ راستہ مل گیا یا کسی نے ہمیں یہاں سے نکال کر اُندلس پہنچانے کی حامی بھر لی تو ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گی۔''

اِرم جب خاموش ہوئی تب محمد بن اشعث کہنے لگا۔

''اس سلسلے میں تمہیں پریشان اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تم دونوں بہنوں کو یہاں سے نکال کر اُندلس پہنچانے کی ذمہ داری اپنے اوپر لیتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ جب تم دونوں بہنیں یہاں اکٹھی ہو جاؤ گی اور جب تم دونوں ارادہ کر لو گی کہ تم نے یہاں سے منتقل ہونا ہے، میں تمہیں یہاں سے نکال کر بحفاظت اُندلس پہنچاؤں گا۔ اس سلسلے میں تمہیں پریشان اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

محمد بن اشعث کے ان الفاظ پر اِرم کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی، کہنے لگی۔

''اگر یہ بات ہے تو پھر میرے بھائی! ہم پر یہ احسان کرو کہ اقلیما کو یہاں لے آؤ۔ وہ چند دن یہاں ماموں کے ہاں قیام کرے گی، اس کے بعد حالات کا جائزہ لینے کے بعد ہم دونوں بہنیں یہاں سے نکل کر اُندلس کی طرف روانہ ہو جائیں گی۔''

اِرم کے ان الفاظ سے محمد بن اشعث خوش ہو گیا تھا، کہنے لگا۔

''میں اب جاتا ہوں۔ جس کام کے لئے آیا تھا، وہ ہو چکا ہے۔ اب سرائے کا رُخ کروں گا جہاں میرے آدمی قیام کئے ہوئے ہیں۔ آج کی شب ہم ٹھہریں گے، کل صبح وہاں سے کوچ کریں گے اور جرجان کا رخ کریں گے۔ وہاں سے اقلیما کو نکال کر یہاں پہنچا دیں گے۔''

محمد بن اشعث مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس کی بات کاٹتے ہوئے حارث بن لبید بول اُٹھا۔

''یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ اس طرح آئے اور یونہی یہاں سے رخصت ہو جائیں۔ یہ اِرم اور اقلیما کے ماموں کا گھر ہے۔ آپ ہمارے لئے معزز مہمان ہیں۔ ہم خاطر مدارات کئے بغیر آپ کو کیسے جانے دیں گے؟''

جواب میں محمد بن اشعث مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''کیا میرے لئے یہ کم خاطر مدارت ہے کہ اِرم مجھے اپنا بھائی اور میں اسے اپنی

بہن کہہ چکا ہوں۔ اس سے بڑھ کر مجھے اور کیا خوشی نصیب ہو سکتی ہے؟ یہاں میرا زیادہ قیام کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ آپ لوگ برا نہ مانئے گا۔ میرے ساتھ میرے پانچ ساتھی ہیں۔ میں اُنہیں سرائے میں ٹھہرنے کے لئے کہہ کر آیا ہوں۔ لہٰذا میرا یہاں رُکنا ٹھیک نہیں۔ میں جو کچھ حاصل کرنا چاہتا تھا، کر چکا۔ اب میں آنے والی صبح کو یہاں سے کوچ کروں گا اور سیدھا جرجان میں اقلیما سے ملوں گا اور اسے نکال کر یہاں لاؤں گا۔''

اس کے ساتھ ہی محمد بن اشعث جب باہر نکلنے لگا تب اِرم دھیمے لہجے میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''ابنِ اشعث! کیا میں آپ سے پوچھ سکتی ہوں کہ ان دنوں آپ کا قیام کہاں ہے؟''

جواب میں محمد بن اشعث کہنے لگا۔

''میرا قیام تو انبار شہر میں ہے۔ میں اپنے چچا کے قاتلوں سے انتقام لینے کے لئے سرگرداں تھا کہ اقلیما سے ملاقات ہو گئی۔''

اس پر اِرم کہنے لگی۔

''دورانِ گفتگو آپ نے اپنے جس چچا کا نام سلیمان بن کثیر بتایا تھا، کیا وہ آپ کا سگا چچا تھا؟''

اس پر ہلکی سی مسکراہٹ محمد بن اشعث کے چہرے پر نمودار ہوئی، کہنے لگا۔

''نہیں، وہ میرا سگا چچا نہیں تھا۔ اس سے میرا کوئی نسبی تعلق بھی نہیں تھا۔ وہ صرف میرے باپ کا دوست تھا۔ میرے باپ کا بھائی بنا ہوا تھا۔ اُس سے ہمارا نسبی تعلق نہیں تھا بلکہ مسلکی اختلاف بھی تھا۔ اس کے باوجود چونکہ وہ میرے باپ کا ایک گہرا اور مخلص دوست تھا اور میرا باپ چونکہ اسے بھائی اور وہ بھی میرے باپ کو بھائی کہہ کر پکارتا تھا لہٰذا میں اُسے اپنا چچا ہی سمجھتا رہا۔ اس بناء پر اُس کے قاتلوں سے انتقام لینا میرا فرض تھا۔ سو میں اُس کے قاتلوں سے انتقام لے چکا۔''

اتنا کہنے کے بعد محمد بن اشعث جب خاموش ہوا تب اِرم اور اقلیما کا ماموں حارث بن لبید تفکرات بھرے انداز میں کہنے لگا۔

''ابنِ اشعث! میرے عزیز! کیا یہ بات میرے لئے بے عزتی کا باعث نہ ہو گی کہ میری بیٹی کا ایک محسن، ایک مربی اور احسان کرنے والا میرے گھر میں آیا اور میں

اس کی کوئی خدمت نہ کر سکا۔ اجنبیوں کی طرح آیا اور ویسے ہی لوٹ کر چلا گیا۔''

محمد بن اشعث نے جواب میں حارث بن لبید کا شانہ تھپتھپایا اور کہنے لگا۔

''مجھے اب اجازت دیں۔ میرے ساتھی سرائے میں بڑی بے چینی سے میرے منتظر ہوں گے۔ ہم صرف آج کی شب اس سرائے میں آرام کریں گے اور اس کے بعد جرجان کا رخ کریں گے۔ مجھے امید ہے کہ میں بہت جلد اقلیما کو لے کر یہاں پہنچ جاؤں گا۔''

محمد بن اشعث کی اس گفتگو سے ارم کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ باقی لوگ بھی اطمینان کا اظہار کر رہے تھے۔ پھر محمد بن اشعث نے سب سے اجازت لی اور وہاں سے رخصت ہو گیا۔

اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر وہ سیدھا اس سرائے میں آیا جہاں اُس نے اپنے ساتھیوں کو چھوڑا تھا۔ وہ رات انہوں نے وہیں بسر کی، اگلے روز فجر کی نماز کے بعد وہ اس سرائے سے جرجان کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

محمد بن اشعث اور اس کے ساتھی ایک روز عصر کے بعد سالم بن تماضر کی سرائے میں داخل ہوئے۔ انہیں دیکھتے ہی سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر دونوں تقریباً بھاگتے ہوئے باہر نکل آئے تھے۔ اتنی دیر تک محمد بن اشعث اور اس کے ساتھی گھوڑوں سے اُتر گئے تھے۔ سالم بن تماضر کا اشارہ پا کر اُس کے کچھ خدام حرکت میں آئے اور اُن سب کے گھوڑوں کو اصطبل کی طرف لے گئے تھے۔ پھر سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر بڑے خوش کن انداز میں سب سے ملے۔ پھر محمد بن اشعث اپنے قریب کھڑے روح بن حاتم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''ابن حاتم! سب ساتھیوں کو لے کر سرائے میں داخل ہو جاؤ۔ میں ذرا سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر سے اقلیما کے سلسلے میں گفتگو کرتا ہوں۔''

اس پر روح بن حاتم اپنے ساتھیوں کو لے کر سرائے میں داخل ہو گیا تھا۔ ان کے جانے کے بعد محمد بن اشعث کچھ دیر خاموش رہا، پھر سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''کیا آپ دونوں اس وقت میری ملاقات اقلیما بنت مروان سے کروا سکتے ہیں؟''

محمد بن اشعث کے ان الفاظ پر سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر دونوں چونکے تھے۔ جستجو بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ جواب میں محمد بن اشعث مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''آپ کے چہرے بتاتے ہیں کہ میرے ان الفاظ سے آپ دونوں تفکرات کا شکار ہو گئے ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ میں.......''

یہاں تک کہتے کہتے محمد بن اشعث رُک کر ایک طرف دیکھنے لگا۔ اس لئے کہ اُس

طرف سے سالم بن تماضر کا بیٹا سعید بن سالم بھاگتا ہوا آرہا تھا۔ قریب آکر وہ محمد بن اشعث سے پُرزور انداز میں ملا۔ اس کے بعد سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر کی طرف دیکھتے ہوئے محمد بن اشعث پھر کہہ رہا تھا۔

''میں نے آپ دونوں سے اقلیما بنت مروان سے ملنے کی خواہش اس لئے کی ہے کہ میں اُس کی بڑی بہن اِرم کو تلاش کرنے میں کامیاب ہوگیا ہوں۔''

محمد بن اشعث کے ان الفاظ پر سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس دوران سعید کی حالت بھی عجیب ہوگئی تھی۔ چند ثانیے اُس نے تجسس بھرے انداز میں محمد بن اشعث کی طرف دیکھا پھر وہ بھاگتا ہوا اپنی حویلی میں داخل ہوگیا تھا۔

آخر اس سکوت کو سالم بن تماضر نے توڑا اور محمد بن اشعث کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''ابنِ اشعث! آپ نے تو ہماری خوشیوں کو دوبالا کر دیا ہے۔ آپ ہمارے ساتھ آئیں۔ یہ خبر سن کر تو میں سمجھتا ہوں اقلیما اتنی خوش ہوگی جس کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔'' اس کے ساتھ ہی سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر کے ساتھ محمد بن اشعث، ابن تماضر کی حویلی کی طرف ہولیا تھا۔

دوسری طرف اُس کے آگے آگے بھاگتا ہوا سعید بن سالم حویلی میں داخل ہوا۔ اس وقت ایک کمرے میں اقلیما، رملہ اور کلثوم بیٹھی گفتگو کر رہی تھیں۔ جب انہوں نے اس طرح سعید کو بھاگ کر آتے دیکھا تب چونکی ہوگئیں۔ سب سے زیادہ پریشان اور فکرمند اقلیما ہوئی تھی۔ جونہی اُس کے کمرے میں سعید بن سالم داخل ہوا، اُس کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی بہن کلثوم نے پوچھ لیا۔

''بھائی! کیا بات ہے؟ تم اس طرح بھاگتے ہوئے کیوں آئے ہو؟''

اس پر سعید بن سالم مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''اس سے پہلے بھی میں ایک دفعہ اسی طرح بھاگتا ہوا حویلی میں داخل ہوا تھا۔ اُس وقت بھی میں اپنی بہن اقلیما کے لئے خوشخبری لایا تھ۔ آج بھی میں جبکہ بھاگتا ہوا حویلی میں داخل ہوا ہوں تو آج بھی میرے پاس اپنی بہن اقلیما کے لئے خوشخبری ہے۔ وہ یہ کہ ان کی بڑی بہن اِرم کو تلاش کرلیا گیا ہے۔''

سعید بن سالم کے ان الفاظ پر اقلیما خوشی سے چونک اُٹھی تھی، ایک طرح سے اپنی جگہ پر وہ اُچھل پڑی اور سعید کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''میرے بھائی! تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میری بڑی بہن اِرم کو تلاش کرلیا گیا ہے؟''

اس دوران سعید بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''میری بہن! پھر وہی محمد بن اشعث آئے ہیں جو اس سے پہلے آئے تھے اور عم عدی بن عمیر کی انہوں نے چھ اوباشوں سے حفاظت کی تھی۔ پہلے ان کے ساتھ ان کے تین ساتھی تھے لیکن آج ان کے ساتھ پانچ ساتھی ہیں۔ ان کے پانچوں ساتھی تو سرائے میں چلے گئے ہیں، وہاں انہوں نے قیام کرلیا ہے جبکہ محمد بن اشعث، بابا اور عم عدی بن عمیر میرے خیال میں اسی طرف آرہے ہیں۔''

سعید بن سالم کی اس گفتگو کے جواب میں اقلیما کچھ کہنا چاہتی تھی کہ عین اسی لمحہ محمد بن اشعث، سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر حویلی میں داخل ہوئے۔ سیدھے اس کمرے میں گئے جس میں اقلیما، رملہ، کلثوم اور سعید تھے۔ سب جب نشستوں پر بیٹھ گئے تب گفتگو کا آغاز محمد بن اشعث نے کیا اور اقلیما کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اے بنت مروان! میں تمہارے لئے خوشخبری رکھتا ہوں۔ تمہاری بہن اِرم کو میں نے تلاش کرلیا ہے۔ تاہم یہاں آکر مجھے اپنی ایک غلطی کا احساس ہوا۔''

''کیسی غلطی؟'' اقلیما نے تجسس بھرے انداز میں پوچھ لیا تھا۔

''تمہارے پاس آنے سے پہلے مجھے تمہاری بڑی بہن اِرم سے وہی انگوٹھی لینی چاہئے تھی جس قسم کی انگوٹھی تم نے مجھے دی تھی۔ جب میں اس قسم کی دو انگوٹھیاں تمہیں دکھاتا تو شاید تمہیں مجھ پر اعتماد اور بھروسہ ہو جاتا کہ میں واقعی تمہاری بہن سے مل کر آ رہا ہوں۔ اب جبکہ........''

محمد بن اشعث کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لئے کہ اُس کی بات کاٹتے ہوئے اقلیما بول پڑی تھی۔

''آپ میرے جذبات اور احساسات کا غلط اندازہ لگا رہے ہیں۔ جب میں ایک بار آپ پر اعتماد اور بھروسہ کرچکی ہوں تو پھر آپ پر بد اعتمادی کا اظہار نہیں کروں گی۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ میری بہن اِرم کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں تو پھر میں اسے سچ اور حقیقت جانوں گی۔''

اس پر محمد بن اشعث نے اِرم کی تلاش میں پہلے استر آباد کی طرف جانے، پھر اپنے ساتھیوں سے راستے میں ملاقات ہونے، اس کے بعد دریائے دجلہ کے کنارے

بہاتمہ نام کی بستی میں اقلیما اور اِرم کے ماموں حارث بن لبید، ممانی نابغہ بنت علقمہ اور ان کے دونوں بچوں خنسا بنت حارث اور بشار بن حارث سے ملاقات کی تفصیل کہہ دی تھی۔

یہ ساری تفصیل جان کر اقلیما کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ کہنے لگی۔

''ابن اشعث! آپ نے کمال کر دیا ہے۔ میں اُمید بھی نہ رکھتی تھی کہ آپ اس قدر جلد میری بہن کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔''

اس پر محمد بن اشعث بھی مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''آپ کی بہن اِرم نے بھی ہم پر اعتماد اور بھروسہ کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کی تھی لیکن جب میں نے اپنی ہتھیلی پر وہ انگوٹھی رکھی جو تم نے مجھے دی تھی، جب میں ہتھیلی اس کے سامنے لے گیا تو اُس نے انگوٹھی لی، کچھ دیر تک بڑی حسرت سے انگوٹھی کو دیکھتی رہی، پھر رو پڑی۔ سسکیوں اور ہچکیوں میں روئی۔ شاید اُس کا رونا خوشی کا رونا تھا کہ اُس کی بہن کی نشانی مل گئی ہے۔ اس کے بعد کچھ دیر تک وہ اس انگوٹھی کو چومتی رہی۔''

محمد بن اشعث کے ان الفاظ پر اقلیما کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے اور وہ ہونٹ کاٹنے لگی تھی۔ کچھ دیر اقلیما کی وہی حالت رہی، پھر وہ سنبھلی، چند لمحوں تک بڑی ممنونیت اور شکر گزاری سے محمد بن اشعث کی طرف دیکھتی رہی، پھر کہنے لگی۔

''میرے پاس الفاظ نہیں جنہیں استعمال کر کے میں آپ کا شکریہ ادا کروں۔ ہاں، میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ کبھی موقع ملا تو ہم دونوں بہنیں آپ کے اس احسان کا بدلہ ضرور چکائیں گی۔''

محمد بن اشعث مسکرا دیا اور کہنے لگا۔

''اے بنت مروان! کس قسم کی گفتگو کرتی ہو؟ میں نے یہ کام کسی صلہ، کسی انعام کی خاطر تو نہیں کیا۔ یوں جانو یہ میرا فرض تھا جس کی تکمیل میں بہت جلد سونا چاہتا تھا۔ سو جو کچھ میں کرنا چاہتا تھا، کر گزرا۔ اب میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم کب تک ہمارے ساتھ یہاں سے دریائے دجلہ کے کنارے بہاتمہ نام کی بستی کی طرف روانہ ہونا پسند کرو گی؟''

اقلیما مسکرائی اور کہنے لگی۔

''آپ ایک لمبا سفر طے کر کے آئے ہیں۔ تھکے ہارے ہوں گے۔ آپ کو آرام کی

ضرورت ہے۔ میرا کچھ نہ پوچھیں۔ آپ جب بھی سفر کے لئے تیار ہو جائیں گے، میں اُسی وقت آپ کے ساتھ ہو لوں گی۔ آپ نے مجھے بہ یک وقت دو خوشیاں دی ہیں۔ ایک اپنی بہن اِرم کے ملنے کی، دوسری اپنے ماموں، ممانی اور ان کے دونوں بچوں کی کہ وہ خیریت و عافیت سے ہیں۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ دمشق میں قیام رکھتے تھے۔ میرے خیال میں احتیاط کی خاطر انہوں نے اپنی رہائش بدل لی ہے اور دریائے دجلہ کے کنارے آ کر آباد ہو گئے ہیں۔ وہ ایسی جگہ آباد ہوئے ہوں گے جہاں ان کا کوئی جاننے والا نہ ہوگا۔ تاکہ وہ وہاں محفوظ رہیں۔ بہر حال انہوں نے بہت اچھا کیا۔''

اقلیما جب خاموش ہوئی تب محمد بن اشعث اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے ساتھی اس وقت سرائے میں ہیں۔ میں بھی سرائے کی طرف جاتا ہوں۔ اتنی دیر تک ہمارے گھوڑے بھی اصطبل میں ستانے کے علاوہ پیٹ بھر لیں گے۔ میں چاہتا ہوں آج عشاء کے بعد ہم اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جائیں۔ اے بنت مروان! تمہیں وہاں پہنچا کر میں واپس انبار جاؤں گا۔ تم دونوں بہنیں کچھ دن اپنے ماموں کے پاس رہ لینا۔ ایسا میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ تمہاری بڑی بہن بیمار ہے۔ شاید لگاتار دکھوں اور غموں نے اُسے توڑ کر رکھ دیا ہے۔ میرے خیال میں جب تم اسے ملو گی، اس کی ساری تکلیفیں، اس کی ساری بیماریاں رفع ہو جائیں گی۔ وہاں میں تم دونوں بہنوں سے رابطہ رکھوں گا اور جب تمہارا ارادہ ہوا، وہاں سے نکل کر تم اُندلس کی طرف جانا چاہو، تم فکرمند نہ ہونا۔ میں تمہیں دریائے دجلہ کی اُس بستی سے نکال کر اُندلس پہنچانے کا بھی فریضہ ادا کروں گا۔''

محمد بن اشعث جب خاموش ہوا تب انتہائی متاثر کن انداز میں تھوڑی دیر تک اقلیما، محمد بن اشعث کی طرف دیکھتی رہی، پھر کہنے لگی۔

''میں آپ کی ہمت، آپ کی جرأت مندی کو سلام پیش کرتی ہوں۔ آپ کے خلوص، آپ کی جانثاری کو بھی سلام کرتی ہوں۔ کاش! آپ کا گھر یہاں سے نزدیک ہوتا تو میں وہاں جاتی۔ آپ کی ماں، آپ کی بہن خولہ سے ملتی۔ پر میرے خدا کو ایسا منظور نہیں ہے۔ لیکن ہم دونوں بہنیں جہاں بھی رہیں گی، زندگی بھر آپ کی شکر گزار اور ممنون رہیں گی۔''

یہاں تک کہنے کے بعد جب اقلیما خاموش ہوئی تب سالم بن تماضر کی بیوی رملہ

اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑی ہوئی اور اپنی بیٹی کلثوم کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''بیٹی! اُٹھ۔ دونوں ذرا بازار جائیں اور اقلیما کے لئے کپڑوں کے علاوہ کچھ دوسری ضرورت کی اشیاء بھی خرید لائیں۔''

اس پر اقلیما فوراً اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ آگے بڑھ کر اُس نے رملہ کا بازو پکڑ لیا، کہنے لگی۔

''اماں! ایسا ہرگز نہ کیجئے گا۔ میرے پاس پہلے ہی آپ لوگوں کے دیئے ہوئے کپڑے بہت ہیں۔ مجھے مزید کپڑوں کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کے پیار کے علاوہ مجھے کسی چیز کی ضرورت ہی نہیں ہے۔''

اقلیما کے ان الفاظ کا جواب رملہ دینا ہی چاہتی تھی کہ اس دوران محمد بن اشعث، سالم بن تماضر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''ابنِ تماضر! اس موقع پر میں آپ سے ایک انتہائی اہم اور نازک مسئلہ پر بھی بات کرنا چاہتا ہوں۔ ایسا میں اقلیما اور اِرم دونوں بہنوں کے تحفظ کو سامنے رکھتے ہوئے کرنا چاہتا ہوں۔ آج کے بعد جو کوئی بھی پوچھے کہ آپ کی کتنی بیٹیاں ہیں تو آپ ایک نہیں، تین کہیئے گا۔ بڑی کا نام اِرم، چھوٹی کا اقلیما اور سب سے چھوٹی کا کلثوم۔ اس لئے کہ جب میں اقلیما کو لے کر دریائے دجلہ کی طرف جاؤں، یا میں ان دونوں بہنوں کو دریائے دجلہ کی اس بستی سے نکال کر اُندلس کی طرف لے جاؤں، راستے میں ہم سے تعرض کیا جائے، ہمیں روکا جائے، پوچھا جائے کہ یہ لڑکیاں کون ہیں؟ مجھ سے میرا تو نہیں پوچھا جائے گا۔ مجھے بنو عباس کے تقریباً سب ہی لشکری جانتے پہچانتے ہیں تاہم کوئی اجنبی میرا نہ جاننے والا اگر اقلیما اور اِرم سے متعلق پوچھے کہ یہ کون ہیں تو میں کہوں گا یہ جرجان کی سرائے کے مالک تماضر بن سالم کی بیٹیاں ہیں۔ اس طرح کوئی ان سے متعلق چھان بین نہیں کرے گا۔''

محمد بن اشعث کے ان الفاظ پر اقلیما توصیفی انداز میں اُس کی طرف دیکھ رہی تھی جبکہ سالم بن تماضر کہنے لگا۔

''ابن اشعث! میرے بیٹے! تمہارا کہنا درست ہے۔ بس یوں جانو کہ آج کے بعد میری تین بیٹیاں ہیں۔ سب سے بڑی اِرم، پھر اقلیما، اس کے بعد کلثوم۔''

اس کے ساتھ ہی محمد بن اشعث اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑا ہوا۔ سالم بن تماضر اور عدی

بھی کھڑے ہو گئے۔ پھر اقلیما کی طرف دیکھتے ہوئے محمد بن اشعث کہنے لگا۔

''بنت مروان! عشاء کی نماز کے بعد تیار رہنا۔ ہم یہاں سے دریائے دجلہ کی طرف کوچ کریں گے۔''

اس پر اقلیما نے مسکراتے ہوئے اثبات میں گردن ہلائی۔ اس کے ساتھ ہی محمد بن اشعث، سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر اس کمرے سے نکل کر سرائے کی طرف ہو لئے تھے۔ اُسی رات عشاء کی نماز کے بعد محمد بن اشعث، اقلیما کو لے کر جرجان کی اس سرائے سے دریائے دجلہ کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

دونوں اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے بڑی تیزی سے مسافتوں کو سمیٹتے چلے جا رہے تھے۔ کوئی ایک فرسنگ سفر کرنے کے بعد اچانک اقلیما کو کوئی خیال آیا اور اپنے گھوڑے کو محمد بن اشعث کے پہلو میں لاتے ہوئے وہ کسی قدر فکر گیر انداز میں کہنے لگی۔

''آپ کے ساتھی کہاں چلے گئے ہیں؟ انہیں آپ کے ساتھ ہونا چاہئے تھا۔ اتنے لمبے سفر کے دوران کوئی خطرہ بھی پیش آ سکتا ہے۔ آپ کے ساتھی ساتھ ہوتے تو اس خطرے سے بہتر طور پر نمٹا جا سکتا تھا۔''

اقلیما کے ان الفاظ کے جواب میں ہلکا سا تبسم اس موقع پر محمد بن اشعث کے ہونٹوں پر نمودار ہوا، پھر کہنے لگا۔

''اس میں فکر کرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ اگر تم اس وجہ سے فکرمند ہو کہ کوئی تمہیں پہچان نہ لے، تم پر حملہ آور نہ ہو جائے تو بالکل مطمئن رہو۔ جو بھی تمہاری طرف میلی آنکھ سے دیکھے گا، وہ اپنی گردن سے محروم ہو جائے گا۔''

محمد بن اشعث جب خاموش ہوا تب پہلے جیسے انداز میں اقلیما پھر کہنے لگی۔

''مجھے صرف اپنی جان کا خطرہ نہیں ہے۔ بلکہ آپ اپنی ذات کا جائزہ بھی لیں۔ کچھ لوگوں کی آپ سے دشمنی چل رہی ہے جنہوں نے آپ کے چچا کو قتل کیا تھا اور پھر جوابی کارروائی کرتے ہوئے آپ نے انہیں موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اگر اُن کے وارث، یا اُن کے جاننے والے آپ پر کڑی نگاہ رکھتے ہوئے آپ کے خلاف حرکت میں آ جائیں تو پھر؟''

جواب میں محمد بن اشعث مسکرایا اور کہنے لگا۔

''جب وہ حرکت میں آئیں گے تو ہم بھی ان کے خلاف حرکت میں آ جائیں

گے........'' یہاں تک کہتے کہتے محمد بن اشعث کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ سامنے کی طرف سے چھ سات سوار نمودار ہوئے تھے۔ سب سے پہلے محمد بن اشعث نے انہیں دیکھا تھا اور اس کے بعد جب اقلیما کی نگاہ ان پر پڑی تو اس کا رنگ زرد ہو گیا تھا۔ اس موقع پر اقلیما نے اپنی ڈھال پر گرفت کرتے ہوئے تلوار بھی سنبھال لی تھی۔ پھر دکھ بھرے انداز میں وہ محمد بن اشعث کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''آخر وہی ہوا جس کا مجھے اندیشہ اور خطرہ تھا۔ یہ جو سامنے سات سوار نمودار ہوئے ہیں، یاد رکھئے گا وہ ہماری راہ روکیں گے اور ہم سے ٹکرائے بغیر نہیں رہیں گے۔''

اقلیما کی اس گفتگو کے جواب میں بڑے مطمئن انداز میں محمد بن اشعث کہنے لگا۔

''اگر وہ ٹکرانا چاہتے ہیں تو ٹکرا لیں۔ اس ٹکراؤ کا نقصان انہیں ہی ہو گا۔''

محمد بن اشعث کی اس گفتگو سے کسی حد تک اقلیما خوش ہوئی تھی۔ پھر دونوں اپنے گھوڑوں کو اور تیزی سے بھگانے لگے تھے۔

جب وہ کچھ فاصلہ مزید آگے گئے تب سامنے کی طرف سے آنے والے سات سوار ان کی راہ روک کھڑے ہوئے تھے۔ اس صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے محمد بن اشعث نے اپنے گھوڑے کی باگ کھینچ لی تھی اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے پیچھے اقلیما بھی اپنے گھوڑے کی باگ کھینچ کر اسے روک چکی تھی۔ اپنے گھوڑے کو روکنے کے بعد محمد بن اشعث نے انہیں مخاطب کیا۔

''تم کون لوگ ہو اور کیوں ہماری راہ روک کھڑے ہوئے ہو؟''

جواب میں ان میں سے ایک نے مکروہ قہقہہ لگایا، پھر کہنے لگا۔

''تُو ہمارے قدیم اور پرانے ساتھی مروادخ کا قاتل ہے۔ وہ پارسی تھا۔ ہم بھی پارسی ہیں۔ تم کیا سمجھتے تھے کہ اسے موت کے گھاٹ اُتارنے پر تُو بچا رہے گا؟ تجھ پر کوئی گرفت نہیں کرے گا؟ ہم تو تجھ پر نگاہ رکھے ہوئے تھے اور آج ان ویرانوں میں ہمیں موقع مل گیا کہ ہم تم پر ضرب لگائیں۔ ان ویرانوں میں دیکھنا ہم تیرے ہنر کے استغراق، تغیر بھری تیری توتوں کو زندگی کے ویران گوشوں کی طرح بے تکلم اور بدن کی دھجیاں اُڑاتی تیز آندھیوں جیسی کر کے رکھ دیں گے۔

ان ویرانوں میں ہم انسان کو ریزہ ریزہ کر دینے والی بدشگونیوں کی طرح تجھ پر حملہ آور ہوں گے اور تیری حالت کاسۂ زیست میں کھوٹے سکوں، روزنِ زندان سی

چپ، پتھر سا خاموش، خود فریبی کا سا الم گزیدہ بنا کر رکھ دیں گے۔ یاد رکھنا! اگر تم نے کوئی حماقت بھری کارروائی کرنے کی کوشش کی تو ان ویرانوں میں ہم تمہاری حالت خیابانِ فکر میں بنجر پن کے جھکڑوں جیسی کرتے ہوئے اپنی منزل کی طرف نکل جائیں گے۔ سن محمد بن اشعث! تُو مروادخ کا قاتل ہے۔ اور اب ان ویرانوں میں ہم تمہارے قاتل بنیں گے۔''

جب تک راہ روکنے والوں میں سے ایک بولتا رہا، محمد بن اشعث بڑی فکر اور تحمل سے ان کی طرف دیکھتا رہا۔ جب وہ خاموش ہوا تب انہیں مخاطب کرتے ہوئے محمد بن اشعث کہہ رہا تھا۔

''میری راہ روکنے والو، سنو! حقیقت میں ڈوبے اس ماحول میں عمر کے ویران راستوں پر جب میں تم لوگوں کی زندگی کے پیالوں میں زہر، تمہاری رگ رگ، پل پل میں پھیلتی تاریکیاں بھر دوں گا تو یاد رکھنا تمہاری حالت دیمک چاٹے لکڑی کے بوسیدہ تختوں اور وقت کے تاریک تند صفات لمحوں جیسی بنا کر رکھ دوں گا۔''

اس پر پہلے والا شخص پھر بولا۔

''شاید تم ہمارے ہاتھوں مرنے کے لئے پہلے سے تیار ہو۔''

وہ شخص جب خاموش ہوا تب انتہائی غضب ناکی اور غصہ سے محمد بن اشعث اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تم مجھے حملہ آور ہونے کی دھمکی دیتے ہو۔ میں تو خود تم پر حملہ آور ہونے کا خواہش مند ہوں۔ جب میں ایسا کروں گا تو یاد رکھنا تم پر صداؤں کے فساد کو توڑتے موت کے کاروانوں کی طرح حملہ آور ہوں گا۔ جب ایسا ہو گا تو یاد رکھنا بلکتی زمین پر خون کی پیاسی میری تلوار تمہارے تصورات تک کو زخم زخم کر دے گی۔ تمہاری رگ رگ میں پیوست ہوتے الیے بھر کے رکھ دے گی۔''

یہاں تک کہنے کے بعد محمد بن اشعث تھوڑی دیر کے لئے رُکا، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

''تم سات کے سات میرے سامنے سے بھاگنے کی کوشش کرو گے تب بھی میں تمہیں بھاگنے نہیں دوں گا۔ یاد رکھنا! خارِ حیات کے ان ویرانوں میں تم پر برستی آگ کے سنگ و خشت کی طرح حملہ آور ہوں گا۔ تمہارے شاطرانہ ڈھنگ کو درد کے رینگتے

سرمئی اندھیروں میں تبدیل کر دوں گا۔ میری راہ روکنے والو! تیار رہو۔ پھر دیکھو میں کیسے تمہاری خود پرستی کے تمرد پر ستم کشوں کے عذاب کی طرح نازل ہوتا ہوں۔ کیسے تمہارے سینہ کے نگار خانے میں خوف بھرے بیابانوں کا سا دکھتا پن بھرتا ہوں اور تمہاری روح سے جوان آب و تاب چھینتا ہوں۔''

محمد بن اشعث جب خاموش ہوا تب اُن میں سے ایک پھر اُسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''یہ بھی تم نے خوب کہی۔ ہم سات اور ہمارے مقابلے پر تو اکیلا پھر بھی تیری اکڑ میں کمی نہیں آئی۔ کیا تُو بہ یک وقت سات تلواروں کا مقابلہ کر سکے گا؟ دیکھ! مرنے سے پہلے یہ بتا، یہ لڑکی جو تیرے ساتھ ہے کون ہے؟ تا کہ وہ ہماری تلواروں کی زد میں نہ آ جائے۔''

محمد بن اشعث نے اس موقع پر ہلکا سا ایک قہقہہ لگایا۔ کہنے لگا۔

''تم سات کی بات کرتے ہو، قسم خدائے وحدہٗ لاشریک کی اس موقع پر اگر تم سات کی بجائے چودہ ساتھی بھی لے آتے تو میں اُنہیں کٹے ہوئے درخت کی طرح زمین پر گرا کر رکھ دیتا۔''

اس پر راہ روکنے والوں میں سے وہی بولا اور کہنے لگا۔

''اگر یہ بات ہے تو پھر ہمارے حملے کو روک کر دکھاؤ۔''

اس کے بعد اس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور سب نے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگاتے ہوئے محمد بن اشعث کی طرف بڑھایا تھا۔

وہ تھوڑا سا آگے گئے ہوں گے کہ ایک طوفان، ایک تبدیلی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ قریب ہی جو درخت تھے ان میں سے ایک تیز اور شدید تیر اندازی ہوئی کہ محمد بن اشعث کی طرف بڑھنے والے سارے تیغ زن زمین پر گر کر تڑپنے اور دم توڑنے لگے تھے۔

اُن کی یہ حالت دیکھتے ہوئے حسین اور خوب صورت اقلیما تھوڑی دیر تک خوش کن انداز میں محمد بن اشعث کی طرف دیکھتی رہی۔ جب ان سب کا کام تمام ہو گیا تب محمد بن اشعث کی طرف دیکھتے ہوئے اقلیما نے پوچھ لیا۔

''کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ ان پر تیر اندازی کر کے کس نے ہماری مدد کی؟''

جواب میں محمد بن اشعث مسکرایا اور کہنے لگا۔

''فی الحال یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کبھی موقع آیا تو میں تمہیں اس کی تفصیل بتاؤں گا۔ اب آؤ یہاں سے کوچ کریں۔''

اس پر اقلیما تفکرات بھرے انداز میں کہنے لگی۔

''میرا دل کہتا ہے کہ ان کے کوئی مزید ساتھی بھی ہوں گے۔ جب وہ اس طرف آئیں گے، ان کی لاشیں دیکھیں گے، ان کے گھوڑوں کو اِدھر اُدھر آوارہ حالت میں بھاگتے پائیں گے تو کیا وہ ہمارے تعاقب میں نہیں لگ جائیں گے؟ اور کیا وہ ہمارے لئے خطرہ ثابت نہ ہوں گے؟''

محمد بن اشعث نے ایک بار غور سے اقلیما کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

''ان سب کی ایسی تیسی۔ کوئی ہمارے تعاقب میں نہیں لگے گا۔ جہاں تک ان لاشوں کا تعلق ہے تو جنہوں نے ان پر تیر چلائے ہیں وہ خود ہی انہیں دفن کر دیں گے اور ان کے گھوڑوں پر قبضہ کر لیں گے۔ ہمیں ان سب چیزوں سے متعلق سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

ساتھ ہی جب محمد بن اشعث نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی، اس کی طرف دیکھتے ہوئے اقلیما بھی اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا چکی تھی۔ پھر دونوں اپنے گھوڑوں کو اپنی منزل کی طرف سرپٹ دوڑا رہے تھے۔

اقلیما کو لے کر ایک روز محمد بن اشعث بہاتمہ نام کی بستی میں داخل ہوا جو دریائے دجلہ کے کنارے واقع تھی۔ پھر ایک حویلی کے سامنے رُک گیا اور اس کے دروازے پر دستک دی۔

اقلیما بھی اپنے گھوڑے سے اُتر کر گھوڑے کی باگ پکڑ کر کھڑی ہوگئی تھی۔ جب محمد بن اشعث نے اس حویلی کے دروازے پر دستک تب اقلیما نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیا یہ میرے ماموں حارث بن لبید کی حویلی ہے؟''

جواب میں اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے محمد بن اشعث کہنے لگا۔

''تمہارا اندازہ درست ہے، یہ تمہارے ماموں کی حویلی ہے۔ اور........''

یہاں تک کہتے کہتے محمد بن اشعث کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ حویلی کا دروازہ کھل گیا تھا۔ دروازہ کھولنے والا حارث بن لبید تھا۔ اس نے جب دروازے پر اقلیما کو کھڑے دیکھا تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اقلیما نے بھی اپنے گھوڑے کی باگ چھوڑ دی۔ بھاگ کر اندر داخل ہوئی اور حارث بن لبید نے اسے اپنے ساتھ لپٹا کر پیار کیا۔ اتنی دیر تک بشار بن حارث، خنسا بنت حارث، نابقہ بنت علقمہ بھی تقریباً بھاگتے ہوئے ادھر آ گئے تھے۔ سب سے پہلے وہ اقلیما سے ملے، پھر بشار بن حارث دونوں گھوڑوں کو پکڑ کر اصطبل کی طرف لے گیا تھا۔ بعد میں حارث بن لبید نے آگے بڑھ کر محمد بن اشعث کو گلے لگایا اور کہنے لگا۔

''میرے عزیز! جو کام تُو نے کیا ہے، کوئی اپنا بھی ہوتا تو نہ کر پاتا۔ اس سے پہلے تُو نے اقلیما پر ایک بہت بڑا احسان کیا۔ دوسرا احسان تُو نے یہ کیا کہ اِرم کو ڈھونڈا۔

اور تیسرا احسان یہ ہے کہ تُو اقلیما کو لے کر یہاں آیا ہے۔ کبھی موقع ملا تو میں.......''

حارث بن لبید اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ محمد بن اشعث نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ کہنے لگا۔

''یہ احسانات گنوانے کا موقع نہیں ہے۔ آپ اپنی بھانجی کو اپنی بڑی بھانجی کے پاس لے کر جائیں تاکہ دونوں بہنیں آپس میں ملیں۔''

اس پر خنساء بنت حارث نے دروازہ بند کر دیا۔ سب دیوان خانہ کی طرف ہو لئے۔ اتنی دیر تک بشار بن حارث بھی گھوڑوں کو اصطبل میں باندھنے کے بعد دیوان خانے کی طرف ہولیا تھا۔

دیوان خانہ کی طرف جاتے جاتے حارث بن لبید کے قدم رک گئے۔ کہنے لگا۔

''پہلے اِرم کے کمرے میں جاتے ہیں۔'' اس کے ساتھ ہی اُس نے اپنا رخ موڑا اور محمد بن اشعث کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''بیٹے! دیوان خانہ کی بجائے ساتھ والے کمرے کی طرف آئیں۔''

سب اس کمرے میں داخل ہوئے۔ اقلیما جب کمرے میں داخل ہوئی اس نے سامنے مسہری پر اپنی بڑی بہن کو لیٹے دیکھا تو بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بھاگی۔ پھر دونوں بہنیں بری طرح ایک دوسرے سے لپٹ گئی تھیں۔ کچھ دیر ایسی ہی صورتِ حال رہی پھر سب نے محسوس کیا، دونوں بہنیں ایک دوسرے سے لپٹ کر بری طرح رو رہی تھیں۔

اس موقع پر حارث بن لبید کی بیوی نابقہ بنت علقمہ اور اقلیما اور اِرم کی ممانی آگے بڑھی۔ دونوں کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے انہیں تسلی دینے لگی تھی۔ اس موقع پر اپنی آنکھیں خشک کرتے ہوئے حارث بن لبید کہنے لگا۔

''دونوں بہنوں کو کھل کر رو لینے دو۔ اس طرح ان کا غم، ان کا دکھ ہلکا ہو جائے گا۔''

اقلیما اور اِرم دونوں کچھ دیر تک ایک دوسرے سے لپٹ کر روتی رہیں۔ نابقہ بنت علقمہ رقت آمیز محبت بھرے انداز میں ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتی رہی۔ یہاں تک کہ دونوں بہنیں سنبھل گئیں۔ اقلیما بھی اِرم کی مسہری پر ہو بیٹھی۔ آخر گفتگو کا آغاز محمد بن اشعث نے کیا اور اِرم کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''اے بنتِ مروان! اب تمہاری چھوٹی بہن آگئی ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم صحت

یاب ہو جاؤ گی۔ اس لئے کہ دوا کی نسبت تمہیں اپنی چھوٹی بہن اقلیما کی زیادہ ضرورت تھی۔''

محمد بن اشعث کے ان الفاظ پر دونوں بہنیں اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا رہی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی محمد بن اشعث کی طرف دیکھتے ہوئے ارم نے کچھ کہنا چاہا، پھر ہاتھ کے اشارے سے اُس نے اپنی ممانی خنساء کو بلایا۔ وہ اس کے قریب گئی۔ خنساء کے کان میں ارم نے تھوڑی دیر کھسر پھسر کی جسے سن کر وہ باہر نکل گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹی اور ایک چرمی تھیلی لا کر اس نے ارم بنت مروان کی گود میں رکھ دی تھی۔ پھر ارم نے اس تھیلی کا منہ کھولا، اس کا جائزہ لیا، پھر اپنے ماموں کو مخاطب کر کے اپنے قریب بلایا۔ حارث بن لبید جب اپنی جگہ سے اُٹھ کر ارم کے پاس گیا تو ارم دھیمے لہجے اور سرگوشی کے انداز میں اُسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''ماموں! محمد بن اشعث کے ہم پر اس قدر احسانات ہیں کہ اگر ہم دونوں بہنیں زندگی بھر اُتارتی رہیں تو نہ اُتار سکیں۔ ماموں! یہ جو چرمی تھیلی ہے، اس میں کچھ نقدی کے علاوہ ہمارے آبائی جواہرات بھی ہیں۔ ہم دونوں بہنیں اب بے ضرورت ہو گئی ہیں۔ اس کے علاوہ میرے پاس نقدی اور کچھ جواہرات اور بھی ہیں جنہیں میں اور اقلیما دونوں لے کر بھاگی تھیں۔''

اس موقع پر اقلیما بول اُٹھی، کہنے لگی۔

''میری عزیز بہن! جو کچھ میں لے کر بھاگی تھی وہ بھی میں نے اب تک محفوظ رکھا اور ساتھ لے کر آئی ہوں۔ میرے پاس بھی کافی نقدی اور جواہرات ہیں۔ تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آخر تم کہنا کیا چاہتی ہو؟''

اس پر ارم نے کچھ سوچا، پھر اپنے ماموں حارث بن لبید اور بہن اقلیما کی طرف باری باری دیکھتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

''میں چاہتی ہوں محمد بن اشعث کا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ یہ تھیلی بھی اس کی خدمت میں پیش کریں۔ یہ معاوضہ نہیں ہے۔ میں اس سے کہوں گی، ایک بہن کی طرف سے بھائی کے لئے حقیر تحفہ ہے۔''

اس پر حارث بن لبید خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''بیٹی! تیری سوچ بالکل درست ہے اور میں اس سے اتفاق کرتا ہوں۔''

ارم کی اس تجویز پر اقلیما بھی خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔ پھر اپنی جگہ سے اُٹھی اور بشار بن حارث کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''بشار! میرے بھائی! میرے گھوڑے کے ساتھ جو خرجینیں تھیں، وہ اُتار لاؤ۔''

اس پر بشار بن حارث تقریباً بھاگتا ہوا اصطبل کی طرف گیا۔ وہ اپنے کندھے پر چار خرجینیں اُٹھا لایا تھا۔ اس پر اُسے دیکھتے ہوئے اقلیما کہنے لگی۔

''بشار! میرے عزیز بھائی! یہ دونوں خرجینیں میرے کندھے پر ہیں اور میری ہیں۔ دوسری دو محمد بن اشعث کی ہیں۔ میری خرجینیں ذرا اِدھر لاؤ۔''

بشار بن حارث نے پہلے محمد بن اشعث کی خرجینیں اُس کے سامنے رکھ دیں، پھر اقلیما کی خرجینیں اس کے قریب مسہری پر لا ڈالی تھیں۔ اقلیما نے بھی ایک بڑی خرجین کا منہ کھولا اور اس کے اندر سے ایک تھیلی نکالی اور وہ تھیلی ارم کی گود میں رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''میری عزیز اور محترم بہن! وہ تھیلی تمہاری طرف سے ہے اور یہ تھیلی میری طرف سے محمد بن اشعث کو پیش کی جائے۔ میں چاہتی ہوں دونوں تھیلیاں دونوں کی طرف سے ماموں محمد بن اشعث کو پیش کریں۔''

ارم نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ پھر اُس نے دونوں تھیلیاں حاث بن لبید کو تھمائیں اور کہنے لگی۔

''ماموں! آپ خود جائیں اور میری طرف سے یہ دونوں تھیلیاں محمد بن اشعث کو پیش کریں۔ ساتھ ہی یہ بھی کہیں کہ جو کام انہوں نے ہمارے لئے کئے ہیں ان کا یہ معاوضہ نہیں ہے۔ بس ہماری طرف سے یوں جانو ایک تحفہ ہے۔''

حارث بن لبید نے دونوں تھیلیاں لے لیں پھر محمد بن اشعث کے قریب آیا اور دونوں تھیلیاں اس کی گود میں رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''ابن اشعث! میرے عزیز! یہ دو تھیلیاں ہیں۔ ان میں نقدی اور جواہرات ہیں۔ ایک تھیلی میری بیٹی ارم کی طرف سے، دوسری میری بیٹی اقلیما کی طرف سے۔ میرے بیٹے! یہ کوئی تمہارے بے مثل کاموں کا معاوضہ نہیں ہے۔ یہ ان کی طرف سے تمہارے لئے تحفہ ہے۔''

حارث بن لبید کے ان الفاظ پر محمد بن اشعث سنجیدہ ہو گیا تھا۔ دونوں تھیلیاں اُس

نے ایک طرف رکھ دیں۔ پھر جو دو بڑی خرجینیں بشار بن حارث نے اس کے قریب لا کر رکھی تھیں، اُس نے اُن میں سے ایک کا منہ کھولا۔ اس نے بھی ایک تھیلی اس خرجین میں سے نکالی۔ تھیلیاں تین ہو گئی تھیں۔ تینوں تھیلیاں لے کر وہ اپنی جگہ سے اُٹھا، اُس مسہری کی طرف گیا جس پر ارم اور اقلیما دونوں بہنیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ تینوں تھیلیاں اُس نے ارم کی گود میں رکھ دیں، پھر کہنے لگا۔

''پچھلی بار جب میں آیا تھا تو آپ نے مجھے بھائی کہا تھا۔ ایک بہن اپنے بھائی کو یوں مدد کے لئے دے، یہ بھائی کے لئے باعثِ شرم ہے۔ اور پھر آپ دونوں تو غریب الوطنی کی زندگی بسر کر رہی ہیں۔ کیا آپ دونوں کی طرف سے یہ تھیلیاں لیتے ہوئے مجھے شرم نہ آئے گی؟ اور پھر اکثر لوگ یہ بھی تو کہتے ہیں کہ برتن کا منہ کھلا ہو تو کتے کو شرم ہونی چاہئے۔ کیا میں آپ جیسی مظلوم، غریب الوطن اور اپنی جان بچانے کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ پناہ لیتی لڑکیوں سے یہ تھیلیاں وصول کرتا اچھا لگتا ہوں؟ دو تھیلیاں تو وہ ہیں جو آپ نے اپنے ماموں کے ہاتھ مجھے دینے کے لئے بھیجیں۔ یہ تیسری تھیلی آپ دونوں میری طرف سے قبول کریں۔ دیکھیں! آپ جانتی ہیں کہ میں بنو عباس کے سالاروں میں سے ایک ہوں۔ مجھے کوئی مالی مشکلات نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ میرے باپ نے بھی اتنا ترکہ چھوڑا کہ اگر میں سالار نہ بھی ہوتا تو روزی رزق کے معاملے میں مجھے پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ وہ دو تھیلیاں تو تم دونوں بہنوں کی ہیں، یہ تیسری تھیلی میری طرف سے ہے۔ دیکھو! جلاوطنی اور دربدری کی اس زندگی میں یہ تمہارے کام آئیں گی۔ ابھی تمہارے سامنے بہت لمبی مسافتیں ہیں۔ یہاں سے نکل کر تم دونوں بہنوں نے اُندلس کا رُخ کرنا ہے۔ سفر کے علاوہ ان اجنبی سرزمینوں میں بھی یہ نقدی تم دونوں کے کام آئے گی۔''

اس کے ساتھ ہی محمد بن اشعت اپنی جگہ پر آ بیٹھا تھا۔ ارم اور اقلیما دونوں بڑی شکر گزاری اور ممنونیت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ پھر حارث بن لبید کی طرف دیکھتے ہوئے محمد بن اشعت کہنے لگا۔

''میں نے آپ لوگوں سے آپ کی بیٹی اقلیما کو یہاں پہنچانے کا وعدہ کیا تھا۔ میں اپنا وعدہ پورا کر چکا ہوں۔ اب مجھے اجازت دیجئے کہ میں یہاں سے رخصت ہوں گا۔''

محمد بن اشعت کے ان الفاظ پر ارم اور اقلیما دونوں تڑپ سی گئی تھیں۔ دونوں نے

ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر ارم بول اُٹھی۔

''بھائی! یہ آپ نے کس قسم کے الفاظ کہہ دیئے ہیں؟ آپ ابھی آئے ہیں اور ابھی اجنبیوں کی طرح یہاں سے رخصت ہو جائیں گے، یہ ناممکن ہے۔ آپ کو چند دن ہمارے پاس رہنا ہوگا۔''

جواب میں محمد بن اشعت مسکرایا اور کہنے لگا۔

''میری کچھ مجبوریاں ہیں جن کی بناء پر میں یہاں رہ نہیں سکتا۔ دیکھو تم دونوں بہنیں چند ہفتوں تک یہیں قیام کرو۔ تمہاری بہتری، تمہاری بھلائی کی خاطر میں تم سے یہی کہوں گا کہ بغیر ضرورت کے اپنے ماموں کی حویلی سے باہر مت نکلنا اور اگر نکلو تو چہرے ڈھانپ کر نکلنا۔ اس وقت تم دونوں کے چار انتہائی خطرناک اور بدترین دشمن ہیں جن میں سے ابومسلم خراسانی کا وزیر ابواسحٰق بن خالد بن عثمان اور اس کا سپہ سالار فیروز بن سنباد عمومیت کے ساتھ اور خصوصیت کے ساتھ ابومسلم خراسانی اور اس کا سالار مالک بن ہیثم تمہارے بدترین دشمن ہیں۔ انہوں نے جو لوگ جرجان کی سرائے کی طرف بھجوائے تھے اور جنہوں نے عدی بن عمیر کو گوندنی کے درخت کے ساتھ باندھا تھا ان میں سے کچھ تمہیں شکل سے جانتے پہچانتے تھے۔ لیکن ان کا میں نے خاتمہ کر دیا ہے۔ اس کے باوجود تم دونوں بہنیں بڑی احتیاط کرنا۔''

اس کے ساتھ ہی محمد بن اشعت اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا کہہ رہا تھا۔

''میں اب جاتا ہوں اور تم دونوں بہنوں سے وعدہ کرتا ہوں کہ چند ہفتوں کا وقفہ ڈال کر میں آؤں گا اور تم دونوں بہنوں کو اُندلس پہنچانے کا اہتمام کروں گا۔ اگر بنو عباس کے نئے خلیفہ ابوجعفر منصور نے مجھے کسی مہم پر روانہ کر دیا اور میں جلد تمہاری طرف نہ لوٹ سکا تب میری طرف سے ایک شخص روح بن حاتم آئے گا۔ وہ بدترین حالات میں بھی میرا قابل اعتماد دوست اور ساتھی ہے۔ اچھا تیغ زن ہونے کے ساتھ ساتھ عمدہ قسم کا کھوجی بھی ہے۔ اسے میں تم دونوں کی طرف بھجواؤں گا اور وہ تم سے تمہارا لائحہ عمل جان کر میرے پاس آئے گا۔ تم اس پر انکشاف کر دینا کہ تم کب تک اُندلس کی طرف روانہ ہونا پسند کرو گی اور تمہارے ان ہی ارادوں کو سامنے رکھتے ہوئے میں تمہاری طرف آؤں گا اور تمہیں یہاں سے نکال کر اُندلس کی طرف لے جاؤں گا۔''

یہاں تک کہتے کہتے محمد بن اشعث رکا، کچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔

''پہلے جرجان کی سرائے میں اقلیما سے رابطہ قائم کرتے ہوئے ایک لمبی مسافت طے کرنا پڑتی تھی، ایک وقت چاہئے تھا اس لئے کہ انبار سے جرجان بڑا دور ہے۔ لیکن دریائے دجلہ کے کنارے بہاتمہ نام کی یہ بستی انبار سے بالکل قریب ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور بھی آسانی ہو جائے گی۔ اس لئے کہ نیا خلیفہ ابوجعفر منصور انبار شہر کی بجائے اپنے لئے ایک نیا دارالحکومت تعمیر کرنا چاہتا ہے اور وہ اپنے اس ارادہ کا اظہار کر چکا ہے کہ اُس کا دارالحکومت دریائے دجلہ کے کنارے ہوگا۔ ایسی صورت میں تم دونوں سے ملنا میرے لئے اور آسان ہو جائے گا اور میں کسی بھی وقت تم دونوں کو یہاں سے نکال کر اندلس کی طرف لے جانے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔''

اس موقع پر اقلیما اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑی ہوئی، کچھ سوچا، پھر محمد بن اشعث کو مخاطب کر کے انتہائی عاجزی اور انکساری میں کہہ رہی تھی۔

''میرا آپ پر کوئی حق یا زور نہیں ہے۔ آپ میرے پورے خاندان کے محسن اور مربی ہیں۔ بس اس موقع پر میں آپ سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ یوں اجنبیوں کی طرح یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ آپ یہاں شب بسری کریں۔ میرے ساتھ ایک لمبا سفر طے کر کے آئے ہیں اور آپ کو آرام کی بھی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ کھانا کھائے بغیر آپ کا جانا انتہائی معیوب اور برا لگتا ہے۔''

اقلیما جب خاموش ہوئی تو اُس کی طرف دیکھتے ہوئے محمد بن اشعث کہنے لگا۔

''اے بنت مردان! تُو نے دو باتیں کی ہیں۔ ایک یہ کہ میں یہاں شب بسری کروں۔ دوسری یہ کہ مجھے کھانا کھا کر جانا چاہئے۔ کھانا کھا کر نہ جانا معیوب ہے۔ تم نے دو باتیں کی ہیں اس لئے میں یہ کہتا ہوں کہ دو باتوں میں سے ایک بات تم میری مان لو، ایک بات میں تمہاری مان لیتا ہوں۔ تم یہ بات مان لو کہ میں شب بسری کئے بغیر یہاں سے کوچ کر جاؤں گا۔ میں تمہاری یہ بات مان لیتا ہوں کہ میں کھانا کھا کر چلا جاؤں گا۔''

محمد بن اشعث کے ان الفاظ پر سب مسکرا رہے تھے۔ اقلیما بھی مسکرا دی، کہنے لگی۔

''چلو یوں ہی سہی۔ آپ کسی طرح رُکے تو ہیں۔ آئیں بیٹھیں۔ شام کا کھانا کھا کر جانا۔ بھلے عشاء کی نماز بھی ادا کرنے کے بعد آپ رخصت ہو جایئے گا۔''

محمد بن اشعث نے اس سے اتفاق کیا۔ پھر جہاں سے اٹھا تھا، وہیں بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھ جانے پر ارم اور اقلیما سمیت سب خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ پھر گفتگو کا آغاز ارم نے کیا تھا۔

''بھائی! یہ جو اسلامی مملکت میں افراتفری پھیلی ہے کیا اس سے ہماری مملکت، ہمارے دین کو نقصان تو نہیں پہنچے گا؟''

جواب میں محمد بن اشعث نے کچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔

''ارم میری بہن! یہ افراتفری، یہ قتل و غارت گری مسلمانوں کی سلطنت کے لئے تو باعث نقصان ہو سکتی ہے لیکن اسلام کے لئے نہیں۔ اس لئے کہ اسلام پر کوئی بھی زمانہ ایسا نہیں گزرا کہ ملحدوں، بدعتیوں، منافقوں اور خود مسلمانوں کے برپا کئے ہوئے فتنوں سے مسلمان مطمئن بیٹھے ہوں اور شریروں نے اپنی شرارت اور شیطانوں نے اپنی شیطنت اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں پوری طاقت کے ساتھ استعمال نہ کی ہو اور کفر و اسلام میں ظلمت و نور کی یہ جنگ کبھی ملتوی ہوئی ہو۔

خاص بات جو قابل التفات اور خصوصی توجہ کی مستحق ہے کہ کفر و ظلمت اور شیطانی طاقتوں نے ہر زمانے میں نئے نئے چولے بدل کر نت نئے جتن سے مسلح ہو کر اسلام کے مقابلہ میں صف آرائی کی اور اپنی پوری طاقت سے کام لیا اور بظاہر دین حق کمزور اور مغلوب ہو کر کوئی دم کا مہمان نظر آیا۔ لیکن پھر سنبھل کر اسی شان، اسی آن سے مقابلے پر مستعد دیکھا گیا۔ مسلمانوں کی بڑی تعداد ہمیشہ فریب کھاتی رہی۔ طاغوتی طاقتوں کے بہکانے سے بہکتی اور راہِ راست سے بھٹکتی رہی۔ لیکن ہمیشہ ایک چھوٹی تعداد قرآن و سنت کو تھامے ہوئے صراطِ مستقیم پر قائم رہی۔

شیطانی اور طاغوتی طاقتوں کے مقابلے میں ہمیشہ ایک ہی ہتھیار اور ایک ہی سامان نے کام دیا اور وہ کتاب و سنت کے سوا دوسری کوئی چیز نہ تھی۔ عیسوی، موسوی، زرتشتی، بُودھ اور برہمن وغیرہ مذہب کی تاریخ پر غور کیا جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ ان مذاہب پر جب بھی کبھی افتاد آن پڑی، مذاہب کے ماننے والوں میں کسی بدعت نے رواج پایا تو پھر وہ لوگ بدعت سے جدا ہو کر اپنے اصلی مذہب کی طرف ہرگز واپس نہ آ سکے اور دم بدم اپنے اصل مذہب اور اصل عقائد سے دور ہوتے چلے گئے اور مذہبی اعتبار سے اس قدر غیر مسلک اور متغیر ہو گئے کہ آج ان مذاہب کی حقیقت و اصلیت کا حال معلوم کرنا

سراسر محال اور غیر ممکن ہو گیا ہے۔

لیکن اسلام اپنی خصوصیت میں بالکل منفرد اور یکا و تنہا ہے کہ اس پر سینکڑوں ہزاروں ایسے طوفان آئے کہ ان میں صرف ایک ہی طوفان کسی دوسرے مذہب کو فنا اور مسخ کر دینے کے لئے کافی تھا۔ لیکن اسلام کا ایک خدوخال اور ایک بال بھی متغیر نہیں ہوا اور وہ اپنی پوری اور مکمل حالت میں ہمیشہ موجود اور جلوہ گر رہا ہے اور آج بھی اسی پورے اور مکمل اسلام تک ہر شخص کی رسائی ہو سکتی ہے جو حضور ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کے زمانے کا اسلام تھا۔ اسی لئے یہ نتیجہ خود بخود برآمد ہو جاتا ہے، آئندہ بھی اس طرح بڑے بڑے فتنے اور طوفان برپا ہوتے رہیں گے لیکن اسلام کو وہ ہرگز ہرگز متغیر نہ کر سکیں گے۔

اس لئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ میری اُمت کا ایک گروہ ہمیشہ قیامت تک صراطِ مستقیم پر قائم رہے گا۔ نیز ہر اُس شخص کے لئے جو فلاحِ دارین کا خواہاں و رضائے الٰہی کا طالب اور مقصد زندگی کو حاصل کرنا چاہتا ہے، ہر وقت موقع حاصل ہے کہ وہ قرآن مجید اور سنت رسول اللہ ﷺ کو اپنی زندگی کا دستورِ عمل بنائے اور اپنی عقل و فہم کی تگ و تاگ اور بلند پروازیوں کے لئے نہایت وسیع میدان اور نہایت بلند و بسیط فضا پا کر تسکینِ خاطر اور اطمینانِ کامل پائے۔ ہمارے اس دور میں جو فتنے اور طوفان شیطانی طاقتوں نے برپا کر رکھے ہیں، ان کی حقیقت و اصلیت سے سب واقف ہیں لیکن یہ دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد محمد بن اشعث جب خاموش ہوا تو اقلیما توصیفی انداز میں اس کی طرف دیکھ رہی تھی جبکہ ارم مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

''بھائی! تم نے اپنی باتوں سے میرا دل خوش کر دیا ہے۔ پر یہ جو اسلام میں خاندانی دشمنیاں اور رقابتیں چل اُٹھی ہیں، میرے بھائی! اس کا کیا بنے گا؟ کیا اس سے اسلامی سلطنت کمزور نہ ہو جائے گی اور ایک خاندان کے بعد دوسرا خاندان برسر اقتدار آتے ہوئے پہلے خاندان کا قتل عام کرتے ہوئے مسلمانوں اور مسلمانوں کی سلطنت کے لئے کب تک تفرقے کا باعث بنتا رہے گا؟''

جواب میں محمد بن اشعث نے کچھ سوچا، دوبارہ وہ کہہ رہا تھا۔

''مسلمانوں کی بدقسمتی یہ ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کے حادثۂ شہادت سے ہاشمیوں

اور اُمیوں میں معرکہ آرائیاں بلا ارادہ شروع ہو گئی تھیں۔ ان کا خاتمہ تقریباً تیس چالیس سال کے بعد اُمویوں کی کامیابی پر ہوا۔ حضور ﷺ بھی ہاشمی تھے لیکن اگر آپؐ نے نسلی امتیازات مٹا کر تمام مسلمانوں کو یکساں حقوق عطا نہ فرما دیئے ہوتے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ جیسے عظیم الشان انسان، حضرت اسامہؓ بن زید کے لشکر میں محکوم سپاہی کی حیثیت سے شامل کئے جاتے؟ اور یہ کیسے ممکن تھا کہ صدیق اکبر جیسے سب سے محترم اور حضور ﷺ کو سب سے عزیز صحابی، اُسامہؓ بن زید کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر اس حالت میں چلتے کہ اُسامہؓ بن زید گھوڑے پر سوار ہوں اور وہ پیدل چل رہے ہوں۔ اور یہ کہاں ممکن تھا کہ حضرت بلالؓ حبشی کو بڑے بڑے جلیل القدر قریش صحابہ سیّدی کہہ کر مخاطب کرتے۔

اگر خاندان پرستی کی اسلام نے کوئی گنجائش رکھی ہوتی تو یہ ممکن ہی نہ تھا کہ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کو چھوڑ کر تمام صحابہ حضرت ابوبکرؓ صدیق کی خلافت اور سرداری پر متفق ہو جاتے یا ان کے بعد فاروقِ اعظمؓ اور عثمان غنیؓ کو خلیفہ بناتے یا عبدالرحمٰنؓ بن ابوبکر اور عبداللہؓ بن عمر تختِ خلافت کے امیدوار نہ بنتے۔

چونکہ اسلام نے خلافت اور مسلمانوں کی امارت کو قابلیت اور انتخاب پر منحصر رکھ کر ایک امانت قرار دیا ہے کہ تمام مسلمانوں کی طرف سے کسی قابل شخص کو سپرد کی جاتی ہے اور اسی وقت تک اس کے پاس رہ سکتی ہے جب تک وہ خیانت سے مجتنب رہ کر دیانت کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتا رہے۔

لہٰذا وہ کسی شخص کی ملکیت نہیں بن سکتی اور اس میں قانونِ وراثت مطلق داخل نہیں ہو سکتا۔ عبداللہ بن سبا کی تمام شرارتوں کا آخری نتیجہ یہی تھا کہ ہاشمیوں اور اُمیوں کی رقابتوں اور پرانی عداوتوں نے بیدار ہو کر اسلام کی اس زریں تعلیم کو فراموش کر کے خلافت و امارت کو اپنی ملکیت قرار دینا چاہا۔ ایک طرف اُمویوں نے خاندانی ولی عہدی کا سلسلہ جاری کر کے تختِ خلافت کو قانونِ وراثت کے ماتحت ایک خاص خاندان کی ملکیت قرار دے دیا۔ دوسری طرف ہاشمیوں نے بھی خلافت کے حاصل کرنے کے لئے اسی خطرناک بدعت کو اپنا آلۂ کار بنایا اور اس کام یں ایسے منہمک اور مصروف ہوئے کہ باقی تمام ضروری باتوں کی طرف سے غافل ہو کر عبداللہ بن سبا کی تقلید پر آمادہ ہو گئے۔

جن تدبیروں کو کام میں لا کر عبداللہ بن سبا نے خلافت راشدہ کو درہم برہم کرنے کی

کوشش کی تھی، انہی تدبیروں اور اسی طرزِ عمل سے ہاشمیوں نے اپنی کامیابی کی امیدوں کو وابستہ کر لیا تھا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد محمد بن اشعث جب خاموش ہوا تب بڑے دکھ بھرے انداز میں اِرم بولی اور کہنے لگی۔

''ہم اس چیز کو تسلیم کرتے ہیں کہ بنو عباسؓ نے بنو اُمیہ کی نہ صرف حکومت کا خاتمہ کر دیا ہے بلکہ اُن کے سرکردہ لوگوں اور حامیوں کو چن چن کر قتل کر دیا ہے اور یہ ایسا قتلِ عام ہے جو شاید اس سے پہلے اسلام نے نہ دیکھا ہو۔ لیکن میرا دل کرتا ہے کہ بنو اُمیہ کی نسبت بنو عباس کا دور بدترین ہو گا۔ اس لئے کہ بنو اُمیہ کے دور میں صحابہ اور تابعین موجود تھے۔ اب جبکہ بنو اُمیہ کا دور ختم ہو چکا ہے تو دنیا صحابہ کرامؓ اور تابعین سے بھی تقریباً خالی ہو چکی ہے۔ 86 ہجری میں حضرت عبداللہؓ بن حارث کے فوت ہونے پر ملک مصر صحابۂ نبیؐ سے خالی ہو گیا۔ اسی سال حضرت ابو امامہؓ کی وفات کے بعد شام میں کوئی صحابی نہ رہے۔ 87 ہجری میں حضرت عبداللہؓ بن ابی کی وفات کے بعد کوفہ اور 91 ہجری میں صائبؓ بن یزید کی وفات سے مدینہ اور 93 ہجری میں حضرت انسؓ بن مالک کے فوت ہونے پر بصرہ بھی صحابہ کرامؓ سے خالی ہو گیا تھا۔ حضرت ابو طفیلؓ جو صحابی تھے، مکہ میں فوت ہوئے۔ ان کے بعد روئے زمین پر کوئی صحابی باقی نہ رہے۔ ساری دنیا حضور ﷺ کے اصحاب سے خالی ہو گئی۔ 104 ہجری میں مشہور تابعی حضرت عمر شعابی جن کو 500 صحابہ کرام کی ملاقات کا فخر تھا، فوت ہوئے۔ 106 ہجری میں سالم بن عبداللہ بن عمر تابعی اور 107 ہجری میں حضرت اکرمہ مولیٰ ابن عباس اور حضرت سلیمان بن یسار فوت ہوئے۔ 110 ہجری میں حضرت حسن بصری اور محمد بن سیرین نے وفات پائی۔ 114 ہجری میں حضرت عطا بن ابی ربیٰ، 117 ہجری میں نافع بن مولیٰ ابن عمر، 118 ہجری میں حضرت قتادہ اور محمد بن مسلم کی فوت ہوئے۔ 124 ہجری میں حضرت ابوبکر ابن شہاب تابعی نے وفات پائی اور 127 ہجری میں عبداللہ بن دینار فوت ہوئے۔ اس طرح بنو اُمیہ کے دور میں تابعین کا بھی خاتمہ ہوا۔

عہدِ بنو اُمیہ میں اگرچہ بعض تابعین نے اپنی اپنی بیاض اور یادداشتوں میں حدیث نبوی ﷺ لکھنی شروع کر دی تھی لیکن کوئی مشہور قابلِ تذکرہ ذخیرہ احادیثِ نبوی ﷺ کا کسی کتاب کی کسی شکل میں مدوّن نہ ہوا تھا۔

صحابہ کرام سے تابعین حدیثیں سنتے اور بڑی احتیاط کے ساتھ یاد رکھتے، دین کی باتیں سیکھتے، صحابہ کرامؓ کے عمل کو دیکھتے اور خود عامل ہوتے تھے۔ اسی کا نام حدیث و سنت تھا۔

یہی لوگ علمائے دین تھے جو اشاعتِ دین میں مصروف تھے۔ اُس زمانے میں دینِ اسلام کی صرف ایک ہی کتاب تھی یعنی قرآن مجید۔ اس کتاب اللہ کے سوا ان کو اپنے دین کے لئے کسی دوسرے کی کتاب سے مرتب و مدوّن کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ سندھ، بلخ، چین سے لے کر مراکش اور اُندلس تک اسلامی حکومت قائم تھی اور ساری دنیا میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کافی ثابت ہوئی اور کسی جگہ کوئی دقت اور دشواری پیش نہیں آئی۔

اس زمانے میں نہ آئمہ اربعہ کا فقہ مدوّن ہوا تھا، نہ ہزارہا فقہی اصطلاحوں اور الحاق کے عقیدوں سے کوئی واقف تھا۔ نہ علم الکلام تھا، نہ منطق و نحو۔ صرف یہ چرچا تھا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے سوا مختلف علوم کی کتابوں کے یہ ذخیرے تھے جن کو اب مدارس میں پڑھانا شروع کر دیا ہے اور انہیں پڑھتے پڑھتے بچے بوڑھے ہو جاتے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد اِرم رُکی، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''ہمارے خاندانِ بنو اُمیہ کے دور میں قرآن مجید کے پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں ہونے دیا جاتا تھا۔ بنو اُمیہ کے دور میں، جو اب بدقسمتی سے ختم ہو چکا ہے، مسلمانوں میں کسی قسم کی تنگ خیالی اور تنگ نظری بھی نہ تھی اور علومِ دینوی کی طرف سے بھی وہ بے فکر اور غافل نہ تھے۔''

دم لینے کے لئے اِرم رُکی، پھر کہتی چلی گئی۔

''ہمیں فخر ہے کہ ہمارے قبیلے کی حکمرانی کے دوران 71 ہجری میں بارود مسلمانوں نے ایجاد کیا تھا۔ 75 ہجری میں بنو اُمیہ کے اولوالعزم خلیفہ عبدالملک نے اسلامی سکہ جاری کیا۔ 80 ہجری میں شام کے اندر عیسائیوں نے نئے گرجے تعمیر کرنے کی اجازت چاہی اور خلیفہ عبدالملک بن مروان نے بخوشی اجازت دے دی۔ چنانچہ ارواح کا گرجا اسی زمانے میں تعمیر ہوا۔ اگر بنو اُمیہ روشن خیال اور روادار نہ ہوتے تو گرجوں کی تعمیر

ممکن نہ تھی۔ اسی زمانے میں حکیم ابو ہاشم اور خالد بن یزید بن معاویہ نے فلسفۂ یونانی کا وسیع مطالعہ کیا اور فلسفہ کی کتابوں کا یونانی میں ترجمہ کیا۔ البیرونی نے ان کو اسلام کا پہلا فلسفی لکھا ہے۔

علمِ کیمیا کے بھی وہ اُستادِ کامل مانے گئے تھے، نیز حدیثِ نبوی ﷺ کے عالم اور محدثین میں ثقہ راوی تسلیم کئے گئے ہیں۔ وہ امام زہری مدرکی کے استاد تھے۔ 88 ہجری میں یوسف بن عمران نے مکہ معظمہ میں بجائے ریشم کے رُوئی کا کاغذ بنانا شروع کیا جو بعد میں دمشقی کاغذ کے نام سے مشہور ہوا۔ 93 ہجری میں خلیفہ ولید کے حکم سے انطاکیہ میں ایک یعقوبی گرجا تعمیر ہوا۔ اسی سال محمد بن قاسم نے دریائے سندھ کو عبور کرنے کے لئے کشتیوں کا عجیب و غریب متحرک پُل تعمیر کیا۔

اُروا بن زبیرؓ جو 93 ہجری میں نوت ہوئے، حضور ﷺ کے سوانح اقدس کو بشکل کتاب تحریر د مرتب کیا۔ 99 ہجری میں ابوالاسود نے قواعد علم و نحو مرتب کئے۔ 113 ہجری میں خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے تاریخ عجم کا جو بڑی عمدہ کتاب تھی، فارسی سے عربی میں ترجمہ کرایا۔

حضرت اروہ بن منبع نے جو 114 ہجری میں فوت ہوئے، سوانح حیاتِ اقدس نبوی ﷺ کو ایک کتاب کی شکل میں ترتیب دیا۔ 125 ہجری میں علم ہیئت کی کتاب مفتح نجوم کا بھی بنو اُمیہ کے دور میں عربی میں ترجمہ کیا گیا۔

ہمارے ہی قبیلے بنو اُمیہ کے دور میں بعض بزرگوں نے مذکورہ خانہ جنگیوں اور فرقوں کی بد عقیدگیوں اور لوگوں کی دنیا طلبی اور ہنگامہ پسندیوں کو دیکھ کر گوشہ نشینی اور بے تعلقی اور یکسوئی کی زندگی کو ترجیح دی۔ جنگوں اور چپقلشوں سے منقطع ہو کر زیادہ وقت عبادتوں میں بسر کرنا شروع کیا اور اپنے مخصوص شاگردوں اور دوستوں کو جو اس حالت میں بھی ان کے پاس آتے رہے، دینی تعلیم دینے سے گریز نہیں کیا۔ یہ بنو اُمیہ ہی کا دور تھا جس میں حضرت حسن بصری اور سفیان ثوریؒ جیسے لوگ پیدا ہوئے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد اِرم جب خاموش ہوئی تب محمد بن اشعث کچھ سوچتے ہوئے کہنے لگا۔

''اِرم! تُو نے اپنے قبیلے کی تعریف تو کی ہے لیکن اس قبیلے نے ایک ایسی غلطی کی جسے کوئی مسلمان نہ فراموش کر سکتا ہے اور نہ برداشت کر سکتا ہے۔ اور اسی حادثہ کی وجہ

مسلمانوں کے اندر مذہبی فرقوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ بنو اُمیہ
ے
سبطِ رسولؐ حضرت امام حسینؓ کی شہادت ایک ایسا واقعہ ہے جو بنو اُمیہ کے
کے ہاتھوں
کا وہ داغ ہے جو کبھی دُھل نہیں سکے گا۔ اگر بنو اُمیہ یہ حرکت نہ کرتے تو
ماتھے پر بدنامی
دنیا کے مزید ممالک کو فتح کر کے اپنی مملکت میں شامل کرتے۔ بنو اُمیہ کے اس
یقیناً وہ
جرم کی وجہ سے مسلمانوں کے اندر حضرت علیؓ کی اولاد سے محبت کرنے والوں
گھناؤنے
کا ایک سلسلہ اُٹھ کھڑا ہوا جن میں شیعہ اولیٰ، شیعہ تفضیلیہ، شیعہ تبرائیہ، شیعہ
کے فرقوں
غلاط خارج، شیعہ کاملہ، شیعہ کسانیہ، شیعہ مختاریہ، شیعہ مغیریہ، شیعہ نبانیہ، شیعہ زیدیہ، شیعہ
جناحیہ آپ ہی آپ تو نہیں بن گئے تھے بلکہ ان کی وجہ وہی بنو اُمیہ کی نہ بھولنے والی
غلطی ہے جو یزید بن معاویہؓ کے دورِ حکومت میں مسلمانوں کے سامنے آئی جس میں سبطِ
رسولؐ کو بڑی بے دردی سے شہید کر دیا گیا اور اسی شہادت کی وجہ سے مسلمان جو پہلے
ایک اور یکجا تھے، ان گنت فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ اس تقسیم نے ہی مسلمانوں کے اندر
نہ صرف افراتفری بلکہ ان کے اندر کمزوری کے بھی آثار پیدا کر دیئے ہیں۔''

محمد بن اشعث جب خاموش ہوا تب اِرم مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

''ابنِ اشعث! میرے بھائی! میں نے یقیناً اپنے قبیلے بنو اُمیہ کی تعریف کی تھی لیکن تم نے بنو اُمیہ کے خلاف جو کچھ کہا ہے، میں تسلیم کرتی ہوں۔ سبطِ رسولؐ کی شہادت بنو اُمیہ کے دور کا ایک ایسا واقعہ ہے جو بنو اُمیہ کے دور پر ایک بدنما داغ ہے اور ایسے داغ دُھلتے نہیں ہیں اور اس سے عالمِ اسلام کو نقصان بھی بہت ہوا۔ یہ بنو اُمیہ کی غلطی تھی۔ اسی غلطی کی وجہ سے ہی ان کی حکومت کی چولیں ہل گئی تھیں اور ان کے خلاف زوال پذیر کرنے والی قوتیں حرکت میں آ گئی تھیں۔''

اِرم دم لینے کے لئے رُکی، پھر محمد بن اشعث کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''میرے بھائی! میں اس بات کو تسلیم کرتی ہوں کہ حضرت امام حسینؓ کی شہادت بنو اُمیہ کا ایک بدترین کارنامہ تھا لیکن مسلمانوں اور خصوصیت کے ساتھ بنو اُمیہ کی تنزلی اور زوال کی وجہ صرف یہ ایک حادثہ نہیں، اس کے علاوہ بھی کچھ عوامل ہیں جو بنو اُمیہ کی بنیادوں کو ہلانے میں کارفرما ہوئے۔

ابنِ اشعث! میرے بھائی! مسلمانوں میں جن فتنوں نے رونما ہو کر شیرازۂ ملت کو منتشر اور کمزور کیا، ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک اندرونی اور دوسرے

بیرونی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تقسیم برائے نام ہی ہے۔ چونکہ منافقوں اور کافروں کا برپا کیا ہوا کوئی فتنہ ایسا نہیں جس کو خود مسلمانوں کی غلطی اور بے راہ روی نے تقویت پہنچا کر کامیاب نہ بنایا ہو اور مسلمانوں کی کوئی قابلِ تذکرہ غلط کاری اور نالائقی ایسی نہیں جس میں منافقوں اور کافروں کی سعی اور کوشش کو دخل نہ ہو۔

آدم اور شیطان کی جو مخالفت شروع ہوئی تھی، وہ گویا نور و ظلمات کی معرکہ آرائی تھی جو آج تک برپا ہے۔ انبیاءؑ اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے والے آدمؑ کی ذریعت اور نوحؑ کے ماتحت رہے ہیں۔ ان انبیاء اور تعلیماتِ انبیاء کے مخالفین کو ذریعتِ شیطان اور فرزندانِ ظلمت سمجھا گیا ہے۔ دونوں گروہوں کی کشمکش قیامت تک باقی رہے گی۔

جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قیامت سے پہلے ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اسلام کے سوا کوئی دوسرا مذہب دنیا کے پردے پر موجود نہ رہے گا اور کفر و اسلام اور نور و ظلمت کی کشمکش بالکل ختم ہو جائے گی، انہوں نے آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویؐ کا اصل مطلب سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی کسی آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کسی وقت اسلام کے سوا باقی تمام ادیانِ باطلہ فنا ہو جائیں گے اور دنیا میں کفر و اسلام کی کشمکش ختم ہو جائے گی۔

ابنِ اشعث! میرے بھائی! حضور ﷺ کے بعد مسلمانوں کے ابتدائی نصف عہد خلافت تک بظاہر ملت اسلامیہ میں امن و سکون تھا۔ 30 ہجری تک مسلمانوں نے دنیا کا اتنا بڑا اور عام رقبہ فتح کر کے اپنی حکومت و سیادت میں شامل کر لیا تھا کہ باقی بچا ہوا تاریک رقبہ اس منور رقبے کے مقابلے میں کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا تھا۔

اسلام کی دنیاوی طاقت اگر چاہتی تو باقی تمام دنیوی طاقتوں کے مجموعے کو باآسانی بدل سکتی تھی لیکن راس منافقین عبداللہ بن ربی کے شاگرد ثانی عبداللہ بن سبا یہودی نے اسلامی جامہ پہن کر اور دوسرے منافقوں سے تقویت پا کر اور بہت سے مسلمانوں کو فریب دے کر سب سے پہلا فتنہ اُمت مسلمہ میں برپا کیا جس نے اسلام کے مٹائے ہوئے خاندانی امتیاز اور نسلی عصبیت کو تعلیماتِ اسلامیہ اور مقاصد ایمانیہ کے مقابلے میں پھر زندہ اور بیدار کر کے مسلمانوں کو مبتلائے مصائب اور خانہ جنگی میں مصروف کر دیا۔ خدا تعالیٰ نے قرآن مقدس میں آپس کے اتفاق اور مسلمانوں کی باہمی اُلفت کو ایک عظیم

الشان نعمت قرار دیا ہے اور اسلام میں تمام نسلی اور خاندانی امتیازات مٹا کر اور باپ دادا کے تمام مراسم بھلا کر مسلمانوں کی ایک قوم بنائی تھی جس کا مقصد زندگی خدا اور رسولؐ کے احکامات کی اطاعت اور کلمتہ اللہ کے عروج کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔

لیکن چونکہ نومسلموں کی بڑی تعداد قرآن مجید اور اس کی تعلیمات سے کماحقہ واقف نہیں ہوئی تھی اور ان میں ابھی تک تقلید آباء اور حمیتِ جاہلیہ کے جراثیم پورے طور پر ہلاک نہیں ہوئے تھے، لہٰذا منافقوں کے برپا کردہ فتنہ نے جس طرح عہد نبویؐ میں بھی بے شک تھوڑی دیر کے لئے ہی سہی، مسلمانوں پر کچھ نہ کچھ اثر ڈالا تھا، اسی طرح بعد کے دور میں بھی نومسلموں پر اثر ڈالا۔ جس طرح نومسلموں اور صحابہ کرامؓ کے اسلام اور روحانیت میں برق تھا، اسی قدر یہ اس فتنہ سے زیادہ متاثر ہوئے۔

عبداللہ بن سبا صنعانی نے مدینہ، کوفہ، دمشق، قاہرہ تمام مرکزی شہروں میں تھوڑے تھوڑے دن قیام کر کے حضرت عثمانؓ کے خلاف نہایت چالاکی اور شرارت سے حضرت علیؓ کے حق دار خلافت ہونے کو جدید الاسلام لوگوں میں اشاعت دے کر بنو اُمیہ اور بنو ہاشم کی پرانی عداوت اور عصبیت کو، جو مُردہ ہو چکی تھی، پھر زندہ اور بیدار کرنے کی ناپاک کوشش کی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں صاف فرمایا ہے:

''تم سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔''

''اور اللہ کے اس احسان کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی اور تم خدا کی مہربانی سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور تم لوگ گڑھے میں گر کر ہلاک ہونے والے تھے کہ اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیات تم پر کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ۔''

اس کے علاوہ حضور ﷺ نے بذاتِ خود فتح مکہ کے روز خانہ کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر قریش اور شرفائے عرب کے اجتماعِ عظیم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''اے گروہِ قریش! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے تکبر اور باپ دادا کے فخر کو دُور کر دیا۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ لوگو! ہم نے تم کو نر اور مادہ

سے پیدا کیا اور تمہاری شاخیں اور قبائل بنائے تاکہ الگ پہچان ہو۔
اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں بزرگ وہی ہے جو متقی ہے۔''

ابن اشعث! میرے بھائی! مسلمانوں کی چولیں ہلانے، ان کے اندر تعصب و قبائلی نفرت پھیلانے میں جو کام عبداللہ بن سبا نے کیا وہ کسی نے نہ کیا۔ وہ عداوتیں، وہ دشمنیاں جو مسلمان زمانۂ جاہلیت میں ایک دوسرے کے خلاف رکھتے تھے اور اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے ان ساری دشمنیوں کو اپنے پاؤں تلے روند دیا تھا، اس عبداللہ بن سبا نے مسلمانوں کو کمزور کرنے اور ان کے اندر تفرقہ ڈالنے کے لئے اُن دشمنیوں کو ازسرِ نو زندہ کیا۔ لہٰذا مسلمانوں کو کمزور کرنے اور بنو اُمیہ کے زوال میں اس عبداللہ بن سبا کا بھی بہت بڑا حصہ ہے...... مسلمانوں کے تنزل اور بنو اُمیہ کے عروج میں زوال کا کیل ٹھونکنے والے عبداللہ بن سبا کے علاوہ دوسری قوت مختار ثقفی ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد اِرم رکی، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

''حضرت امام حسینؓ کی شہادت اور حادثۂ کربلا کے دلگداز، حسرت ناک تذکرہ کو آلۂ کار بنا کر مختار ثقفی نے فتنۂ خفتہ کو بگاڑ کر خاندانی امتیازات اور قبائلی عصبیتوں میں جان ڈال دی تھی۔ پھر اس کے بعد قوت و شوکت اور کوفہ کی حکومت حاصل کر چکا تو بجائے اس کے کہ اپنے ابتدائی دعویٰ و اعلانات کے موافق علویوں کو حکومت و خلافت دلاتا، مسلمانوں کو مشرک و کافر بنانا شروع کر دیا۔

اس نے نہایت چالاکی سے کوفہ والوں کو اپنی کرامتوں اور طاقتوں کا یقین دلایا۔ کوفہ کی مدد سے حاکم کوفہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے خود حاکم کوفہ بن گیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب کوفہ میں قیام پذیر تھے تو انہی کی ایک کرسی تھی جس پر وہ اکثر بیٹھتے تھے۔ وہ کرسی اُن کے بھانجے جعدہ بن اُم ہانی بنت ابی طالب کے قبضہ میں تھی۔ مختار نے وہ کرسی اُن سے طلب کی۔

انہوں نے وہ کرسی تو نہ دی، ایک دوسری اس قسم کی کرسی پیش کر دی۔ مختار نے اس کرسی کو سامنے رکھ کر دو رکعت نماز پڑھی، پھر بوسہ دیا اور اپنے تمام مریدوں کو جو اس کے سپاہی تھے، جمع کر کے کہا۔ جس طرح خدا تعالیٰ نے تابوتِ سکینہ کو بنی اسرائیل کے لئے موجب نصرت و برکت بنایا تھا، اسی طرح اس کرسی کو فتح و کامرانی کی نشانی قرار دیا

ہے۔ ہم کو ہر جگہ فتح و نصرت حاصل ہوگی۔
لوگوں نے اس کرسی سے آنکھیں ملیں، بوسے دیئے اور اس کے آگے سجدے کئے۔
مختار نے ایک صندوق یعنی تابوت نہایت خوب صورت و مرصع بنایا، اس کے اندر کرسی رکھی گئی، تابوت میں چاندی کا قفل لگایا گیا۔ جامعہ مسجد کوفہ میں رکھ کر اس کی حفاظت کے لئے محافظ مقرر کئے گئے۔ ہر شخص جو جامع مسجد کوفہ میں نماز پڑھتا، اُسے بعد نماز اس تابوت کو ضرور بوسہ دینا ہوتا تھا۔ اس کے بعد مختار نے نہایت چالاکی سے اپنے الہامِ وحی کا ذکر لوگوں سے کیا اور پھر بہت جلد نبوت کا مدعی بن کر اپنے نبی ہونے کا اقرار لینے لگا۔ مختار کو حضرت علیؓ کے داماد حضرت موسیٰ بن زبیر اور عبداللہ بن زبیر نے بتاریخ 14 رمضان کو شکست دے کر کوفہ میں قتل کر دیا۔''

ارم رکی، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

''اب حضرت امام حسینؓ کے شہید ہونے کے الم ناک اور دل گداز واقعہ کے علاوہ عبداللہ بن سبا اور مختار ثقفی دو علامتیں ہیں جو بنو اُمیہ کے زوال کا سبب بنیں۔ اس موقع پر سب سے زیادہ سوچنے اور غور کرنے کے قابل بات یہ ہے کہ جس وقت یہ دونوں گمراہ شخص اپنے کام کی ابتداء کر رہے تھے، اسلام کا کسی قدر ابتدائی زمانہ تھا۔ صحابہ کرام تھوڑے بہت دنیا میں موجود تھے۔ لیکن پھر بھی مختار بن عبیدہ ثقفی کس طرح کوفہ والوں کو گمراہ کر سکتا ہے۔ کوفہ کی تمام آبادی فوجیوں اور مختلف صوبوں کے باشندوں پر مشتمل تھی جن میں سے ایک حصہ یمن و حجاز وغیرہ کے ان عربوں کا تھا جو ایران کی مجوسی سلطنت سے جنگ چھڑ جانے کے بعد مسلمان ہو کر اسلامی لشکر میں بھرتی ہونے کے لئے مدینہ منورہ میں آئے اور آتے ہی سرحدِ ایران کی طرف بھیج دیئے گئے۔ کچھ عراق و عرب کے وہ عربی النسل قبائل تھے جو اس سے پہلے ایرانی شہنشاہی کے محکوم اور مسلمان ہونے کے بعد اسلامی لشکر میں شامل ہو کر فوجی خدمات بجا لانے لگے تھے۔

ان کو مدینہ منورہ جانے کا اتفاق ہی نہ ہوا تھا۔ کچھ ایرانی لوگ تھے جو ملک ایران کے مفتوح ہو جانے پر کوفہ کی چھاؤنی میں جو بہت جلد شہر کی شکل میں تبدیل ہو چکی تھی، آ بسے تھے۔ صحابہ کرامؓ اور علمائے اسلام کی تعداد بہت ہی کم اور برائے نام تھی۔ فتوحات اور سامانِ راحت کی فراوانی اور کوفہ کے مرکزی مقام بن جانے نے ان فوجیوں کو عیش

کا باشندہ بنا دیا تھا اور اپنے بے آب و گیاہ ریگستان اور گمنام بستیوں کی طرف واپس جانے سے باز رکھا۔

پہلی نسل کا ایک بڑا حصہ جس کا تمام زمانہ میدانِ جنگ کی مصروفیت میں گزرا تھا، کسی طرح اسلامی تعلیم کا پورا عالم نہیں کہا جا سکتا تھا اور عہد جاہلیت کے جذبات سے بالکل پاک نہ تھا۔ نیز یہودیوں، عیسائیوں اور مجوسیوں میں جو لوگ دل میں قریشیوں اور عربوں سے نسلی عناد رکھتے تھے اور شوکتِ اسلام سے مرعوب ہو کر منافقانہ مسلمانوں میں شامل اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے خواہاں تھے، ان کے لئے کوفہ ہی سب سے بہتر اور سب سے بہتر میدانِ عمل تھا۔ یہ لوگ کسی وقت بھی اپنی شرارتوں سے باز نہیں رہے۔ چنانچہ ابوزید عیسائی منافق نے مختار سے بہت دنوں پہلے ایک مسلمان گورنر کی مصاحبت میں داخل اور اس کے مزاج میں رسوخ حاصل ہونے کے بعد اس کو شراب نوشی کی ترغیب دی تھی، جس کا تذکرہ تاریخوں میں موجود ہے۔ دوسری نسل جس نے خانہ جنگیوں ہی میں آنکھ کھولی تھی، کوفہ کی مذکورہ فضا میں رہ کر کوئی ترقی نہ کر سکی۔ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت، حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ کے جنگ جمل، جنگ صفین، خوارج کے ہنگامے، حضرت علیؓ کی شہادت، حادثۂ کربلا وغیرہ ایسی چیزیں تھیں جو عبداللہ بن سبا کی برپا کردہ شرارت کے نتیجہ میں یکے بعد دیگرے پیدا ہوئیں اور کوفہ والوں کا ان سب سے تعلق رہا۔ کوفہ کے عوام تو کیا، مکہ اور مدینہ کے خواص کو بھی مذکورہ واقعات نے اپنی طرف متوجہ کیا۔ صحابہ کرامؓ کی جو جماعت ان مذکورہ ہنگاموں سے جدا اور تبلیغ اسلام اور تعلیم قرآن میں مصروف رہی، ان کے کاموں کو بھی ایک حد تک ان ہنگاموں نے محدود کر دیا۔ بہر حال کوفہ والے مختار مذکور کے فریب میں آ گئے۔ اس کا سبب سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ ان کی غالب تعداد حقائقِ قرآنی سے غافل اور تعلیماتِ اسلامیہ میں ادھوری تھی۔ اس طرح جہاں حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا واقعہ بنو اُمیہ کے زوال کا سبب بنا، وہاں عبداللہ بن سبا اور مختار ثقفی بھی بنو اُمیہ کی ناکامی اور اُن کے تنزل کی علامت ہیں۔''

اب تک جو گفتگو ہوئی تھی، وہ شاید حسین و خوب صورت اقلیما کے لئے ناپسندیدگی اور ذہنی بوجھ کا باعث تھی لہٰذا ایک دم بولی۔

''ہم نے بھی کس خشک مضمون پر بحث شروع کر دی ہے۔ بنو اُمیہ کے ساتھ جو ہونا

تھا وہ ہو چکا۔ بنو اُمیہ نے مسلمانوں کا اتنا قتل عام نہیں کیا جتنا ان ہاشمیوں کے دو گروہوں علویوں اور عباسیوں نے مسلمانوں کو چن چن کر قتل کیا۔ ان ہاشمیوں نے عربوں سے ذہنی دشمنی کا پورا پورا مظاہرہ کیا۔ ایرانیوں اور خراسانیوں کو اپنا دستِ راست بنا کر مسلمانوں کا وہ قتل عام کیا جس کی مثال کم از کم اسلام میں نہیں ملتی۔ اپنے طور پر ان ہاشمیوں نے بنو اُمیہ کا صفایا کر دیا ہے لیکن میرا دل کہتا ہے کہ ان ہاشمیوں نے جو مسلمانوں کا قتل عام کیا ہے، اس کا وبال عنقریب ان پر نازل ہونا شروع ہو جائے گا۔ یا تو یہ آپس میں اُلجھ پڑیں گے، ایک دوسرے کی تباہی اور بربادی کا کھیل کھیلنا شروع کر دیں گے، یا پھر جو خون انہوں نے بہایا ہے وہ خون کسی اور طریقے سے ان کے سر چڑھ کر بولے گا۔ جہاں تک بنو اُمیہ کا تعلق ہے تو خدا اگر اُنہیں فنا نہ کرے تو یہ ہاشمی اُنہیں کیا فنا کریں گے؟ یہ دیکھتے رہیں گے اور بنو اُمیہ والے اُندلس کے اندر ایک مضبوط اور مستحکم حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ میرا دل کہتا ہے کہ وہ حکومت اپنی انصاف پروری اور اسلامی علوم کی ترقی کے سلسلے میں ان عباسیوں کی حکومت سے بھی آگے نکل جائے گی۔''

وہ یہیں تک کہنے پائی تھی کہ اس کی ممانی نابقہ بنت علقمہ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنی بیٹی خضاء بنت حارث کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''بیٹی! باتوں ہی باتوں میں وقت گزر جائے گا۔ باتیں تو ختم نہیں ہوں گی بلکہ کھانا تیار کرنے کا وقت ہو گیا ہے۔ میری بیٹی! اُٹھ۔ دونوں مطبخ کی طرف چلتے ہیں۔''

جونہی خضاء اُٹھی، اُس کے ساتھ ہی اقلیما بھی جست لگانے کے انداز میں اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑی ہوئی اور پھر اپنی ممانی کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''آپ ذرا رُکیں، میری بات سنیں۔''

اس پر نابقہ بنت علقمہ رُک گئی۔ اقلیما آگے بڑھی، نابقہ کا ہاتھ پکڑ کر جس نشست سے وہ اُٹھی تھی، اُسی نشست پر بٹھا دیا، پھر کہنے لگی۔

''ممانی! ہمارے ہوتے ہوئے آپ کام کریں، یہ ہمارے لئے باعث شرم ہے۔ جس نشست پر میں نے آپ کو بٹھایا ہے، آپ یہاں سے اُٹھیں گی نہیں، بیٹھ کر باتیں کریں۔ میں اپنی بہن خضاء کو اپنے ساتھ لے جاتی ہوں اور مطبخ کا سارا کام ہم دونوں بہنیں مل کر کریں گی۔ آپ مطبخ کا رخ نہیں کریں گی۔''

اقلیما کے ان الفاظ سے نابقہ بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اپنی جگہ پر بیٹھی رہی جبکہ کھانا تیار کرنے کے لئے اقلیما اور خنساء دونوں مطبخ کی طرف چلی گئی تھیں۔

محمد بن اشعث نے رات کا کھانا بھی ان کے ساتھ کھایا اور عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد وہ ان کے پاس سے کوچ کر کے انبار کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

❀❀❀

جن دنوں محمد بن اشعث، اِرم بنت مروان سے ملاقات کرنے اور اقلیما کو جرجان کی سرائے سے نکال کر دریائے دجلہ کی طرف لے جانے کے کام میں مصروف تھا، ان دنوں دوسرے عباسی خلیفہ منصور کے خلاف پہلی بغاوت اُٹھی۔ عباسی سلطنت میں یہ منصور کے خلاف پہلی اور سخت ترین بغاوت تھی۔ ہوا یوں کہ منصور کے چچا عبداللہ بن علی کو پہلے عباسی خلیفہ اور منصور کے چھوٹے بھائی عبداللہ سفاح نے خراسانی اور شامی لشکر کے ساتھ اپنی موت سے پہلے صائفہ کے مقام کی طرف روانہ کیا تھا۔ اُس کے پاس ایک خاصا بڑا لشکر تھا۔ چنانچہ جب عبداللہ سفاح کا انتقال ہو گیا، اس کی جگہ منصور انبار پہنچ کر تخت نشین ہوا تب سفاح اور منصور کے چچا ابن عیسیٰ بن موسیٰ نے سفاح کی وفات سے عبداللہ بن علی کو بھی اطلاع کر دی تھی اور لکھا تھا کہ سفاح نے اپنے بعد منصور کی خلافت کے لئے وصیت کی ہے۔

جب عیسیٰ بن موسیٰ کا یہ پیغام منصور عباسی اور اس کے چھوٹے بھائی سفاح کے چچا عبداللہ بن علی کو پہنچا تو عبداللہ بن علی نے لوگوں کو جمع کیا اور اُنہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''عبداللہ سفاح نے جب ایران کی مہم کے لئے لشکر روانہ کرنا چاہا تھا تو کسی کو اس طرف جانے کی ہمت نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ سفاح نے مجھ سے کہا کہ جو شخص اس مہم پر جائے گا وہ میرے بعد خلیفہ ہو گا۔ چنانچہ اس مہم پر میں روانہ ہوا اور میں نے ہی بنو اُمیہ کے آخری خلیفہ مروان بن محمد اور دوسرے اموی سرداروں کو شکست دے کر اس مہم میں کامیابی حاصل کی۔''

جب عبداللہ بن علی نے یہ الفاظ ادا کئے تو کچھ لوگوں نے اٹھ کر اس کی تائید اور تصدیق کی اور عبداللہ بن علی کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ چنانچہ اس بیعت کا ایک سلسلہ

شروع ہو گیا۔ عبداللہ بن علی نے جب دیکھا کہ لوگ جوق در جوق اس کے پاس آ رہے ہیں اور اس کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں تو اس کے ذہن میں فتور آ گیا اور اس نے انقلاب برپا کر کے خود عباسیوں کا حکمران بننے کی ٹھان لی۔

چنانچہ جب بیعت کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا تو عبداللہ بن علی نے سوچا اس کے پاس پہلے ہی خراسانیوں اور شامیوں پر مشتمل ایک بہت بڑا لشکر ہے۔ ساتھ ہی نئے لوگ بھی اس کے ہاتھ پر بیعت کرتے چلے جا رہے ہیں۔ اس بناء پر اس کے پاس اس قدر جنگجو ہو جائیں گے کہ اتنے تو عباسی خلیفہ منصور کے پاس بھی نہ ہوں گے۔

چنانچہ اپنی انہی سوچوں کے تحت عبداللہ بن علی اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا اور حران شہر کا محاصرہ کیا۔ اس وقت حران شہر کا حاکم ایک شخص مقاتل بن حکیم تھا۔

مقاتل بن حکیم دوسرے عباسی خلیفہ منصور کا بڑا جانثار تھا۔ چنانچہ وہ شہر میں محصور ہو کر منصور کے چچا عبداللہ بن علی کا مقابلہ کرتا رہا۔ یہ محاصرہ چالیس روز تک جاری رہا۔ اس دوران منصور کا باغی چچا عبداللہ بن علی عجیب و غریب حرکتیں کرنے لگا۔ اس کے لشکر میں اس کا ایک سالار تھا۔ اس کا نام حمید بن قاتبہ تھا۔ اس کی طرف سے اسے کچھ شبہات گزرے تھے۔ اس کے علاوہ وہ خراسانیوں پر بھی کچھ شک و شبہ میں مبتلا ہو گیا تھا۔

چنانچہ انہی شبہات اور جنون کی روشنی میں جبکہ وہ حران کا محاصرہ کئے ہوئے تھا، بہت سے مشتبہ خراسانیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اپنے سالار حمید بن قاتبہ کے خلاف وہ براہِ راست حرکت میں نہیں آ سکتا تھا۔ اس لئے کہ حمید بن قاتبہ کے ساتھ اس کے لشکر کا ایک خاصا بڑا حصہ تھا۔ چنانچہ اس نے حمید بن قاتبہ کا خاتمہ کرنے کے لئے ایک چال چلی۔ اس نے ایک خط حلب کے حاکم ظفر بن عاصم کے نام لکھا۔ وہ خط اس نے اپنے سالار حمید بن قاتبہ کو دیا اور یہ کہا کہ یہ خط لے کر وہ حلب کے حاکم ظفر بن عاصم کے پاس جائے۔ یہ خط پڑھ کر حران والوں کے خلاف حلب کا حاکم ظفر بن عاصم اس کی مدد کے لئے تیار ہو جائے گا۔ اس طرح میری طاقت و قوت میں اضافہ ہو جائے گا اور حران شہر کو فتح کرنے کے بعد میں یکے بعد دیگرے دوسرے شہروں کو فتح کرتے ہوئے آخر عباسیوں کے مرکزی شہر میں داخل ہو کر منصور کا خاتمہ کر کے خود عباسی خلیفہ بن جاؤں گا۔

چنانچہ عبداللہ بن علی کا حکم پا کر حمید بن قاتبہ وہ خط لے کر حلب کے حاکم ظفر بن عاصم کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں حمید بن قاتبہ کو نہ جانے کیا شک گزرا کہ اس نے خط کھول کر پڑھا۔ اس خط میں حلب کے حاکم ظفر بن عاصم کو لکھا تھا کہ جونہی حمید بن قاتبہ تمہارے پاس پہنچے، اسے موت کے گھاٹ اتار دینا۔

چنانچہ جب حمید بن قاتبہ نے راستے ہی میں وہ خط کھول کر پڑھ لیا تو اسے عبداللہ بن علی پر بڑا غصہ آیا۔ حلب کی طرف جانے کی بجائے اس نے عراق کا رخ کیا۔ چنانچہ حمید بن قاتبہ نے عباسیوں کے مرکزی شہر انبار کا رخ کیا۔ انہی دنوں ابومسلم خراسانی بھی منصور کی بیعت کے لئے انبار میں موجود تھا۔ اسی اثناء میں جب خبر پہنچی کہ عبداللہ بن علی باغی ہوگیا ہے اور اس نے حران شہر کا محاصرہ کر لیا ہے تو منصور عباسی نے اس سلسلے میں ابومسلم خراسانی سے مشورہ کیا۔

ابومسلم تو ایسے واقعات کا خواہش مند ہی تھا، فوراً عبداللہ بن علی کی بغاوت اور سرکشی کو فرو کرنے پر آمادہ ہوگیا۔ دراصل بقول مؤرخین ابومسلم یہ چاہتا تھا کہ جس طرح ماضی میں اس نے پہلے عباسی خلیفہ عبداللہ صفا کو اپنا زیر بار کر کے اپنا ممنون اور ایک طرح سے تابع بنا کر رکھا تھا، اس طرح وہ منصور کو بھی براہِ راست احسان مند بنا سکے گا۔

چنانچہ ابومسلم فوراً عبداللہ بن علی کی سرکوبی کے لئے آمادہ ہوگیا۔ حمید بن قاتبہ جو حلب کی بجائے عراق کی طرف آیا تھا، وہ بھی ابومسلم خراسانی سے مل گیا۔

دوسری طرف منصور کے چچا عبداللہ بن علی جو حران کا محاصرہ کئے ہوئے تھا، اُسے خبر ہوئی کہ اُس کی سرکوبی کے لئے ابومسلم خراسانی ایک لشکر لے کر آ رہا ہے اور حمید بن قاتبہ بھی بچ نکلا ہے اور وہ بھی ابومسلم سے مل گیا ہے۔

یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے باغی عبداللہ بن علی نے حران شہر کے حاکم مقاتل بن حکیم کو امان دے دی۔ چنانچہ مقاتل نے اپنی فلاح اور اپنی سلامتی کی خاطر حرام شہر عبداللہ بن علی کے سپرد کر دیا۔

عبداللہ بن علی اپنے دشمنوں کو محفوظ رکھنے کے حق میں نہیں تھا اور فی الفور ان کا خاتمہ کرنے کے درپے ہو جاتا تھا۔ چنانچہ جب حران کے والی مقاتل بن حکیم نے حران شہر عبداللہ بن علی کے حوالے کر دیا تو عبداللہ بن علی نے ایک خط رقہ شہر کے حاکم عبدالاعلیٰ کے نام لکھا، وہ خط اُس نے حران شہر کے سابق حکمران مقاتل بن حکیم کو دیا

اور اس سے کہا کہ اس کا یہ خط لے کر وہ رقہ شہر کی طرف جائے اور وہاں کے حاکم عثمان بن عبدالاعلیٰ کی خدمت میں یہ خط پیش کرے تاکہ منصور عباسی کے خلاف وہ اس کی مدد کرے۔

چنانچہ عبداللہ بن علی کا یہ حکم پا کر مقاتل بن حکیم اپنے اہل و عیال کو لے کر ایران سے رقہ شہر کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس موقع پر مقاتل بن حکیم سے وہ غلطی ہوئی جو اس سے پہلے حمید بن قاتبہ سے نہ ہوئی تھی۔ حمید بن قاتبہ نے تو عبداللہ بن علی کا خط راستے میں کھول کر پڑھ لیا تھا لیکن مقاتل بن حکیم نے ایسی کوئی حرکت نہ کی اور وہ عبداللہ بن علی کی طرف سے مطمئن تھا کہ حران شہر تو اس نے اس کے حوالے کر دیا ہے۔ اب وہ اس سے کیا چاہتا ہے۔ لہٰذا فوراً رقہ شہر کی طرف روانہ ہوا۔ رقہ شہر پہنچ کر اس نے عبداللہ بن علی کا خط شہر کے حاکم عثمان بن عبدالاعلیٰ کو پیش کر دیا۔ چنانچہ عثمان بن عبدالاعلیٰ نے وہ خط پڑھا اور فوراً مقاتل بن حکیم کو قتل کر دیا۔ اس لئے کہ عبداللہ بن علی نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ جونہی مقاتل بن حکیم تمہارے پاس پہنچے، اسے موت کے گھاٹ اُتار دو۔ چنانچہ رقہ شہر کے حاکم عثمان بن عبدالاعلیٰ نے مقاتل بن حکیم کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس کے دونوں لڑکوں کو گرفتار کر لیا۔

اسی دوران عباسی خلیفہ منصور نے ایک اور چال چلی۔ اس نے فوراً تیز رفتار قاصد آذر بائیجان کی طرف روانہ کئے۔ آذر بائیجان کے حاکم محمد بن کاصول کے نام اس نے لکھا کہ وہ عبداللہ بن علی کا رُخ کرے، اپنے ساتھ مسلح دستے لیتا جائے اور عبداللہ بن علی کو خلافت کا دھوکا دے اور اس کا کام تمام کر دے۔

چنانچہ منصور عباسی کے کہنے پر آذر بائیجان کا حاکم عبداللہ بن علی کے پاس پہنچا اور اسے مخاطب کر کے کہا۔

''میں نے خود سنا تھا کہ پہلا عباسی خلیفہ عبداللہ سفاح کہا کرتا تھا کہ میرے بعد میرا جانشین میرا چچا عبداللہ بن علی ہوگا۔''

لیکن آذر بائیجان کے حاکم کی بدقسمتی کہ وہ عبداللہ بن علی کے مزاج سے واقف نہیں تھا۔ جونہی منصور کے کہنے پر وہ اُس کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ الفاظ ادا کئے، عبداللہ بن علی نے اُس کی طرف حقارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''تُو جھوٹا ہے۔ میں تیرے فریب کو خوب سمجھتا ہوں۔'' یہ کہنے کے ساتھ ہی اس

نے اُس کی گردن اُڑا دی تھی۔

آذر بائیجان کے حاکم کا خاتمہ کرنے کے بعد عبداللہ بن علی نے ایران سے کوچ کیا اور اپنے لشکر کے ساتھ روانہ ہو کر اس نے نصیبین کے مقام پر آ کر قیام کیا تھا اور وہاں خندقیں کھود کر مورچے قائم کر لئے تاکہ ابو مسلم خراسانی کا مقابلہ کرے اور اسے بدترین شکست دے۔

منصور عباسی کو اب یہ شک ہو گیا تھا کہ اس کے چچا عبداللہ بن علی کے پاس ایک خاصا بڑا لشکر ہو گیا ہے اور ممکن ہے وہ ابو مسلم خراسانی کو شکست دے دے اور اگر اس نے ابو مسلم خراسانی کو شکست دے دی تو پھر انبار شہر تک کوئی لشکر اس کے باغی چچا عبداللہ بن علی کی راہ نہ روک سکے گا۔ چنانچہ اس نے آرمینیا کے اپنے حاکم کو لکھ دیا کہ وہ بھی اپنا لشکر لے کر ابو مسلم سے آن ملے۔ چنانچہ منصور عباسی کا حکم پا کر آرمینیا کا حکمران بھی حرکت میں آیا اور اپنا لشکر لے کر وہ ابو مسلم خراسانی سے جا ملا تھا۔

آرمینیا کا لشکر اُس وقت ابو مسلم سے ملا جس وقت عبداللہ بن علی کی طرف جاتے ہوئے ابو مسلم خراسانی نے موصل کے مقام پر قیام کیا ہوا تھا۔ چنانچہ موصل سے متحدہ لشکر نے کوچ کیا اور نصیبین کے قریب پہنچا۔

نصیبین کے قریب ہی ابو مسلم خراسانی کو کچھ عباسی جاسوسوں نے یہ خبر دی کہ جس جگہ منصور کے باغی چچا عبداللہ بن علی نے پڑاؤ کر رکھا ہے وہاں اس نے خندقیں اور بہترین مورچے بنا لئے ہیں اور اگر ابو مسلم خراسانی نے آگے بڑھ کر اس جگہ عبداللہ بن علی کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی تو عبداللہ بن علی، ابو مسلم سمیت اس کے پورے لشکر کا قتل عام کر کے رکھ دے گا۔

چنانچہ ان مخبروں کے کہنے پر ابو مسلم خراسانی سنبھلا، اپنے لشکر کے ساتھ وہ نصیبین کے قریب تو پہنچ ہی گیا تھا۔ چنانچہ اس نے نصیبین کا رخ چھوڑ کر شام کے راستے پر پڑاؤ ڈالا اور اپنے مخبروں کے ذریعے چاروں طرف یہ مشہور کر دیا کہ مجھ کو منصور عباسی کے باغی چچا عبداللہ بن علی سے کوئی واسطہ نہیں، میں تو منصور عباسی کی طرف سے شام کی گورنری پر مامور کیا گیا ہوں اور شام کو جا رہا ہوں۔

ابو مسلم کا یہ حربہ کام کر گیا۔ اس لئے کہ باغی عبداللہ بن علی کے لشکر میں تو دو طرح کے لوگ تھے۔ خراسانی اور شامی۔ جب چاروں طرف یہ خبریں پھیلیں کہ ابو مسلم کو شام کا

حاکم مقرر کیا گیا ہے اور وہ ایک لشکر لے کر شام کی طرف جا رہا ہے، تب عبداللہ بن علی کے لشکر میں جو شامی تھے، انہیں یہ گمان ہوا کہ ابو مسلم بڑا ظالم اور قتل و غارت گری کا بڑا شوقین ہے۔ اسے اگر شام کا حاکم مقرر کیا گیا ہے تو وہ تو شام پہنچ کر ان کے اہلِ خانہ کا اس بناء پر قتل عام کر دے گا کہ وہ منصور عباسی کے مقابلے میں اس کے باغی چچا عبداللہ بن علی کا ساتھ دے رہے ہیں۔

چنانچہ ان سوچوں سے وہ گھبرائے اور انہوں نے عبداللہ بن علی سے کہا کہ ہمارے اہل و عیاس ابو مسلم کے پنجہ ظلم میں گرفتار ہو جائیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ ہم اس کو شام کی طرف جانے سے روکیں۔

عبداللہ بن علی نے ہر چند سمجھایا کہ وہ ہمارے مقابلے کو آیا ہے، جھوٹ بولتا ہے، اسے کسی نے شام کا حاکم بنا کر نہیں بھیجا اور نہ ہی وہ شام جائے گا۔ لیکن باغی عبداللہ بن علی کی بات کسی نے نہ مانی۔ آخر اپنے سالاروں اور لشکریوں سے مجبور ہو کر عبداللہ بن علی نے اس مقام سے کوچ کیا اور ابو مسلم خراسانی کی طرف بڑھا۔

چنانچہ جب عبداللہ بن علی اپنے مقام کو چھوڑ کر شام کی طرف روانہ ہوا تو ابو مسلم خراسانی فوراً حرکت میں آیا اور جس جگہ عبداللہ بن علی نے اس سے پہلے پڑاؤ کر رکھا تھا، جہاں اس نے مورچے اور خندقیں بنا رکھی تھیں، وہاں آ کر ابو مسلم خراسانی ان مورچوں اور خندقوں پر قابض ہو گیا اور اپنے لشکر کو اس نے وہاں استوار کر دیا۔

چنانچہ مجبور ہو کر عبداللہ بن علی کو اپنے لشکر کے ساتھ لوٹ کر اسی جگہ قیام کرنا پڑا جہاں نصیبین کے قریب چند دن پہلے ابو مسلم نے قیام کیا تھا اور وہاں سے اُٹھ کر وہ شام کی طرف جانے والی شاہراہ کی طرف گیا تھا۔

اس طرح عبداللہ بن علی کو دھوکا دے کر ابو مسلم خراسانی نے بہترین لشکر گاہ حاصل کر لی تھی۔ دونوں لشکروں میں لڑائی کا سلسلہ شروع ہوا۔ کئی مہینے تک لڑائی ہوتی رہی۔ آخر ابو مسلم نے باغی عبداللہ بن علی کو شکست دی اور باغی عبداللہ بن علی رزم گاہ سے بھاگ کر بصرہ میں اپنے بھائی سلیمان بن علی کے پاس جا کر چھپ گیا۔

جب عبداللہ بن علی شکست اٹھا کر بھاگ گیا تو ابو مسلم نے اس کی لشکر گاہ کو لوٹ لیا اور مال غنیمت خوب ہاتھ آیا۔ دوسری طرف انبار شہر میں عباسی خلیفہ منصور کو جب اپنے باغی چچا عبداللہ بن علی کی شکست کی خبر ہوئی تو اس نے اپنے ایک خادم ابو نصیب کو اس

مال غنیمت کی فہرست تیار کرنے کے لئے روانہ کیا جو عبداللہ بن علی کی شکست کے باعث ابومسلم خراسانی کے ہاتھ آیا تھا۔

ابومسلم خراسانی کو اس بات سے سخت غصہ آیا کہ منصور نے اس کا اعتبار نہ کیا اور اپنا ایک آدمی مال غنیمت کی فہرست مرتب کرنے کے لئے روانہ کر دیا۔

ابومسلم خراسانی کی اس ناراضگی اور ناخوشی کی اطلاع جب منصور کے پاس پہنچی تو اس کو یہ فکر ہوئی کہ کہیں ابومسلم ناراض ہو کر خراسان کو نہ چلا جائے۔ چنانچہ اس نے مصر وشام کی سند گورنری لکھ کر ابومسلم خراسانی کے پاس بھیج دی۔

یہ سند جب ابومسلم کو ملی تو ابومسلم کو اس سے اور بھی زیادہ رنج ہوا۔ وہ سمجھ گیا کہ منصور اس کو خراسان سے جدا کر کے بے دست و پا کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ ابومسلم جزیرہ سے نکل کر بڑی تیزی سے خراسان کی طرف روانہ ہو گیا۔

منصور کو جب اس بات کا علم ہوا کہ جو لشکر ابومسلم خراسانی کو باغی عبداللہ بن علی کا خاتمہ کرنے کے لئے مہیا کیا گیا تھا، اس لشکر کو لے کر ابومسلم خراسانی، خراسان کی طرف روانہ ہو گیا ہے تو منصور عباسی فوراً حرکت میں آیا۔ انبار شہر سے مدائن شہر کی طرف روانہ ہوا اور ابومسلم کو اپنے پاس حاضر ہونے کے لئے بلایا۔

ابومسلم نے منصور عباسی کا کہا ماننے سے انکار کر دیا اور ایک خط لکھ کر منصور عباسی کی طرف قاصد روانہ کیا اور اس خط میں لکھا تھا:

"میں دور ہی سے آپ کی اطاعت کروں گا۔ آپ کے تمام دشمنوں کو میں نے مغلوب کر دیا ہے۔ اب، جبکہ آپ کے خطرات دور ہو گئے ہیں تو آپ کو میری ضرورت بھی باقی نہیں رہی۔ اگر مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دیں گے تو میں آپ کی اطاعت سے باہر نہ ہوں گا اور آپ کی بیعت پر قائم رہوں گا۔ لیکن اگر آپ میرے درپے رہے تو میں آپ کی خلع خلافت کا اعلان کر کے آپ کی مخالفت پر آمادہ ہو جاؤں گا۔"

ابومسلم خراسانی کا یہ خط پڑھ کر منصور عباسی کے غصہ اور غضب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس نے منصور عباسی کا حکم نہ مان کر ایک طرح سے کھلی سرکشی کا اظہار کیا تھا اور منصور عباسی سمجھ گیا تھا کہ اب ابومسلم خراسانی کے پاس ایک بہت بڑا لشکر ہے اس کی عسکری

طاقت وقوت میں خوب اضافہ ہو چکا ہے۔ اسی بناء پر اُس نے اُس کا حاکم ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ اور اس نے جو مصر اور شام کی سند گورنر اس کے نام لکھ کر بھیجی تھی، اسی تکبر اور تمرد میں اس نے اس سند کو بھی رد کر دیا ہے۔

اب ابومسلم خراسانی چونکہ اپنی حدود سے باہر نکلتا چلا جا رہا تھا، چنانچہ ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے منصور عباسی نے ابومسلم خراسانی کا خاتمہ کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔

ابو مسلم خراسانی کا فیصلہ کرنے کے لئے عباسی خلیفہ منصور نے اپنے سالاروں کا ایک اجلاس طلب کر لیا تھا۔ ان سالاروں میں خازم بن خزیمہ، محمد بن اشعث، روح بن حاتم، شبیب بن رواح، حرب بن قیس، عثمان بن نحیک، جھور بن مرار، جعفر بن حنظلہ اور کچھ دوسرے سالار بھی شامل تھے۔

جب وہ سب انبار کے قصر میں منصور کے سامنے جمع ہو گئے تب منصور نے ایک بار غائر نگاہوں سے اپنے سارے سالاروں کا جائزہ لیا، اس کے بعد ان کے سامنے ابو مسلم خراسانی کا معاملہ پیش کیا جو دن بہ دن سرکشی اور بغاوت پر اُترنے کی کوشش کر رہا تھا۔

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد منصور پھر اپنے سارے سالاروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''عزیز ساتھیو! تم وہ لوگ ہو جن پر میں آنکھیں بند کر کے بھروسہ اور اعتماد کرتا ہوں۔ میں جانتا ہوں ابو مسلم خراسانی کا کردار تم سب کے سامنے ہے۔ یہ حالات میں نے اس لئے دہرائے ہیں تاکہ تمہارے اور میرے شعور میں جو اس کے خلاف باتیں اور شبہات ہیں، وہ واضح ہو جائیں۔ میں جانتا ہوں ابو مسلم خراسانی آج نہیں تو کل ہمارے خلاف بغاوت کرنے والا ہے۔ اس سے مجھے یہ بھی خبریں مل چکی ہیں کہ خراسان پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے بعد وہ یہ چاہتا ہے کہ عراق اور حجاز کی سرزمینوں پر بھی قبضہ کرنے کی کوشش کرے اور اس سلسلے میں اس نے اپنے نقیب اور اپنے کچھ خاص آدمی ان علاقوں کی طرف پھیلا بھی دیئے ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ہمارے خلاف اُس کے نقیبوں کو کوئی بھی خاص کامیابیاں حاصل نہیں ہوئیں لیکن بہر حال ابو مسلم خراسانی اپنے اس مقصد کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔

کسی بدبخت، کسی رُوسیاہ عقل نے اُس کے ذہن میں یہ بات ڈال دی ہے کہ عباسیوں کی حکومت اُس کے بغیر قائم و دائم ہی نہیں رہ سکتی۔ جبکہ ہم نے اس پر یہ ثابت کرنا ہے کہ عباسیوں کی خلافت ابو مسلم خراسانی کے بغیر بھی پروان چڑھ سکتی ہے، اپنے ارتقاء سے اپنے عروج کی طرف جا سکتی ہے۔ لہٰذا میں نہ اب زیادہ دیر تک ابو مسلم خراسانی کے باغیانہ اور سرکشانہ روّیوں کو برداشت کروں گا اور نہ ہی اسے مزید خراسان کے والی کی حیثیت سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ آپ جانتے ہیں میں نے اسے مصر اور شام کی سند گورنری بھیجی لیکن اُس نے اس سند کو رَد کر دیا اور میری حکم عدولی کرتے ہوئے خراسان کی طرف چلا گیا۔ یہ ایک واضح، صاف اور کھلی بغاوت ہے جو اپنے روّیے سے ابو مسلم خراسانی کر چکا ہے۔ دراصل وہ خراسان کے علاوہ کسی دوسرے علاقے کی طرف جانا ہی نہیں چاہتا۔ اس لئے کہ خراسان میں اُس کے ہزاروں، لاکھوں حمایتی ہیں اور ان ہی کی وجہ سے وہ دندناتا پھرتا ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اُسے یہ بھی خبر ہے کہ اگر وہ بھی خراسان سے نکل کر کسی دوسرے صوبے کی حاکمیت قبول کرے گا تو اس کا وقار، اس کی عزت، اس کی شہرت خاک کے برابر نہیں رہے گی۔''

یہاں تک کہنے کے بعد منصور رُکا، دوبارہ وہ اپنے سالاروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''لہٰذا ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وقت ضائع کئے بغیر ابو مسلم خراسانی کو انجام تک پہنچا دینا چاہئے۔ ورنہ وہ ایسے فیصلے کرے گا جن سے مملکت کے اندر ایک ہیجان اور افراتفری کا عالم برپا ہو گا اور جس سے حکومت خطرات اور کمزوری کا شکار ہو سکتی ہے۔ اب بولو! اس سلسلے میں تم کیا کہتے ہو؟ ابو مسلم خراسانی سے نمٹنے کے لئے ہمیں کون سا قدم اٹھانا چاہئے؟ ہمیں ایک لشکر اس پر حملہ آور ہونے کے لئے خراسان کی طرف روانہ کرنا چاہئے یا اُس کے خاتمے کے لئے کوئی اور طریقہ وضع کرنا چاہئے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد منصور رُکا، کچھ سوچا، پھر سب سے پہلے اس نے خازم بن خزیمہ کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

''ابن خزیمہ! سب سے پہلے میں تمہارے خیالات جاننا چاہوں گا۔ بولو، ابو مسلم خراسانی سے کس طرح نمٹنا چاہئے؟''

جواب میں خازم بن خزیمہ نے کچھ سوچا، اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے اپنے خالہ زاد محمد بن اشعث سے بھی مشورہ کیا۔ اس دوران منصور باری باری دونوں کی طرف بڑے غور سے دیکھ رہا تھا، یہاں تک کہ خازم بن خزیمہ نے منصور کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

''جہاں تک یہ خیال ہے کہ ایک لشکر یہاں سے ابومسلم خراسانی پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کیا جانا چاہئے تو میں اس کے خلاف ہوں۔ اس سلسلے میں میرا بھائی محمد بن اشعث بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ اگر ہم ایک لشکر یہاں سے خراسان کی طرف روانہ کرتے ہیں تو میں یہ نہیں کہتا کہ ابومسلم کو ہم اپنی گرفت میں نہیں لے سکیں گے۔ آپ مجھے اور محمد بن اشعث کو آج ایک لشکر مہیا کر دیں تو ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں یہاں سے روانہ ہونے کے چند ہی دن بعد آپ خبر سنیں گے کہ ہم نے ابومسلم خراسانی کو گرفتار کر کے پابہ زنجیر کر لیا ہے اور آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے روانہ ہو گئے ہیں لیکن اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو اس سے خلق خدا کا بڑا نقصان ہوگا۔

اگر ایک لشکر ہم یہاں سے بھیجتے ہیں تو ظاہر ہے خراسان کا اور ہمارا لشکر آپس میں ٹکرائیں گے، اس طرح دونوں طرف سے مسلمان لشکریوں ہی کا نقصان ہوگا۔ جہاں تک ابومسلم خراسانی کا تعلق ہے تو اس کے متعلق مجھے یہ بھی خبریں سننے کو ملی ہیں کہ باطنی طور پر اس کا رجحان مجوسیوں کی طرف ہے، اس سلسلے میں اس کے کچھ کارکن بھی ہیں جو درپردہ مجوسیت کی بقاء اور اس کے ارتقاء کے لئے کام کر رہے ہیں۔ بہرحال ابومسلم خراسانی کے تحت جو لشکر کام کر رہا ہے، وہ مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ اس طرح دونوں جانب سے مسلمان آپس میں جب ٹکرائیں گے تو مسلمانوں کا بے پناہ نقصان ہوگا۔ اس کے علاوہ دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے جو خراسان کی مسلم آبادیاں ہیں، ان میں سے بھی کئی آبادیاں روندی جائیں گی۔ لہٰذا میں اس حق میں تو نہیں ہوں کہ ابومسلم خراسانی پر حملہ آور ہونے کے لئے کسی لشکر کو خراسان کی طرف روانہ کیا جائے۔

اس سلسلے میں اپنے بھائی محمد بن اشعث سے مشورہ کرنے کے بعد جو بات میرے ذہن میں آتی ہے وہ یہ کہ ابومسلم خراسانی کو کسی طرح بہلا پھسلا کر یہاں انبار شہر میں طلب کیا جائے۔ اگر وہ مان جائے تو اس کا سر قلم کر دیا جائے۔ اگر وہ باز نہیں آتا ہے تو پھر آخری حربہ یہی رہ جائے گا کہ اس کے خلاف لشکر کشی کریں گے اور جب لشکر کشی ہو

گی تو مسلمانوں کا نقصان تو ہوگا لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم ابومسلم خراسانی کو پابہ زنجیر کر کے آپ کے سامنے پیش کر دیں گے۔''

خازم بن خزیمہ کے ان الفاظ سے منصور خوشی اور اطمینان کا اظہار کر رہا تھا۔ کچھ دیر خاموشی رہی، پھر منصور سارے سالاروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''جو منصوبہ بندی خازم بن خزیمہ نے پیش کی ہے اس سے محمد بن اشعث تو پہلے ہی اتفاق کر چکا ہے اس لئے کہ یہ ساری منصوبہ بندی خازم بن خزیمہ نے محمد بن اشعث سے صلاح و مشورہ کر کے کہی ہے۔ باقی سالاروں سے میں کہتا ہوں کہ اگر وہ اس منصوبہ بندی اور تجویز سے اختلاف رائے رکھتے ہوں تو کہیں۔''

اس پر جب باقی سب سالاروں نے خاموشی اختیار کئے رکھی تب منصور نے خوشی کا اظہار کیا اور کہنے لگا۔

''اس تجویز کی تائید کے بعد میں تم لوگوں سے یہ کہوں کہ ابومسلم سے نمٹنے کے لئے میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔ اس کی تفصیل میں تم سب سے کہتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ جب ہم ابومسلم خراسانی کو یہاں بلائیں گے تو اس بلاوے کے حکم کے جواب میں اس کے دو طرح کے ردعمل سامنے آ سکتے ہیں۔ پہلا ردعمل یہ کہ وہ یہاں آنے سے ہی انکار کر دے گا۔ ہم کوشش کریں گے کہ کسی نہ کسی طرح بہلا پھسلا کر نرمی اور رواداری سے کام لیتے ہوئے اسے انبار لانے کی کوشش کریں اور اگر وہ سراسر تمرد، سرکشی اور گھمنڈ کا اظہار کرتے ہوئے آنے سے انکار کر دے تو پھر ہمارے سامنے ایک ہی راستہ رہ جائے گا کہ اس کے خلاف لشکر کشی کی جائے گی اور اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔

دوسرا ردعمل یہ ہو سکتا ہے کہ وہ انبار آئے گا لیکن جب آئے گا تو اکیلا تو نہیں آئے گا۔ اپنے ساتھ اپنا محافظ لشکر بھی لے کر آئے گا۔ اگر ہم اسے کہیں گے کہ وہ لشکر نہ لے کر آئے تو وہ انکار کر دے گا۔ لہٰذا وہ اگر اپنے لشکر کے ساتھ انبار آنا چاہتا ہے، تب بھی اسے قبول کر لیا جائے گا اور اسے اپنے لشکر کے ساتھ انبار شہر میں آنے دیا جائے گا۔ اگر وہ اس رائے کا اظہار کرتا ہے تو پھر اس سے نمٹنے کے لئے اس وقت جو میرے ذہن میں تجویز ہے وہ یہ کہ خازم بن خزیمہ بدستور ان لشکریوں کی کمانداری کرتا رہے گا جو اس وقت انبار شہر میں ہیں تاکہ اگر ضرورت پڑے تو خازم بن خزیمہ اس لشکر کو حرکت میں لا سکے۔

اس سے پہلے محمد بن اشعث لشکر کے جس حصہ کی کمانداری کرتا رہا ہے وہ لشکر اس کی کمانداری میں رہے گا اور ابو مسلم خراسانی اور اس کے لشکریوں سے نمٹنا محمد بن اشعث کا کام ہوگا۔ اس لئے کہ ہمارے تیغ زنوں میں واحد محمد بن اشعث ہے جس کی تیغ زنی سے ابو مسلم خراسانی بھی خوف زدہ ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ابو مسلم خراسانی نے محمد بن اشعث کو اپنے بدترین رقیبوں میں شمار کرتا ہے۔ اور اسے اس بات کا بھی بے حد دکھ اور صدمہ ہے کہ محمد بن اشعث تیغ زنی کے معاملے میں اُس سے فائق اور اعلیٰ ہے۔ اس بناء پر وہ محمد بن اشعث کا بدترین رقیب ہے اور ماضی میں اسے خلافت کی نظروں سے گرانے اور خاتمہ کرنے کے لئے وہ جتن کرتا رہا ہے۔ یہ بات بھی پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی ہے کہ محمد بن اشعث کے منہ بولے باپ کے بھائی سلیمان بن کثیر کو بھی ابو مسلم کے دوست اور دست راست مجوسی مرداویخ نے قتل کیا تھا۔ اس بناء پر ابو مسلم خراسانی محمد بن اشعث کو اپنا بدترین دشمن خیال کرتا ہے۔ چونکہ محمد بن اشعث اور خازم بن خزیمہ دونوں خالہ زاد ہیں لہٰذا ابو مسلم خراسانی دونوں ہی کا مخالف ہے۔

جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ انبار شہر میں جو عموماً لشکر رہتا ہے، اس کی کمانداری خازم بن خزیمہ کے پاس ہوگی جس لشکر کی کمانداری ماضی میں محمد بن اشعث کرتا رہا ہے، وہ محمد بن اشعث کی کمانداری میں رہے گا۔

اب صورتِ حال یہ پیدا ہوگی کہ جب ابو مسلم خراسانی یہاں آنے کے لئے آمادگی کا اظہار کر دیتا ہے تو میرے پاس روح بن حاتم، شبیب بن رواح، حرب بن قیس اور عثمان بن نحیک رہیں گے۔ جہاں تک جعفر بن حنزلہ کا تعلق ہے تو یہ محمد بن اشعث کے نائب کی حیثیت سے کام کرے گا۔

اب معاملہ آگے بڑھے گا۔ جب ابو مسلم خراسانی اپنے لشکر کے ساتھ یہاں آئے گا تو ابو مسلم خراسانی کے لشکر پر نگاہ محمد بن اشعث رکھے گا۔ اگر ابو مسلم خراسانی کے لشکر نے کوئی غلط قدم اُٹھانے کی کوشش کی تو محمد بن اشعث اپنے لشکر کے ساتھ ان پر حملہ آور ہو جائے گا اور ان سب کو اپنے سامنے زیر اور مطیع کر لے گا۔ اور اگر ابو مسلم خراسانی کا بڑا لشکر لے کر انبار کا رُخ کرتا ہے تو اس سلسلے میں محمد بن اشعث کی مدد خازم بن خزیمہ اور جعفر بن حنزلہ بھی کریں گے۔

جبکہ روح بن حاتم، شبیب بن رواح، حرب بن قیس اور عثمان بن نحیک میرے

پاس رہیں گے۔ میں مناسب موقع جان کر ابو مسلم خراسانی سے ملنے کے لئے اسے قصر میں بلاؤں گا اور یہ چاروں سالار جو اس وقت قصر میں موجود ہوں گے، میرے اشارے پر ابو مسلم خراسانی کا خاتمہ کر دیں گے۔

میرے عزیز سالارو! اس وقت میرے ذہن میں یہی بات تھی جس کے ذریعے میں ابو مسلم خراسانی کا خاتمہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ لوگوں کے پاس اس سے کوئی اچھی اور بہتر تدبیر ہو تو پیش کرے تاکہ اس پر عمل کیا جا سکے۔''

جواب میں سارے سالاروں نے منصور کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ اس تجویز کو آخری سمجھ کر منصور نے اس پر عمل کرنے کا ارادہ کر لیا اور وہ اجلاس اُس نے ختم کر دیا تھا۔

اس اجلاس کے بعد منصور عباسی نے اپنے کام کی ابتداء کی۔ چنانچہ اس نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ ابو مسلم خراسانی کو نہایت نرمی اور محبت کے لہجے میں ایک خط لکھا اور ایک تیز رفتار قاصد کے ذریعے وہ خط ابو مسلم خراسانی کی طرف روانہ کیا گیا۔ اس خط میں لکھا تھا:

''ہم کو تمہاری وفاداری اور اطاعت میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ تم بڑے کارگزار اور مستحق انعام ہو۔ شیطان نے تمہارے دل میں وسوسے ڈال دیئے ہیں۔ تم ان وسوسوں سے اپنے آپ کو بچاؤ اور ہمارے پاس چلے آؤ۔''

یہ خط منصور عباسی نے اپنے آزاد کردہ غلام ابوحمید کے ہاتھ ابو مسلم کی طرف روانہ کیا تھا اور ابوحمید کو تاکید کی گئی تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح ابو مسلم کو ترغیب دے کر انبار لے آئے اور اگر وہ کسی طرح نہ مانے تو پھر میرے غصے سے اس کو ڈرانا۔

چنانچہ منصور کا یہ پیغام لے کر اُس کا آزاد کردہ غلام ابوحمید خراسان کے مرکزی شہر مرو پہنچا اور منصور کا خط ابو مسلم کو پیش کیا۔ منصور کا خط پڑھنے کے بعد ابو مسلم خراسانی کچھ دیر سوچوں میں ڈوبا رہا، وقفہ وقفہ سے وہ قاصد بن کر آنے والے ابوحمید کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے پہلو میں بیٹھے اپنے دستِ راست اور سالار مالک بن ہیثم سے مشورہ کرنے لگا۔

مالک بن ہیثم کو مخاطب کر کے ابو مسلم خراسانی کہنے لگا۔

''مالک بن ہیثم! پہلے یہ منصور کے خط کو پڑھو اور اس کے پڑھنے کے بعد اپنی

رائے کا اظہار کرو کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔"

چنانچہ ابو مسلم خراسانی کے کہنے پر مالک نے وہ خط پڑھا۔ کچھ دیر سوچتا رہا، پھر ابو مسلم خراسانی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"تم ہرگز منصور کے پاس نہ جاؤ۔ اگر ایسا کرو گے تو وہ تمہیں قتل کر دے گا۔ اس موقع پر ایک اور شخص حرکت میں آیا اور یہ شخص ابوداؤد خالد بن ابراہیم تھا جو بظاہر ابو مسلم خراسانی کا ساتھی تھا لیکن باطنی طور پر وہ عباسی خلیفہ کا مطیع اور فرمانبردار تھا۔ ابوداؤد خالد بن ابراہیم بھی اس موقع پر موجود تھا اور ابوحمید کو جو خط دے کر ابو مسلم کی طرف روانہ کیا تھا تو ایک خط ابوحمید کے ہاتھ منصور نے ابوداؤد خالد بن ابراہیم کی طرف بھی روانہ کیا تھا چنانچہ ابوداؤد خالد بن ابراہیم کو یہ اُمید دلائی گئی تھی کہ ابو مسلم خراسانی کے بعد خراسان کا عامل یقینی طور پر اُسے بنایا جائے گا۔ لیکن شرط یہ تھی کہ ابوداؤد خالد بن ابراہیم کسی نہ کسی طرح ابو مسلم خراسانی کو خراسان سے نکل کر انبار جانے پر رضامند کر لے گا۔

جس وقت ابوحمید نے ابو مسلم خراسانی کو منصور کا خط دیا، اس وقت چونکہ ابو مسلم خراسانی کے سالار مالک بن ہیثم کے علاوہ داؤد خالد بن ابراہیم بھی وہاں موجود تھا۔ لہٰذا مالک بن ہیثم کے بعد جب اُس نے ابوداؤد سے مشورہ کیا تو ابوداؤد نے بڑے خلوص، بڑی ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے ابو مسلم خراسانی سے کہا۔

"خلیفہ سے بگاڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس طرح خراسان میں نہ صرف یہ کہ تمہاری حکومت ڈگمگا کر رہ جائے گی بلکہ خراسان کے ایسے حالات ہوں گے کہ لوگ بٹ جائیں گے۔ کچھ لوگ خلیفہ کا ساتھ دیں گے، کچھ تمہارا ساتھ دیں گے۔ ایسی صورت میں تمہارے لئے دُشواریاں اُٹھیں گی۔ تمہیں کہیں سے رسد اور کمک نہیں ملے گی جبکہ خراسان کے اکثر لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے کے بعد منصور تمہارے خلاف حرکت میں آئے گا اور اسے اپنے مرکزی شہر انبار کے علاوہ دوسرے شہروں سے بھی رسد اور کمک ملے گی۔"

چنانچہ ابوداؤد خالد بن ابراہیم اس سمجھانے اور اس کے مشورہ دینے پر ابو مسلم منصور کے پاس جانے پر آمادہ ہو گیا۔ اس کے باوجود اُسے اپنی جان کا خطرہ تھا۔ لہٰذا اُس نے احتیاط یہ برتی کہ سب سے پہلے حالات کا جائزہ لینے کے لئے اُس نے اپنے وزیر ابو

اسحاق خالد بن عثمان کو انبار منصور کے پاس بھیجا تا کہ وہاں کے حالات کا جائزہ لے اور پھر واپس آ کر اصل صورتِ حال سے مجھے آگاہ کر دے۔

چنانچہ ابو مسلم خراسانی کا وزیر ابو اسحاق جب انبار شہر میں خلیفہ منصور کی خدمت میں حاضر ہوا تو منصور نے اس کے ساتھ بہترین برتاؤ کیا۔ ابو مسلم کا نہ صرف ابو اسحاق دستِ راست تھا بلکہ ابو اسحاق پر ابو مسلم کو بہت اعتماد تھا۔ اسی بناء پر اس نے حالات کا جائزہ لینے کے لئے ابو اسحاق کو روانہ کیا تھا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جب ابو اسحاق دربارِ خلافت کے پاس پہنچا تو تمام سردارانِ بنو ہاشم اور اراکینِ دولت استقبال کو آئے۔ ساتھ ہی منصور نے حد سے زیادہ تکریم و محبت کا برتاؤ کیا اور اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے ابو اسحاق کو اپنی جانب مائل کر کے کہا کہ تم ابو مسلم کو میرے پاس آنے پر آمادہ کر دو تو میں تمہیں خراسان کی حکومت اس کام کے صلہ میں دے دوں گا۔

مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ ابو اسحاق یہ سن کر آمادہ ہو گیا۔ چنانچہ منصور کے پاس سے رخصت ہو کر وہ خراسان میں ابو مسلم خراسانی کے پاس گیا اور اُس کو منصور کے پاس جانے پر آمادہ کر دیا۔ چنانچہ اپنے وزیر ابو اسحاق کا کہا مانتے ہوئے ابو مسلم خراسانی ایک بہت بڑا لشکر لے کر مرو سے روانہ ہوا۔

لشکر کا ایک حصہ اُس نے حلوان شہر میں مالک بن ہیثم کی سرکردگی میں چھوڑا جبکہ ایک لشکر لے کر وہ پہلے مدائن کی طرف روانہ ہوا۔

جب ابو مسلم مدائن کے قریب پہنچا تو ابو مسلم کے پاس منصور کے اشارہ کے موافق ایک شخص پہنچا اور ملاقات کرنے کے بعد ابو مسلم سے کہا کہ آپ منصور سے میری سفارش کر دیں کہ وہ مجھ کو کسکر کی حکومت دے دے۔ نیز یہ کہ وزیر سلطنت ابو ایوب سے منصور آج کل سخت ناراض ہے۔ آپ ابوایوب کی بھی سفارش کر دیں۔

یہ الفاظ سن کر ابو مسلم بے حد خوش ہو گیا اور اس کے دل سے رہے سہے خطرات بھی سب دور ہو گئے اور اسے یہ ظن و گمان پختہ ہو گیا کہ منصور اس کا مخلص، اس کی سلامتی کے تحفظ کا خواہش مند ہے۔ چنانچہ ان حالات کے تحت ابو مسلم، انبار شہر پہنچا۔ منصور اور اس کے کارندوں نے بہترین انداز میں اس کا استقبال کیا۔ اس کے بعد چونکہ دن ختم ہو گیا تھا، رات آن پڑی تھی اور جہاں ابو مسلم کی قیام گاہ کا بندوبست کیا گیا تھا، وہ قیام

گاہ میں آرام کرنے کے لئے چلا گیا تھا۔

اسی رات محمد بن اشعت اپنی حویلی میں اپنی ماں عبادہ بنت عبداللہ، بہن خولہ بنت اشعت کے ساتھ بیٹھا گھریلو موضوع پر گفتگو کر رہا تھا کہ حویلی کے دروازے پر دستک ہوئی۔ دستک سن کر اپنی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے محمد بن اشعت کہنے لگا۔

''میں دیکھتا ہوں دستک دینے والا کون ہے؟''

باہر نکل کر محمد بن اشعت نے جب حویلی کا صدر دروازہ کھولا تو دروازے پر اُس کا ساتھی روح بن حاتم کھڑا تھا۔ اُسے دیکھتے ہی فکر گیر سے انداز میں روح بن حاتم کو مخاطب کرتے ہوئے محمد بن اشعت کہنے لگا۔

''خیریت تو ہے؟'' اس کے ساتھ ہی محمد بن اشعت کو کچھ یاد آیا، دروازہ کھولا اور کہنے لگا۔

''میں بھی کتنا احمق ہوں، دروازے پر کھڑے ہی کھڑے تم سے گفتگو شروع کر دی۔ اندر آؤ اور بتاؤ کیا معاملہ ہے؟''

اس پر روح بن حاتم وہیں کھڑے رہتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں اندر نہیں آؤں گا میرے عزیز بھائی! تم میرے ساتھ آؤ۔ اس لئے کہ خلیفہ منصور نے تمہیں بلایا ہے۔ معاملہ بڑا اہم ہے۔''

روح بن حاتم کے ان الفاظ کے جواب میں محمد بن اشعت نے کچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔

''اگر معاملہ اہم ہے تو اس کا مطلب ہے ابوجعفر منصور، ابومسلم خراسانی سے متعلق کوئی فیصلہ کرنا چاہتا ہے۔''

جواب میں روح بن حاتم نے پہلے اثبات میں گردن ہلائی، کہنے لگا۔

''میرے عزیز بھائی! تمہارا اندازہ درست ہے۔ منصور ابومسلم کا خاتمہ کرنا چاہتا ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ابومسلم اپنے ساتھ ایک خاصا بڑا لشکر لے کر آیا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ ایک بہت بڑا لشکر اس نے خراسان کی سرحد پر بھی چھوڑ رکھا ہے۔ چنانچہ منصور کا خیال ہے کہ ابومسلم کے قتل کے بعد اگر خراسان میں بغاوت اُٹھتی ہے تو اس سے کیسے نمٹا جائے گا۔''

جواب میں ہلکا سا تبسم محمد بن اشعت کے چہرے پر نمودار ہوا اور کہنے لگا۔

''ابوجعفر منصور ناحق تفکرات میں پڑتا ہے۔ ابومسلم خراسانی یا اس کے ساتھی کوئی ناقابل تسخیر تو نہیں ہیں کہ جب وہ طوفان کھڑا کریں گے تو طوفان پر قابو نہیں پایا جا سکتا۔ پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ جس وقت خلیفہ منصور نے تمہیں بلانے کے لئے میری طرف روانہ کیا تو اس وقت اس کے پاس کون کون تھا؟''

جواب میں روح بن حاتم کہنے لگا۔

''اس وقت میرے علاوہ خلیفہ منصور کے پاس عثمان بن نحیک اور ہمارے دونوں ساتھی شبیب بن رواح اور حرب بن قیس موجود ہیں۔''

جواب میں محمد بن اشعت نے کچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔

''دیوان خانے میں بیٹھو۔ میں تیار ہو کر تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔''

اس پر روح بن حاتم نے نفی میں گردن ہلائی، کہنے لگا۔

''میرے بھائی! وقت نہیں ضائع ہونا چاہئے۔ میں یہیں کھڑا ہوتا ہوں، تم جلدی جلدی تیار ہو کر آ جاؤ۔ پھر دونوں بھائی چلتے ہیں۔''

محمد بن اشعت نے اس سے اتفاق کیا لہٰذا پلٹا، دیوان خانہ میں آیا، اپنی ماں اور بہن کو مخاطب کر کے کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس سے پہلے ہی اس کی ماں عبادہ بنت عبداللہ بول اُٹھی۔

''بیٹے! حویلی کے صدر دروازے پر دستک دینے والا کون تھا؟''

جواب میں محمد بن اشعت کہنے لگا۔

''اماں! روح بن حاتم ہے۔ مجھے بلانے آیا ہے۔ خلیفہ منصور نے طلب کیا ہے۔''

اس کے ساتھ ہی محمد بن اشعت نے اپنا جنگی لباس پہنا اور دوبارہ دیوان خانہ میں آیا، پھر اپنی چھوٹی بہن خولہ بنت اشعت کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''خولہ! میری بہن! میرے ساتھ آؤ۔ دروازے کو اندر سے زنجیر لگا لو۔ میں روح بن حاتم کے ساتھ خلیفہ منصور کی طرف جاتا ہوں۔''

جواب میں خولہ چپ چاپ اُٹھ کھڑی ہوئی، صدر دروازے تک آئی۔ محمد بن اشعت روح بن حاتم کے ساتھ باہر نکل گیا۔ خولہ نے دروازے پر اندر سے زنجیر لگائی اور اپنی ماں کے پاس دیوان خانہ میں جا کر بیٹھ گئی۔

کوئی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ روح بن حاتم کے ساتھ محمد بن اشعت انبار کے قصر

میں داخل ہوا۔ اس وقت خلیفہ منصور کے پاس شبیب بن رداح، حرب بن قیس اور عثمان بن نحیک بیٹھے ہوئے تھے۔ روح بن حاتم کے ساتھ محمد بن اشعث جب منصور کے پاس گیا تو منصور نے اپنے قریب ہی نشست پر ہاتھ مارتے ہوئے اسے بیٹھنے کے لئے کہا۔ چنانچہ سلام کرتا ہوا محمد بن اشعث اس نشست پر بیٹھ گیا تھا جس کی طرف منصور نے اشارہ کیا تھا۔

اس کے بیٹھنے کے بعد گفتگو کا آغاز منصور نے کیا اور کہنے لگا۔

''ابن اشعث! میرے بیٹے! ابومسلم خراسانی اس وقت انبار آیا ہوا ہے۔ میں نے اسے یہاں بڑی ترکیب سے بلایا ہے اور اس کا یہاں بلایا جانا اتنا ضروری تھا کہ اگر وہ نہ آتا اور اسے یہ شک ہو جاتا کہ ہم اس کے خاتمہ کے درپے ہیں تو خراسان کے اندر بغاوتوں کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا اور اس طرح ہمارے لئے مسائل کھڑے ہو جاتے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد منصور جب رُکا تب محمد بن اشعث اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میں سمجھتا ہوں آپ ناحق اندیشوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ ابومسلم خراسانی اور اس کے ساتھی لوہے اور پتھر کے تو نہیں بنے ہوئے کہ وہ ناقابل تسخیر ہیں اور کوئی ان پر قابو نہیں پا سکتا۔ اس میں کوئی شک نہیں، وہ خراسان کا رہنے والا ہے۔ ایک عرصہ سے خراسان پر حاکم مقرر ہے۔ لہٰذا خراسان کی آبادی کی اکثریت اس کے ساتھ ہے۔ میں اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہوں کہ جب خراسان میں اس کے قتل کی خبر پہنچے گی تو یقیناً حالات خراب ہوں گے۔ لیکن ایسے بھی نہیں کہ ان پر قابو بھی نہ پایا جا سکے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد محمد بن اشعث رُکا، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا وہ کہہ رہا تھا۔

''اگر آپ ابومسلم خراسانی کو یہاں نہ بلاتے، صرف ایک بار بلاتے اور وہ آنے سے انکار کرتا تو میں سمجھتا ہوں اس کے خلاف لشکر کشی جانی چاہئے تھی۔ اگر آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ خراسان کے اندر اس نے ایسی طاقت پکڑ لی ہے کہ مملکت کی چولیں ہلا کر رکھ دے گا تو ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ میں سمجھتا ہوں ابھی آپ کے علاوہ اگر کسی اور کو شک ہے کہ ابومسلم خراسانی، خراسان کے اندر تباہی اور بربادی کا کھیل کھیلے گا تو اسے رہا کر دیجئے۔ اسے خراسان کی طرف جانے دیجئے۔ دوبارہ اسے اپنے پاس طلب کیجئے۔

اس کے بعد اگر وہ نہیں آتا تو آپ ایک لشکر مجھے اور میرے خالہ زاد خازم بن خزیمہ کو مہیا کر دیجئے گا۔ پھر آپ دیکھیں گے، ابومسلم خراسانی خراسان میں کیسے قابو نہیں آتا۔ میں جانتا ہوں اس کے مارے جانے کے بعد کئی جگہ بغاوت اُٹھے گی لیکن اس کے سارے ساتھی اس کے ساتھ مخلص نہیں ہیں۔ آپ اس کے وزیر ابواسحاق خالد بن عثمان کی مثال لیجئے۔ آپ نے اسے اپنے پاس بلایا۔ جب آپ نے اسے یہ لالچ دیا کہ اگر وہ ابومسلم خراسانی کو اس بات پر آمادہ کر لے کہ وہ انبار میں آپ کے پاس آ جائے تو آپ ابومسلم کے بعد اسے خراسان کا حاکم مقرر کر دیں گے۔ آپ نے دیکھا ہوگا آپ کی اس پیش کش پر ابواسحاق خالد بن عثمان کتنا خوش ہوا تھا۔ حالانکہ ابواسحاق کو ابومسلم خراسانی کے بہترین جانثاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن جونہی اُسے خراسان کی حاکمیت کے الفاظ کا لشکارا ملا، وہ فوراً اصل راستے سے ہٹ کر اپنی ذاتی راہ اختیار کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

بہرحال اب جبکہ ابومسلم خراسانی یہاں آ چکا ہے، اس کے ساتھ ایک لشکر بھی ہے جس نے شہر سے باہر قیام کر رکھا ہے اور ابومسلم خراسانی انبار کے مہمان خانے میں قیام کر چکا ہے۔ اب آپ بتائیں، آپ کیا چاہتے ہیں؟''

یہاں تک کہنے کے بعد محمد بن اشعث جب خاموش ہوا تب کچھ سوچتے ہوئے ابوجعفر منصور کہنے لگا۔

''ابن اشعث! میرے بیٹے! جو کچھ تم نے کہا ہے، درست ہے لیکن اس ابومسلم خراسانی نے خراسان کے اندر اپنی جڑیں کافی دور تک پھیلا رکھی ہیں۔ تم جانتے ہو اس کے ساتھیوں میں سے فیروز سنباد بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ بظاہر مسلمان ہے لیکن حقیقت میں مجوسی ہے۔ بیٹے! میں ابھی سے تمہیں بتائے دیتا ہوں۔ جونہی خراسان میں ابومسلم خراسانی کے قتل کی خبر پہنچے گی، یہ فیروز سنباد اور اس کے بہت سے سالار اور ساتھی واپس مجوسیت کی طرف چلے جائیں گے اور مملکت کے خلاف بغاوت کھڑی کر دیں گے۔

ان کے علاوہ خود ہمارے مرکزی شہر انبار میں جہور بن مرار اجری بظاہر ہمارے لشکر میں ایک سالار ہے لیکن جہاں تک مجھے اس کے متعلق اطلاعات ملی ہیں کہ اندرونی طور پر وہ بھی ابومسلم خراسانی ہی کا آدمی ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ جب تک وہ اس کا اظہار نہیں کرتا، ہم اس کے خلاف حرکت میں نہیں آئیں گے۔

ان دو قوتوں کے علاوہ تیسری قوت فرقہ راوندیہ کی ہے۔ یہ درحقیقت ایران اور خراسان کے جاہل لوگوں کا ایک گروہ ہے جو علاقہ راوندیہ میں رہتا ہے۔ یہ لوگ بھی ابومسلم خراسانی سے بے پناہ عقیدت رکھتے ہیں۔ خراسان کے اندر ان کی بڑی طاقت اور جمعیت ہے۔ یہ بھی ابومسلم خراسانی کے حق میں بول اُٹھیں گے۔

ہمارا سالار ابوداؤد خالد بن ابراہیم جو اس وقت بلخ کا حاکم ہے، میری نسبت تم اسے بہتر جانتے ہو۔ جہاں تک مجھے خبریں دی گئی ہیں، وہ بھی ابومسلم خراسانی کا ہی آدمی ہے۔ اس کے ساتھ جو نائب کی حیثیت سے عبدالجبار بن عبدالرحمٰن کام کر رہا ہے اس سے متعلق بھی میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ بھی ابومسلم خراسانی کا آدمی ہے۔ تمہیں یاد ہوگا ایک موقع پر جب تمہیں شمال کی مہم پر روانہ کیا گیا تھا اور ابوداؤد خالد ابراہیم بھی تمہارے ساتھ تھا تو اس نے تمہارے ساتھ دھوکا کیا تھا۔ دشمن کے مقابلے میں تمہیں اکیلا چھوڑا تھا اور ساتھ ہی جس قدر مالِ غنیمت ہاتھ لگا تھا وہ تمہارے حوالے کرنے کے بعد وہ سارا مال اُس نے ابومسلم خراسانی کے حوالے کر دیا تھا۔ میرے بھائی سفاح کو اس نے چکمہ دے کر مطمئن کر دیا تھا لیکن میں اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔

ان قوتوں کے علاوہ علوی بھی ہمارے خلاف حرکت میں آئیں گے۔ علویوں کو یہ دکھ اور صدمہ ہے کہ بنواُمیہ کے خاتمہ کے بعد بنوعباس کی خلافت کیوں قائم ہوگئی ہے۔ وہ خلافت کے بڑے متمنی اور بڑے گرویدہ ہیں۔ حالانکہ اگر وہ عقل و دانش سے کام لیتے تو خلافت سے متعلق سوچتے بھی نہ۔ اس لئے کہ حضور ﷺ نے اپنے چچا اور ہمارے جد امجد عباس بن ابن مطلب کو پیش گوئی کے طور پر کہا تھا۔ 'چچا! تمہاری اولاد میں خلافت ہوگی۔' جب حضور ﷺ نے یہ فرما دیا تھا تو پھر میں سمجھتا ہوں کہ ساری قوتوں کو حضور ﷺ کی اس پیش گوئی کو سامنے رکھتے ہوئے مطمئن ہو جانا چاہئے۔ لیکن علوی مطمئن نہیں ہوں گے۔ وہ خلافت کی بڑی چاہت رکھتے ہیں اور جب ابومسلم خراسانی کی وجہ سے مملکت کے اندر حالات کسی قدر خراب ہوں گے تو یاد رکھنا علوی بھی جگہ جگہ بغاوتیں کھڑی کرنے کے لئے اور سرکشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خلافت کا حق جتانے کی کوشش کریں گے۔

اسی طرح خراسان میں ایک اور قوت کی ابتداء ہو چکی ہے اور یہ حکیم مقنع ہے۔ اس

کے متعلق جو خبریں مجھ تک پہنچی ہیں، وہ یہ کہ وہ مرو کا باشندہ ہے۔ چونکہ بدشکل ہے، اس لئے اس نے سونے کا ایک چہرہ بنا کر اپنے چہرے پر لگایا ہوا ہے۔ بڑا شعبدہ باز ہے۔ جادو اور ایسے دوسرے علوم میں بڑی دسترس رکھتا ہے اور وہ بھی ابومسلم خراسانی کا ہم نوا ہے اور لوگوں کو بڑی تیزی سے اپنے عقیدت مندوں میں شامل کرتا چلا جا رہا ہے۔

محمد بن اشعث! میرے بیٹے! اس کے علاوہ بھی بہت سی قوتیں ہیں جو ابومسلم خراسانی کے قتل کے بعد ہمارے خلاف حرکت میں آ سکتی ہیں۔''

محمد بن اشعث مسکرایا اور کہنے لگا۔

''جو حرکت میں آنا چاہتا ہے، اُسے آنے دیں۔ خداوند نے چاہا تو سب سے نمٹ لیں گے اور حالات کو بالکل پُرسکون اور آسودہ بنا کر رکھ دیں گے۔ پہلے آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ ابومسلم خراسانی کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہتے ہیں؟''

ابوجعفر منصور نے کچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔

''اب تک جو میں منصوبہ بندی کر چکا ہوں، اسے میں تمہارے ساتھیوں میں سے حرب بن قیس، شبیب بن رواح اور روح بن حاتم کے علاوہ عثمان بن نحیک کو بھی بتا چکا ہوں۔ میں ہر صورت میں ابومسلم خراسانی کا خاتمہ کرنا چاہتا ہوں۔ اگر وہ انبار سے چلا گیا اور کسی نے اس کے کان میں یہ بات ڈال دی کہ اس کا خاتمہ کرنے کے لئے اسے انبار میں بلایا گیا تھا تو یاد رکھنا فی الفور تو وہ بغاوت کھڑی نہیں کرے گا لیکن اندر ہی اندر اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ کرتا چلا جائے گا اور آنے والے دور میں وہ یقیناً ہمارے لئے مسائل کھڑے کر سکتا ہے۔''

''مجھ سے آپ کیا چاہتے ہیں؟'' ابوجعفر منصور کے خاموش ہونے پر بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے محمد بن اشعث نے پوچھ لیا تھا۔

''بیٹے! اس وقت ابومسلم خراسانی کا ایک لشکر انبار شہر سے باہر پڑاؤ کئے ہوئے ہے۔ اسے شک ہو چکا تھا کہ ہم شاید اس کے خلاف حرکت میں آنا چاہتے ہیں۔ اس بنا پر وہ اکیلا نہیں آیا، لشکر کو لے کر آیا ہے۔''

یہاں تک کہتے کہتے منصور کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لئے کہ بیچ میں محمد بن اشعث بول اٹھا۔ کہنے لگا۔

''اب آپ یہ چاہیں گے کہ ابومسلم کا خاتمہ کیا جائے اور ساتھ ہی آپ یہ بھی

سوچتے ہوں گے کہ جب اس کا خاتمہ ہو گا تو جس لشکر کو وہ اپنے ساتھ لایا ہے وہ کہیں انبار شہر کے باہر کوئی بڑا ولولہ اور ہنگامہ نہ کھڑا کر دے۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آج رات ہی میں اپنے حصے کے ایک لشکر کو حرکت میں لاؤں گا۔ ابو مسلم کے اس لشکر کو جس نے شہر سے باہر قیام کر رکھا ہے، سنبھالوں گا۔ اگر اس میں سے کسی نے بھی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی یا انبار کے نواح میں افراتفری پیدا کرنے کی کوشش کی تو کوئی ان میں سے زندہ بچ کر خراسان واپس نہیں جا سکے گا۔ اس کی میں آپ کو ضمانت دیتا ہوں۔ باقی رہا ابو مسلم خراسانی تو اس کی کیا حیثیت ہے۔ آپ ابھی اسے بلائیں، اس کا خاتمہ کئے دیتے ہیں۔ پھر دیکھتے ہیں کہ اس کے خاتمہ پر کون سا بڑا آتش فشاں پھٹتا ہے اور سرکشی اور بغاوت کا کتنا بڑا لاوا بہہ اٹھتا ہے۔ آپ کل ابو مسلم خراسانی کو اپنے دربار میں بلائیے اور جو معاملہ اس کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں، کریں۔ میں آج رات ہی لشکر کے ایک حصے کے ساتھ حرکت میں آ جاؤں گا اور ابو مسلم کے اس لشکر پر نگاہ رکھوں گا جس نے انبار شہر سے باہر پڑاؤ کر رکھا ہے۔ میں دیکھوں گا کہ ابو مسلم خراسانی کے قتل کی خبر سن کر وہ کیا ہنگامہ کھڑا کرتے ہیں۔ میرے تینوں ساتھی حرب بن قیس، شبیب بن رواح اور روح بن حاتم آپ کے پاس رہیں گے۔"

ابو جعفر منصور نے محمد بن اشعث کی طرف توصیلی انداز میں دیکھتے ہوئے اس تجویز سے اتفاق کیا اس کے بعد محمد بن اشعث اُٹھ کر مستقر کی طرف چلا گیا تھا اور وہاں رات کے وقت لشکر کے ایک حصے کو علیحدہ کرتے ہوئے وہ انبار شہر سے باہر بالکل مستعد ہو گیا تھا۔

اگلے روز ابو جعفر منصور نے ابو مسلم خراسانی کو اپنے پاس بلایا۔ کہتے ہیں جب ابو مسلم خراسانی ابو جعفر منصور کے سامنے آ کر کھڑا ہوا تو ابو جعفر منصور تھوڑی دیر تک اسے اس انداز میں دیکھتا رہا کہ ابو مسلم خراسانی کو اس سے متعلق شک ہو گیا۔ چنانچہ منصور بولا اور ابو مسلم کی ماضی کی حرکات کی شکایات کرنے لگا۔ اس کے بعد بقول مؤرخین منصور نے سلیمان بن کثیر کے قتل کا ذکر بھی کیا۔ اسی سلیمان بن کثیر کو محمد بن اشعث کے باپ نے اپنا بھائی بنا رکھا تھا، اسی کو ابو مسلم خراسانی نے قتل کیا تھا اور اسی کا محمد بن اشعث نے انتقام لیا تھا۔

اب ابو مسلم خراسانی کو مخاطب کرتے ہوئے منصور نے پوچھا۔

"تُو نے سلیمان بن کثیر کو کیوں قتل کیا؟ حالانکہ وہ اس وقت ہمارا خیر خواہ تھا۔ جبکہ تُو اس کام میں شریک بھی نہ ہوا تھا۔"

ابو مسلم خراسانی اب خوشامدانہ اور عاجزانہ لہجے میں منت کرتا رہا لیکن دم بہ دم منصور کے طیش و غضب میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے ابو مسلم خراسانی کو یقین ہو گیا کہ آج اس کی خیر نہیں اور منصور اس کا خاتمہ کر کے رہے گا۔ اس کے بعد منصور غضب ناک الفاظ کے ساتھ ابو مسلم خراسانی پر چڑھ دوڑا تھا۔ اب اُس نے تالی بجائی۔ تالی کا بجنا تھا کہ عثمان بن نہیک، شبیب بن رواح، حرب بن قیس، روح بن حاتم حرکت میں آئے اور منصور کے سامنے ابو مسلم کا انہوں نے خاتمہ کر دیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ ابو مسلم خراسانی کے قتل کے تھوڑی ہی دیر بعد اس کے ساتھیوں میں سے کچھ جنہوں نے اپنے لشکر کے ساتھ شہر سے باہر قیام کر رکھا تھا، قصر کی طرف آئے اور ابو مسلم خراسانی کا پوچھا۔ چنانچہ منصور کے آدمیوں نے ابو مسلم کے ہمراہیوں کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ابو مسلم خراسانی اس وقت خلیفہ کی خدمت میں ہے۔ چنانچہ ابو مسلم خراسانی کے وہ ساتھی واپس چلے گئے۔ جب اُنہیں یہ خبر ہوئی کہ ابو مسلم خراسانی کچھ عرصہ خلیفہ کے پاس ہی رہیں گے تو ابو مسلم خراسانی کا وہ لشکر جس نے انبار شہر سے باہر قیام کر رکھا تھا، وہ بھی یہاں سے کوچ کر گیا۔ ان کے کوچ کرنے کے بعد محمد بن اشعث بھی اپنے لشکر کے ساتھ واپس شہر میں آ گیا تھا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ ابو مسلم خراسانی کے قتل کے بعد پہلا شخص جو قصر میں داخل ہوا وہ عیسیٰ بن موسیٰ تھا اور اس نے قصر میں داخل ہو کر خلیفہ منصور سے ابو مسلم کے متعلق دریافت کیا کہ اب عیسیٰ بن موسیٰ کو ابو مسلم خراسانی کے قتل کا حال معلوم ہوا تو اس نے صرف انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا اور قصر سے نکل گیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہ بات منصور کو ناگوار گزری اور اس نے کہا کہ ابو مسلم سے زیادہ کوئی تمہارا دشمن نہ تھا۔

اس کے بعد دوسرا شخص جو عیسیٰ بن موسیٰ کے بعد قصر میں داخل ہوا اور منصور سے ملاقات کرنا چاہی، وہ جعفر بن حنظلہ تھا۔ یہ شخص ایک طرح سے ابو جعفر منصور کے ہمنواؤں میں سے تھا اور سالاروں میں سے یہ جعفر بن حنظلہ محمد بن اشعث کو بڑا پسند

کرتا تھا۔

جعفر بن حنزلہ جب منصور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس وقت اُسے یہ خبر نہ تھی کہ منصور نے ابومسلم خراسانی کو قتل کرا دیا ہے۔ چنانچہ حالات کا جائزہ لینے کے لئے ابوجعفر منصور نے حنزلہ سے ابومسلم کے قتل کی نسبت مشورہ کیا۔

چنانچہ اس سوال کے جواب میں جعفر بن حنزلہ نے غصے اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''اس ابومسلم کو یقیناً قتل کر دینا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ کسی بھی وقت مملکت کے لئے خطرہ بن سکتا ہے۔''

جعفر بن حنزلہ کا یہ جواب سن کر منصور مسکرایا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''خدا تجھے جزائے خیر دے۔''

اس کے بعد ابوجعفر منصور نے جعفر بن حنزلہ کو مخاطب کر کے ابومسلم کی لاش کی طرف اشارہ کیا۔ جعفر بن حنزلہ نے جب ابومسلم کی لاش دیکھی تو ابوجعفر منصور کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''امیر المومنین! آج سے آپ کی خلافت شمار کی جائے گی۔''

جعفر بن حنزلہ کا یہ جواب سن کر منصور خوش کن انداز میں مسکرا دیا تھا۔ اس طرح ابوجعفر منصور کے ہاتھوں ابومسلم خراسانی کا خاتمہ ہوا۔

محمد بن اشعث ایک روز انبار کے مستقر کے ایک کمرے میں بیٹھا ہوا تھا کہ تھوڑی دیر بعد مستقر کے اس کمرے میں حرب بن قیس، شبیب بن رواح اور روح بن حاتم داخل ہوئے۔ تینوں جب محمد بن اشعث کے سامنے آ کر بیٹھ گئے، تب گفتگو کا آغاز روح بن حاتم نے کیا اور محمد بن اشعث کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''ہمارے بھائی! کیا آپ نے ہمیں بلایا ہے؟''

جواب میں محمد بن اشعث نے باری باری ایک غائر نگاہ تینوں پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔

''یقیناً میں نے تم تینوں کو بلایا ہے۔ دیکھو! خلیفہ نے چونکہ ابومسلم کو یہاں بلایا ہوا تھا۔ اس کی وجہ سے اس سے پہلے ابومسلم کی وجہ سے کچھ حالات بھی خراب تھے جس کی بناء پر میں رُکا ہوا تھا۔ اب ابومسلم کا خاتمہ ہو چکا ہے لہٰذا میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اقلیما اور اس کی بہن ارم دونوں کو منزل تک پہنچایا جائے۔ اس سلسلے میں، میں اپنی ماں اور بہن سے بھی بات کر چکا ہوں۔ ایک مہم اور ایک کام پر جانے کے لئے خلیفہ سے بھی اجازت لے چکا ہوں۔ سارے حالات سے اپنے خالہ زاد خازم بن خزیمہ کو بھی آگاہ کر چکا ہوں۔ میں چاہتا ہوں آج نہیں تو کل ہم یہاں سے رخصت ہوں۔ ہماری اس مہم اور پیش قدمی کا طریقۂ کار وہی ہوگا جو ہم نے جرجان سے دجلہ کی طرف جاتے ہوئے اختیار کیا تھا۔''

حرب بن قیس، شبیب بن رواح اور روح بن حاتم تینوں نے محمد بن اشعث کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ کچھ دیر وہاں بیٹھ کر وہ اپنی منصوبہ بندی پر گفتگو کرتے رہے۔ اس کے بعد یہ طے پایا کہ اسی روز رات کے وقت وہ انبار سے دریائے دجلہ کی بستی بہاتیہ کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔

چنانچہ آنے والی شب کو چاروں انبار سے نکلے اور اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے دریائے دجلہ کا رخ کر گئے تھے۔

❀❀❀

اقلیما کا ماموں حارث بن لبید ایک روز اپنی بیوی نابقہ بنت علقمہ، بشار بن حارث اور بیٹی خنسا بنت حارث کے ساتھ بیٹھا کسی موضوع پر گفتگو کر رہا تھا کہ کمرے میں حسین و خوب صورت اقلیما داخل ہوئی اور اپنے ماموں حارث بن لبید کی طرف دیکھتے ہوئے فکرمندی میں کہنے لگی۔

''ماموں! ارم کی حالت آج مجھے زیادہ خراب لگتی ہے۔ اس کی حالت نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ میں نے اسے بہت حوصلہ دیا ہے۔ اب بھی دیکھیں وہ رو رہی ہے۔''

اقلیما یہیں تک کہنے پائی تھی کہ اس کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ فکرمندی میں حارث بن لبید اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی بیوی، بیٹی اور بیٹا بھی کھڑے ہو گئے تھے۔ سب اس کے کمرے سے نکل کر اس کمرے میں داخل ہوئے جس میں ارم کو رکھا گیا تھا۔ حارث بن لبید آگے بڑھ کر ارم کی مسہری پر بیٹھ گیا۔ اس کے سر پر ہاتھ پھیرا، پیشانی چومی، پھر بڑی اپنائیت اور شفقت میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میری بچی! تیری ماں کا بھائی اور تیرا ماموں ابھی زندہ ہے۔ خدا کے واسطے میرے سامنے اس طرح نہ رو۔ تیری یہ حالت میرے لئے ناقابل برداشت ہے۔ میں پہلے ہی تیری بیماری کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ چکا ہوں۔ دیکھ بچی......''

یہاں تک کہتے کہتے حارث بن لبید کی آواز رُک سی گئی تھی۔ جب وہ خاموش ہوا تو ارم نے اپنے آنسو پونچھے پھر دکھ بھرے انداز میں کہنے لگی۔

''ماموں! میں اپنی حالت کو بہتر سمجھتی ہوں۔ میرے بچنے کی کوئی امید نہیں ہے۔ میں سمجھتی ہوں میری زندگی کی کہانی ختم ہونے والی ہے۔ میری آپ سے التجا ہے کہ میرے بعد میری چھوٹی بہن اقلیما کا خیال رکھنا۔''

ارم کے ان الفاظ پر سب رونے لگے تھے۔ اقلیما کی حالت بری ہو گئی تھی۔ آگے بڑھ کر اس نے ارم کو اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا۔ کچھ دیر ایسا ہی سماں رہا۔ آخر دونوں بہنوں

نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ اس موقع پر اقلیما اپنا منہ اپنے ماموں حارث بن لبید کے کان کے پاس لے گئی اور سرگوشی میں کہنے لگی۔

''ماموں! ارم کے سامنے کوئی اچھا واقعہ، کوئی خوش کن حادثہ ہی پیش کرتے ہیں جس کے باعث اس کا دھیان اپنی بیماری سے ہٹے۔ ایسا کرنے سے شاید اس کی حالت سنبھلے۔''

اقلیما کی اس تجویز کے جواب میں حارث بن لبید منہ سے کچھ نہ بولا۔ اپنی آنکھیں اس نے خشک کرتے ہوئے اثبات میں گردن ہلائی، پھر ارم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''ارم! میری بچی! تُو جانتی ہے جوانی کے دور میں، میں مصر میں بھی رہا تھا۔ کیا میں تجھے مصر کے ابوالہول سے متعلق کوئی تفصیل نہ بتاؤں؟''

ارم نے چونکنے کے انداز میں اپنے ماموں حارث بن لبید کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگی۔

''ماموں! آپ میری کمزوری کو جانتے ہیں۔ ابوالہول سے متعلق میں ہمیشہ اس تجسس میں رہی ہوں۔ اگر آپ اس سے متعلق تفصیل اور اپنے پیش آنے والے تجربات بتاتے ہیں تو اس سے یقیناً میرا وقت اچھا گزر جائے گا۔''

ارم کی اس گفتگو سے سارے ہی خوش ہو گئے تھے۔ پھر حارث بن لبید کہنے لگا۔

''ارم! میری بچی! مصر میں قیام کے دوران میں نے جس صورت میں ابوالہول کو دیکھا، وہ صورت واقعی خوف دلانے والی تھی۔ ویسے بھی ابوالہول کا مطلب ہی ہے خوف والا۔ میری بچی! یہ مصر کے آثار قدیمہ کا ایک بت ہے جو غزہ کے علاقے میں ایک چٹان تراش کر بنایا گیا ہے۔ یہ شیر کی شکل کا 189 فٹ لمبا اور 65 فٹ اونچا مجسمہ ہے جس کے پنجے اور دھڑ شیر کے ہیں اور سر انسان کا ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ صحرا میں اکثر و بیشتر ریت کے اندر دب بھی جاتا ہے، پورا حصہ نہیں۔ چونکہ اگلا حصہ اوپر کو اٹھا ہوا ہے لہٰذا وہ عموماً ننگا رہتا ہے۔ امتدادِ زمانہ کے باعث اس کی صورت بھی اب کافی بگڑتی جا رہی ہے۔ داڑھی اور ناک کا حصہ بھربھرا ہو کر ختم ہوتا جا رہا ہے جس نے اسے اور خوفناک بنا دیا ہے۔ شاید اسی لئے اس کا نام ابوالہول پڑ گیا ہے۔

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ابوالہول کا بت اہرامِ مصر میں سے ایک ہے۔ کہا جاتا ہے

کہ یہ ایک پر دار شیر کا بُت ہے جو قومِ جن میں سے تھا اور مختلف شکلیں بدلا کرتا تھا۔ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے علم حاصل کیا اور لوگوں کو سوالات کر کے خوف زدہ کیا کرتا تھا۔ اس کا اہم سوال یہ ہوتا تھا کہ وہ کون سا جانور ہے جو صبح کو چار ٹانگوں اور دوپہر کو دو ٹانگوں اور شام کو تین ٹانگوں پر چلتا ہے۔ اُس کے اس سوال کا کوئی جواب نہ ملتا تھا۔

آخر ایک شخص نے اس کے سوال کا جواب دیا اور کہا کہ وہ جانور انسان ہے۔ اس لئے کہ انسان اپنے بچپن میں گھٹنوں اور ہاتھوں پر چلتا ہے یعنی چار ٹانگوں پر چلتا ہے۔ جوانی میں اپنی دونوں ٹانگوں پر بھاگتا ہے اور بڑھاپے میں دو ٹانگوں کے علاوہ ایک لاٹھی بھی استعمال کرتا ہے۔ یوں تین ٹانگوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اُسے جب اپنے سوالوں کا جواب مل گیا تو اُس نے خودکشی کر لی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسے فرعونِ مصر خزری نے 2550 ق م میں بنوایا تھا۔ مصر کی قدیم قوم قبطیوں کے ہاں اس کا نام بلہیب تھا جو بگڑ کر بلہول یا ابوالہول بن گیا۔ پرانے دور میں خزانے کی تلاش کے لئے اہرامِ مصر کی طرف جانے والوں نے ابوالہول کو کافی نقصان پہنچایا۔ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ یہ دریائے نیل کی دولت کا محافظ اور طغیانی روکنے والے کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ لوگوں نے اس میں سے دولت تلاش کرنا شروع کی جس کی بناء پر اس کی شکل اور ہیئت کافی حد تک بدل گئی۔''

یہاں تک کہنے کے بعد حارث بن لبید جب خاموش ہوا تب اِرم کچھ دیر تک بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتی رہی، پھر کہنے لگی۔

''ماموں! اکثر و بیشتر میں سوچتی ہوں کہ آزادی بھی کتنی اہم اور ضروری شے ہے۔ ماموں! جس وقت ہمارا باپ حکمران تھا، اُس وقت ہمیں آزادی کا اتنا احساس نہیں تھا۔ اب جبکہ ہم غریب الوطنی کے علاوہ چھپ چھپ کر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں تو اب آزادی کی اہمیت کا بڑا احساس ہوتا ہے۔ اکثر میں سوچتی ہوں کہ کاش ہم آزاد ہوتے، کوئی گرفت کرنے والا نہ ہوتا، کوئی دشمن نہ ہوتا، کسی سے ہماری عداوت نہ ہوتی اور جہاں ہم چاہتے اپنی آزادی اور مرضی سے جا سکتے۔ لیکن اب تو ہم مجبور ہی مجبور ہیں۔''

حارث بن لبید چونکہ اپنی بھانجی اقلیما کے کہنے پر اِرم کا دل بہلانا چاہتا تھا لہٰذا جب وہ ابوالہول سے متعلق تفصیل بتا چکا اور اِرم نے آزادی کی بات شروع کی تب اُس

نے آزادی ہی کو موضوع بنا لیا اور آزادی سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے اِرم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میری بچی! آزادی ہر جاندار کا فطری حق ہے۔ یعنی کوئی ذی روح اپنے ارادوں کو جس طرح چاہے پورا کرے اور اس پر کوئی دباؤ یا پابندی نہ ہو۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا ہونا ناممکنات میں سے ہے۔ اگرچہ ہر انسان کو آزادی کا حق حاصل ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کی آزادی پر دست درازی نہ کرے کیونکہ آزادی صرف اسی صورت میں برقرار رہ سکتی ہے جب دوسروں کی آزادی کو مجروح نہ کیا جائے۔

سن میری بچی! اسلام میں آزادی کا تصور باقی مذاہب اور اقوام کے تصور سے بالکل مختلف ہے۔ اسلام گوارا نہیں کرتا کہ انسان، انسان کے آگے سر جھکائے۔ کچھ دیگر مذاہب کے مفکرین کے نزدیک آزادی یہی ہے کہ ایک قوم اپنے ملک اور نسل کے زعماء کے بنائے ہوئے قانون کا اتباع کرے لیکن جب پرندہ دوسرے پرندے کے قوانین کا اتباع نہیں کر سکتا تو ایک انسان دوسرے انسان کے بنائے ہوئے قوانین کا اتباع کیونکر کرے گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد حارث بن لبید رُکا، کچھ سوچا، دوبارہ اِرم کو مخاطب کرتے ہوئے اور اُس کا دل بہلانے کی خاطر وہ کہہ رہا تھا۔

''میری بچی! اسلام میں حقیقی آزادی کا مطلب صرف یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی حکومت اختیار کرے اور اسی کو مقتدرِ اعلیٰ سمجھے۔ اسی لئے قرآن مقدس میں خداوند قدوس نے فرمایا:

''حکومت صرف اللہ کے لئے ہے۔ اس کا حکم ہے کہ صرف اسی کی حکومت اختیار کرو اور کسی کو اپنا حاکم نہ سمجھو۔ دین قیم یہی ہے۔ مگر اکثر لوگ اس حقیقت سے بے خبر ہیں۔''

حارث بن لبید پھر سانس اور دم لینے کو رُکا، اس کے بعد اپنی گفتگو کے سلسلے کو آگے بڑھاتا ہوا وہ پھر کہہ رہا تھا۔

''میری بچی! سابقہ تاریخ کے تجربات سے واضح ہے کہ انسان اپنا واضح قانون بنانے سے قاصر ہے۔ اسے اگر دوسروں کی بندگی سے چھٹکارا مل جائے تو یہ خود اپنی

نفسانی خواہشات کا بندہ بن جاتا ہے۔ اس لئے اللہ کو حاکم اعلیٰ سمجھنے سے انسان اللہ کے بنائے ہوئے قوانین پر چلتا ہے۔ ان کاموں سے رُکتا ہے جن سے منع کیا گیا ہے اور ان کاموں پر چلتا ہے جن کا حکم دیا گیا ہے۔ یہی انسان کی آزادی ہے۔

سن بیٹی! اس طرح انسان قومیت، وطنیت، رنگ و نسل کے بندھنوں سے نجات پاتا ہے اور اپنے عمل سے دوسروں کی آزادی محفوظ رکھتا ہے۔ اس طرح سے وہ گویا اپنی آزادی کو محفوظ رکھتا ہے۔ مگر ایسا صرف وہ اللہ کے قوانین کے تابع رہ کر کر سکتا ہے۔

اس کے علاوہ فطری آزادی کے ساتھ ساتھ آزادی کا ایک مفہوم غیروں سے آزاد ہونا اور ایک قوم کی حیثیت سے خود اپنے ملک میں آزاد ہونا بھی ہے۔ اس قومی آزادی کا تصور اسلام میں مسلمان قوم کی حیثیت سے آزاد ہونا ہے یعنی جہاں ہم انفرادی طور پر فطری آزادی کے حامل ہیں اور خدا کی بندگی کریں، وہاں بحیثیت قوم خدا کے احکامات کی اطاعت کے لئے آزاد ہوں۔ اس کی مثال میری بیٹی! میں یوں دے سکتا ہوں کہ مسلمانوں کو مکہ میں عربی ہونے کی حیثیت سے تو آزادی حاصل تھی لیکن مسلمان ہونے کی حیثیت سے آزادی انہیں مدینہ ہی میں ملی۔

اسلام کے نزدیک پوری ملتِ اسلامیہ ایک قوم ہے جس میں جغرافیائی تقسیم کو کوئی حیثیت حاصل نہیں۔ ایرانی، عربی، گورے، کالے اور ذات پات کی تقسیم کو اسلام بالکل تسلیم نہیں کرتا۔ اس کے ساتھ ساتھ پوری قوم کا اقتدار اعلیٰ خدا کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ اس آزادی کے تحت دنیا بھر کے مسلمانوں کو اپنے مذہبی قوانین نافذ کرنے اور اسلام پر عمل کرنے کی آزادی حاصل ہونی چاہئے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد حارث بن لبید رُکا، دوبارہ دُکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

''میری بچی! ہم چونکہ دن بہ دن اپنے مذہب سے دور ہوتے جا رہے ہیں، خداوند قدوس کے احکامات کو پس پشت ڈالتے ہوئے ہم نے اپنے انفرادی و طبقاتی اور قبائلی مفاد کو اپنے سامنے رکھنا شروع کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بنو اُمیہ، بنو عباس، علویوں اور دیگر کئی قبیلوں کے اندر چپقلش، عداوت اور دشمنی اپنے عروج پر آ گئی ہے جبکہ یہی اسلام صحابہ کرامؓ کے دور میں بھی تھا۔ ان کے دور میں یہ گروہی اور طبقاتی تقسیم کیوں سامنے نہ آئی؟''

یہاں تک کہتے کہتے حارث بن لبید کو رُک جانا پڑا۔ اس لئے کہ حویلی کے صدر

دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

دستک کا سن کر سب چونکے تھے۔ اس موقع پر حارث بن لبید کی بیوی نابقہ بنت علقمہ فکر گیری آواز میں بول اُٹھی۔

''اس وقت حویلی کے دروازے پر کون دستک دے سکتا ہے؟''

جواب میں حارث بن لبید کا بیٹا بشار بن حارث اٹھا اور کہنے لگا۔

''میں دیکھتا ہوں دستک دینے والا کون ہے۔''

اس کے ساتھ وہ اٹھ کر باہر بھاگا۔ حارث بن لبید بھی کمرے سے باہر نکلا تھا اور اس کے پیچھے پیچھے اس کی بیوی نابقہ بنت علقمہ، بیٹی خلسہ بنت حارث اور افکیما بھی اس کمرے سے نکل کر باہر برآمدے میں کھڑی ہو گئی تھیں۔

ان کے دیکھتے ہی دیکھتے بشار بن حارث نے دروازہ کھولا، پھر وہ کسی سے باتیں کرنے لگا۔ اس موقع پر حارث بن لبید اپنے بیٹے بشار بن حارث کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''بیٹے! وہاں کھڑے ہو کر کیوں باتیں کرنے لگے ہو؟ کون ہے؟''

ساتھ ہی حارث بن لبید چند قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بشار بن حارث پلٹا اور کہنے لگا۔

''محترم محمد بن اشعث آئے ہیں۔''

محمد بن اشعث کا نام سن کر افکیما کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ چہرے پر مسکراہٹ، آنکھوں میں چمک رقص کر گئی تھی۔ باقی لوگ بھی خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ اس پر حارث بن لبید ڈانٹ دینے کے انداز میں بشار بن حارث کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''بیٹے! اگر محمد بن اشعث آئے ہیں تو تم نے انہیں دروازے پر کیوں روک دیا؟ ان کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر اندر لاتے، تب میں سمجھتا کہ تم نے صحیح معنوں میں ان کا استقبال کیا ہے۔''

اس پر بشار بن حارث پلٹا، مسکراتے ہوئے اس نے دروازے پر کھڑے محمد بن اشعث کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی، پھر کہنے لگا۔

''آپ جلدی جلدی اندر آئیں۔ میری بے عزتی نہ کروائیں۔''

اس پر محمد بن اشعث مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوا۔ گھوڑے کے ساتھ بندھی ہوئی

اس نے اپنی دونوں خرجینیں اتار کر کندھوں سے لٹکا لی تھیں جبکہ بشار بن حارث پھر گھوڑے کو اصطبل کی طرف لے گیا تھا۔

سب ارم کے کمرے کی طرف جانے کی بجائے دیوان خانہ میں جا کر بیٹھ گئے تھے۔ بشار بن حارث بھی گھوڑے کو باندھ کر وہاں آ گیا تھا۔ ایک نشست پر بیٹھنے کے بعد حارث بن لبید کی طرف دیکھتے ہوئے محمد بن اشعث نے پوچھ لیا۔

''آپ کی بھانجی ارم کی طبیعت اب کیسی ہے؟''

قبل اس کے کہ حارث بن لبید بولتا، اقلیما پہلے ہی محمد بن اشعث کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''محترم ابنِ اشعث! آپ بڑے اچھے وقت پر آئے ہیں۔ میری بہن ارم کی بیماری پہلے سے بھی زیادہ تیز اور خوف ناک صورت اختیار کر گئی ہے۔ اب تو وہ بے چاری اُٹھنے بیٹھنے اور پھرنے تک سے بھی معذور ہو گئی ہے۔''

اقلیما یہیں تک کہنے پائی تھی کہ فکر گیری آواز میں اسے مخاطب کرتے ہوئے محمد بن اشعث کہنے لگا۔

''میں تو آج آپ لوگوں کے ہاں اس لئے آیا تھا کہ تم دونوں بہنوں کو یہاں سے نکال کر اُندلس پہنچانے کا اہتمام کروں گا۔ لیکن اگر ارم کی بیماری زیادہ زور کر گئی ہے تو پھر اس حالت میں وہ اتنا لمبا سفر تو نہیں کر سکتی۔''

محمد بن اشعث جب خاموش ہوا تب انتہائی پریشانی اور فکرمندی میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کپکپاتی آواز میں اقلیما پھر کہہ رہی تھی۔

''میں جانتی ہوں، ماموں آپ کے سامنے کسی خدشہ کا اظہار نہیں کریں گے۔ ساتھ ہی وہ گفتگو جو میں آپ سے کرنے لگی ہوں۔ یہ گفتگو میں اپنی بہن کے سامنے بھی نہیں کرنا چاہتی اس لئے کہ اس طرح اس کی طبیعت اور زیادہ بگڑ جائے گی۔ دراصل اب ہم دونوں بہنوں کا یہاں رہنا بھی خطرے سے خالی نہیں ہے۔''

اقلیما کے ان الفاظ کے جواب میں محمد بن اشعث نے چونکنے کے انداز میں اس کی طرف دیکھا، پھر پوچھا۔

''وہ کیسے؟''

''وہ اس طرح کہ میرے ماموں جب یہاں آئے تھے تو انہوں نے لوگوں پر یہ

ظاہر نہیں کیا کہ اُن کا تعلق ہم سے ہے۔'' اقلیما نے بڑے غور سے محمد بن اشعث کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا تھا۔

''یہاں رہ کر یہ گم نام زندگی بسر کرنا چاہتے تھے۔ جب انہوں نے اپنی رہائش کے لئے یہ حویلی خریدی تو لوگوں پر انہوں نے یہی ظاہر کیا تھا کہ وہ گھر کے چار ہی افراد ہیں۔ ماموں خود، ممانی، خنسا بنت حارث اور بشار ابن حارث۔ اب جبکہ میں اور ارم بھی ان کے ہاں قیام پذیر ہو چکی ہیں تو اکثر لوگوں کی زبان پر اب یہ الفاظ اور سوالات آنے لگے ہیں کہ ہم حارث بن لبید کی کیا ہیں؟ کہاں سے آئی ہیں اور کتنا عرصہ یہاں رہیں گی؟ اس طرح کے بے شمار لوگ اب سوال کرنے لگے ہیں اور یہ سوالات اب ہمارے لئے خطرے کا باعث بھی بن سکتے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد اقلیما جب خاموش ہوئی تو بے چاری بڑی مایوسی، بڑی افسردگی اور بڑے پریشان کن انداز میں محمد بن اشعث کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ اُس کے اس انداز کو محمد بن اشعث نے بھی بھانپ لیا تھا لہٰذا اُس کی طرف دیکھا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''دیکھو اقلیما! تمہیں پریشان اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو کچھ تم نے کہا ہے اس کی روشنی میں، میں یہ تو کہہ سکتا ہوں کہ تم دونوں بہنوں کو اب واقعی یہاں نہیں رہنا چاہئے۔ اگر لوگ تم دونوں بہنوں کی جستجو میں ہیں، جاننا چاہتے ہیں تم لوگ کون ہو تو پھر یہاں رہنا یقیناً خطرے سے خالی نہیں ہے۔ کیا تم لوگوں نے یہاں قیام کے دوران لوگوں کو اپنا اصلی نام بتا رکھے ہیں؟''

جواب میں اقلیما نے نفی میں گردن ہلائی، کہنے لگی۔

''اصل نام تو ہم دونوں بہنیں کسی سے بھی نہیں کہتیں۔''

اس موقع پر محمد بن اشعث نے دیکھا، اقلیما کی آنکھوں میں نمی اُتر آئی تھی۔ پھر آہستہ آہستہ وہ نمی جمع ہوتے ہوئے قطروں کی صورت اختیار کرنے لگی تھی۔ آخر دو قطرے اُمڈے اور اُس کے خوب صورت دامن پر گر کر جذب ہو گئے تھے۔

اُس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے محمد بن اشعث اُس کی ڈھارس اُس کی تسلی کے لئے کہنے لگا۔

''اس طرح روتے نہیں۔ بری بات ہے۔ دیکھو! یہاں رہتے ہوئے اگر تم پر

خطرات اُمڈ بھی آتے، تب بھی میں تم دونوں بہنوں کو خطرات میں چھوڑ کر نہ جاتا۔ اگر تم یہ خیال کرتی ہو کہ یہاں بہاتیہ نام کی اس بستی میں تمہارے لئے خطرات اُمڈ رہے ہیں تو میں تمہیں ضمانت دیتا ہوں۔ جب تک میں یہاں ہوں، کوئی تمہاری طرف اُنگلی نہیں اُٹھا سکتا۔ ہاں! میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ اب تم دونوں بہنوں کا یہاں قیام کرنا ٹھیک نہیں۔''

پہلے تم دونوں کا ارادہ تھا کہ تم دونوں یہاں سے نکل کر اُندلس کا رخ کرو گی۔ لیکن اِرم کی بیماری کی وجہ سے اب ایسا کرنا میرے خیال میں ناممکن ہے۔ میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔ اس کے مطابق تم دونوں بہنیں خوشگوار، پُرامن اور محفوظ زندگی بسر کر سکتی ہو۔''

''وہ کیسے؟'' اقلیما نے چونکتے ہوئے محمد بن اشعث پر سوال داغا تھا۔

اقلیما کے اس انداز پر لمحہ بھر کے لئے محمد بن اشعث مسکرایا، پھر کہنے لگا۔

''وہ اس طرح کہ جرجان کے محترم سالم بن تماضر نے یقیناً اب تک لوگوں کو یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ اس کی ایک نہیں، تین بیٹیاں ہیں۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ تمہارا مستقل قیام وہیں رہے۔ میں آیا تو اس نظریہ کے تحت تھا کہ تم دونوں بہنوں کو یہاں سے نکال کر اُندلس پہنچاؤں گا لیکن اب میں اس منصوبہ بندی میں تبدیلی کرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں تم دونوں کو یہاں سے نکال کر جرجان شہر میں سالم بن تماضر کے ہاں لے جاؤں۔ وہاں تم دونوں بہنیں محفوظ رہ سکتی ہو۔ اگر لوگ یہاں تم لوگوں سے متعلق سوال کرنے لگے ہیں اور کسی موقع پر گھر کے کسی فرد سے بھی تم دونوں کے اصل ناموں سے متعلق کوئی لفظ نکل گیا تو طوفان کھڑا ہو جائے گا۔ تم دونوں بہنوں کے علاوہ تمہارے ماموں اور اس کے اہلِ خانہ کے لئے مصیبتیں اور دُشواریاں اُٹھ کھڑی ہوں گی۔ لہٰذا میں تم دونوں بہنوں کو مشورہ دوں گا کہ تم دونوں تیار ہو جاؤ۔ میں تم دونوں کو آج ہی یہاں سے لے کر جرجان کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔ پریشان اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہاں تمہارے قیام کے دوران بھی میں تم دونوں بہنوں کی حفاظت کا بڑا عمدہ اہتمام اور انتظام کروں گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد محمد بن اشعث جب خاموش ہوا تب اقلیما بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''آپ کا کہنا درست ہے۔ ہم دونوں بہنیں یہاں رہ کر اپنی ممانی، ماموں اور ان کے اہلِ خانہ کے لئے مصیبت کا باعث نہیں بننا چاہتیں۔ اگر آپ ہم دونوں بہنوں کو جرجان میں سالم بن تماضر کے ہاں پہنچا دیتے ہیں تو پھر ہم دونوں بہنیں زندگی بھر......''

اقلیما یہاں تک کہتے کہتے رک گئی بلکہ رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اسے مخاطب کرتے ہوئے احتجاجی انداز میں محمد بن اشعث کہنے لگا۔

''اقلیما! اس سے آگے کچھ نہ کہنا۔ میں تمہاری زبان سے شکریہ اور ممنونیت کے الفاظ سننا پسند نہیں کرتا جو میں کام کر رہا ہوں اسے میں اپنا کام سمجھ کر کر رہا ہوں، کسی پر احسان نہیں کر رہا۔ اب تم یہ بتاؤ کہ تم دونوں بہنیں کیا آج عشاء تک یہاں سے کوچ کے لئے تیار ہو جاؤ گی؟''

محمد بن اشعث کے ان الفاظ کا جواب اقلیما دینا ہی چاہتی تھی کہ اس سے پہلے اس کا ماموں حارث بن لبید بول اُٹھا۔

''بیٹے! تم باہر سے آئے ہو۔ تم نے آسمان کا جائزہ بھی لیا ہوگا۔ گہرے بادل بنے ہوئے بلکہ بادل کافی جھکے ہوئے ہیں اور پھر سردی کا موسم اپنے عروج پر ہے۔ جن علاقوں کی طرف تم نے جانا ہے وہ سرد ترین علاقہ ہے۔ راستے میں برف باری شروع ہو گئی تو ان دونوں بہنوں کے لئے مصیبت اٹھ کھڑی ہوگی۔ کیا ایسا ممکن نہیں کہ یہ کوچ دو دن بعد کیا جائے تاکہ میں اور میرے اہلِ خانہ، اقلیما اور اِرم دونوں کی نہ صرف کوچ کی تیاری کر سکیں بلکہ ان کے لئے گرم اور اچھے کپڑوں کا بھی اہتمام کر سکیں۔''

حارث بن لبید کے ان الفاظ کے جواب میں محمد بن اشعث کہنے لگا۔

''میں سمجھتا ہوں اس سلسلے میں آپ کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کافی انتظامات کرنے کے بعد اس طرف آیا ہوں۔ ہمارا پہلے یہ ارادہ تھا کہ ہم ان دونوں بہنوں کو عام راستوں سے اُندلس کی طرف نہیں لے کر جائیں گے۔ اس لئے کہ عام راستوں پر ایک طرح سے بنو عباس نے بنو اُمیہ کے لوگوں کو پکڑنے کے لئے پہرہ بٹھا رکھا ہے اور جس پر بھی انہیں شک ہوتا ہے کہ اس کا تعلق بنو اُمیہ سے ہے۔ اسے موت کے گھاٹ اُتار دیا جاتا ہے جو راستہ میں نے چنا تھا۔ وہ ایک لمبا چکر تو ضرور ہے لیکن محفوظ ہے۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے صلاح و مشورہ کرنے کے بعد یہ طے کیا تھا کہ اس بستی سے نکل کر ہم بصرہ، وہاں سے دریائے فرات کے ساتھ ساتھ حیرہ، پھر قادسیہ،

پھر سلوکیہ، اس کے بعد دریائے فرات کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتے ہوئے پالمیرہ تک پہنچ جائیں گے۔ پالمیرہ سے آگے جا کر دریائے فرات دائیں جانب رُخ موڑتا ہوا آرمینیا کے کوہستانی سلسلے کی طرف نکل جاتا ہے جبکہ ہم نے وہاں سے اپنا رخ بدل کر اس شاہراہ کی طرف جانا تھا جو ایلا کیہ کی طرف جاتی ہے۔ اس شاہراہ کا آدھا حصہ طے کرنے کے بعد ہم نے پھر بائیں جانب مُڑنا تھا اور بحیرۂ روم کے کنارے کنارے فلسطین سے ہوتے ہوئے مصر کا رخ کرنا تھا اور وہاں سے افریقی ساحل کو طے کرتے ہوئے ہم نے اُندلس کی طرف چلے جانا تھا۔ چونکہ یہ ایک لمبا اور دُور کا سفر تھا۔ پہلے ہمیں شمال کے برفانی علاقے کی طرف جانا پڑتا تھا۔ لہٰذا برف باری اور سردی سے بچنے کے لئے ہم نے معقول انتظام کیا ہوا ہے۔ ہاں اگر اقلیما اور ارم دونوں یہ چاہتی ہوں کہ ان کے پاس سرما کے لئے مناسب لباس نہیں ہے تو پھر میں دو دن تک یہاں کی ایک نواحی سرائے میں قیام کر لیتا ہوں۔ آپ ان دونوں بہنوں کی تیاری مکمل کر دیجئے۔ اس کے بعد میں ان دونوں کو لے کر یہاں سے کوچ کر جاؤں گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد محمد بن اشعث جب خاموش ہوا تب اُس کی طرف دیکھتے ہوئے اقلیما احتجاجی انداز میں کہنے لگی۔

''یہ بار بار آپ سرائے میں قیام کرنے کا کیوں کہتے ہیں؟ پہلے جب آئے تھے تب بھی آپ نے ہمارے ہاں قیام نہیں کیا تھا، سرائے ہی میں ٹھہرے تھے۔ اس بار ہم آپ کو سرائے میں نہیں ٹھہرنے دیں گے۔ اوّل تو ہم نے مزید دو دن قیام کرنا ہی نہیں ہے۔ جہاں تک میرے ماموں کا خیال ہے ان کی مہربانی انہوں نے ہم دونوں بہنوں کی خوب نگہداشت کی لیکن ہم دونوں بہنوں کے پاس گرم کپڑوں کی کمی نہیں ہے۔ نہ ہی ماموں کو ہمارے لئے کچھ کرنے اور خریدنے کی ضرورت ہے۔ آپ عشاء تک یہیں ہمارے ساتھ رہیں اور یہیں سے ہم تینوں جرجان کی طرف کوچ کریں گے۔ خدا کے لئے اب دوبارہ یہ نہ کہئے گا کہ آپ سرائے کی طرف جائیں گے اور پھر عشاء کے بعد ہم دونوں بہنوں کو لینے کے لئے آئیں گے۔''

اس موقع پر محمد بن اشعث بڑی فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے اقلیما کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''تمہاری خواہش کے مطابق نہ میں سرائے کی طرف جاؤں گا اور نہ ہی اب

سرائے میں قیام کرنے کا ذکر کروں گا۔ عشاء تک یہیں ٹھہروں گا اور یہیں سے تم دونوں بہنوں کو لے کر کوچ کروں گا۔''

اس پر اقلیما بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔ پھر محمد بن اشعث کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''جس وقت آپ مجھے جرجان سے اس بستی کی طرف لائے تھے تو راستے میں آپ کے کچھ دشمنوں نے آپ کی راہ روکی تھی۔ وہ آپ کے درپے ہوئے تھے۔ کچھ نقصان پہنچانا چاہتے تھے لیکن کمال کی بات یہ کہ جس وقت وہ آپ پر حملہ آور ہونے کے لئے آگے بڑھے تو کسی نے ان پر تیر اندازی کی تھی اور ان سب کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اس موقع پر میں نے آپ سے ایک سوال کیا تھا کہ تیر اندازی کرنے اور آپ کی مدد کرنے والے کون تھے؟ تو آپ نے کہا تھا کہ اس کا جواب کسی مناسب موقع پر دوں گا۔ اب کیا آپ مجھے بتائیں گے کہ وہ لوگ کون تھے جنہوں نے اس موقع پر آپ کی اور میری مدد کی؟''

جواب میں محمد بن اشعث مسکرایا اور کہنے لگا۔

''اقلیما! بات یہ ہے کہ جب بھی میں تمہاری طرف آتا ہوں۔ میں اکیلا نہیں ہوتا۔ جس وقت ہم نے جرجان سے اس بستی کی طرف کوچ کیا تھا۔ اس وقت بھی میرے ساتھی میرے ساتھ تھے اور انہوں نے میرے ساتھ مل کر یہ طے کیا تھا کہ وہ دائیں بائیں رہتے ہوئے ہم دونوں پر نگاہ رکھیں گے اور ہماری حفاظت کا سامان کریں گے۔ چنانچہ جب راہ روکنے والوں نے ہمارے درپے ہونے کی کوشش کی تو انہوں نے جو ہمارے ساتھ ساتھ ہی سفر کر رہے تھے، تیر اندازی کی اور ان کا خاتمہ کر دیا۔''

محمد بن اشعث کے ان الفاظ پر اقلیما خوش ہو گئی تھی۔ پھر کہنے لگی۔

''اب جبکہ ہم اس بستی سے واپس جرجان کا رُخ کریں گے تو کیا آپ کے وہ ساتھی اسی انداز میں آپ کے ساتھ ہوں گے۔''

جواب میں جب محمد بن اشعث نے اثبات میں گردن ہلائی تب اقلیما خوش ہو گئی تھی۔ پھر محمد بن اشعث اٹھا اور کہنے لگا۔

''میرا گھوڑا یہیں ہے۔ میں اپنی دونوں خرجینیں بھی یہیں رکھ کر جا رہا ہوں۔ میں اپنے ساتھیوں کی طرف جاتا ہوں جو سرائے میں قیام کئے ہوئے ہیں اور انہیں پورے

لائحۂ عمل سے آگاہ کر کے واپس آتا ہوں۔ عشاء تک میں یہیں قیام کروں گا اور عشاء کے بعد تم دونوں کو لے کر یہیں سے رخصت ہوں گا۔“

اقلیما نے بخوشی اس سے اتفاق کیا تھا۔ اس کے بعد محمد بن اشعث وہاں سے اٹھ کر نکل گیا تھا۔ اسی روز عشاء کے بعد محمد بن اشعث، اقلیما اور ارم دونوں بہنوں کو لے کر دریائے دجلہ کے کنارے کی اس بستی سے جرجان کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

محمد بن اشعث، اقلیما اور ارم تینوں اس شاہراہ پر سفر کر رہے تھے جو بصرہ سے اہواز، وہاں سے نہاوند، ہمدان، قم، الموت، طبرستان اور استرآباد سے ہوتی ہوئی جرجان کی طرف جاتی تھی۔

جب تینوں الموت کے کوہستانی سلسلے سے ذرا آگے بلند پہاڑی سلسلے میں سے گزر رہے تھے، تب تیز برف باری شروع ہو گئی تھی۔ گو ان کے پاس تین گھوڑے تھے لیکن ایک گھوڑا جو ارم کے لئے لیا گیا تھا، وہ خالی تھا۔ اس لئے کہ ارم کی طبیعت بگڑ چکی تھی اور وہ اکیلی گھوڑے پر سفر نہ کر سکتی تھی۔ لہٰذا اقلیما نے اسے اپنے آگے بٹھا کر سنبھالا دے رکھا تھا۔ جب برف باری شروع ہوئی تب اقلیما نے اپنے اور اپنی بہن کے اوپر بڑی چادر ڈال لی تھی۔ ایسے ہی محمد بن اشعث نے بھی کیا تھا۔

اس موقع پر اچانک محمد بن اشعث چونک پڑا۔ اس لئے کہ اقلیما نے اپنے گھوڑے کی باگ کھینچتے ہوئے اسے روک دیا تھا۔ کوہستانی سلسلے میں برف باری اب لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتی جا رہی تھی اور دھرتی کا سینہ سفیدی مائل ہونا شروع ہو گیا تھا۔

اقلیما نے جب اپنے گھوڑے کو روکا تب اس کی طرف تعجب سے دیکھتے ہوئے محمد بن اشعث بول اٹھا۔

”کیا بات ہے؟ تم نے گھوڑے کو کیوں روک دیا ہے؟“

اقلیما رو دی تھی۔ اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے محمد بن اشعث پگھل گیا تھا۔ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر جب وہ اس کے قریب گیا تب اس نے دیکھا، لگاتار آنسو اقلیما کی آنکھوں سے گر رہے تھے۔ دوبارہ اسے مخاطب کر کے وہ کچھ پوچھنا ہی چاہتا تھا کہ اس بار نحیف سی ٹوٹتی بکھرتی آواز میں ارم نے محمد بن اشعث کو مخاطب کیا۔

''بھائی! میری طبیعت بہت زیادہ خراب ہوگئی ہے۔ میں اب مزید سفر نہیں کرسکتی۔ آپ کی مہربانی یہاں کوئی ٹھکانہ تلاش کریں جہاں کچھ دیر ستالیں۔ اس کے بعد شاید میں سفر کرنے کے قابل ہو جاؤں۔''

محمد بن اشعث نے کچھ سوچا، پھر اقلیما کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تم یہیں رُکو۔ میں برف باری سے بچنے کے لئے کوئی مناسب جگہ ڈھونڈتا ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی وہ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر ایک طرف ہولیا تھا۔ کچھ دیر تک وہ اقلیما کی نگاہوں سے اوجھل رہا۔ اس دوران بے چاری اقلیما مارے خوف اور ڈر کے کانپتی رہی تھی۔ اسے اس وقت کچھ تسلی ہوئی جب محمد بن اشعث اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا واپس آیا اور اقلیما کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاؤ اور میرے پیچھے پیچھے آؤ۔''

اس پر اقلیما کسی قدر مطمئن انداز میں اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتی ہوئی محمد بن اشعث کے پیچھے پیچھے ہولی تھی۔

تھوڑا سا آگے جا کر انہوں نے دیکھا، وہاں ایک مصنوعی کھوہ تھی جسے کسی نے خود تراش کر بنایا تھا اور تھوڑا سا زمین کا کھلا ٹکڑا تھا جو کسی قدر کوہستانی سلسلے کے اندر سا ہو گیا تھا اور اس کے اوپر ایک چٹان چھت کی صورت میں آگے نکل گئی تھی۔ ادھر اس چھت نما چٹان کے نیچے آ کر محمد بن اشعث نے اپنے گھوڑے کو روک دیا، نیچے اُترا۔ وہاں آ کر محمد بن اشعث کے پیچھے پیچھے اقلیما نے بھی اپنے گھوڑے کو روک دیا تھا اور جو گھوڑا خالی پیٹھ آ رہا تھا وہ بھی وہاں آ کر رک گیا تھا۔ گھوڑے سے اُترنے کے بعد محمد بن اشعث نے اقلیما کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

''تم تھوڑی دیر یہیں رکو۔ میں یہاں صاف ستھری جگہ اِرم کے لئے بستر لگاتا ہوں۔ اس کے بعد اسے گھوڑے سے نیچے اُتارتا ہوں۔''

فالتو گھوڑے کے ساتھ جو بستر بندھا ہوا تھا، اسے کھول کر محمد بن اشعث نے زمین پر رکھا، وہاں تھوڑی سی خشک گھاس پڑی ہوئی تھی اس کے ذریعے اس نے زمین کو صاف کیا، بستر لگا دیا۔ اس کے بعد وہ اقلیما کے گھوڑے کے پاس آیا۔ بڑے پیار اور بڑی نرمی سے اس نے اِرم کو گھوڑے کی پیٹھ سے اتار کر اپنی پیٹھ پر لادا۔ اس موقع پر

اقلیما بڑی ممنونیت اور بڑی اپنائیت سے اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ بستر کے قریب لا کر بڑی احتیاط اور انتہائی نرمی سے اس نے اِرم کو بستر پر لٹا دیا۔ اتنی دیر تک اقلیما بھی اپنے گھوڑے سے اُتر گئی تھی۔

اس کے بعد محمد بن اشعث حرکت میں آیا۔ پہلے تینوں گھوڑوں کو اس نے چھت نما چٹان کے نیچے پتھروں سے باندھ دیا تھا۔ اس کے بعد اُس نے اپنے گھوڑے سے بندھا ہوا کلہاڑا اُتارا اور اقلیما کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''تم یہیں اِرم کے پاس بیٹھو۔ یہاں لکڑیاں اور گھاس اکٹھا کرنا بڑا ضروری ہے۔ برف باری دیکھو تیز ہو رہی ہے اور سردی میں یہاں رات بسر کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس لئے آگ کا الاؤ روشن کیا جائے گا۔''

اس موقع پر بڑی ممنونیت سے محمد بن اشعث کی طرف دیکھتے ہوئے اقلیما کہنے لگی۔

''ذرا رُکیں۔ میں بھی آپ کے ساتھ جاتی ہوں۔''

محمد بن اشعث نے نفی میں گردن ہلائی اور کہنے لگا۔

''نہیں........تم یہیں رُکو۔ اِرم پر نگاہ رکھو۔''

اقلیما نے پھر احتیاطاً محمد بن اشعث کو مخاطب کر کے پوچھ لیا۔

''کیا ہم تینوں کے لئے یہاں کوئی خطرہ تو نہیں؟''

جواب میں محمد بن اشعث مسکرایا اور کہنے لگا۔

''تم ایسا سوچو بھی نہیں۔ تم یہاں اکیلی نہیں ہو۔ تم کسی کی حفاظت میں ہو اور وہ تمہیں گزند نہیں پہنچنے دے گا۔ بالکل بے فکر ہو جاؤ۔''

محمد بن اشعث کے ان الفاظ پر اقلیما خوش ہوگئی تھی جبکہ محمد بن اشعث اپنا کلہاڑا لے کر ایک طرف ہولیا تھا۔

کوئی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اُس چٹان کے اوپر سے محمد بن اشعث کی آواز سنائی دی۔ اقلیما کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

''اقلیما! اس چٹان کے چھجے سے باہر نہ نکلنا۔ اس کے نیچے رہنا۔''

جواب میں اقلیما کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ اوپر سے کٹی ہوئی لکڑیاں نیچے گرنا شروع ہوگئی تھیں۔ یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے اقلیما ہی نہیں، اِرم کے مُردہ چہرے پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوگئی تھی۔ یہاں تک کہ کافی کٹی ہوئی لکڑیاں نیچے گر گئیں۔ اس کے

بعد جلد ہی بھاگتا ہوا محمد بن اشعث بھی لوٹ آیا۔ اس کے پاس گھاس کا ایک گٹھا تھا۔ جونہی وہ اقلیما اور اِرم کے پاس چٹان کے نیچے آیا۔ اقلیما فوراً اُسے، مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگی۔

’’ابھی آپ تھوڑی ہی دیر ہوئی، گئے ہیں اور اتنی جلدی اس قدر لکڑیاں کاٹنا اور پھر گھاس جمع کرنا ناممکنات میں سے ہے۔ یہ آپ کہاں سے لے آئے؟‘‘

جواب میں محمد بن اشعث مسکراتا اور کہنے لگا۔

’’اقلیما! تم جانتی ہو، میں اکیلا نہیں ہوں۔ میرے ساتھیوں نے میرے آگے آگے آتے ہوئے سارے کام انجام دیئے تھے۔ جس وقت برف باری شروع ہوئی تھی اور ہم اس کوہستانی سلسلے میں داخل ہوئے تھے، یہ چٹان جو شاہراہ کی طرف اُبھری ہوئے ہے جسے کسی نے کاٹ اور تراش کر ایک پناہ گاہ بنا دیا ہے، یہ میرے ساتھیوں ہی نے دیکھی تھی اور جب میں تمہیں اِرم کے پاس چھوڑ کر اس طرف آیا تھا تو ان سے میری ملاقات ہوئی۔ انہوں نے تھوڑا سا آگے اپنے لئے بھی ایک محفوظ ٹھکانہ بنا لیا ہے۔ وہاں وہ اپنے گھوڑوں کے ساتھ الاؤ گرم کریں گے۔ ساری لکڑیاں بھی انہوں نے کاٹی ہیں۔ گھاس بھی انہوں نے جمع کیا ہے۔ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔‘‘

محمد بن اشعث کے ان الفاظ پر اقلیما مسکرا دی تھی۔ پھر تراش خراش کی ہوئی دیوار کے ساتھ اس نے گھاس کا گٹھا رکھا۔ پہلے اس پر چھوٹی لکڑیاں ڈالیں، پھر ان کے اوپر کچھ باقی لکڑیاں بھی ڈال دی تھیں۔ پھر اس کے بعد اس نے گھاس کو آگ لگا دی تھی۔

گھاس جلنے کے بعد چھوٹی لکڑیوں نے آگ پکڑی اور اس کے بعد بڑی لکڑیاں بھی آگ پکڑ چکی تھیں۔ اس طرح الاؤ گرم ہو گیا تھا اور برف باری میں اُبھری ہوئی چٹان کا وہ حصہ گرم ہونا شروع ہو گیا تھا۔

اس کے بعد محمد بن اشعث اُٹھا، جو لکڑیاں باہر پڑی ہوئی تھیں وہ بھی اُٹھا کر اندر رکھنے لگا۔ جس پر اقلیما بھی چونکتے ہوئے اُٹھی اور جب اُس نے لکڑیاں اُٹھا کر اندر لانا چاہا اور محمد بن اشعث کی مدد کرنا چاہی، تب محمد بن اشعث نے اُس کے ہاتھ سے وہ لکڑی لے لی جو اُس نے پکڑی ہوئی تھی اور اُسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

’’یہ تمہارا کام نہیں ہے۔ چونکہ میں تمہاری حفاظت کا ذمہ لے چکا ہوں لہٰذا یہ سب کام میرے کرنے کے ہیں۔ تم جا کر صرف اپنی بہن کے پاس بیٹھو۔‘‘

اس موقع پر اقلیما نے عجیب سی ممنونیت اور اپنائیت میں محمد بن اشعث کی طرف دیکھا، پھر چپ چاپ اس کے کہنے پر اِرم کے پاس بیٹھ گئی۔ محمد بن اشعث نے ساری لکڑیاں اُٹھا کر آگ کے جلتے ہوئے الاؤ کے پاس رکھ دی تھیں۔ اس کے بعد اُس نے اپنے اوپر اوڑھی ہوئی چمڑے کی چادر اُتاری۔ اتنی دیر تک اقلیما بھی حرکت میں آئی۔ اپنے اور محمد بن اشعث کے گھوڑے کے ساتھ جو بستر بندھے ہوئے تھے، وہ اس نے جلدی جلدی اُتار لئے اور گھاس کا چھوٹا سا ایک گٹھا بنا کر اُس نے زمین صاف کی، پہلے اپنی بہن اِرم کے پاس اُس نے اپنا بستر لگایا، ساتھ ہی محمد بن اشعث کا بھی لگا دیا تھا۔ محمد بن اشعث اُس کے ایسا کرنے پر مسکرا رہا تھا۔ اس کے بعد محمد بن اشعث تینوں گھوڑوں کی طرف بڑھا اور ان کی باگیں کھول کر انہیں کسی قدر الاؤ کے قریب کر دیا تھا تاکہ سردی سے بچے رہیں۔

دونوں آگ کے الاؤ کے پاس بیٹھ گئے۔ پھر محمد بن اشعث نے پانی کا مشکیزہ لیا، اپنے گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھا ہوا لکڑی کا پیالہ اُس نے اُتارا، پیالے میں پانی ڈالا، پھر اِرم کے سر کے نیچے ہاتھ رکھتے ہوئے اسے اُٹھایا، پھر نرمی سے اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

’’میری بہن! پہلے تھوڑا سا پانی پی لو۔ اس کے بعد........‘‘

یہاں تک کہتے کہتے محمد بن اشعث کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لئے کہ اقلیما نے اُس کی بات اُچک لی اور اِرم اور محمد بن اشعث دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے دھیمے لہجے اور ہلکی مسکراہٹ میں کہنے لگی۔ ’’اس کے بعد کھانا کھاتے ہیں۔‘‘

محمد بن اشعث کے اس طرح سہارا دینے پر اِرم نے ممنونیت سے اس کی طرف دیکھا، پانی پیا، پیالہ محمد بن اشعث نے ایک طرف رکھ دیا۔ پھر اُس نے اپنے گھوڑے کی زین اُتاری، زین اُتار کر اس نے اس کے اوپر دو چرمی چادریں ڈالیں، اس کے بعد اِرم کے پیچھے اُس زین کی اُس نے ٹیک لگا دی تھی۔

اتنی دیر تک اقلیما جو گھر سے زادِ راہ لے کر آئی تھی، وہ کھول کر اپنے بستر پر لگانے لگی تھی۔ جب وہ کھانے کی چیزیں لگا چکی تب اچانک اسے کوئی خیال گزرا۔ ایک گہری نگاہ اُس نے محمد بن اشعث پر ڈالی، پھر کہنے لگی۔

’’ہمارے پاس کھانے کی بہت چیزیں ہیں۔ آپ اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو

آواز دے کر یہاں بلائیں۔ تاکہ وہ اپنے لئے کھانے پینے کا سامان لے جائے۔ آپ خود نہ جایئے گا۔ اس لئے کہ میں اور ارم یہیں اکیلی نہیں رہیں گی۔ ان کوہستانی سلسلوں کے اندر تیزی سے گرتی برف کے اندر کسی وقت ہمارے لئے کوئی خطرہ اٹھ سکتا ہے۔ کوئی دشمن ہمارے تعاقب میں نہ بھی ہوا تو یہ جنگل ویرانہ ہے۔ کوئی جنگلی جانور ہی ہمیں اپنا ہدف بنا سکتا ہے۔ لہٰذا میری آپ سے التماس ہے کہ اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو آواز دے کر بلایئے۔''

جواب میں محمد بن اشعت مسکرایا اور کہنے لگا۔

''ایسا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کے پاس وافر مقدار میں کھانے کا سامان ہے اور جس سرائے میں انہوں نے قیام کیا تھا، وہاں سے وہ سب کچھ لے کر چلے ہیں۔''

محمد بن اشعت کے اس جواب پر اقلیما کسی حد تک مطمئن ہو گئی تھی۔ دوبارہ اس نے محمد بن اشعت کو مخاطب کیا۔

''آپ کے ساتھ آپ کے کتنے ساتھی ہیں؟''

''دو۔'' محمد بن اشعت نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہہ دیا تھا۔

''لیکن اکثر آپ کے ساتھ تین ساتھی ہوا کرتے تھے۔''

اس پر محمد بن اشعت کہنے لگا۔

''تمہارا اندازہ درست ہے۔ لیکن میں نے تمہارے ماموں کی بستی سے اپنے ایک ساتھی کو واپس انبار شہر کی طرف بھجوا دیا ہے۔ جو میرا ساتھی واپس گیا ہے، اس کا نام روح بن حاتم ہے۔ اس کے ہاتھ میں نے اپنے خالہ زاد خازم بن خزیمہ کو یہ پیغام بھجوا دیا ہے کہ میں اندلس کا رخ نہیں کر رہا بلکہ دریائے دجلہ کے کنارے سے جرجان شہر کی طرف جاؤں گا۔''

''کیا آپ اور آپ کے تین ساتھیوں کے علاوہ بھی کسی کو خبر ہے کہ آپ اس طرح ہماری مدد کر رہے ہیں اور ہماری حفاظت کا سامان فراہم کر رہے ہیں؟''

جواب میں محمد بن اشعت مسکرایا، ایک غائر نگاہ اس نے اقلیما پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔

''ہاں بہت سے لوگوں کو اس کی خبر ہے۔ میری ماں کو، میری بہن کو اس کا پتہ ہے۔ اس کے علاوہ میرے خالہ زاد خازم بن خزیمہ کو بھی پتہ ہے کہ میں تم دونوں بہنوں کی حفاظت کا سامان کر رہا ہوں۔ اپنی ماں بہن کے علاوہ میں اپنے خالہ زاد بھائی خازم

بن خزیمہ کو بھی بتا کر آیا تھا کہ میں تم دونوں بہنوں کو اندلس کی طرف لے کر جاؤں گا۔ اب چونکہ ہم اندلس کی طرف نہیں جا رہے، جرجان کا رخ کر رہے ہیں۔ لہٰذا حقیقت حال سے اپنے بھائی خازم بن خزیمہ کو آگاہ کرنے کے لئے میں نے روح بن حاتم کو اس کی طرف روانہ کر دیا تھا۔''

''کیا آپ کے ایسا کرنے سے اور لوگوں کو خبر نہ ہو جائے گی کہ آپ ہم دونوں بہنوں کی حفاظت کا سامان کر رہے ہیں۔ اور کیا ان حالات میں آپ کے لئے بھی خطرات نہ اٹھیں گے؟''

''جن تین ہستیوں کا میں نے ذکر کیا ہے وہ تو مجھے اپنی جان سے بھی عزیز رکھتے ہیں لہٰذا اس راز کو وہ کسی دوسرے تک پہنچا ہی نہیں سکتے۔ لہٰذا اس معاملے کا کسی اور تک پہنچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

محمد بن اشعت کی طرف سے اقلیما مطمئن ہو گئی تھی۔ پھر دونوں کھانا کھانے لگے تھے۔ ساتھ ہی اقلیما لقمہ بنا کر ارم کے منہ میں ڈالتے ہوئے اسے بھی کھانا کھلانے لگی تھی۔

کھانا کھانے کے بعد اقلیما نے کھانے کی بچی ہوئی اشیاء پہلے کی طرح باندھ کر اپنے گھوڑے کی زین سے لٹکا دی تھیں۔ جب وہ واپس لوٹ کر اپنے بستر پر آئی تب محمد بن اشعت اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تم دونوں بہنیں لیٹ کر اب آرام کرو۔ کسی فکر، کسی پریشانی میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ نہ ہو کہ تم یہ سوچتی رہو کہ یہ جنگل ویرانہ ہے، کوئی جنگلی جانور تم پر آ پڑے گا یا کوئی پیچھا کرتے ہوئے ہمیں نقصان پہنچائے گا۔ ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ بس تم دونوں بہنیں آرام سے سو جاؤ۔ میں یہاں بیٹھا ہوں۔ تم دونوں بہنوں پر نگاہ رکھوں گا، تمہاری حفاظت کروں گا۔''

اقلیما منہ سے تو کچھ نہ بولی بس ممنونیت سے اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

پہلے اس نے ارم کو بستر پر لٹایا۔ پھر خود بھی بستر پر لیٹی اور دونوں بہنوں نے کمبل اوڑھ لئے تھے۔

رات بغیر کسی حادثہ کے آسودگی اور آرام سے گزر گئی۔

اگلے روز تینوں نے پہلے اٹھ کر کھانا کھایا، اس کے بعد محمد بن اشعت اپنے گھوڑے

پر زین ڈالنے لگا۔ اتنی دیر تک اقلیما نے بستر لپیٹ کر باندھ دیئے تھے۔ محمد بن اشعث نے جلدی جلدی بستر گھوڑوں کے ساتھ باندھے۔ برف باری اب تھم چکی تھی۔ آسمان پر بادل تھے لیکن کہیں کہیں سے پھٹ چکے تھے۔ سورج طلوع ہو چکا تھا، جس کی روشنی نے ہر شے کو منور اور عیاں کر کے رکھ دیا تھا۔ تاہم رات بھی جو برف باری ہوتی رہی تھی، اس سے زمین کا سینہ سفید ہو چکا تھا۔

اب گھوڑوں پر زین ڈالنے کے بعد محمد بن اشعث نے زور سے اپنے ساتھیوں میں سے شعیب بن رواح کو پکارا اور اپنے کوچ کی اطلاع دی۔ اس کے بعد اقلیما کی طرف دیکھتے ہوئے محمد بن اشعث کہنے لگا۔

''پہلے تم اپنے گھوڑے پر سوار ہو۔ اس کے بعد میں ارم کو تمہارے آگے بٹھاتا ہوں۔ یہ اکیلی اپنے گھوڑے پر سفر نہیں کر سکے گی۔ اس نے صبح کھانے میں کچھ بھی نہیں لیا۔ کمزور اور لاغر ہو چکی ہے۔''

اقلیما نے اس سے اتفاق کیا۔ محمد بن اشعث کے کہنے پر وہ اپنے گھوڑے پر ہو بیٹھی جبکہ محمد بن اشعث نے ارم کو اٹھا کر اس کے آگے بٹھا دیا تھا۔ اقلیما نے اپنے گھوڑے کی باگیں تھام لی تھیں اور ایک ہاتھ سے اپنی بڑی بہن ارم کو اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا۔ اس کے بعد محمد بن اشعث بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ دونوں نے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور اس کوہستانی سلسلے کے اندر آگے جانے والی شاہراہ پر وہ درمیانی رفتار سے اپنے گھوڑوں کو بھگانے لگے تھے۔

ارم کی بیماری کی وجہ سے سفر چونکہ میانہ روی سے ہو رہا تھا، لہٰذا اگلے دن بھی رات آن پڑی تھی۔ چنانچہ اس رات کے پچھلے حصہ میں وہ جرجان جا پہنچے۔ ابھی وہ جرجان سے ایک ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ہوں گے کہ اقلیما کے سامنے بیٹھی ارم کسمسائی، پہلو بدلا پھر انتہائی ٹوٹتی بکھرتی اور دکھ بھری آواز میں اقلیما کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''میری بہن! میں اپنی حالت کا خوب اندازہ لگا رہی ہوں۔ میرے بچنے کی کوئی اُمید نہیں۔ میری کہانی اپنے انجام کو پہنچ چکی ہے۔ میری زندگی کا سفر تمام ہو رہا ہے۔ میرے جسم سے قوت بالکل ختم ہوتی جا رہی ہو۔ دیکھو! حالات کا مقابلہ کرنا........''

اس سے آگے ارم کچھ نہ کہہ سکی۔ اس لئے کہ چیخ مار کر روتے ہوئے اقلیما نے

اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

اقلیما کے ایسا کرنے پر محمد بن اشعث تڑپ کر اپنا گھوڑا اُس کے پاس لایا، پھر اقلیما کو مخاطب کر کے پوچھا۔

''کیا بات ہے؟''

جواب میں جو الفاظ ارم نے ادا کئے تھے، وہ اقلیما نے روتے ہوئے کہہ دیئے تھے۔ محمد بن اشعث بھی پریشان ہو گیا تھا۔ تاہم سفر جاری رہا۔ یہاں تک کہ فضاؤں میں ابھی اندھیرا ہی تھا کہ وہ سالم بن تماضر کی سرائے میں داخل ہوئے۔ اس موقع پر اقلیما نے دیکھا کہ ان کے آگے آگے محمد بن اشعث کے دونوں ساتھی بھی سرائے میں داخل ہوئے تھے۔

محمد بن اشعث اپنے گھوڑے کو اپنے ساتھیوں کی طرف لے گیا۔ کچھ دیر ان سے گفتگو کی، پھر وہ اپنے گھوڑے سے اُتر گیا۔ اس کے بعد اقلیما اور ارم کی طرف آیا اور پہلے اس نے ارم کو گھوڑے سے اُتار کر اپنی پیٹھ پر لادا اور اقلیما کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اقلیما! گھوڑے سے اُتر جاؤ۔ میرے ساتھی سارے گھوڑوں کو اصطبل کی طرف لے جائیں گے۔ گھوڑوں کے ساتھ جو تمہاری اور ارم کی خرجینیں بندھی ہیں، وہ اتار لو۔''

محمد بن اشعث کے کہنے پر اقلیما فوراً حرکت میں آئی۔ اپنے گھوڑے سے اُتری، ارم کے گھوڑے کے ساتھ جو خرجینیں بندھی ہوئی تھیں، پہلے وہ اُتاریں پھر اپنے گھوڑے کے ساتھ بندھی ہوئی خرجینیں بھی اس نے اتار لیں۔ اس کے بعد اقلیما محمد بن اشعث کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''آپ بھی تو اپنے گھوڑے کے ساتھ بندھی ہوئی خرجینیں اُتار لیں۔''

اس پر محمد بن اشعث کہنے لگا۔

''تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے ساتھی سب کچھ سنبھال لیں گے۔ تم میرے ساتھ آؤ۔''

اس کے ساتھ ہی ارم کو اپنی پیٹھ پر اٹھائے محمد بن اشعث، سالم بن تماضر کی رہائش گاہ کی طرف گیا جبکہ دونوں ساتھی گھوڑوں کو لے کر سرائے کے اصطبل کی طرف ہو لئے تھے۔

اِرم کو اپنی پیٹھ پر لادے ہی لادے آگے بڑھ کر محمد بن اشعث نے سالم بن تماضر کی حویلی کے دروازے پر دستک دی تھی۔ پہلی دستک پر کسی ردِعمل کا اظہار نہ ہوا۔ اس پر محمد بن اشعث نے پہلے کی نسبت سختی سے دروازے پر دستک دی۔ تب تھوڑی دیر بعد اندر سے ایک آواز سنائی دی۔

''کون ہے؟''

محمد بن اشعث پہچان گیا، وہ آواز سالم بن تماضر کی تھی۔ اس بناء پر وہ بول اُٹھا۔

''ابنِ تماضر! میں محمد بن اشعث ہوں۔ میرے ساتھ اقلیما اور اس کی بہن اِرم ہے۔ دروازہ کھولیں۔''

محمد بن اشعث کے ان الفاظ کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا تھا۔ سامنے سالم بن تماضر کھڑا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ محمد بن اشعث اقلیما کی بہن کو اپنی پیٹھ پر اٹھائے ہوئے ہے اور اقلیما اس کے پیچھے ہے تب اس نے توصیفی انداز میں محمد بن اشعث کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''بیٹے! میرا اللہ تمہیں اس کی جزا دے گا۔''

پھر اُس نے بڑے پیارے انداز میں پہلے محمد بن اشعث کی پیٹھ پر لدی اِرم کے سر پر ہاتھ پھیرا، پھر اقلیما کو پیار کیا۔ اتنی دیر تک محمد بن اشعث اور اقلیما دونوں حویلی میں داخل ہو گئے۔ سالم بن تماضر نے حویلی کا دروازہ بند کر دیا۔ اتنی دیر تک سالم بن تماضر کی بیوی رملہ، بیٹی کلثوم اور بیٹا سعید تینوں اندرونی حصہ سے نکل کر صحن میں آ گئے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ محمد بن اشعث اور اقلیما آئے ہیں، تب ان تینوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ پہلے رملہ اور کلثوم بھاگ کر آگے بڑھیں، اقلیما سے گلے ملیں۔ اس موقع پر اقلیما نے محمد بن اشعث کی پیٹھ پر لدی اِرم کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''یہ میری بڑی بہن اِرم ہے۔''

اتنی دیر تک سعید بن سالم بھی آگے بڑھ کر محمد بن اشعث سے لپٹ گیا تھا۔ اس موقع پر سالم بن تماضر کی بیوی رملہ فوراً حرکت میں آئی اور محمد بن اشعث کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''میرے بچے! لگتا ہے، تم تینوں سردی میں سفر کرتے رہے ہو اور اقلیما کی بہن اِرم مجھے بیمار لگتی ہے۔ اسے میرے پیچھے پیچھے ایک کمرے میں لاؤ۔''

چنانچہ سب رملہ کے پیچھے ہو لئے۔ اس کمرے میں ایک خاصی بڑی مسہری لگی ہوئی تھی جس پر صاف ستھرا بستر تھا۔ رملہ نے محمد بن اشعث کو مخاطب کر کے کہا۔

''بیٹے! اِرم کو اس بستر پر لٹاؤ۔''

اتنی دیر تک وہ ایک انتہائی صاف ستھری رضائی لے آئی۔ جب ارم کو محمد بن اشعث نے اس بستر پر لٹا دیا تب رملہ نے اس کے اوپر وہ رضائی ڈال دی تھی۔

پھر رملہ نے اپنی بیٹی کلثوم کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔

''میری بچی! آ سب کے لئے کھانا تیار کرتے ہیں۔''

اس کے ساتھ ہی رملہ اور کلثوم باہر نکل آئی تھیں۔ باہر اب روشنی کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ سورج طلوع ہونے والا تھا۔ سالم بن تماضر نے محمد بن اشعث کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

''ان دونوں بہنوں کو میرے خیال میں آرام کرنے دیں۔ آؤ ہم دونوں دوسرے کمرے کی طرف جاتے ہیں۔''

اس پر محمد بن اشعث منہ سے کچھ نہ بولا۔ چپ چاپ سالم بن تماضر کے ساتھ ہو لیا تھا۔

اس موقع پر جبکہ اِرم مسہری پر دراز تھی اور اس کے سامنے ایک نشست پر اقلیما بیٹھی ہوئی تھی، تب ہلکا سا تبسم جو شاید اِرم نے زبردستی اپنے لبوں پر بکھیرا تھا، اس تبسم کے سائے میں اقلیما کی طرف دیکھا۔ نحیف ڈوبتی آواز میں کہنے لگی۔

''اقلیما! آ میرے پاس آ کر بیٹھ۔''

اقلیما فوراً اُٹھی اور ارم کی مسہری پر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر خاموشی رہی، پھر اِرم نحیف سی آواز میں کہنے لگی۔

''جو گفتگو میں تم سے کرنے لگی ہوں، یوں جاننا ایک ماں اپنی بیٹی سے گفتگو کر رہی ہے۔ میں تیری بڑی بہن ہوں، ماں کی جگہ ہوں۔ اقلیما! اس موقع پر میں ان حادثات کا ذکر نہیں کروں گی جو ہم پر بیتے ہیں۔ میں تم پر یہ واضح کرنا چاہتی ہوں کہ انسان کی زندگی میں محبت کے حروف زیست کی سیاہی تک میں ساعتوں کے رسیلے نغمے بھر دیتے ہیں۔ دل کی بستیوں میں چاہت، خوشبو لدے جھونکے کی طرح داخل ہو جاتی ہے۔ محبت سوچوں کے سرور، روح کی راحت کی مانند ہے۔ دیکھ میری بہن! زندگی کے میلے میں

جس کسی کو محبت اور اُلفت کے لمحات ملتے ہیں اس کی زیست مچلتے بہتے حسین رنگوں کی طغیانیوں اور چنبیلی کی خوشبو میں ڈھلتی سانسوں سے بھی زیادہ خوش کن ہو جاتی ہے۔ یہ محبت چپ کے پردوں کی طرح آتی ہے اور صحرا کو گلستان و جدائی کے خاک زاروں کو آسودگی اور راحت کی ساعتوں، موت کے سناٹوں کو خوش کن صداؤں کے رقص، بد باطن، خودسر لمحوں کو مسیح پُرفسوں سا زم، عذابوں کے بسیروں کو سکون کے لطیف سایوں، خاک و خون کرتے جذبوں کو فضاؤں میں چاہت کی روانی اور فتنوں کا باعث بنتے لمحوں تک کو گرمیٔ شوق کی کرنوں میں تبدیل کر دیتی ہے۔ اس چاہت اور محبت میں بڑی طاقت، بڑا زور، بڑی قوت ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد ارم جب خاموش ہوئی تب اس کی طرف غور اور جستجو بھرے انداز میں دیکھتے ہوئے اقلیما کہنے لگی۔

''میری بہن! میں کچھ نہیں سمجھی تم کیا کہنا چاہتی ہو؟''

ارم کچھ دیر خاموش رہ کر دم لیتی رہی، پھر کہنے لگی۔

''جو کچھ میں پوچھنا چاہتی ہوں وہ تو میں پوچھوں گی ہی۔ میں خوش قسمت ہوں کہ سب لوگ چلے گئے ہیں اور مجھے اور تمہیں تنہائی میسر آ گئی ہے۔ جس وقت مجھے اس مسہری پر لٹایا گیا تھا، میں خواہش کر رہی تھی کہ ہم دونوں بہنوں کو تھوڑا سا وقت علیحدگی کا دے دیا جائے۔ شاید قدرت مجھ پر مہربان ہے۔ دیکھو! جو کچھ میں پوچھنے لگی ہوں، جھوٹ مت کہنا۔''

اقلیما نے ارم کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر چومے، پھر کہنے لگی۔

''میری بہن! تم پوچھو۔ تم جانتی ہو مجھے جھوٹ بولنے کی عادت نہیں ہے۔ جو بھی تم پوچھو گی، سچ بتاؤں گی۔''

لمحہ بھر کے لئے ارم نے اقلیما کی آنکھوں میں جھانکا، پھر کہنے لگی۔

''بتا! کیا تُو محمد بن اشعث کی طرف مائل ہے؟''

اقلیما ارم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر غور سے دیکھنے لگی تھی۔ ارم پھر بول اُٹھی۔

''میری بہن! یوں نہیں۔ میں تیرے منہ سے کچھ سننا چاہتی ہوں۔''

اقلیما نے پہلے اثبات میں گردن ہلائی، پھر کہنے لگی۔

''میری بہن! تیرا اندازہ درست ہے۔ میں خیال کرتی ہوں شاید میں محمد بن اشعث کے لئے پیدا ہوئی ہوں۔ اُن کی ہم پر اتنی مہربانیاں، اتنے احسانات ہیں کہ میں آپ سے آپ محبت کی ڈور میں بندھی اُن کی طرف کھنچتی چلی گئی ہوں۔ گو میں نے کبھی اظہار نہیں کیا۔ آج آپ نے پوچھا ہے تو میری عزیز بہن! میں تسلیم کرتی ہوں کہ میں محمد بن اشعث کی طرف مائل ہو چکی ہوں۔ کیا آپ اسے ناپسند کرتی ہیں؟''

دھیمے سے انداز میں ارم نے نفی میں گردن ہلائی، پھر کہنے لگی۔

''تُو نے یہ جواب دے کر مجھے آسودہ اور خوش کر دیا ہے۔ قسم زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے کی کہ مجھے تم سے ایسے ہی جواب کی توقع تھی۔ اب میں پُرسکون انداز میں اپنی زندگی کا انجام دیکھ سکوں گی۔''

اقلیما تڑپ سی اُٹھی تھی، کہنے لگی۔

''میری بہن! یہ آپ کس قسم کی گفتگو کرنے لگی ہیں؟''

اس پر ارم دُکھ بھرے انداز میں کہہ رہی تھی۔

''سن اقلیما! میری عزیز بہن! میں اپنی بیماری کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ میں تجھ سے آج کوئی چیز چھپاؤں گی نہیں۔ اس لئے کہ میری زندگی کا سفر اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے۔ میری زیست کسی بے کار لمحے کی طرح فضاؤں میں بکھرتی جا رہی ہے۔ میری ذات قطرہ قطرہ ہو کر ڈوبتی چلی جا رہی ہے۔ میری عزیز بہن! دھوپ چھاؤں کا یہ کھیل روتے بادلوں کی طرح ختم ہونے والا ہے۔ میری ذات کی فصیل میں اس بیماری نے جو شگاف ڈالا تھا وہ علاج معالجے سے بھی بھر نہ سکا۔ سن اقلیما! میری عزیز بہن! میرے احساس کے سفینوں میں موت خاموشی کے ساغر کی طرح وارد ہو چکی ہے۔ میرے لہو کی روانی اور روح کے سفر تک میں قضا کے رنگ بکھر چکے ہیں۔ کرب کے لاختم موسموں اور سلگتی دھوپ اور گرم ہواؤں کا کھیل ختم ہونے کو ہے۔ دیکھ میری عزیز بہن! موت جو خوابوں کو توڑ کر رکھ دیتی ہے، لشکروں کو ڈبو دیتی ہے۔ سرد و گرم گھٹاؤں کی طرح مجھ پر وارد ہونے کے درپے ہے۔''

یہاں تک کہتے کہتے کچھ دیر کے لئے ارم خاموش ہو گئی، اپنے آپ کو سنبھالا، دوبارہ اقلیما کو وہ مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''میری عزیز بہن! بیماری سے لڑتی لڑتی میری روح اب بری طرح زخمی ہو چکی

ہے۔ میری رگوں میں اُترتے جراحت کے حروف اب اپنا کام تمام کر چکے ہیں۔ میرے قلب ونظر اور آنکھوں میں خون فشانی کے لمحات اپنے انجام تک پہنچ چکے ہیں۔ شب کی سیاہیوں میں بکھری شدت بھری داستانیں میرے تعاقب میں لگ گئی ہیں۔ میری عزیز بہن! اس میں دکھ اور افسوس کرنے کا کوئی مقام بھی نہیں ہے۔ اس لئے کہ انسان افسانوی انداز کا کوئی غیر فانی شاہکار نہیں ہے۔ ایک نہ ایک روز موت کے ہاتھوں کے خونی نشتروں نے زندگی کے رجز کو بے نام آہنوں کی طرح تمام کرنا ہی ہوتا ہے۔ میری ذات کے اندھیرے کاغذوں کے آسمان پر موت اب اپنے حروف رقم کرتی چلی جارہی ہے۔''

ارم کے ان الفاظ پر اقلیما رونے لگی تھی۔ بڑی مشکل سے اپنا ہاتھ ارم نے اس کی ران پر رکھا، پھر کہنے لگی۔

''میرے مرنے کے بعد رونا نہیں۔ میرے مرنے کے بعد محمد بن اشعث کا خیال رکھنا۔ میں جانتی ہوں وہ تمہارا بہترین خیال اور عمدہ دیکھ بھال کر سکے گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کچھ دیر کے لئے ارم پھر رُکی، اس کے بعد پہلے کی نسبت زیادہ دکھ بھرے انداز میں وہ کہہ رہی تھی۔

''بنو اُمیہ کا خاتمہ کرنے کے بعد بنو عباس شاید یہ بھول گئے ہیں کہ خدا کیا ہے؟ ناخدا کیا ہے؟ سزا کیا ہے؟ جزا کیا ہے؟ بغاوت وسرکشی کے یہ پجاری اعمال کی بھیانک سیاہی پھیلانے والے آج ہمارے سینوں میں طنز کے الاؤ جلاتے ہیں۔ ہماری آنکھوں کی عبادت گاہوں میں قہر آلود بچھو کی طرح ڈنک مارتے ہیں۔ پر میری بہن! میرا دل کہتا ہے ایک روز پرانے طاقچوں میں ان کا چراغ بھی گل ہوگا۔ ان کی جھوٹ کی مٹی کا گارا بہہ جائے گا۔ وحشت کی بنیاد بنتے اعتقادات بکھر جائیں گے۔ آج یہ لوگ ہمارے لئے کارزارِ حیات میں بے قرار قیامتیں کھڑی کر رہے ہیں۔ ہوس کے نگار خانوں میں درد بھرے لمحات اُٹھا رہے ہیں۔ جابروں کے سے ہولناک جبر میں نہ جانے یہ کیوں اُمت میں انتشار اور بے یقینی پھیلا رہے ہیں۔ آج یہ بنو عباس اطلس و دیبا میں ملبوس ہیں۔ میرا دل کہتا ہے آنے والے دور میں یہ ویران آنکھوں اور خالی پیٹ میں بھیک منگوں کی حرص بھری خواہشوں سے بھی زیادہ بھیانک ہو جائیں گے۔ میرا دل یہ بھی کہتا ہے کہ ہمارا انجام جو ہوا سو ہوا، ان کا انجام ہم سے بھی دس گنا برا، بھیانک اور عذاب

ناک اور کرب خیز ہوگا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد تھوڑی دیر کے لئے ارم رک گئی تھی دوبارہ اقلیما کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''اب تُو اُٹھ جا اور محمد بن اشعث کو میری طرف بھیج۔ خود مطبخ کی طرف چلی جانا۔ جس طرح میں نے تم سے اس موضوع پر علیحدگی میں گفتگو کی ہے اسی طرح میں محمد بن اشعث سے بھی گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔ تمہارے خیالات، تمہارے رجحانات میں جان چکی ہوں۔ اسی موضوع پر محمد بن اشعث سے بھی بات کرتی ہوں اور دیکھتی ہوں تمہارے متعلق اس کے کیا خیالات اور رجحانات ہیں؟''

اپنی بڑی بہن ارم کے کہنے پر اقلیما اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑی ہوئی، باہر نکلی۔ برآمدے میں سے ہوتی ہوئی دوسرے کمرے کی طرف چلی گئی۔ اس کمرے میں اس وقت سالم بن تماضر اور محمد بن اشعث کے علاوہ عدی بن عمیر بھی بیٹھا گفتگو کر رہا تھا۔ جونہی عدی بن عمیر نے اقلیما کو دیکھا، اپنی جگہ سے اٹھ کر لپکا۔ آگے بڑھ کر اقلیما کے سر کو بوسہ دیا، اسے پیار کیا، اس کا احوال پوچھا۔ جب وہ ایسا کر چکا تب اقلیما نے محمد بن اشعث کو دیکھا اور دھیمے لہجے میں کہنے لگی۔

''آپ کو ارم بلا رہی ہے۔''

سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر اپنی جگہ پر بیٹھے رہے۔ محمد بن اشعث اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں کمرے سے نکل کر برآمدے میں آئے۔ چنانچہ محمد بن اشعث نے اقلیما کو مخاطب کیا۔

''خیریت تو ہے، ارم کیا کہتی ہے؟''

اس پر اقلیما کہنے لگی۔

''میں نہیں جانتی وہ کیا کہنا چاہتی ہے، وہاں آپ کو کیوں بلایا ہے۔ میں ذرا مطبخ کی طرف جاتی ہوں، آپ ارم کی طرف جائیں۔''

اقلیما مطبخ کی طرف چلی گئی۔ محمد بن اشعث ارم کے کمرے میں داخل ہوا۔ جب اُس نے مسہری کے سامنے ایک نشست پر بیٹھنا چاہا تب ارم نے دھیمے لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

''ابن اشعث! میرے بھائی! وہاں نہیں، یہاں مسہری پر آکر بیٹھو۔''

محمد بن اشعت چپ چاپ آگے بڑھا اور جس نشست پر وہ بیٹھنا چاہتا تھا اُس نشست کو کھینچتا ہوا اِرم کی مسہری کے قریب لے گیا۔ وہاں بیٹھ گیا، پھر بڑی نرم آواز میں کہنے لگا۔

''میری بہن! تُو نے مجھے کیوں بلایا ہے؟ کیا کوئی خاص کام ہے؟ بولو کیا معاملہ ہے؟ اگر تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہے، تمہارا جی کسی چیز پر چاہتا ہے تو میں ابھی لا دیتا ہوں۔''

جواب میں اِرم نے لحہ بھر کے لئے خاموشی اختیار کی، پھر محمد بن اشعت کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''میرے عزیز بھائی! مجھے کسی شے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں صرف اپنی بہن اقلیما سے متعلق آپ سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔''

''کیسی گفتگو؟'' محمد بن اشعت نے سوالیہ سے انداز اور فکر گیری آواز میں پوچھ لیا تھا۔

ارم کچھ دیر خاموش رہی، پھر اس کی نحیف سی آواز سنائی دی۔

''بھائی! کیا میری ایک بات مان لو گے؟''

اِرم کے ان الفاظ پر محمد بن اشعت تڑپ سا اُٹھا تھا۔ بڑی نرمی اور اپنائیت میں کہنے لگا۔

''بھائی بھی کہتی ہو اور پھر ساتھ ہی یہ بھی کہتی ہو کہ کیا میں تمہاری بات مانوں گا؟ یہ دو متضاد چیزیں ہیں۔ تم میری بہن ہو۔ اگر تمہیں میرے خون کی بھی ضرورت ہے تو یاد رکھنا، محمد بن اشعت اس سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔''

اس موقع پر اِرم نے ایک لمبا سانس لیا، پھر دُکھ بھری آواز میں کہنے لگی۔

''خدا نہ کرے کہ کوئی ایسا موقع آئے۔ میرے عزیز بھائی! موت کی کوکھ میں بیزاری، اُکتاہٹ اور فطرت کی اضطراری لہریں ہم دونوں بہنوں کا مقدر بن چکی ہیں۔ آسمان کو غرا کر دیکھنے والے ہاؤلے بھیڑیے، نفرت کے صفحات پھیلانے والے، وطن کا دل دُکھی کرنے والے، بغاوت کے وظیفہ خواں، سرکشی کے غلیظ غلام، آنے والی نسلوں کے لئے کانٹے بونے والے، چاہتوں، صداقتوں، یگانگت، مفاہمت، محبت بھری رفاقتوں کا قلع قمع کرنے والے ہمارے تعاقب میں ہیں اور ہم روتے بلکتے گونگے

حروف، اشجار کے خنک سایوں، پریشان کن حقیقتوں کی طرح ان کے آگے آگے بھاگ کر اپنی جانیں بچانے پر مجبور ہیں۔ زمین و آسمان کے درمیان پھیلے مناظر میں نشیب ذلت کی وادیاں سجاتا وقت ہمارا مخالف ہو چکا ہے۔ لوگ اب علم و دانش کی طاق، محراب میں جنوں، مستی کی تحریر بھرنے لگے ہیں۔ نئے حکمران جیسل جملوں کی درس گاہوں میں نئے عذابوں کے در کھول رہے ہیں۔ میرے بھائی! ان حالات میں جبکہ آپ کے سوا ہمارا کوئی محافظ، کوئی پرسانِ حال، کوئی پشت بان نہیں ہے تو میں آپ سے گزارش کرتی ہوں کہ میرے بعد اقلیما کا خیال رکھنا۔''

ارم یہیں تک کہنے پائی تھی کہ محمد بن اشعت نے اِرم کا سر تھپتھپایا، کہنے لگا۔

''میری عزیز بہن! مایوسی کی باتیں نہیں کرتے۔ تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔ اقلیما کو کیا ہو رہا ہے؟ کوئی اس کی طرف میلی نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔ اس سے متعلق تم کیوں فکر کرتی ہو؟''

کچھ دیر خاموش رہنے اور اپنی سانس درست کرنے کے بعد اِرم پھر بولی۔

''تھوڑی دیر پہلے جبکہ اقلیما میرے پاس اکیلی بیٹھی ہوئی تھی، میں نے اس سے اس موضوع پر گفتگو کی۔ دیکھو بھائی! میرے بچنے کی کوئی امید نہیں ہے۔ اسی بناء پر میں نے اُس سے اس موضوع پر گفتگو کی۔ اس گفتگو کے دوران اُس نے یہ تسلیم کیا کہ وہ تمہیں پسند کرتی ہے۔ لہٰذا میرے بھائی! میرے بعد اُس سے شادی کر لینا۔ اُس کا خیال رکھنا۔ وہ بڑی مخلص اور جانثار قسم کی لڑکی ہے۔ زندگی بھر تمہیں خوش رکھنے کی کوشش کرے گی۔''

اس سے آگے اِرم کچھ نہ کہہ پائی۔ اس لئے کہ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ بڑی مشکل سے وہ ہونٹ کاٹنے لگی تھی۔ اُس کی یہ کیفیت دیکھتے ہوئے محمد بن اشعت بھی پگھل گیا تھا۔ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ارم نے پھر اپنی حالت درست کرنے کے لئے ایک لمبا سانس لیا، اس کے بعد نحیف اور کرب خیز سی آواز میں پھر کہہ رہی تھی۔

''بھائی! میرے سفینۂ دل میں مصافِ زندگی کی شمع بجھنے والی ہے۔ صف بہ صف کاسۂ سیات میں قضا کے سوز کا زہر بھرتا جا رہا ہے۔ انا و پندار کی ردا سمٹنے والی ہے۔ آندھیوں سے بندھی میری زندگی اور رُوح کی رفاقت تمام ہونے کو ہے۔ گھنے، گہرے اندھیرے میرے دامنِ دل پر وارد ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ احساسات کے اُڑتے

اندھیروں میں مجبوری کا سفر ختم ہونے کو ہے..... تقدیر کے بدترین طنز کے سامنے تدبیر کی ہولناک ناکامی سرنگوں ہو چکی ہے۔ بے سروسامان بھوکے گِدھ مجھ پر وارد ہو رہے ہیں۔ کاغذ نما دل کے کشکول میں روح کے اندھے غاروں میں احساسات کی شکست وارد ہونا شروع ہو گئی ہے..... آندھیوں کے برہم مزاج کے سامنے میری زندگی اب کنیا کے ٹمٹماتے چراغ اور سورج کی چکا چوند کے سامنے ڈھلتے سایوں کی طرح ختم ہونے کو ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد اِرم خاموش ہو گئی تھی۔ آنکھیں موند لی تھیں۔ بڑی تیزی کے ساتھ سانس لے رہی تھی۔ یہاں تک کہ محمد بن اشعث نے بڑے پیار و محبت سے اسے مخاطب کیا۔

''میری بہن! ہمت سے کام لو۔ اپنے آپ کو سنبھالو۔ میں اقلیما کو بلاتا ہوں، وہ تمہیں سنبھالتی ہے۔''

محمد بن اشعث اُٹھنے ہی والا تھا کہ اِرم کی پھر ڈوبتی نحیف، لاغر سی آواز سنائی دی۔

''کاش! جوانی اور شباب کا نکھار یوں مٹی کا ڈھیر نہ بنتا۔ راہوارِ وقت پر تارِ نفس یوں گردن کا پھندا نہ بناتا۔ کاش! خواہشوں کے جھولے، زیست کے دیے یوں تمام نہ ہوتے۔ کاش! ماضی کے شبستانوں کا نیرنگِ فسوں تمام نہ ہوتا۔ کاش! کوئی کیمیا گر، کوئی پارکھ، کوئی مافوق الفطرت انسان دل کے بجھتے دیوں کو پھر سے روشن کر سکتا۔ ڈھلتے سایوں، رُوپ کی ڈھلتی شام کو روک سکتا۔''

اس کے بعد ایک لمبا سانس لے کر اِرم خاموش ہو گئی تھی۔ اُس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے محمد بن اشعث پریشان ہو گیا تھا۔ ایک دم اپنی نشست سے اُٹھا، بھاگتا ہوا باہر آیا اور زور سے پکارتے ہوئے کہنے لگا۔

''اقلیما!..... بھاگ کر اِدھر آؤ..... اِرم کی طبیعت زیادہ خراب ہو رہی ہے۔''

محمد بن اشعث کے ان الفاظ کے جواب میں مطبخ سے اقلیما کے علاوہ رملہ اور کلثوم بھی بھاگتی ہوئی آ گئی تھیں۔ جبکہ دیوان خانہ سے سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر بھی تقریباً بھاگتے ہوئے اس کمرے میں آ گئے تھے۔ اِرم اپنے بستر پر بے سدھ پڑی ہوئی تھی۔ اقلیما بھاگ کر آگے بڑھی۔ اُس کے پلنگ پر بیٹھ گئی، اُس کا سر اپنی گود میں رکھا، گال تھپتھپایا، پھر روتی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔

''اِرم!..... میری بہن! اپنے آپ کو سنبھالو۔ میں تمہاری بہن اقلیما تمہارے پاس ہوں۔''

اس موقع پر اِرم نے بڑی مشکل سے تھوک نگلا، کچھ کہنا چاہا پر کہہ نہ سکی۔ اس کے بعد وہاں کھڑے سب لوگوں نے محسوس کیا کہ وہ کچھ پڑھ رہی تھی۔ اُس کے صرف ہونٹ ہلتے دکھائی دے رہے تھے۔ اُس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے اقلیما چیخیں مار کر رونے لگی تھی۔ ایک بار اُس کی گردن ہلا کر اُسے مخاطب کرنا چاہا، پھر دوسرے لمحے اِرم کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی اور وہ ختم ہو گئی تھی۔ اقلیما اُس سے لپٹ کر رونے لگی تھی۔ رملہ اور کلثوم بھی اِرم کی مسہری پر بیٹھ کر رو دی تھیں۔ قریب کھڑے محمد بن اشعث، سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر اپنی آنکھیں خشک کر رہے تھے۔

رونے کی آواز سن کر سالم بن تماضر کا بیٹا سعید جو اس وقت سرائے میں تھا، وہ بھی بھاگتا ہوا اُدھر آ گیا تھا۔ جب اُسے خبر ہوئی کہ اِرم مر چکی ہے، اقلیما، اُس کی ماں اور بہن رو رہی ہیں، تب وہ بھی پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا۔

اس موقع پر عدی بن عمیر نے اپنے آپ کو سنبھالا اور سالم بن تماضر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''بھائی! آؤ۔ حویلی کے صحن میں ایک طرف دریاں بچھاتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی اعلان کر دو کہ تمہاری تین بیٹیوں میں سے تمہاری بڑی بیٹی جو کچھ عرصہ سے بیمار تھی، جاں بحق ہو گئی ہے۔''

عدی بن عمیر کی اس تجویز سے سالم بن تماضر نے اتفاق کیا تھا۔ پھر اُس نے باہر آ کر اپنی بیٹی کے مرنے کا اعلان کیا۔ حویلی کے صحن میں دریاں بچھا دی گئی تھیں اور افسوس کرنے والے وہاں آ کر بیٹھنے لگے تھے۔ عصر تک حویلی کے اندر کہرام برپا رہا۔

اس کے بعد اِرم کی تجہیز و تکفین کا کام شروع ہوا تو اس موقع پر اقلیما کی حالت ناقابلِ برداشت تھی۔ چیخیں مار مار کر رو رہی تھی۔ اس موقع پر سالم بن تماضر اپنی بیوی رملہ اور بیٹی کلثوم کے پاس آیا اور انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تم دونوں ماں بیٹی اقلیما کو سنبھالو۔ دیکھو یہ بڑا نازک وقت ہے۔ اس کی بہن مر گئی ہے۔ اس دنیا میں وہ اکیلی ہے۔''

اس سے آگے سالم بن تماضر کچھ نہ کہہ سکا، رو دیا۔ الفاظ اس کے حلق میں اٹک

گئے تھے۔ دوبارہ اس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کے بعد اپنی بیوی رملہ کو مخاطب کیا اور رازداری میں کہنے لگا۔

''دونوں ماں بیٹی اقلیما کے پاس جا کر بیٹھو۔ کہیں غم اور دکھ میں اس کے منہ سے کوئی ایسا کلمہ نہ نکل جائے جس سے یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ بنو اُمیہ کے آخری حکمران کی شہزادی ہے۔ مرنے والی اس کی بہن ہے، میری بیٹی نہیں۔ اگر ایسا ہوا تو یاد رکھنا یہ بہت بڑا حادثہ اور المیہ ہو گا۔''

سالم بن تماضر کا کہا مانتے ہوئے رملہ اور کلثوم دونوں ماں بیٹی اقلیما کو سنبھالنے لگی تھیں اور اسے سہارا دیتی ہوئی اسی کمرے میں لے گئی تھیں جس میں ارم کو رکھا جاتا تھا۔ عصر کے وقت ارم کو دفن کر دیا گیا تھا۔

اگلے روز تک اقلیما نے کافی حد تک اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ دوسرے روز کا سورج جب طلوع ہوا، اُس نے اپنے آپ کو درست کیا۔ ساری رات بے چاری روتی رہی تھی۔ ہاتھ منہ دھونے کے بعد وہ اُس جگہ آئی جہاں رملہ اور کلثوم دونوں ماں بیٹی بیٹھی ہوئی تھیں۔ اُسے دیکھتے ہی رملہ اور کلثوم دونوں نے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ اپنے پاس بٹھایا۔ یہاں تک کہ اقلیما نے انہیں مخاطب کیا۔

''سالم اور تماضر اور عدی بن عمیر کہاں ہیں؟''

اس پر رملہ کہنے لگی۔

''رات کو اوس کی وجہ سے صحن سے دریاں اُٹھا دی گئی تھیں۔ میرے خیال میں وہ سرائے کے خدام سے کہہ کر دریاں بچھوا رہے ہیں۔''

اقلیما نے کچھ سوچا، ایک بے بسی کی نگاہ رملہ پر ڈالی، پھر کہنے لگی۔

''کیا محمد بن اشعث رات کو یہاں سے چلے گئے تھے؟''

جواب میں رملہ نے ایک لمبا سانس لیا، کہنے لگی۔

''نہیں بیٹی! وہ رات یہیں تھے۔''

''اس وقت کہاں ہیں؟'' اقلیما نے پھر دُکھ بھری آواز میں پوچھا۔

''بیٹی! صبح سویرے محمد بن اشعث نے سعید کو پھول لانے کے لئے بھیجا تھا اور میرے خیال میں محمد بن اشعث اور سعید دونوں ارم کی تربت پر پھول ڈالنے قبرستان جا چکے ہیں۔''

اقلیما دُکھ بھرے انداز میں کہنے لگی۔

''نہیں مجھے بتا کر جانا چاہئے تھا۔ بلکہ مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہئے تھا۔ میں بھی تو وہاں جانا چاہتی ہوں۔''

جواب میں رملہ پیار بھرے انداز میں کہنے لگی۔

''بیٹی! جس وقت وہ اور سعید جانے لگے تو میں نے محمد بن اشعث سے کہا تھا کہ میں، کلثوم اور اقلیما بھی ساتھ چلتی ہیں۔ پر محمد بن اشعث نے روک دیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس طرح اقلیما کی حالت پھر خراب ہو جائے گی۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا ہے۔ بس بیٹی! اسی بناء پر وہ تمہیں اپنے ساتھ لے کر نہیں گیا۔''

اقلیما اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑی ہوئی اور بڑی رقت خیز آواز میں کہنے لگی۔

''اماں! آپ اور کلثوم میرے ساتھ چلیں۔ میں بھی وہاں جانا چاہتی ہوں۔''

رملہ مان گئی اور کہنے لگی۔

''چل بیٹی! چادر لے، اپنا چہرہ ڈھانپ۔ میں اور کلثوم بھی تیار ہوتی ہیں اور پھر تینوں محمد بن اشعث اور سعید کے پیچھے قبرستان کا رخ کرتے ہیں۔''

اقلیما مطمئن ہو گئی تھی۔ دوسرے کمرے کی طرف گئی، اپنا لباس درست کرنے کے ساتھ ساتھ اس نے بھاری چادر اوڑھ لی، پھر رملہ اور کلثوم کے ساتھ وہ نکلی۔ جب وہ قبرستان میں پہنچی تو اس نے دیکھا کہ وہاں محمد بن اشعث اور سعید دونوں دعا مانگنے کے بعد قبر پر پھول پھیلا رہے تھے۔ محمد بن اشعث اور سعید نے بھی تینوں کو آتے دیکھ لیا تھا۔ لہٰذا محمد بن اشعث نے کچھ پھول بچا لئے تھے۔

اپنی بہن کی قبر کے پاس آ کر اقلیما کچھ نہ بولی، پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ پھر قبر پر بیٹھ گئی اور آنسو بہاتے ہوئے کہنے لگی۔

''اکیلی ہی چلی آئی۔ مجھے بھی اپنے ساتھ لے آتی۔ اُٹھ، مجھے گلے تو لگا۔ ایسے جیسے تُو مجھے اکثر گلے لگا کر ڈھارس دیا کرتی تھی، پیار کرتی تھی۔''

اُس کے یہ الفاظ سن کر رملہ اور کلثوم پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھیں۔ محمد بن اشعث اپنی آنکھیں خشک کرنے لگا تھا۔ سعید روتے ہوئے ہچکیاں لے رہا تھا۔

رملہ اور کلثوم بھی چونکہ رملہ کے پاس بیٹھ کر رونے لگی تھیں اور یہ صورتِ حال محمد بن اشعث کے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔ اس لئے کہ اس کے پہلو میں کھڑا سعید بھی

ہچکیوں اور سسکیوں میں رو رہا تھا۔ ایسے موقع پر ہچکچاتے ہوئے محمد بن اشعث آگے بڑھا، اقلیما کے سر پر ہاتھ رکھا اور دھیمے لہجے میں کہنے لگا۔

''اقلیما! صبر کرو۔ اُٹھو۔ اپنے آپ کو سنبھالو۔ جہاں اِرم گئی ہے، وہاں ہم سب نے چلے جانا ہے اور پھر اس مقام سے کوئی لوٹ کر نہیں آتا۔ انسان کا آخری ٹھکانہ یہی ہے۔ اور اگر انسان اپنے اس آخری ٹھکانے کو ہر وقت نگاہ میں رکھے تو پھر میں سمجھتا ہوں دنیا کے اندر برائی ہی ختم ہو جائے۔ اُٹھو! اب روؤ نہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ تم میرا کہا مانو گی۔''

بیٹھے ہی بیٹھے آنسو بہاتی آنکھوں سے اقلیما نے سر اٹھا کر محمد بن اشعث کی طرف دیکھا، پھر کسی معصوم، فرمانبردار اور تابع فرمان بچے کی طرح اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے رملہ اور کلثوم بھی کھڑی ہو گئی تھیں۔

محمد بن اشعث نے جب اقلیما کو اپنی حالت درست کرنے اور آنسو پونچھنے کے لئے کہا تب اقلیما فوراً حرکت میں آئی، سر پر بندھے ہوئے رومال سے اس نے اپنی آنکھیں خشک کر لیں۔ اس کے بعد محمد بن اشعث نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا وہ کپڑا جس کے اندر پھول بندھے ہوئے تھے، اقلیما کی طرف بڑھایا اور دھیمے لہجے میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''یہ پھول اپنے ہاتھ سے بہن کی قبر پر ڈالو۔''

چپ چاپ اقلیما نے وہ پھول لئے اور اپنی بہن کی قبر پر ڈالنے لگی تھی۔ جب وہ ایسا کر رہی تھی، تب محمد بن اشعث تھوڑا سا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ جب وہ پھول ڈال چکی، تب محمد بن اشعث کہنے لگا۔

''آؤ! سب مل کر اِرم کے لئے دعا کریں۔''

اس کے بعد سب نے ہاتھ اٹھائے، دعا مانگی۔ اور جب پانچوں قبرستان سے نکل رہے تھے، تب اقلیما، محمد بن اشعث کے قریب آئی اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''آپ جب صبح سویرے سعید کے ساتھ اِدھر آئے تھے تو کم از کم مجھے بھی ساتھ لے لیا ہوتا۔''

جواب میں محمد بن اشعث اسے ڈھارس دینے کے انداز میں کہنے لگا۔

''میں نے خود ساتھ نہیں لیا تھا۔ اس لئے کہ تم رات بھر روتی رہی ہو، تمہیں سکون

کی ضرورت ہے۔ یہاں آ کر تم نے پھر رونا شروع کر دینا تھا۔ پھر میرے لئے تمہیں سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔ اب جبکہ تم اماں رملہ اور بہن کلثوم کو ساتھ لے کر آئی ہو، کم از کم یہ دونوں تمہیں سنبھال تو سکتی ہیں۔''

محمد بن اشعث کے ان الفاظ پر اقلیما کسی حد تک مطمئن ہو گئی تھی۔ پھر وہ قبرستان سے نکل کر حویلی کا رخ کر رہے تھے۔

اِرم کی موت کے پانچویں دن جس وقت رملہ اور کلثوم دونوں مطبخ میں کام کر رہی تھیں، سالم بن تماضر دیوان خانہ میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا، سعید سرائے کی طرف گیا ہوا تھا کہ دیوان خانہ میں اقلیما داخل ہوئی اور سالم بن تماضر کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''بابا! میں ایک انتہائی اہم موضوع پر آپ سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔''

سالم بن تماضر نے بڑی شفقت سے اس کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

''میری بچی! کھڑے ہو کر مجھ سے گفتگو نہ کرو۔ میرے سامنے بیٹھو، آرام سے، سکون سے کہو کیا کہنا چاہتی ہو؟''

اقلیما بیٹھ گئی، کچھ سوچا، پھر کہنے لگی۔

''میں نے سنا ہے محمد بن اشعت اب یہاں سے انبار کی طرف کوچ کرنا چاہتے ہیں؟''

اقلیما کے ان الفاظ کے جواب میں سالم بن تماضر نے کچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔

''بیٹی! یقیناً وہ انبار کی طرف کوچ کرنا چاہتا ہے لیکن ان دنوں وہ سخت پریشان ہے۔ اس کی پریشانی کی وجہ تم ہو۔ اس لئے کہ جیسا اس نے مجھ پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے، اس کا کہنا ہے کہ پہلے اقلیما کے پاس اِرم تھی تو اس کا وقت اچھا گزر جاتا تھا۔ بد سے بدتر حالات میں بھی وہ بہن کے ساتھ اپنا اچھا وقت گزار لیتی تھی۔ محمد بن اشعت کا کہنا ہے کہ اب جبکہ اِرم اس دنیا میں نہیں رہی، اقلیما تنہائی محسوس کرے گی۔ محمد بن اشعت نے مجھ سے یہ بھی کہا تھا کہ یقیناً وہ انبار کی طرف جانا چاہتا ہے لیکن ساتھ ہی وہ یہ چاہتا ہے کہ رملہ اور کلثوم دونوں اقلیما کا خیال رکھیں۔ بیٹی! محمد بن اشعت تمہارے متعلق سخت فکرمند اور پریشان ہے۔

بہر حال وہ ابھی اتنی جلدی جائے گا نہیں۔ اس لئے کہ وہ تمہارے متعلق کوئی فیصلہ کرنے کے بعد جائے گا۔''

سالم بن تماضر کی اس گفتگو سے اقلیما کو کچھ حوصلہ ہوا، لہٰذا کچھ سوچنے کے بعد کہنے لگی۔

''بابا! میں خود ان کے ساتھ ایک اہم موضوع پر گفتگو کرنا چاہتی تھی لیکن پھر میں نے سوچا آپ کے ہوتے ہوئے مجھے ایسی گفتگو نہیں کرنی چاہئے۔ آپ میرے باپ ہیں، ایسی گفتگو کرتے آپ ہی اچھے لگتے ہیں۔ بابا! دراصل بات یہ ہے کہ جس روز میری بہن اِرم نے اس دنیا سے کوچ کر جانا تھا اس نے اس وقت مجھ سے بات کی جس وقت میں اس کے کمرے میں اکیلی تھی۔ اماں اور کلثوم مطبخ کی طرف چلی گئی تھیں، آپ اور عم عدی بن عمیر اور محمد بن اشعت دیوان خانہ میں آ کر باتیں کرنے لگے تھے۔ دراصل اِرم کی خواہش تھی کہ میں محمد بن اشعت کو اپنی زندگی کا ساتھی بنا لوں۔ بابا! میں آپ سے کوئی چیز چھپاؤں گی نہیں۔ اس موقع پر اِرم نے مجھ سے یہ بھی پوچھا تھا کہ کیا میں محمد بن اشعت کو پسند کرتی ہوں تو میں نے اس کا اثبات میں جواب دیا تھا۔ میرا جواب سن کر وہ بے حد خوش ہوئی تھی۔ شاید وہ مجھے اور محمد بن اشعت کو ملانا چاہتی تھی۔ پر قسمت نے اُسے اتنا موقع ہی نہیں دیا۔ اس موضوع پر مجھ سے گفتگو کرنے کے بعد اس نے کہا کہ میں باہر جا کر محمد بن اشعت کو اس کی طرف بھیجوں اور خود مطبخ کی طرف چلی جاؤں۔

آپ کو یاد ہے، جس وقت آپ، عم عدی بن عمیر اور محمد بن اشعت دیوان خانہ میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے تو میں محمد بن اشعت کو بلانے آئی تھی اور آپ کے سامنے میں نے کہا تھا کہ اِرم آپ کو بلاتی ہے۔ چنانچہ وہ اِرم کے پاس چلے گئے۔ میں مطبخ میں چلی گئی۔ اب میں نہیں جانتی میری غیر موجودگی میں اِرم نے محمد بن اشعت کے ساتھ کیا گفتگو کی۔ اگر وہ زندہ ہوتی تو تفصیل مجھے بتاتی۔ لیکن ساتھ ہی مجھے یہ حوصلہ نہیں ہوا کہ اس گفتگو کی تفصیل محمد بن اشعت سے جاننے کی کوشش کروں۔ لہٰذا آپ یہ کام کریں۔ پھر دیکھتے ہیں محمد بن اشعت اس کا کیا جواب دیتے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد جب اقلیما خاموش ہوئی، تب سالم بن تماضر مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''میری بچی! تمہیں پریشان اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے سارے حالات کا علم ہے۔ جو گفتگو ارم نے تمہارے ساتھ کی، اُس کی تھوڑی بہت تفصیل مجھے محمد بن اشعث نے بتائی ہے اور جو گفتگو ارم نے محمد بن اشعث کے ساتھ کی، اُس کی ساری تفصیل مجھے اور عدی بن عمیر کو بتا چکا ہے۔ لہٰذا میں، عدی بن عمیر، تمہاری اماں رملہ، بہن کلثوم اور سعید سب نے مل بیٹھ کر یہ فیصلہ کیا تھا کہ تمہیں اور محمد بن اشعث کو ایک رشتہ میں باندھتے۔ لیکن پہلے یہ طے ہوا تھا کہ اس موضوع پر اقلیما سے گفتگو نہ کی جائے۔ چونکہ تمہاری اور ارم کی گفتگو کے متعلق محمد بن اشعث نے اشارتاً ہی بتایا تھا، اس بناء پر میں اور عدی بن عمیر چاہتے تھے کہ پہلے اس موضوع پر تم سے گفتگو کی جائے، اس کے بعد کوئی آخری فیصلہ کیا جائے۔ عدی بن عمیر نے تو مجھے یہاں تک مشورہ دیا تھا کہ اگر اس سلسلے میں اقلیما کی رضامندی ہو تو فی الحال تمہارا اور محمد بن اشعث کا نکاح پڑھا دیا جائے اور رخصتی بعد میں کر لی جائے گی۔ ہو سکتا ہے، رخصتی میں محمد بن اشعث کی ماں اور بہن شامل ہونا پسند کریں۔ اس بناء پر ہمارا فیصلہ تھا کہ رخصتی نہیں ہو گی۔ اس سلسلے میں محمد بن اشعث نے بھی ہم سے اتفاق کیا تھا۔ بیٹی! محمد بن اشعث بہت اچھا انسان ہے۔ میرا دل کہتا ہے وہ زندگی بھر تمہیں خوش رکھنے کی کوشش کرے گا۔''

یہاں تک کہتے کہتے سالم بن تماضر کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اقلیما بول اُٹھی۔

''بابا! میں اُن کے ساتھ یہاں دن گزارنے کے بعد ایک بار جرجان سے دریائے دجلہ تک، دوسری بار دریائے دجلہ سے یہاں تک سفر کر چکی ہوں۔ اُن کے مزاج، اُن کی طبیعت سے اچھی طرح واقف ہو چکی ہوں۔ وہ بڑے رحم دل، انتہا درجہ کے ہمدرد انسان اور محبت کرنے والے ہیں۔ میں نہیں جانتی میرے متعلق ان کے کیا خیال ہیں لیکن میں اپنی بہن ارم پر انکشاف کر چکی ہوں کہ میں محمد بن اشعث کو پسند کرتی ہوں۔ جہاں تک میں نے خود محمد بن اشعث کے چہرے کے تاثرات اور ان کی آنکھوں کے اندر رونما ہونے والے جذبوں کا اندازہ لگایا ہے تو میرا دل کہتا ہے وہ بھی مجھے پسند کرتے ہیں۔ اس لئے میں کہہ سکتی ہوں......''

اقلیما یہاں تک کہتے کہتے رُک گئی تھی۔ اس لئے کہ اس موقع پر سعید روتا، بھاگتا ہوا گھر میں داخل ہوا تھا۔

اُس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے مطبخ سے رملہ اور کلثوم بھی بھاگتی ہوئی باہر آ گئی

تھیں۔ رونے کی آواز سن کر سالم بن تماضر اور اقلیما بھی باہر نکل آئے تھے۔ اتنی دیر تک بھاگتے ہوئے سعید صحن عبور کر کے برآمدے میں آ گیا تھا۔ سالم بن تماضر آگے بڑھا، سعید کو اس نے اپنے ساتھ لپٹا لیا، پھر بڑی محبت میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے بچے! کیا معاملہ ہے؟ تم کیوں رو رہے ہو؟ کیا کسی سے تمہارا جھگڑا ہوا ہے؟ کسی نے تمہیں مارا ہے؟ بتاؤ کیا معاملہ ہے؟''

سعید نے نفی میں گردن ہلائی۔ ساتھ ہی روتا جا رہا تھا۔ پھر ٹوٹتی بکھرتی آواز میں کہنے لگا۔

''بابا! نہ میرا کسی سے جھگڑا ہوا ہے اور نہ کسی نے مجھے مارا ہے۔ ابھی ابھی تھوڑی دیر پہلے بھائی محمد بن اشعث کا ایک ساتھی روح بن حاتم آیا ہے اور اس نے بھائی کو یہ اطلاع دی ہے کہ اس کی ماں اور بہن دونوں کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔''

یہ خبر سن کر اقلیما چکرا سی گئی تھی۔ گرنے والی تھی کہ برآمدے کی دیوار کا اس نے سہارا لے لیا۔ سر برآمدے کی دیوار پر ٹکا دیا تھا اور رونے لگی تھی۔ اُس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے رملہ اور کلثوم بھی رو دی تھیں۔ سالم بن تماضر عجیب سے کشمکش و پیچ میں پڑ گیا تھا۔ پھر سعید کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے بیٹے! محمد بن اشعث اس وقت ہیں کہاں؟''

جواب میں سعید کہنے لگا۔

''وہ سرائے میں اپنے ساتھیوں شعیب بن رواح اور حرب بن قیس کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کا تیسرا ساتھی روح بن حاتم وہاں آیا اور یہ روح فرسا خبر اس نے سنائی۔ بابا! وہ چاروں بڑے پریشان اور فکر مند بیٹھے ہیں۔ بھائی محمد بن اشعث کی حالت مجھ سے نہیں دیکھی جاتی۔''

اس موقع پر سالم بن تماضر نے اقلیما کی طرف دیکھا، کہنے لگا۔

''بیٹی! تُو اپنے آپ کو سنبھال۔ یوں جان یہ دکھوں کا ایک سلسلہ ہے جو ہم سب کو برداشت کرنا ہے۔ میری بچی! صبر اور غصہ کا پیا ہوا گھونٹ اپنا رنگ ضرور دکھاتا ہے۔''

پھر سالم بن تماضر نے اشارتاً رملہ اور کلثوم کو اقلیما کو سنبھالنے کے لئے کہا۔ ساتھ ہی وہ کہنے لگا۔

''میں ذرا محمد بن اشعث کی طرف جاتا ہوں اور ان سب کو یہاں دیوان خانہ میں

لاتا ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی سالم بن تماضر اور اس کے پیچھے پیچھے سعید دونوں باہر نکل گئے تھے۔ رملہ اور کلثوم دونوں نے اقلیما کو سہارا دیا اور اسے اس کمرے کی طرف لے گئی تھیں جو کبھی اس کی بڑی بہن ارم کا ہوا کرتا تھا۔

سالم بن تماضر اپنے بیٹے سعید کے ساتھ اس جگہ گیا جہاں محمد بن اشعث کے ساتھ روح بن حاتم، شبیب بن رواح، حرب بن قیس اور عدی بن عمیر بیٹھے ہوئے تھے۔ سالم بن تماضر نے آگے بڑھ کر محمد بن اشعث کو اپنے ساتھ لپٹالیا، اس کی پیشانی اور ہاتھ چوما، پھر اپنا منہ اس کے کان کے قریب لے گیا اور کہنے لگا۔

''ابنِ اشعث! میرے بیٹے! یہ زندگی سلگتی ریت کا صحرا ہے۔ کبھی اس میں اطلس و سنجاب سے نرم لمحے، کبھی لہو کے پیرہن پھیلاتی ساعتیں بھی آتی ہیں۔ جس طرح خاموشی کے دشت میں کبھی دُکھ کے افسانوی جھکڑ چلتے ہیں، کبھی ساون کی بوندوں سے نرم لمحے وارد ہوتے ہیں، ایسے ہی انسانی زندگی میں بھی کبھی خوش نوائی و خوش ادائی وارد ہوتی ہے اور کبھی یہ زندگی جھکڑوں کے تیز جھونکوں کا رُوپ دھار لیتی ہے۔ میرے بیٹے! اس بلکتی دھرتی پر انسان کے شعورِ ذات میں کبھی خام کار جذبے بھرے جاتے ہیں، کبھی پختہ کاری کی دھول اُڑنے لگتی ہے۔ اس جہاں کی بے کراں وسعتوں میں انسان کو کبھی اہلِ جفا کے عتاب، ستم کشوں کے عذاب کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کبھی کارکنانِ قضا و قدر اانسان کو تازہ ماحول کی آب و تاب اور خوش گوار خوابوں کی تابندہ راحتوں سے دوچار کر دیتے ہیں۔ میرے بیٹے! ہر طرح، ہر قسم کے حالات کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد سالم بن تماضر علیحدہ ہوا۔ محمد بن اشعث کو اس کی نشست پر بٹھایا، خود بھی قریب ہی بیٹھ گیا اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''بیٹے! جو گفتگو ارم نے تم سے متعلق اقلیما سے کی تھی، وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے میرے اور اقلیما کے درمیان تفصیل کے ساتھ ہوئی ہے۔ بیٹے! یہ بات تو طے شدہ ہے کہ اقلیما تمہیں پسند کرتی ہے۔ تمہاری ماں اور بہن کے مرنے کی خبر سے پہلے میں اور اقلیما اسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ وہ بے چاری پریشان تھی کہ اس کی بہن ارم نے مرنے سے پہلے اس کے ساتھ تفصیل سے گفتگو کی تھی اور اس گفتگو کے دوران اقلیما نے

تم سے اپنی محبت کو تسلیم کیا تھا۔ اس کے بعد ارم نے اقلیما کو تمہیں بتانے اور خود باورچی خانہ کی طرف چلے جانے کے لئے کہا تھا۔ اس کے بعد جب اقلیما کی غیر موجودگی میں تمہاری اور ارم کی گفتگو ہوئی تو اس کا اقلیما کو پتہ نہیں تھا اور وہ اس سلسلے میں بڑی جستجو اور پریشانی میں تھی۔ تاہم میں نے اسے پورے حالات سے آگاہ کر دیا ہے کہ ارم نے محمد بن اشعث سے بھی تم دونوں کی شادی کی گفتگو کی تھی۔ میں نے اقلیما کو یہ بھی بتا دیا ہے کہ محمد بن اشعث بھی تمہیں پسند کرتا ہے اور تم سے شادی کرنے پر رضامند ہے۔

بیٹے! پہلے میں عدی بن عمیر، تمہارے دونوں ساتھیوں شبیب بن رواح اور حرب بن قیس نے مل کر یہ فیصلہ کیا تھا کہ تمہارے اور اقلیما کے نکاح کا اہتمام کر دیا جائے گا، رخصتی بعد میں کر دی جائے گی تاکہ اس سلسلے میں تمہاری ماں اور بہن کو بھی اعتماد میں لیا جا سکے۔ اب جبکہ ظالموں نے تمہاری ماں اور بہن کو قتل کر دیا ہے تو میرے بیٹے! میں نہیں جانتا، اقلیما سے متعلق اب تمہارے کیا خیالات ہیں؟''

اس موقع پر شبیب بن رواح بول اٹھا۔ سالم بن تماضر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''کیا ایسا ممکن نہیں کہ ابھی صرف نکاح کا اہتمام کیا جائے۔ اقلیما یہیں رہے۔ اس لئے کہ محمد بن اشعث کی ماں اور بہن کے مارے جانے کے بعد پہلے تو ہم سب نے مل کر قاتلوں کو تلاش کرنا ہے اور ان سے انتقام لینا ہے اور اس کے بعد اقلیما کی رہائش اور اس کی حفاظت کا سامان بھی کرنا ہے۔ جب تک یہ کام مکمل نہیں ہوتا، میں سمجھتا ہوں اس وقت تک اقلیما یہاں آپ لوگوں کے پاس محفوظ ہے۔''

جواب میں سالم بن تماضر کہنے لگا۔

''آپ سب مل کر جو فیصلہ کریں گے، اس پر عمل کیا جائے گا۔''

اس کے بعد سالم بن تماضر محمد بن اشعث کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''بیٹے! تمہاری ماں اور بہن کے مرنے کا سن کر اقلیما کی حالت بہت خراب ہو رہی ہے۔ میں اُسے اس حالت میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ وہ رو رہی تھی۔ فرش پر گرنے لگی تھی لیکن برآمدے کی دیوار کا سہارا لے لیا تھا۔ بیٹے! اب تیرے اور اس کے درمیان ایک رشتہ قائم ہو چکا ہے۔ میں کہتا ہوں اُٹھو، میرے ساتھ چلو۔ اس سلسلے میں اقلیما کو بھی ڈھارس دو اور پھر دونوں مل کر اپنے مستقبل کا فیصلہ کرو۔''

تماضر کی اس گفتگو سے عدی بن عمیر کے علاوہ روح بن حاتم، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس نے بھی اتفاق کیا تھا۔ لہٰذا ان سب کے کہنے پر سالم بن تماضر اٹھا اور سب کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''آپ سب لوگ میرے ساتھ چلیں۔''

اس پر سب کھڑے ہو گئے اور سرائے کے اس کمرے سے نکل کر وہ سالم بن تماضر کی حویلی کا رخ کر رہے تھے۔

پہلے سب دیوان خانہ میں جا کر بیٹھ گئے تھے۔ اس کے بعد سالم بن تماضر نے محمد بن اشعث کی طرف دیکھا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''بیٹے! تم اس کمرے میں جاؤ جس میں ارم رہا کرتی تھی۔ وہاں اقلیما بیٹھی ہے۔ وہ لگاتار روئے جا رہی ہے۔ رملہ اور کلثوم اُسے تسلی دینے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اس وقت اسے تمہاری طرف سے تسلی اور ڈھارس دینے کی ضرورت ہے۔ وہ اپنی بہن کی موت کے صدمے کو تو برداشت کر گئی تھی، اب جو تمہاری ماں اور بہن کے قتل کی خبر اس نے سنی ہے تب سے وہ لگاتار رو رہی ہے۔ مجھے ڈر اور اندیشہ ہے کہ کہیں وہ اپنی صحت نہ خراب کر لے۔ بیٹے اُٹھو! ارم کے کمرے میں جاؤ اور اقلیما کو سنبھالا دو۔ یقیناً تمہارے کہنے پر وہ سنبھل جائے گی اور رونا بند کر دے گی۔''

عدی بن عمیر نے بھی جب اس کی تائید کی تب محمد بن اشعث اٹھا، دیوان خانہ سے نکل کر اس کمرے کی طرف گیا جس میں کبھی ارم رہا کرتی تھی۔ اس نے دیکھا جو مسہری ارم کے لئے استعمال ہوتی تھی، اس پر اپنا سر گھٹنوں میں دیئے اقلیما لگاتار ہچکیوں اور سسکیوں میں روئے جا رہی تھی۔ رملہ اور کلثوم دونوں اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

محمد بن اشعث جب اس کمرے میں داخل ہوا تو رملہ اور کلثوم دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر رملہ نے کلثوم کو مخصوص اشارہ کیا، دونوں ماں بیٹی اقلیما کی طرف اشارہ کر کے محمد بن اشعث کو آگے بڑھنے کا کہہ کر باہر نکل گئی تھیں۔

محمد بن اشعث آگے بڑھا۔ اقلیما اُسی طرح اپنا سر گھٹنوں میں دیئے روتی رہی۔ محمد بن اشعث نے آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھا، پھر وہ بھاری بکھرتی آواز میں اقلیما کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔

''اقلیما! اس میں شک نہیں کہ ہر شے کی ذات نے ایک روز نارسائی کی لکیروں کی طرح مٹی ہو جانا ہے۔ بھاگتی عمر کے صحراؤں میں زیست کے یہ ماہ و سال فکر کی سوکھی کھیتیوں میں رائیگاں تلاش اور چپہ چپہ چھانتی پاگل ہواؤں کی طرح ختم ہو جائیں گے۔ روحوں کی لوحِ میزان کو ایک روز تمام ہونا ہے۔ آتشِ قلب کے اُجالے مدھم ہو جائیں گے۔ حیات کی ڈھور کو بھی تمام ہونا ہے۔ صدائے کُن کی دُھن میں رقصاں اس جہاں میں ذرّے ذرّے کے سینہ کی دھڑکنوں کو ایک روز اپنے انجام کو پہنچنا ہے۔ ایثار کی خوشبو کو اغراض نے نگل جانا ہے اور عناصر کا توازن بھی بگڑنا ہے۔ دھنک کے رقصاں رنگ، پھولوں کی اُمڈتی خوشبوئیں راگوں کی سحری لہریں، باغوں کے اُڑتے حسین خواب سب تمام ہونے ہیں۔ لیکن مرنے والوں کا دُکھ اتنی جلدی بھلایا نہیں جا سکتا۔

اگر کوئی طبعی عمر مر جائے تو اس کے غم پر انسان صبر و شکر کر لیتا ہے لیکن جب کسی کے عزیز کو قتل کیا جائے تو پھر تو اس کی حالت جبر کے آگے سر جھکاتی اسیری، دلوں میں کرب کی ریت، آنکھوں میں دُکھ کی نمی اُترتی ہے۔ دل کے خواب جزیروں میں خاک اُڑتی ہے، نوحہ گروں کے بے انت کہرام اسے گھیر لیتے ہیں۔ دیکھو اقلیما! اپنے آپ کو سنبھالو۔ مجھے اور تمہیں جو دکھ ملا ہے، اسے ہم ہی نے برداشت کرنا ہے، اسے ہم نے ہی سہنا ہے۔ اس طرح لگاتار رونے سے تمہاری صحت خراب ہو جائے گی۔ دیکھو......''

یہاں تک کہتے کہتے محمد بن اشعث کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ روتے روتے اقلیما سنبھلی، کھڑی ہو گئی۔ پھر اس نے بڑے پیارے انداز میں محمد بن اشعث کا ہاتھ اپنے دونوں نرم ہاتھوں میں لیا اور روتی بکھرتی آواز میں کہنے لگی۔

''میں اپنی بہن کے مرنے کا غم برداشت کر گئی تھی لیکن آپ کی ماں اور بہن کا قتل میری زیست کا روگ بن جائے گا۔ بہن کا غم میں اس لئے برداشت کر گئی کہ وہ ایک عرصہ سے بیمار تھی، سسک رہی تھی۔ گاہے گاہے مجھے یہ اندیشے ہو جاتے تھے کہ وہ بچے گی نہیں، لہٰذا اُس کی موت، اُس کی جدائی کو برداشت کرنا میرے لئے آسان تھا۔ لیکن یہ جو صدمہ آپ کو پہنچا ہے، یہ ناقابلِ برداشت ہے۔''

یہاں تک کہتے کہتے اقلیما کو رُک جانا پڑا۔ محمد بن اشت نے اس کے دونوں ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر اُسے بٹھایا، پھر اُس نشست پر بیٹھ گیا جس سے تھوڑی دیر پہلے کلثوم اُٹھ کر گئی تھی۔ اس کے بعد وہ اقلیما کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

'' اقلیما! تمہارا کہنا درست ہے۔ میری ماں اور بہن کا قتل یقیناً ایک بہت بڑا روگ ہے لیکن میں قاتلوں کو آسانی سے بھاگنے نہیں دوں گا۔ قطرہ قطرہ زہر برساتی رات، سرخ اجل کی اندھی جستجو، جبر کی بکھرتی برسات، طلسموں کے حیرت کدوں اور بے ثمر کرتے رنگوں کی طرح ان کا تعاقب کروں گا۔ میرے خداوند نے چاہا تو میں ان کے مقدر میں مقتل کی ویرانیاں اور خون اُگلتے لمحات، اُن کی قسمت میں ڈھول اُڑاتی آتش گرفتی، خونخوار وحشی سائے اور اُن کی زیست میں خاک و خون بھری کہانیاں اور درد کی ان گنت رُت بھر کر رہوں گا۔ میں ان لوگوں کا تعاقب اپنے ایمان کی ضد اور اپنی طرزِ زندگی کی ادا سمجھ کر کروں گا اور مجھے امید ہے کہ میں انہیں تلاش کر کے عبرت ناک سزا دینے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔''

محمد بن اشعث کے اس طرح ڈھارس اور تسلی دینے پر اقلیما نے کافی حد تک اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ پھر اس نے اپنی آنکھیں خشک کیں، ایک گہری نگاہ اپنے سامنے بیٹھے محمد بن اشعث کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگی۔

'' آپ ان لوگوں کو کہاں تلاش کریں گے؟ نہ جانے قاتل کون تھے؟ کہاں چلے گئے ہیں؟ آپ ان کی تلاش میں کہاں کہاں مارے پھریں گے۔ آپ کے جانے کے بعد میں سمجھتی ہوں میرے لئے پریشانیاں مزید بڑھ جائیں گی۔ اس لئے کہ.......''

اقلیما آگے کچھ نہ کہہ سکی۔ اس لئے کہ محمد بن اشعث نے اس کا شانہ تھپتھپایا، کہنے لگا۔

''تمہیں پریشان اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں تم بالکل محفوظ ہو۔ آس پاس کے محلوں اور سب جاننے والوں کو یہ خبر ہو چکی ہے کہ سالم بن تماضر کی تین بیٹیاں ہیں جن میں سے ایک انتقال کر گئی ہے اور دو زندہ ہیں۔ اس بناء پر تمہارے متعلق اب یہاں کسی کو شک نہیں گزرے گا۔ میں جانتا ہوں ارم کے بغیر اُداسیاں تمہیں گھیرے رکھیں گی۔ دیکھو اقلیما! ارم کی موت کے بعد میری اور تمہاری زندگی میں جو انقلاب اور تبدیلی آئی ہے اس کے بعد میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ ارم کی وفات کے بعد میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ لیکن جب مجبوریاں اُٹھ کھڑی ہوئی ہیں۔ ماں اور بہن کے قتل ہونے کے بعد فی الحال میں تمہیں انبار میں نہیں رکھ سکتا۔ پہلے مجھے قاتلوں کی تلاش میں نکلنا ہے، ان کا کام تمام کر کے اور جن لوگوں نے قاتلوں کو قتل پر اُبھارا

ہے، ان سے بھی نمٹنے کے بعد میں تمہاری طرف لوٹوں گا۔ تمہیں اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا جہاں تم محفوظ اور خوشگوار زندگی بسر کر سکو گی۔''

یہاں تک کہنے کے بعد محمد بن اشعث رُکا، تب اُس کی طرف بڑے غور سے دیکھتے ہوئے اقلیما کہنے لگی۔

''کیا ایسا ممکن نہیں کہ آپ گاہے گاہے کسی کے ذریعے مجھے اپنی سلامتی کے علاوہ قاتلوں کی تلاش کے سلسلے میں جو آپ کو کامیابی ہو، اس سے بھی مطلع کرتے رہیں۔ اس طرح جہاں مجھے آپ کی خیریت پر اطمینان ہوتا رہے گا، وہاں اس مہم میں آپ کی کامیابی پر بھی میں آسودہ اور پُرسکون ہو جاؤں گی۔''

اقلیما جب خاموش ہوئی تب سرگوشی کے انداز میں اسے مخاطب کر کے محمد بن اشعث کہنے لگا۔

''اقلیما! جو بات میں تم سے کہنے لگا ہوں اس کا اس سے پہلے میں نے کسی سے ذکر نہیں کیا۔ یہ تو تم جانتی ہو میرا ساتھی روح بن حاتم کھوجی بھی ہے۔ جس وقت میری ماں اور بہن کا قتل ہوا، اس وقت وہ انبار شہر ہی میں تھا۔ اس نے قاتلوں کے پاؤں کے نشانات محفوظ کر لئے ہیں۔ اس نے اس جگہ کا بھی تعین کر رکھا ہے جہاں سے قاتل نکل کر حویلی کی طرف گئے اور میری ماں اور بہن کا قتل کرنے کے بعد اُسی جگہ گئے۔ لہٰذا روح بن حاتم کی اس کارروائی سے قاتلوں کو تلاش کرنا میرے لئے کافی حد تک آسان ہو جائے گا۔

جن خدشات کا اظہار تم نے کیا ہے، ان سے متعلق بھی تم فکرمند نہ ہو۔ میں گاہے گاہے روح بن حاتم، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس میں سے کسی کو تمہاری طرف بھیجتا رہوں گا۔ میرے خیال میں تم ان تینوں کے چہروں سے شناسا ہو۔ نہیں تو ایک بار میں ان تینوں کو تمہارے سامنے لاؤں گا۔ ان تینوں میں سے کوئی نہ کوئی تمہیں میری خیریت کے علاوہ میری مہم کی کامیابی کے متعلق بھی آگاہ کرتا رہے گا۔ اس سلسلے میں تمہیں کسی فکرمندی میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

تین اسی لمحہ کمرے میں رملہ اور کلثوم داخل ہوئیں۔ سب سے پہلے رملہ، محمد بن شعث سے مخاطب ہوئی، کہنے لگی۔

''ابن اشعث! میرے بیٹے! اس نے آج پورا دن کھانے کو ہاتھ نہیں لگایا۔ لہٰذا

میرے بیٹے! اپنی موجودگی میں اسے کھانا کھلاؤ۔''

رملہ جب خاموش ہوئی تب مسکراتے ہوئے کلثوم نے اقلیما کو مخاطب کیا اور کہنے لگی۔

''اقلیما! میری بہن! جہاں تک میں معلومات اکٹھی کر سکی ہوں، اس کے مطابق بھائی محمد بن اشعت نے آج پورا دن کچھ نہیں کھایا۔ لہٰذا آپ انہیں اپنی موجودگی میں کھانا کھلائیں اور میرے خیال میں آپ کے کہنے پر یہ کھانا کھا لیں گے۔''

رملہ اور کلثوم کی اس گفتگو سے محمد بن اشعت ہی نہیں، اقلیما کے لبوں پر بھی ہلکا سا تبسم نمودار ہوا تھا۔ پھر محمد بن اشعت نے رملہ کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

''اماں! آپ کھانا لائیں۔ یہ کھانا کھائے گی۔ آپ بے فکر رہیں۔''

اس پر رملہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی باہر چلی گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک طشت میں کھانے کے برتن لے کر آئی۔ ایک اونچی نشست کلثوم نے مسہری کے آگے کر دی تھی۔ رملہ نے کھانے کا طشت اس پر رکھ دیا تھا۔ پھر محمد بن اشعت، اقلیما کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اقلیما! کھانا کھاؤ۔ میں تھوڑی دیر تک آتا ہوں۔ اور میں دیکھوں گا کہ تم نے کتنا کھانا کھایا ہے۔''

رملہ نے پلٹ کر محمد بن اشعت کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگی۔

''آپ کہاں جا رہے ہیں؟ آپ نے بھی تو کھانا نہیں کھایا۔ آپ بھی یہیں بیٹھ کر کھانا کھائیں۔''

اس پر محمد بن اشعت کہنے لگا۔

''دیوان خانہ میں سب لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں ان کے ساتھ کھانا کھا لوں گا۔ تم میرے متعلق فکرمند نہ ہونا۔ میں بھوکا نہیں رہوں گا۔''

اقلیما مطمئن ہو گئی تھی۔ اس پر محمد بن اشعت باہر نکل گیا۔ جبکہ رملہ اور کلثوم پہلے کی طرح اقلیما کے پاس بیٹھ گئی تھیں۔

سب لوگوں نے دیوان خانہ ہی میں بیٹھ کر کھانا کھایا۔ کھانا کھانے کے بعد سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر نے کچھ مشورہ کیا، پھر دونوں اٹھ کر محمد بن اشعت کے دائیں بائیں بیٹھ گئے۔ اس موقع پر گفتگو کا آغاز عدی بن عمیر نے کیا۔ محمد بن اشعت کو مخاطب

کر کے کہنے لگا۔

''ابن اشعت! میرے بیٹے! میں ایک ایسے موضوع پر گفتگو کرنے لگا ہوں جو بے وقت بھی خیال کیا جا سکتا ہے اور نامناسب بھی۔ بیٹے! جہاں اقلیما کی بہن مری ہے، وہاں تمہاری ماں اور بہن کو قتل کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود میں تم سے کہتا ہوں کہ ہم سب نے مل کر یہ ارادہ کیا ہے کہ تمہاری یہاں سے روانگی سے قبل تمہارے اور اقلیما کے نکاح کا اہتمام کر دیا جائے، رخصتی بعد میں کر دی جائے گی۔ روح بن حاتم مجھے بتا رہا تھا کہ شاید تم آج یہاں سے کوچ کر جاؤ۔ تمہارے تینوں ساتھی بھی اس بات پر متفق ہیں کہ تمہارے اور اقلیما کے نکاح کا اہتمام کر دیا جائے۔ اب بولو بیٹے! تم اس سلسلے میں کیا کہتے ہو؟''

عدی بن عمیر جب خاموش ہوا تب محمد بن اشعت سنجیدگی میں کہنے لگا۔

''مجھے کچھ نہیں کہنا۔ آپ نے جو مل کر فیصلہ کیا ہے اس پر عمل کیجئے۔ میں کوئی اعتراض کھڑا نہیں کروں گا۔ میں جانتا ہوں ارم کے مرنے کے بعد اقلیما تنہائی اور اداسی محسوس کرے گی۔ لہٰذا اس کی دلجمعی، سکون و اطمینان کے لئے کچھ نہ کچھ تو بہرحال کرنا ہے۔''

عدی بن عمیر اور سالم بن تماضر، محمد بن اشعت کا یہ جواب سن کر مسکرا دیئے تھے۔ روح بن حاتم، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس بھی خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ پھر سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر نے آپس میں مشورہ کیا۔ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے، پھر سالم بن تماضر، محمد بن اشعت کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''ہم دونوں ذرا اپنی بچی اقلیما کے پاس جاتے ہیں اور اس موضوع پر اس سے گفتگو کرتے ہیں، پھر لوٹ کر آتے ہیں۔''

اس کے بعد سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر وہاں سے نکلے، اس کمرے میں گئے جس میں اقلیما رملہ اور کلثوم کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ ان دونوں کو آتے دیکھ کر رملہ اور کلثوم نے اٹھنا چاہا، اس پر عدی بن عمیر فوراً بولا اور کہنے لگا۔

''بیٹھے رہو! اٹھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' اس کے ساتھ ہی سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر کمرے کی دوسری سمت پڑی ہوئی نشست گھسیٹ کر اقلیما کی مسہری کے قریب لے گئے۔ اس کے بعد گفتگو کا آغاز عدی بن عمیر نے کیا اور اقلیما کو مخاطب کر

کے کہنے لگا۔

''بیٹی! ہم تمہارے پاس ایک بہت بڑا فیصلہ لے کر آئے ہیں اور مجھے اُمید ہے کہ تم انکار نہیں کرو گی، ہماری اس تجویز، اس فیصلے سے اتفاق کرو گی۔''

اقلیما نے جستجو بھرے انداز میں عدی بن عمیر کی طرف دیکھا، پھر بھاری سی آواز میں پوچھا۔

''عم! کیسا فیصلہ؟''

''بیٹے! میں اور سالم بن تماضر نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آج تمہارے اور محمد بن اشعث کے نکاح کا اہتمام کر دیا جائے۔ تمہاری رخصتی بعد میں کر دی جائے گی۔ اس لئے کہ محمد بن اشعث اپنے تینوں ساتھیوں کے ساتھ آج یہاں سے شاید شام تک رخصت ہو جائے۔''

جواب میں اقلیما نے کچھ سوچا، پھر دُکھ بھرے انداز میں کہنے لگی۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ کیسے ممکن ہے؟ اگر معاملہ صرف میری بہن اِرم کے مرنے کا ہوتا تو شاید میں ہاں کر لیتی۔ اس لئے کہ بہن کے مرنے کے بعد اگر محمد بن اشعث سے میرا نکاح پڑھا دیا جاتا تو مجھے یہ تسلی ہوتی کہ میرا کوئی محافظ، کوئی نگہدار اور کوئی وارث ہے جس پر میں اعتماد اور بھروسہ کر سکتی ہوں۔ لیکن اس موقع پر جبکہ محمد بن اشعث کی ماں اور بہن کو بے دردی سے قتل کر دیا ہے، اس موقع پر کیا ہم دونوں کا نکاح مناسب ہے؟ کیا محمد بن اشعث اس کے لئے تیار ہو جائیں گے؟ کیا وہ اسے برا محسوس نہیں کریں گے؟''

جواب میں اس بار عدی بن عمیر کی بجائے سالم بن تماضر مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''بیٹی! نہ وہ برا مانے گا، نہ انکار کرے گا۔ ہم اُس سے صلاح و مشورہ کرنے کے بعد تمہاری طرف آئے ہیں۔ بیٹی! وہ تمہاری ڈھارس، تمہاری تسلی، تمہاری دلجمعی کے لئے اس نکاح کے لئے تیار ہے۔''

سالم بن تماضر کے ان الفاظ کے جواب میں اقلیما نے غائر نگاہوں سے عدی بن عمیر کی طرف دیکھا۔ تب عدی بن عمیر نے اثبات میں گردن ہلائی۔ اس کے بعد اقلیما کہنے لگی۔

''اگر آپ محمد بن اشعث سے اس سلسلے میں بات کر کے آئے ہیں اور وہ اس پر

رضامند ہیں تو پھر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

اقلیما کا جواب سن کر سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ پاس بیٹھی رملہ اور کلثوم بھی مسکرا رہی تھیں۔ پھر سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر باہر نکل گئے۔ تھوڑی دیر بعد ہی جرجان شہر کے قاضی کو بلا لیا گیا۔ سالم بن تماضر، عدی بن عمیر، رملہ، کلثوم، روح بن حاتم، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس کی موجودگی میں محمد بن اشعث اور اقلیما کے نکاح کا اہتمام کر دیا گیا تھا۔

اُسی روز اقلیما مغرب کی نماز کے بعد جب اپنی مسہری پر بیٹھی تب کمرے میں محمد بن اشعث داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی اقلیما اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ محمد بن اشعث آگے بڑھا، اقلیما کے شانے پر اس نے ہاتھ رکھا، پھر بڑی نرمی اور محبت بھری آواز میں کہنے لگا۔

''دیکھو اقلیما! میرے آنے پر مت اٹھا کرو۔ بیٹھو!''

اقلیما چپ چاپ بیٹھ گئی۔ محمد بن اشعث بھی اس کے سامنے ایک نشست پر ہو بیٹھا کہنے لگا۔

''اقلیما! میں تھوڑی دیر تک یہاں سے رخصت ہو جاؤں گا۔ سیدھا انبار کا رخ کروں گا اور اپنی ماں اور بہن کے قاتلوں کے خلاف حرکت میں آ جاؤں گا۔ تم یہاں بالکل مطمئن رہنا۔ میرے متعلق تمہیں پریشانی اور فکر مندی کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ساتھ ہی میں تمہیں یہ بھی یقین دلاتا ہوں کہ میں نہ صرف تمہیں اپنی خیریت بلکہ اپنی مہم سے متعلق بھی آگاہ کرتا رہوں گا تاکہ تم مطمئن رہو اور جونہی میں قاتلوں سے نمٹ چکا، حالات درست ہوئے، میں یہاں آؤں گا اور تمہیں اپنے ساتھ انبار لے جاؤں گا۔ اب تم بولو، کچھ کہنا چاہتی ہو تو کہو۔''

اقلیما اُداس، پریشان اور افسردہ ہو گئی تھی۔ کچھ دیر خاموش رہی، پھر کہنے لگی۔

''اس موقع پر میں کیا کہہ سکتی ہوں؟ آپ کا جانے کا سن کر تو ویسے ہی میرے دل میں ہول اُٹھ رہے ہیں۔ پریشانیاں اور فکر مندیاں ابھی سے میرا گھیراؤ کر رہی ہیں۔ لیکن مجھے بہرحال صبر سے کام لینا ہے۔ میں خیریت سے آپ کی واپسی کا انتظار بڑی بے چینی سے کروں گی۔ ہاں! جانے سے پہلے میں آپ سے یہ التماس ضرور کروں گی کہ ناحق اپنے آپ کو خطرات میں نہ ڈالئے گا۔ اماں اور بہن تو ماری جا چکی ہیں۔ جن

ظالموں نے انہیں قتل کیا ہے، میری رب سے دعا ہے کہ وہ آپ کو توفیق دے کہ آپ قاتلوں سے انتقام لیں۔ اس کے بعد جس مہم پر بھی جائیں تو ایک بات ضرور اپنے ذہن میں رکھیئے گا کہ اب ایک اور ذمہ داری بھی آپ کے کندھوں پر ہے اور وہ ذمہ داری اقلیما ہے اور میں یہاں بیٹھ کر ہر وقت نہ صرف آپ کی واپسی کے لئے دعا مانگتی رہوں گی بلکہ بڑی بے چینی سے آپ کی آمد کا انتظار بھی کروں گی۔“

جواب میں ہلکی دھیمی مسکراہٹ میں محمد بن اشعث نے اقلیما کا گال تھپتھپایا، پھر کہنے لگا۔

”میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔ میں تمہارے سامنے اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہوں کہ محمد بن اشعث خوش قسمت ہے جسے اقلیما جیسی بیوی نصیب ہوئی ہے۔ میں تمہاری قدر کروں گا۔ جہاں تک ہو سکا، دکھ درد اور کسی غم کو تمہارے نزدیک نہیں آنے دوں گا۔“

محمد بن اشعث یہیں تک کہنے پایا تھا کہ عین اسی لمحہ سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر دروازے پر نمودار ہوئے اور عدی بن عمیر مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

”بیٹے! جو الفاظ تم نے ادا کئے ہیں، اقلیما سے متعلق یہی الفاظ تو ہم تمہارے منہ سے سننا چاہتے تھے۔“

عدی بن عمیر کے ان الفاظ پر اقلیما اور محمد بن اشعث مسکرا دیئے تھے۔ پھر ایک دم کمرے میں عدی بن عمیر، سالم بن تماضر اور ان کے پیچھے رملہ، کلثوم، روح بن حاتم، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس داخل ہوئے تھے۔ سب کو دیکھتے ہوئے محمد بن اشعث اور اقلیما دونوں اپنی جگہوں پر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

اس موقع پر محمد بن اشعث حرکت میں آیا اور اقلیما کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”اقلیما! یہ تمہارے سامنے تین بھائی کھڑے ہیں۔ دائیں جانب روح بن حاتم ہے، اس کے ساتھ شبیب بن رواح ہے اور ساتھ حرب بن قیس ہے۔ ان تینوں میں سے کوئی نہ کوئی میری خیریت اور مہم کی کامیابی سے متعلق مطلع کرنے آیا کرے گا۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب مجھے اجازت دو، میں کوچ کرتا ہوں۔“

اس پر اقلیما پریشان اور افسردہ ہو گئی تھی۔ لڑکھڑاتی آواز میں کہنے لگی۔

”اللہ حافظ!...... خدا آپ کا نگہبان ہو۔“

اس کے ساتھ ہی سب کے ساتھ محمد بن اشعث باہر نکلا۔ اقلیما بھی باہر نکل آئی۔ اس کے بعد وہ رملہ اور کلثوم کے ساتھ حویلی کے صدر دروازے تک محمد بن اشعث کو الوداع کرنے کے لئے آئی۔

اس کے بعد محمد بن اشعث اپنے تینوں ساتھیوں کے علاوہ سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر کے ساتھ سرائے کی طرف چلا گیا تھا۔ وہاں انہوں نے اپنے گھوڑوں کو اصطبل سے نکالا، اس کے بعد وہ سالم بن تماضر کی سرائے سے کوچ کر گئے تھے۔

تینوں ساتھیوں کے ساتھ صبح سویرے محمد بن اشعت انبار شہر میں داخل ہوا۔ جونہی وہ شہر میں شمالی دروازے سے داخل ہوا، ایک مسلح جوان بھاگتا ہوا اس کے قریب آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ''آپ اپنی حویلی کی طرف جانے کی بجائے سیدھا قصرِ خلافت کا رُخ کریں۔ خلیفہ ابوجعفر منصور نے آپ کو طلب کیا ہے۔ اپنے ساتھیوں کو بھی اپنے ساتھ لے جائیں۔''

یہ پیغام سن کر محمد بن اشعت نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ قصر کا رخ کیا تھا۔ جب وہ قصر کے پاس نمودار ہوا تو اس کی آمد سے منصور کو مطلع کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ منصور نے اسی وقت اسے طلب کر لیا تھا۔

جب اپنے تینوں ساتھیوں کے ساتھ محمد بن اشعت، منصور کی خدمت میں حاضر ہوا تو منصور اسے گلے لگا کر پُرجوش انداز میں ملا۔ اس طرح وہ باقی ساتھیوں سے بھی ملا۔ پھر جب سب نشستوں پر بیٹھ گئے تب دکھ بھرے انداز میں ابوجعفر منصور کہنے لگا۔

''بیٹے! مجھے تمہاری ماں اور بہن کے قتل ہونے کا بے حد دُکھ اور صدمہ ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ قاتلوں کے کچھ نشانات روح بن حاتم نے محفوظ کئے ہیں اور ذہن نشین بھی کر لئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں تم روح بن حاتم کے ساتھ حرکت میں آؤ، قاتلوں کو تلاش کرو۔ اس سلسلے میں تمہیں اپنی مدد کے لئے جس قدر مسلح جوانوں کی ضرورت ہو گی، وہ تمہیں مہیا کئے جائیں گے۔ یہ کام آج سے شروع کر دو۔ میں اس میں تاخیر نہیں چاہتا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تمہارا خالہ زاد خازم بن خزیمہ بھی یہاں سے اٹھ کر گیا ہے۔ وہ تمہارے متعلق بڑا پریشان اور فکرمند تھا۔

ابوجعفر منصور جب خاموش ہوا تب محمد بن اشعت چھاتی تانتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں اب پوری تندہی سے قاتلوں کے پیچھے لگ جاؤں گا اور انہیں تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔ میں آپ پر ایک انکشاف بھی کرنا چاہتا ہوں، گو وہ ایک گستاخی ہے اور مجھے امید ہے کہ آپ میری اس گستاخی اور کوتاہی کو معاف کر دیں گے۔''

''کیسی کوتاہی اور گستاخی؟'' غور سے محمد بن اشعت کی طرف دیکھتے ہوئے منصور نے پوچھ لیا تھا۔

اس پر محمد بن اشعت کہنے لگا۔

''امیر! میں نے جرجان میں ایک لڑکی سے نکاح کر لیا ہے۔ دراصل میں اس سے شادی کرنا چاہتا تھا، اسے بیوی بنا کر اپنی ماں اور بہن کے پاس لانا چاہتا تھا۔ میں ایک عرصہ سے اس لڑکی کو جانتا ہوں۔ وہ جرجان کی ایک سرائے کے مالک سالم بن تماضر کی بیٹی ہے۔ چونکہ میری ماں، بہن کے قتل کی خبر روح بن حاتم نے وہاں پہنچا دی تھی، لہٰذا صرف نکاح ہوا ہے، رخصتی بعد میں ہو گی۔ میں اسی کی اطلاع کرنا چاہتا تھا۔''

منصور مسکرایا اور کہنے لگا۔

''نہ یہ گستاخی ہے، نہ کوتاہی۔ شادی کرنا تمہارا حق ہے اور یہ تمہاری پسند کے مطابق ہونی چاہئے۔ اگر وہ لڑکی تمہیں پسند ہے اور تم نے اس سے نکاح پڑھا لیا ہے تو یوں جانو اس میں میری بھی خوشی اور اطمینان ہے۔ اس سلسلے میں تمہیں پریشان اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب تم ایسا کرو، اُٹھ کر خازم بن خزیمہ کی طرف جاؤ۔ وہ اور اس کے اہلِ خانہ بڑی شدت اور بڑی بے چینی سے تمہارے منتظر ہیں۔ ساتھ ہی اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنے کام کی بھی ابتداء کر دو۔''

اس کے ساتھ ہی پہلے جیسے انداز میں ابوجعفر منصور سب سے ملا، اس کے بعد محمد بن اشعت اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں سے نکل گیا تھا۔

قصر سے باہر نکلنے کے بعد محمد بن اشعت نے باری باری روح بن حاتم، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

''میرے عزیز بھائیو! فی الوقت اپنے گھروں کو جاؤ۔ شام تک آرام کرو۔ شام کے وقت میری حویلی میں آنا۔ وہاں سے اکٹھے نکلیں گے اور پھر اپنی مہم کی ابتداء کریں گے۔''

ان تینوں نے محمد بن اشعت کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ لہٰذا وہ تینوں اپنے گھروں کو ہو لئے تھے۔ محمد بن اشعت بھی اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر آگے بڑھا اور تھوڑی

دیر بعد وہ اپنے خالہ زاد خازم بن خزیمہ کی حویلی کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ پہلی ہی دستک کے تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور دروازہ کھولنے والا خازم بن خزیمہ کا بیٹا مجیر بن خازم تھا۔ جونہی اس نے محمد بن اشعث کو حویلی کے دروازے پر اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے دیکھا، تب بھاگ کر وہ محمد بن اشعث سے لپٹ گیا۔ ساتھ ہی رونے بھی لگا تھا۔ پھر وہ علیحدہ ہوا اور حویلی کے اندرونی حصہ کی طرف بھاگتے ہوئے محمد بن اشعث کے آنے کا شور کرنے لگا تھا۔ اتنی دیر تک محمد بن اشعث حویلی میں داخل ہوا۔ اس نے حویلی کے صحن کا آدھا فاصلہ طے کیا ہوگا کہ اندر سے خازم بن خزیمہ اور اس کی بیوی ربیب بنت اسود بھی نکل آئے۔ دونوں باری باری دکھ بھرے انداز میں محمد بن اشعث سے ملے، اس کی ماں اور بہن کے مرنے کا دکھ اور افسوس کیا، اس کے بعد مجیر بن خازم محمد بن اشعث کے گھوڑے کو اصطبل کی طرف لے گیا تھا جبکہ خازم بن خزیمہ، محمد بن اشعث کا ہاتھ تھامے دیوان خانہ کی طرف ہولیا تھا۔ ربیب بنت اسود ان دونوں کے پیچھے پیچھے تھی۔

خازم بن خزیمہ کے کہنے پر سب سے پہلے محمد بن اشعث نے اپنے سارے حالات تفصیل کے ساتھ بتائے، اس کے بعد شہر میں داخل ہونے کے بعد ہی جو ابوجعفر منصور سے گفتگو ہوئی تھی، اس کی بھی اطلاع کر دی۔ اس کے بعد خازم بن خزیمہ کو مخاطب کر کے محمد بن اشعث کہنے لگا۔

''میرے عزیز بھائی! میں نے اپنے تینوں ساتھیوں روح بن حاتم، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس کو شام کے وقت اپنی حویلی میں بلایا ہے اور ان کے ساتھ میں قاتلوں کی تلاش کا کام شروع کر دوں گا۔ ابوجعفر منصور کی خواہش ہے کہ جلد از جلد قاتلوں کو تلاش کیا جائے۔ چونکہ روح بن حاتم ان کے کچھ نشانات محفوظ کر چکا ہے لہٰذا ان کے خلاف حرکت میں آنے میں مجھے آسانی ہوگی۔''

خازم بن خزیمہ نے بھی اس سے اتفاق کیا تھا، اس کے بعد خازم بن خزیمہ کی بیوی ربیب بنت اسود سب کے لئے کھانا لے آئی تھی۔ اتنی دیر تک مجیر بن خازم بھی محمد بن اشعث کے گھوڑے کو وہاں باندھ کر دیوان خانہ میں آ گیا تھا۔ چنانچہ وہیں بیٹھ کر سب مل کر کھانا کھانے لگے تھے۔

❀❀❀

شام سے پہلے محمد بن اشعث اپنی حویلی کی طرف گیا اور کچھ ہی دیر بعد اس کے تینوں ساتھی روح بن حاتم، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس بھی وہاں آ گئے تھے۔ خازم بن خزیمہ اور اس کا بیٹا مجیر بھی محمد بن اشعث کے ساتھ تھے۔ اس موقع پر حویلی کے صحن میں مٹی کے ٹوٹے ہوئے گھڑے کا ایک حصہ اٹھایا گیا، اس کے نیچے ایک پاؤں کا نشان محفوظ تھا۔ محمد بن اشعث کی طرف دیکھتے ہوئے روح بن حاتم کہنے لگا۔

''جس وقت آپ کی ماں اور بہن کو قتل کیا گیا اور ہمیں خبر ہوئی، ہم بھاگتے ہوئے یہاں آئے۔ میں نے اردگرد کا جائزہ لیا جس پر مجھے یہ پاؤں کا نشان مشکوک لگا، سو میں نے اس پاؤں کا پہلے غور سے جائزہ لیا، پھر اسے محفوظ کر دیا۔ اس کے بعد میں اس نشان کو دیکھتا ہوا باہر نکلا۔ اس پاؤں کا نشان انبار شہر کے مشرق میں ایک سرائے کی طرف جاتا ہے۔ میرا اپنا اندازہ ہے کہ ان قاتلوں نے پہلے سرائے میں قیام کیا ہوگا، اپنے گھوڑوں کو وہاں رکھا ہوگا، اس کے بعد واردات کرنے کے بعد وہ پھر اسی سرائے میں گئے ہوں گے اور وہاں قیام کیا ہوگا یا جاتے ہی اپنے گھوڑے لے کر اپنی منزل کی طرف کوچ کر گئے ہوں گے۔''

روح بن حاتم کی اس گفتگو سے محمد بن اشعث خوش ہو گیا تھا۔ پھر وہ خازم بن خزیمہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''بھائی! آپ مجیر کے ساتھ گھر جائیں۔ میں اپنے تینوں ساتھیوں کے ساتھ سرائے کا رخ کرتا ہوں۔ اس لئے کہ......''

یہاں تک کہتے کہتے محمد بن اشعث کو رک جانا پڑا۔ خازم کہنے لگا۔

''میرے بھائی! اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میری اور مجیر کی غیر موجودگی میں تمہاری بہن ربیب اکیلی ہے تو اس سے متعلق تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری ماں اور بہن کے حادثہ کے بعد امیر جعفر منصور کی طرف سے ان سارے علاقوں میں محافظ مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ وہ خفیہ انداز میں یہاں کے ہر آنے جانے والے پر نگاہ رکھتے ہیں اور ان کی موجودگی میں کسی کی جرأت نہیں کہ اب یہاں کوئی واردات کر سکے۔ لہٰذا مجیر گھر جاتا ہے اور میں تمہارے ساتھ اس سرائے کی طرف چلوں گا۔''

محمد بن اشعث نے اس سے اتفاق کر لیا تھا۔ چنانچہ مجیر گھر چلا گیا۔ محمد بن اشعث، خازم بن خزیمہ اپنے تینوں ساتھیوں کو لے کر حویلی سے نکلے اور انبار شہر کی مشرقی

سرائے کا رخ کیا تھا۔

پانچوں سرائے میں داخل ہوئے، سیدھے سرائے کے مالک کی طرف گئے۔ مالک لمحہ بھر کے لئے اُداس و افسردہ اور کسی قدر پیلا ہو گیا تھا۔ اس کے سامنے جا کر محمد بن اشعث نے اسے مخاطب کیا۔

''کیا تم مجھے پہچانتے ہو میں کون ہوں؟''

سرائے کا مالک مسکرایا اور کہنے لگا۔

''آپ کو کون نہیں جانتا۔ آپ لشکریوں کے سالار محمد بن اشعث ہیں۔ آپ کے ساتھ آپ کے خالہ زاد خازم بن خزیمہ اور آپ کے تینوں ساتھی ہیں۔ انہیں بھی میں جانتا ہوں۔ کیا آپ کسی خاص مقصد کے لئے آئے ہیں؟''

محمد بن اشعث نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیا تم جانتے ہو میری ماں اور بہن کو قتل کیا گیا ہے؟''

سرائے کا مالک مزید پیلا ہو گیا۔

''ہاں! میں جانتا ہوں آپ کی ماں اور بہن کو قتل کیا گیا ہے۔ یہ بڑا المناک واقعہ ہے اور بڑی درندگی ہے۔''

''اگر تم جانتے ہو تو تمہیں یہ بھی خبر ہو گی کہ میری ماں اور بہن کو کس روز قتل کیا گیا۔ اس روز تمہاری سرائے میں کچھ لوگ ٹھہرے ہوئے تھے یا یوں جانو کہ کچھ اجنبی آئے تھے جنہوں نے یہاں قیام کیا اور پھر یہاں سے کوچ کر گئے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد محمد بن اشعث رکا، پھر گھورنے کے انداز میں سرائے کے مالک کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''جھوٹ مت بولنا۔ جھوٹ بولو گے تو میں ایسی سختی پر اُتروں گا کہ تمہارے لئے ناقابلِ برداشت ہو گی۔ تمہارا چہرہ، تمہاری آنکھیں بتاتی ہیں کہ تمہارے پاس ہمیں بتانے کے لئے بہت کچھ ہے۔ سچ کہنا۔''

سرائے کا مالک کچھ دیر ہکلاتا رہا، پھر کہنے لگا۔

''میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ جو کچھ جانتا ہوں، سچ کہوں گا۔ گو سچ کہنے کی صورت میں مجھے قتل کی بھی دھمکی دی گئی ہے لیکن جو ہو، سو ہو۔ بہرحال میں حقیقت آپ سے کہتا ہوں۔ کچھ سوار جنہیں آپ مسلح جوان کہتے ہیں، اُس روز میری سرائے میں آئے

تھے۔ یہاں قیام کیا تھا۔ وہ ہمارے سالار جہور بن مرار عجلی کے آدمی لگتے تھے۔ اس لئے کہ جس روز وہ یہاں آئے تھے، جہور بن مرار عجلی ان سے ملنے کے لئے سرائے میں آیا تھا۔ جہور بن مرار عجلی نے مجھے دھمکی آمیز انداز میں یہ بھی کہا تھا کہ یہ جو لوگ سرائے میں آ کر قیام کر چکے ہیں، ان کا کسی سے ذکر مت کرنا۔ اس نے مجھے یہ بھی کہا، تم جو مسافروں کا روزنامچہ بناتے ہو، اس میں ان کے نام بھی مت درج کرنا۔ لہٰذا جہور بن مرار عجلی کے کہنے پر میں نے ان کے نام روزنامچے میں درج نہیں کئے تھے۔ بس جس روز آپ کی والدہ اور بہن کو ہلاک کیا گیا، اسی روز ان لوگوں نے میری سرائے میں قیام کیا تھا جن سے متعلق جہور بن مرار عجلی نے مجھے تنبیہہ کی تھی۔ صرف ایک ہی رات وہ یہاں ٹھہرے، اگلے روز یہاں سے کوچ کر گئے تھے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد سرائے کا مالک جب خاموش ہوا تب محمد بن اشعث نے خوش کن انداز میں اس کی پیٹھ تھپتھپائی، کہنے لگا۔

''میں جانتا ہوں جو کچھ تُو نے کہا ہے یہ سچ ہے۔''

اس کے بعد محمد بن اشعث پیچھے ہٹا، خازم بن خزیمہ اور اس کے تینوں ساتھی بھی پیچھے ہٹ گئے تھے۔ سرائے کے صحن میں آ کر خازم بن خزیمہ، محمد بن اشعث کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے عزیز بھائی! جو کچھ سرائے کے مالک نے کہا ہے، حقیقت اور سچائی یہی ہے۔ اگر جہور بن مرار عجلی نے وہ گفتگو سرائے کے مالک سے کی ہے، جو سرائے کے مالک نے بیان کی ہے تو اس کے پیچھے جہور بن مرار عجلی کا بھی ہاتھ ہے۔''

جواب میں محمد بن اشعث کہنے لگا۔

''اگر یہ بات ہے تو پھر وقت ضائع کیوں کریں؟ ابھی اور اسی وقت جہور بن مرار عجلی کی طرف چلتے ہیں۔''

جواب میں خازم بن خزیمہ مایوس لہجے میں کہنے لگا۔

''میرے عزیز بھائی! ایسا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ جہور بن مرار عجلی ان دنوں انبار شہر میں نہیں ہے۔ ابو مسلم خراسانی کے قتل کے بعد اس کے گماشتے اور اس کے نقیب جگہ جگہ بغاوتیں کھڑی کرنے لگے ہیں اور یہ ایک طرح سے ساری ابو مسلم خراسانی ہی کی سازش ہے۔ سب سے پہلے فیروز سنباد نے بغاوت کھڑی کی ہے، لہٰذا امیر ابو جعفر منصور

نے فیروز سنباد کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے جہور بن مرار عجلی کو تمہاری آمد سے صرف ایک دن پہلے ایک لشکر کے ساتھ روانہ کیا ہے۔ اس بناء پر وہ اس وقت انبار شہر میں نہیں ہے۔ میرے خیال میں وہ جلدی لوٹ آئے گا۔ پھر اس سے اپنا حساب بے باق کرنا شروع کریں گے۔''

جواب میں محمد بن اشعت نے کچھ سوچا اور دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

''اسے تو فیروز سنباد کی اس بغاوت کو ختم کرنے کے لئے روانہ ہی نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اس لئے کہ جہاں فیروز سنباد، ابو مسلم خراسانی کا آدمی ہے، وہاں یہ جہور بن مرار عجلی بھی ابو مسلم خراسانی کا آدمی ہے۔ بظاہر انبار میں قیام کئے ہوئے تھا۔ خلیفہ کا بڑا عقیدت مند لگتا تھا۔ لیکن میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ باطنی طور پر وہ ابو مسلم خراسانی ہی کا آدمی ہے۔''

جواب میں پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے خازم بن خزیمہ کہنے لگا۔

''یہ بات ہے تو آؤ خلیفہ کے پاس چلتے ہیں۔ اسے اس ساری صورت حال سے آگاہ کرتے ہیں۔ پھر دیکھتے ہیں وہ کیا فیصلہ دیتا ہے۔''

محمد بن اشعت نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ لہٰذا سب انبار کے قصر کی طرف ہو لئے تھے۔

دراصل ابو مسلم خراسانی کے قتل کے بعد بظاہر تو خلیفہ ابو جعفر منصور مطمئن ہو گیا تھا لیکن ابو مسلم خراسانی کے قتل کے بعد منصور کے لئے لگاتار مشکلات کا ایک سلسلہ جاری ہو گیا تھا۔ سب سے پہلے ابو مسلم خراسانی کے ہمراہیوں میں سے ایک مجوسی سالار فیروز نامی جو سنباد کے نام سے مشہور تھا، بغاوت کرنے کو اُٹھا۔ وہ مسلمان ہو کر ابو مسلم کے لشکر میں شامل تھا۔ ابو مسلم کے قتل کے بعد اس نے ابو مسلم کے خون کا معاوضہ طلب کرنے کے لئے خروج کیا اور شمال کے کوہستانی سلسلے کے لوگوں نے اس کا ساتھ دیا۔

سنباد نے نیشا پور اور رے شہر پر قبضہ کر کے اس تمام مال و اسباب کو جو ابو مسلم حج کے لئے روانہ ہوتے وقت رے اور نیشا پور میں چھوڑ گیا تھا، قبضہ کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی فیروز سنباد نے لوگوں کے مال و اسباب کو لوٹا اور ان کو گرفتار کر کے باندی اور غلام بنایا، اس کے بعد وہ مرتد ہو گیا اور اعلان کیا کہ میں خانہ کعبہ کو منہدم کرنے جاتا ہوں۔ نو مسلم ایرانیوں کے لئے اس قدر تحریک کافی تھی۔ ان میں جو لوگ مذہب اسلام

سے واقف نہ ہوئے تھے، یہ دیکھ کر کہ ہماری ہی قوم اور ملک کا ایک شخص اسلامی سلطنت کے خلاف اُٹھا ہے، فوراً اس کے شریک ہو گئے۔ چنانچہ فیروز سنباد کی اس بغاوت ہی کو فرو کرنے کے لئے خلیفہ ابو جعفر منصور نے ایک لشکر دے کر جہور بن مرار عجلی کو روانہ کیا تھا۔

چنانچہ صلاح و مشورہ کرنے کے بعد سب قصر میں داخل ہوئے اور اپنی آمد سے ابو جعفر منصور کو اطلاع دی۔ ابو جعفر منصور نے انہیں فوراً بلا لیا تھا۔ جب سب منصور کے سامنے بیٹھ گئے تب محمد بن اشعت نے منصور کے پوچھنے پر اپنے گھر میں قاتلوں کے پاؤں کے نشان محفوظ کرنے اور پھر اپنے ساتھی روح بن حاتم کے انہی نشانات کے پیچھے پیچھے سرائے کی طرف جانے والے سرائے کے مالک سے گفتگو اور اس کے جہور بن مرار عجلی سے متعلق انکشافات کی ساری تفصیل منصور سے کہہ دی تھی۔

یہ تفصیل جان کر ابو جعفر منصور کچھ دیر سنجیدہ بیٹھا رہا۔ چہرے پر غم و غصہ کے تاثرات نمودار ہوتے رہے۔ آنکھ کے اندر لمحہ بہ لمحہ انتقام کی چنگاریاں تیز اور شدید ہوتی چلی گئیں۔ یہاں تک کہ خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعت کے ساتھیوں کا جائزہ لیا، پھر غصہ بھری آواز میں کہنے لگا۔

''یہ جہور بن مرار عجلی ایسا کر سکتا ہے؟ ...... میں اُس سے متعلق اس قسم کے فعلِ بد کی تو اُمید بھی نہیں رکھتا تھا۔ وہ فیروز سنباد کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے گیا ہے۔ ابھی وہ فیروز سنباد کے سامنے بھی نہیں گیا ہو گا۔ خاصا بڑا لشکر لے کر گیا ہے۔ اسے واپس آنے دو۔ اس کے بعد اس معاملے کو اس کے انجام تک پہنچائیں گے۔ پہلے جہور بن مرار سے یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ قاتل کون تھے، ان سے جہور بن مرار کا کیا تعلق تھا؟ سرائے میں وہ ان سے کیوں ملتا رہا؟ اور اگر اس کے کہنے پر محمد بن اشعت کی ماں اور بہن کو قتل کیا گیا ہے تو پھر جرم ثابت ہونے پر جہور بن مرار کو انبار شہر کے چوک پر کھڑا کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ جو لوگ اس کے ساتھ تھے اور براہِ راست جرم میں ملوث ہوئے ہیں، کہیں بھی چلے جائیں، اپنے اس قبیح جرم کی سزا سے بچ نہیں پائیں گے۔ اب محمد بن اشعت! میرے بیٹے! تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ نشان دہی ہو چکی ہے کہ اس قتل کا پہلا قفل جہور بن مرار کی طرف کھلتا ہے۔ جب اس پر گرفت کی جائے گی تو جہور بن مرار خود بتائے گا کہ اس کے علاوہ اس

قتل میں کون کون ملوث ہے۔ ابھی بالکل خاموش رہو۔ اس لئے کہ جہور بن مرار ایک بہت بڑا لشکر لے کر فیروز سنباد کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے گیا ہے اور اگر جہور بن مرار کو یہ بھنک بھی پڑ گئی کہ تمہاری ماں اور بہن کے قتل میں اس کے ملوث ہونے کی خبر عام ہوتی جا رہی ہے تو جہور بن مرار اپنے ساتھ جو لشکر لے کر گیا ہے، اس کی قوت کے سہارے وہ جو قدم اُٹھا سکتا ہے، اوّل یہ کہ وہ فیروز سنباد کے ساتھ مل جائے گا۔ اس طرح جب دونوں ملیں گے تو باغیوں کی طاقت اور قوت بہت زیادہ ہو جائے گی۔ اور اگر فیروز سنباد کی بغاوت کم کرنے کے بعد اسے یہ خبر ملتی ہے تب وہ فیروز سنباد کی طرح ہمارے خلاف بغاوت بھی کھڑی کر سکتا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد ابوجعفر منصور جب خاموش ہوا تب روح بن حاتم اس کی طرف دیکھتے ہوئے بول اٹھا۔

''آج کل عثمان بن نحیک، انبار شہر میں کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ حالانکہ ابو مسلم خراسانی کے قتل میں وہ ہمارے ساتھ شامل تھا۔ کیا آپ نے اسے کسی مہم پر بھیجا ہے؟''

جواب میں ابوجعفر منصور نے روح بن حاتم کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

''دراصل جس وقت میں نے جہور بن مرار کو ایک لشکر دے کر فیروز سنباد کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے روانہ کیا تھا، اسی روز عثمان بن نحیک میرے پاس آیا تھا۔ کہنے لگا کہ وہ فیروز سنباد کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے جہور بن مرار کے لشکر میں شامل ہونا چاہتا ہے۔ لہٰذا میں نے اُسے ایسا کرنے کی اجازت دے دی۔ اس بناء پر عثمان بھی جہور بن مرار کے لشکر میں شامل ہو کر فیروز سنباد کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے جا چکا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد ابوجعفر منصور رکا، جستجو بھرے انداز میں تھوڑی دیر تک روح بن حاتم کی طرف دیکھتا رہا، پھر کہنے لگا۔

''عثمان بن نحیک سے متعلق تُو نے کیوں پوچھا؟''

اس پر محمد بن اشعث کہنے لگا۔

''امیر! بات یہ ہے عثمان بن نحیک ایک عرصہ ہمارے ساتھ کام کرتا رہا ہے۔ اس سے پہلے مجھے یہ شک تھا کہ باطنی طور پر وہ ابو مسلم خراسانی سے ملا ہوا ہے لیکن جب اس نے ابو مسلم خراسانی کے قتل میں ہمارا ساتھ دیا، تب میری وہ غلط فہمی دور ہو گئی۔ امیر!

چونکہ عثمان بن نحیک ایک عرصہ ہمارے ساتھ رہا ہے لہٰذا میں اس کی چال ڈھال اور اس کے دیگر امور سے خوب واقف ہوں۔ جس روز محمد بن اشعث کی ماں اور بہن کو قتل کیا گیا اور میں نے محمد بن اشعث کی حویلی میں قاتلوں کے پاؤں کے نشانات کو محفوظ کیا تو ان نشانات میں عثمان بن نحیک کے جوتوں کے نشانات بھی تھے۔ اس لئے کہ میں چونکہ عثمان بن نحیک کے ساتھ رہا ہوں اور وہ میرے بہترین ساتھیوں میں شامل رہا ہے۔ میں اس کے ان سارے جوتوں سے واقف ہوں جو وہ استعمال کرتا ہے۔ اس بات کا ذکر اس سے پہلے میں نے محمد بن اشعث یا خازم بن خزیمہ یا اپنے دیگر ساتھیوں سے نہیں کیا لیکن اس سلسلے میں مجھے پکا، پختہ یقین ہے کہ جو نشانات وہاں پائے گئے تھے ان میں عثمان بن نحیک کے نشانات بھی تھے۔ گو میں نے اُن نشانات کو محفوظ نہیں کیا تھا کیونکہ میں پہچان گیا تھا کہ وہ عثمان بن نحیک کے جوتوں کے نشانات ہیں۔ اس بناء پر میں نے دوسروں کے نشانات کو محفوظ کیا اور انہی نشانات کو لے کر میں سرائے تک پہنچا تھا۔ ایسی صورت میں میرا دل کہتا ہے کہ یہ جہور بن مرار اور عثمان بن نحیک آپس میں ملے ہوئے ہیں۔''

ابوجعفر منصور اور زیادہ تاؤ کھا گیا۔ غصہ بھری آواز میں کہنے لگا۔

''اگر جہور بن مرار اور عثمان بن نحیک دونوں ملے ہوئے ہیں اور جرم ثابت ہو گیا تو دونوں ہی واجب القتل ہوں گے۔''

ابو منصور کچھ دیر خاموش رہ کر کچھ سوچتا رہا، پھر اس کی دھیمی اور سست سی آواز سنائی دی۔

''اگر عثمان بن نحیک باطنی طور پر ابو مسلم خراسانی کا آدمی ہے تو اس کا مطلب ہے پھر جہور بن مرار بھی ایسا ہی ہے۔''

اس موقع پر ابوجعفر منصور کی طرف دیکھتے ہوئے، محمد بن اشعث بول اٹھا۔

''امیر! میں نے اس سے پہلے اپنے بھائی خازم بن خزیمہ کے علاوہ اپنے ساتھیوں پر کئی مرتبہ اس بات کا اظہار کیا کہ جہور بن مرار حقیقتاً ابو مسلم خراسانی کا آدمی ہے، لیکن انبار شہر میں رہتے ہوئے اس نے غیر جانبداری کا لبادہ اوڑھا ہوا ہے۔ میرا دل کہتا ہے جبکہ آپ نے اسے ایک خاصا بڑا لشکر مہیا کر دیا ہے، وہ ضرور بغاوت کھڑی کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس سے پہلے میں نے آپ پر جہور بن مرار کے ابو مسلم کے ساتھی

ہونے کا انکشاف اس لئے نہیں کیا تھا کہ آپ یہ خیال کرتے کہ میں اس پر الزام تراشی کر رہا ہوں۔ میں چاہتا تھا کہ کوئی ایسا موقع آئے کہ آپ پر خود ثابت ہو جائے کہ جہور بن مرار حقیقتاً ابو مسلم خراسانی کا آدمی ہے۔“

محمد بن اشعث کے خاموش ہونے پر ابو منصور دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

”جہور بن مرار ہی نہیں، ابھی ہمارے سامنے اور بہت سے لوگ آئیں گے جو حقیقتاً ابو مسلم خراسانی کے آدمی تھے اور ظاہری طور پر ہمارا ساتھ دے رہے تھے۔ اس وقت ان میں سے صرف ایک آدمی عیاں ہوا ہے اور وہ فیروز سنباد ہے۔ اب ہمیں انتظار کرنا چاہئے کہ جہور بن مرار اور فیروز سنباد اگر آپس میں ٹکراتے ہیں یا ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو پھر کیسے ردِعمل کا اظہار کرتے ہیں۔ میرے خیال میں چند دن انتظار کر کے دیکھتے ہیں، پھر حالات کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی اگلا قدم اٹھائیں گے۔ میں کل یہاں سے دریائے دجلہ کی طرف کوچ کر جاؤں گا۔ اس سے پہلے بھی میں کئی بار اُدھر جا چکا ہوں۔ میں دریائے دجلہ کے کنارے سلطنت کا نیا دارالحکومت تعمیر کرنے سے متعلق سوچ رہا ہوں۔ جگہ کا انتخاب بھی میں کر چکا ہوں۔ اب میں کل یہاں سے روانہ ہونے کے بعد اس کام کو آخری شکل دوں گا۔ میرے بعد خازم بن خزیمہ! اور محمد بن اشعث! تم سب اپنے ساتھیوں کے ساتھ چوکس اور چوکنے رہنا۔ میں زیادہ دن وہاں نہیں رہوں گا۔ بس میں نے وہاں تعمیر کا کام شروع کروانا ہے اور اس کے بعد جب وہاں کچھ رہائش گاہیں مکمل ہو جائیں گی تو میں اپنا دارالحکومت خود انبار سے وہاں منتقل کر دوں گا اور باقی تعمیرات وہاں قیام کے دوران مکمل ہوتی رہیں گی۔ اپنے اس نئے دارالحکومت کا نام میں بغداد تجویز کر چکا ہوں۔ میرے خیال میں اب تم لوگ اٹھو اور آرام کرو۔“

ابو منصور کی اس تجویز سے سب نے اتفاق کیا تھا۔ لہٰذا محمد بن اشعث اور خازم بن خزیمہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ انبار کے اس قصر سے نکل گئے تھے۔

۞

۞

جہاں تک بغداد شہر کا تعلق ہے تو اسے ابوجعفر المنصور نے 145ھ بمطابق 762ء میں سرسائی گاؤں بغداد کی جگہ پر بسانا شروع کیا تھا اور اس کا نام مدینۃ السرام رکھا تھا۔ آج کل یہ عراق کا ایک مشہور شہر اور دارالحکومت ہے۔ یہ شہر دریائے دجلہ کے دونوں کناروں پر آباد ہے۔ بغداد کے نام کے بارے میں مختلف خیالات پیش کئے گئے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس کا نام ایک بت بغ کے نام پر رکھا گیا۔ بعض کے نزدیک بغداد دراصل باغ داد سے ہے یعنی وہ باغ جہاں نوشیرواں عادل مظلوموں کی داد رسی کرتا تھا۔ بعض کے نزدیک یہ ایک ارامی لفظ ہے جس کے معنی بھیڑوں کا باڑہ کے ہیں۔

ابوجعفر منصور نے اس شہر کی تعمیر میں ایک بیان کے مطابق ایک کروڑ اسی لاکھ دینار خرچ کئے تھے اور ایک بیان کے مطابق دس کروڑ درہم خرچ کئے تھے۔ شروع زمانے میں بغداد ایک بڑا قلعہ سا معلوم ہوتا تھا۔ اس کے چاروں طرف ایک بڑی اور گہری خندق تھی، اس کے بعد اینٹوں کا ایک پشتہ اور پھر اس کی پہلی فصیل تھی۔

اس کے آگے کچی اینٹوں کی ایک فصیل تھی اور ہر دو دروازوں کے درمیان 28 بڑے برج تھے اور ہر دروازے پر ایک قبہ بنا ہوا تھا جہاں سے سارا شہر نظر آتا تھا۔ اس کی فصیل کے بعد ایک چوڑا میدان تھا جس میں مکانات بنے ہوئے تھے۔ اس کے بعد ایک تیسری سادہ سی دیوار تھی اور اس کے اندر یہ عمارات بنی ہوئی تھیں۔

قصرِ خلافت، جامع مسجد، متعدد دیوان، خلیفہ کی اولاد کے مکانات اور دوسری اہم عمارتیں شامل تھیں۔ شہر کو دو شاہراہوں کے ذریعے دو برابر حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ یہ شاہراہیں یکساں فاصلہ رکھنے والے دروازوں سے آتی تھیں اور شہر میں ایک دوسرے کو قطع کرتی تھیں۔

شہر کے شمال مشرق میں بابِ خراسان کے مقابل جنوب مغرب میں باب البصرہ، شمال مشرق میں باب الشام، جنوب مشرق میں باب کوفہ تھا۔ اس طرح اندرونی حلقہ میں جانے کے لئے پہلے خندق کو پار کرنا پڑتا تھا، اس کے بعد پانچ دروازوں میں سے گزرنا پڑتا تھا۔ یعنی باہر کی دیوار کے دو دروازے، دو بڑی فصیلوں کے عظیم دروازے اور ایک اندرونی دیوار کا دروازہ۔

بغداد شہر میں منصور کے ہاتھوں باب زھب کے نام سے جو محل تیار ہوا تھا اس میں سنگِ مرمر استعمال کیا گیا تھا اور پھاٹک کی تزئین طلائی کام سے ہوئی تھی۔ بغداد نے ترقی کی منازل بہت تیزی سے طے کیں اور وہ قصرِ امارات، تجارتی چہل پہل اور ثروت و آبادی میں بڑھتا چلا گیا۔

بغداد کی تعمیر میں ابوجعفر منصور کے علاوہ دوسرے لوگوں نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جن میں سے یحیٰی برمکی سرفہرست ہے۔ اس نے ایک شاندار محل تعمیر کروایا تھا۔ اس کے بیٹے جعفر نے بغداد کے زیریں حصے میں ایک بڑا پُرتکلف محل تعمیر کروایا۔ اس کے علاوہ ہارون رشید کے بیٹے الامین نے قصر الخلد کے نام سے ایک محل تعمیر کروایا۔ ہارون رشید کی بیوی اور خلیفہ الامین کی والدہ ملکہ زبیدہ نے دریائے دجلہ کے کنارے ایک مسجد بنائی، ایک اور شاندار مسجد شمال میں محلّہ اُمِ جعفر میں تعمیر کرائی۔ اسی ملکہ نے قصر الخلد کے قریب ایک محل قصر القرار کے نام سے تعمیر کرایا۔

بغداد کو شعراء نے فردوسِ ارضی بھی کہا ہے۔ اس کے حیرت انگیز باغ، سرسبز دیہات، اونچے اونچے شاندار محلات جن کے دروازے اور ایوان اعلیٰ درجہ کے نقش و نگار سے آراستہ اور نفیس و پُرتکلف فرش وچھت سے مزین تھے، بہت مشہور تھے۔

بغداد کی تفصیل میں اگر مزید جایا جائے تو پھر بغداد کو امین اور اس کے بھائی مامون کے باہمی جنگ و قتال کے زمانے میں بہت نقصان پہنچا۔ چودہ ماہ کے سخت محاصرے کے بعد اور اہلِ شہر کی انتہائی ثابت قدمی سے تنگ آ کر مقابلہ کرنے والوں کے گھر تباہ و برباد کرنے کا حکم دیا گیا تو بغداد کے محلے کے محلے تباہ ہو گئے۔ بقول علامہ طبری اور المسعودی بغداد کی ساری شان و شوکت جاتی رہی۔

المامون کے عہد میں بغداد نے دوبارہ اپنی شان و شوکت بحال کر لی۔ بغداد ترکوں کے ہنگاموں سے بھی بچ نہ سکا اور اسے خاصا نقصان پہنچا۔ 251ھ بمطابق

865ء میں عسکری قوت نے سال بھر بغداد شہر کا محاصرہ کیے رکھا۔

891ء بمطابق 278ھ میں معتزد نے اپنی سکونت مستقل طور پر بغداد میں کر لی تو اس شہر کی طرف بھی توجہ دی۔ معتزد نے اس کے شمال مشرق میں ایک قصرِ ثریا تعمیر کروایا اور ایک زمین دوز راستے کے ذریعے قصر الحسنی سے ملا دیا۔ 901ء اور 289ھ میں المکتفی نے ایک اور قصر تعمیر کروایا۔ ایک مسجد جامع القصر بھی تعمیر کروائی۔

جب المقتدر کا دورِ حکومت آیا تو بغداد میں شاہی محلات اور نئی نئی عمارات کا اضافہ ہوا۔ اس دور میں بغداد تجارت کا بھی ایک اعلیٰ مرکز بن گیا۔ یہاں تجارتی منڈیاں قائم ہوگئیں اور ہر جنسِ تجارت کے الگ بازار بنا دیئے گئے۔ منڈیوں کی نگرانی کے لئے محتسب مقرر کیے گئے یہاں کے سوتی اور ریشمی کپڑے خصوصاً رومال اور عمامے وغیرہ کی دوسرے ممالک میں بڑی مانگ تھی۔ اس دور میں بغداد آبادی کے لحاظ سے ایک بین الاقوامی شہر بن گیا تھا۔ یہاں مختلف نسلوں، رنگوں اور مذہبوں کے لوگ آباد تھے۔ اس کی آبادی کی تعداد کا اندازہ کرنا بڑا مشکل ہے۔ مساجد اور حماموں کی تعداد کے بارے میں بھی مبالغے پائے جاتے ہیں

الموفق کے زمانے میں تین لاکھ مساجد اور ساٹھ ہزار حماموں کا ذکر ملتا ہے۔

993ء بمطابق 383ھ میں حماموں کی تعداد ڈیڑھ ہزار تھی اور روایات میں یہ بھی ملتا ہے کہ ایک حمام، دو سو گھروں کے کام آتا تھا۔ مسجد کے رقبہ کی پیمائش کے پیشِ نظر جمعۃ الوداع کے دن جامع المنصور اور جامع رصافہ میں نمازیوں کی تعداد کا اندازہ چونسٹھ ہزار کیا گیا تھا۔ چوتھی صدی ہجری اور دسویں صدی عیسوی میں یہاں کی آبادی کا اندازہ پندرہ لاکھ کے لگ بھگ تھا۔

بغداد ایک زمانے میں مسلمانوں کی ثقافت کا مرکز رہا ہے۔ یہاں کی مساجد علوم کے بڑے بڑے مراکز تھیں۔ یہاں ایک بیت الحکمت تھا جس میں دوسری زبانوں کی کتب کے ترجمے کیے جاتے تھے۔ جب مدارس کا دور شروع ہوا تو سب سے زیادہ مدارس بغداد میں تھے۔

308 ہجری بمطابق 920 عیسوی میں کرخ کی آتش زدگی سے بغداد کو کافی نقصان ہوا۔ 323ھ بمطابق 934ء کی آتش زندگی کے آثار تو ایک عرصہ تک نظر آتے رہے۔

بغداد آلِ بویہ کے دورِ حکومت میں زوال پذیر ہو گیا۔

عزد الدولہ کے زمانے میں یہ شہر بدحالی کا شکار ہوا۔ عزد الدولہ نے حکم دیا کہ مکانات اور بازار نئے سرے سے تعمیر کئے جائیں۔ نیز اس نے جامع مسجد کی تعمیر بھی نئے سرے سے کرائی۔ ان تمام باتوں کے باوجود خود آلِ بویہ کے دور میں بغداد نے کوئی خاص ترقی نہ کی تھی۔

اس شہر کی یہ بھی بدقسمتی رہی ہے کہ عوام کی شورشوں اور مسلمانوں کے فرقوں کے باہمی اختلافات نے بغداد کو بہت نقصان پہنچایا اور اس کے ساتھ ساتھ شہر کو آتش زدگی اور سیلاب اور جنگوں کی تباہ کاریوں میں بھی کافی نقصان پہنچا۔ حکومت اس قدر کمزور ہو گئی کہ نظم و نسق قائم رکھنا اس کے بس میں نہ تھا۔

656ھ بمطابق 1258ء میں بغداد پر منگولوں نے حملہ کیا۔ یہ حملہ بڑا سخت تھا۔ بغداد کے باشندے ایک ہفتہ سے زیادہ دیر تک بے دریغ قتل کئے جاتے رہے۔ مقتولوں کا اندازہ آٹھ لاکھ سے بیس لاکھ تک لگایا گیا ہے۔ الغرض پورے بغداد میں ایک تباہی مچا کر رکھ دی گئی۔ بغداد کی ثقافت کو سخت نقصان پہنچایا گیا۔ اس کی سیاسی اہمیت ختم ہوگئی اور یہاں کی معیشت تباہ و برباد ہو کر رہ گئی۔ منگولوں کے حملے کے بعد بغداد ایک طرح سے صوبے کا صدر مقام ہو کر رہ گیا تھا۔

اس کے بعد 803ھ بمطابق 1400ء میں تیمورلنگ نے بغداد پر دوسری بار حملہ کیا۔ یہ حملہ پہلے حملے سے کہیں زیادہ سخت تھا۔ باشندوں کا بے دریغ قتل عام کیا گیا اور بہت سی سرکاری عمارتیں اور محلے ویران کر دیئے گئے۔ یہ حملہ بغداد کی ثقافت پر ایک کاری ضرب تھی۔

810ھ بمطابق 1407ء میں بغداد ترکمانوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ ترکمانوں کی عملداری میں حالت اور بھی خراب ہوگئی اور بہت سے باشندے شہر کو خیرباد کہہ کر چلے گئے۔ بار بار سیلاب کے آنے سے بڑی تباہی پھیلی۔ 841 ہجری بمطابق 1437 عیسوی میں مؤرخ المکریزی نے بغداد کا نقشہ کچھ یوں بیان کیا ہے

"بغداد تباہ ہو گیا۔ اس میں کوئی مسجد نہیں رہی۔ نہ جمعہ ہوتا ہے نہ کوئی بازار ہے۔ اس کی اکثر نہریں خشک ہو چکی ہیں۔ اب اسے شہر بمشکل ہی کہا جا سکتا ہے۔"

914 ہجری بمطابق 1508 عیسوی میں یہ شہر ایران کے بادشاہ اسمٰعیل صفوی کے

قبضہ میں چلا گیا تو ایرانیوں اور عثمانیوں میں اس کے قبضہ کے لئے لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ 978 ہجری بمطابق 1570 عیسوی میں بغداد میں مراد پاشا نے نئے سرے سے کچھ مساجد اور عمارتیں تعمیر کرائیں۔

اس کے بعد بغداد پر پاشاؤں کی حکومت رہی۔ اس زمانے میں شہر کی دیواروں اور مسجدوں کی مرمت کرائی گئی۔ اٹھارہویں صدی کے شروع میں حسن پاشا شہر کا حاکم بنا۔ اس کی وجہ سے شہر میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ ینی چریوں کا زور توڑنے کے لئے وہ مملوکوں کو یہاں لایا اور اس طرح مملوکوں کے اقتدار کی بنیاد پڑی۔

حسن پاشا کے بعد اس کا بیٹا احمد پاشا تخت نشین ہوا تو اُس نے ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے کہ جس نے بغداد کی قدر و منزلت بڑھا دی۔

1747ء میں احمد پاشا کی وفات پر اہلِ قسطنطنیہ نے دوبارہ بغداد پر اپنا قبضہ جمانا چاہا لیکن مملوکوں کی مزاحمت آڑے آئی۔ 1162 ہجری بمطابق 1749 عیسوی میں سلیمان پاشا پہلا مملوک تھا جو بغداد کا والی بنایا گیا۔ 1247 ہجری بمطابق 1831 عیسوی میں عثمانی عہد کے خاتمہ تک بغداد براہِ راست حکومتِ قسطنطنیہ کی ماتحتی میں رہا۔ 1286 ہجری بمطابق 1869 عیسوی میں بدھت بادشاہ نے ایک جدید نظامِ ولایت جاری کیا۔ ولایت کو سات حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ اس نے بغداد شہر کی فصیلیں گرا دیں۔ 1182 ہجری بمطابق 1768 عیسوی تک بغداد تین بڑے علاقوں یعنی موصل، بصرہ اور بغداد کا صدر مقام تھا۔ 1277 ہجری بمطابق 1861 عیسوی میں موصل اور 1309 ہجری بمطابق 1884 عیسوی بصرہ میں بصرہ اور بغداد کو علیحدہ کر دیا گیا۔

1853ء میں اس کی آبادی تقریباً ساٹھ ہزار تھی۔ 1294 ہجری بمطابق 1870 عیسوی اس کی آبادی کا اندازہ ستر سے اسی ہزار تک تھا۔ 1330 ہجری بمطابق 1918 عیسوی میں بغداد کی آبادی دو لاکھ کے قریب تھی۔

موجودہ بغداد بہت بدل چکا ہے۔ اب وہ شمال کی طرف اعظیم اور کاظمین تک، مشرق میں بند سے، جنوب میں دجلہ کے بڑے موڑ اور اُدھر قریبی مضافات منصور اور مامون کے شہروں سے جا ملا ہے۔ 1947ء میں اس کی آبادی چار لاکھ چھیاسٹھ ہزار (4,66000) کے لگ بھگ تھی جو 1967ء میں 22 لاکھ 70 ہزار (22,70,000) ہو

گئی تھی۔

قدیم عمارتوں کی طرز کو سجائے شہر کے نئے مکان مغربی طرز پر بنائے گئے ہیں۔ پرانی آبادیوں کی طرز رفتہ رفتہ بدلتی جارہی ہے اور شہر میں چار پختہ پل بھی تعمیر کئے گئے ہیں۔

یہ شہر ایک معاہدے کی وجہ سے جو معاہدۂ بغداد کے نام سے مشہور ہے، اہمیت رکھتا ہے۔ یہ معاہدہ ترکی، ایران، عراق، پاکستان اور برطانیہ کے درمیان 24 فروری 1955ء میں طے پایا تھا۔ اس معاہدے کی رُو سے غیر ملکی جارحیت کا مقابلہ کرنے اور ایک دوسرے کے داخلی معاملات میں مداخلت کئے بغیر ایک دوسرے کا باہمی تحفظ کرنے کی کوشش کی جانا قرار پائی تھی۔

❀❀❀

ابوجعفر منصور کے کہنے پر جہور بن مرار عجلی ایک بہت بڑا لشکر لے کر فیروز سنباد کی طرف بڑھا۔ عثمان بن نحیک اس کے نائب کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ دوسری طرف فیروز سنباد کو بھی خبر ہوگئی تھی کہ اس کی بغاوت کو ختم کرنے کے لئے خلیفہ منصور نے جہور بن مرار اور عثمان نحیک کو ایک لشکر دے کر روانہ کیا ہے۔ چنانچہ ان کا مقابلہ کرنے کے لئے فیروز سنباد ہمدان اور رے شہر کے درمیان جو کھلے میدان تھے، ان میں آ کر پڑاؤ کر گیا اور اپنے لشکر کو اس نے استوار کرلیا تھا۔

جہور بن مرار اور عثمان بن نحیک کو جب خبر ہوئی کہ فیروز سنباد نے اپنے لشکر کے ساتھ ہمدان اور رے کے درمیان کھلے میدانوں میں پڑاؤ کیا ہے تب انہوں نے بھی اُدھر کا رخ کیا۔ چنانچہ وہ دونوں بھی اپنے لشکر کے ساتھ فیروز سنباد کے لشکر کے سامنے جا نمودار ہوئے۔ دوسرے روز دونوں لشکریوں نے ایک دوسرے سے ٹکرانے کے لئے اپنی صفیں درست کرنا شروع کردی تھیں۔

فیروز سنباد کی بڑی طاقت تھی، اس کے پاس لشکر بھی بہت بڑا تھا۔ اس کے علاوہ ابومسلم خراسانی نے جو آج تک ساری دولت جمع کی تھی، جو انبار کی صورت میں تھی، وہ بھی فیروز سنباد ہی کے پاس تھی۔ فیروز سنباد، ابومسلم خراسانی کا انتقام لینے کے لئے مرنے مارنے پر تیار تھا۔ چنانچہ اس نے خود حملہ آور ہونے کا فیصلہ کیا۔ جہور بن مرار پر

حملہ آور ہونے کے لئے فیروز سنباد نے اپنے لشکر کو خباثت کی گہرائیوں سے اُٹھتی کھولتی تیرگی، اعصابی درد اور وحشت میں لپٹی ویران سنسان صحرا کی گرم چلچلاتی دھوپ کی طرح آگے بڑھایا، اس کے بعد وہ آنکھوں میں صحرا کی وحشتیں اتارتی اُداسیوں کی مہیب تیرگی، دھڑکنوں کے تسلسل، روح کی حدت کو تمام کرتی نفرت گزیدہ سوچوں میں بھٹکتی روحوں اور موت کے گیتوں کی بازگشت کھڑی کرتے تشنہ کامی کے فسوں اور جراحتوں کی درندگی کی طرح حملہ آور ہوگیا تھا۔

جہور بن مرار اور عثمان بن نحیک نے بھی اسی کے انداز میں شکستہ اور ہراساں کرتے ہوس کے اندھے سمندر، سانسوں کی ڈوریاں کاٹتے آگ برساتے اُجاڑ لمحوں کی طرح اپنے لشکر کو آگے بڑھایا اور پھر وہ بھی فیروسنباد کے لشکر پر سطر سطر میں نارسائیاں لکھتے طوفانوں کے وحشی جذبوں، آہنی ارادوں کی گرہیں کھولتے آندھیوں کے پیش خیموں، مساموں سے دل کی تہوں تک خوف بھرتے جاں گُسل لمحوں کی صورت میں حملہ آور ہو گیا تھا۔

ہمدان اور رے شہروں کے درمیان دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے اندھے کالے ارادے، حبس زدہ سوچیں، رنج کے اُڑتے بادل، بیدار ہوتے گھنے عذاب، بربادی کی داستانیں اور مجبوری کے قصے چارسُو ناچ اُٹھے تھے۔

دونوں لشکروں کے اس طرح ٹکرانے سے میدانِ جنگ میں بصارتوں میں اندھیرا، نفس نفس میں زہر، ساعتوں میں بے حسی چھانے لگی تھی۔ رنج و الم کے اُڑتے بگولے، زوال کے لمحات اپنا رنگ جمانے لگے تھے۔ تباہی و بربادی کے شعلے اور فنا کے پرندے رگ رگ میں کھولتے جذبے پیدا کرنے لگے تھے۔ رشتوں کے احساس، روحوں کے رابطے منقطع ہونے شروع ہوگئے تھے۔ بڑے بڑے لشکری، بڑے بڑے سورما تار تار دامن اور داستانوں کے بکھرے اوراق کی طرح لاشوں کی صورت میں بکھرتے چلے گئے تھے۔

فیروز سنباد نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ جہور بن مرار عجلی کو شکست دے کر مار بھگائے۔ اس لئے کہ اس نے اپنی طاقت وقوت میں خوب اضافہ کر رکھا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے تہیہ کیا ہوا تھا کہ ابومسلم کے قتل کے بعد اب ابومسلم کے خون کا نہ صرف معاوضہ لے گا بلکہ تباہی اور بربادی کا کھیل کھیلے گا۔ کوہستانی سلسلوں

کے ان گنت جنگجو اس نے اپنے لشکر میں شامل کر رکھے تھے۔ اس کے علاوہ ابو مسلم خراسانی نے جس قدر خزانے اور دولت جمع کر رکھی تھی، وہ بھی فیروز سنباد کے پاس تھی۔ اس نے اپنے لشکریوں کو یہ بھی لالچ دے رکھا تھا کہ فتح کی صورت میں وہ اپنے لشکریوں کو مالا مال کر کے رکھ دے گا۔ چنانچہ جس وقت جہور بن مرار عجلی کے ساتھ اُس کی جنگ شروع ہوئی تو اس کے لشکریوں نے اسی انعام کے لالچ میں جنگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا لیکن آہستہ آہستہ جہور بن مرار عجلی نے عثمان بن نحیک کے ساتھ مل کر جب فیروز سنباد پر دباؤ ڈالنا شروع کیا، تب فیروز سنباد کو اپنی حالت ابتر ہوتی دکھائی دی۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ ہمدان اور رے شہر کے درمیان خون ریز معرکہ ہوا جس میں جہور نے آخر کار فیروز سنباد کو شکست دی۔ اس جنگ میں فیروز سنباد کے لگ بھگ سات ہزار لشکری مارے گئے۔ سنباد اپنی جان بچا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کے لشکری جو بچ گئے انہوں نے جہور بن مرار عجلی سے معافی مانگ کر امان طلب کی۔ جہور بن مرار عجلی اور عثمان بن نحیک بھی ایسا ہی چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ان سارے لشکریوں کو اپنے لشکر میں شامل کر لیا۔ اس طرح فیروز سنباد تو اپنے چند فدائیوں کے ساتھ جان بچا کر بھاگا جبکہ اس کے بھاگنے کے بعد جہور بن مرار عجلی کے لشکر میں نہ صرف خاطر خواہ اضافہ ہوا بلکہ ابو مسلم کا خزانہ بھی اس کے قبضے میں آ گیا اور اس خزانے نے جہور بن عجلی اور عثمان بن نحیک کا دماغ بھی خراب کر دیا تھا۔

دوسری طرف فیروز سنباد میدانِ جنگ سے اپنی جان بچا کر فرار ہو کر طبرستان کی طرف بھاگا۔ طبرستان پہنچ کر اس نے طبرستان کے والی سے امان حاصل کرنا چاہی لیکن اس کی بدقسمتی کہ طبرستان کے عامل کے ایک خادم نے سنباد کو قتل کر دیا۔ چونکہ اپنے کچھ فدائین کے ساتھ فیروز سنباد مال و دولت کا ایک حصہ بھی لے کر طبرستان کی طرف بھاگا تھا۔ چنانچہ جب خلیفہ ابوجعفر منصور کو خبر ہوئی کہ طبرستان کے حاکم کے ایک خادم نے فیروز سنباد کو قتل کر دیا ہے تو منصور یہ خبر سن کر حاکم طبرستان کو لکھا کہ سنباد کا مال و اسباب ہمارے پاس بھیج دو۔

طبرستان کا حاکم اور عامل سرکشی اور بغاوت پر اُتر آیا اور اُس نے اس مال و دولت پر قبضہ کر لیا اور اسے خلیفہ ابوجعفر منصور کی طرف بھجوانے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ حاکم

طبرستان کے خلاف بھی ابوجعفر منصور نے فوج کشی کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

دوسری طرف فیروز سنباد کو شکست دینے کے بعد جمہور بن مرار عجلی اور عثمان نحیک دونوں نے پہلے سنباد کے پڑاؤ پر قبضہ کیا، اس کے بہت سے مال و اسباب اور تقریباً تمام خزانوں پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ ابو مسلم کا وہ خزانہ جو اس نے برسوں سے جمع کر رکھا تھا، اس کا بڑا حصہ بھی جہور بن مرار عجلی کے ہاتھ آ گیا۔ چنانچہ فیروز سنباد کے ساتھ ٹکراؤ اور اسے شکست دینے کے بعد جمہور بن مرار عجلی اور عثمان نحیک دونوں نے اپنے لشکر کے ساتھ رے شہر کا رخ کیا اور وہاں قیام کر لیا۔

رے شہر میں قیام کے دوران ایک روز اپنی لشکر گاہ میں جہور بن مرار عجلی اور عثمان دونوں اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے اردگرد جو چھوٹے سالار منڈلا رہے تھے، ہاتھ کے اشارے سے جہور بن مرار نے وہاں سے ہٹنے کے لئے کہا۔ جب وہ سب وہاں سے ہٹ گئے تب کچھ دیر خاموشی رہی۔ اس کے بعد جہور بن مرار بڑے غور سے عثمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میرے عزیز بھائی! اب بتا، ہمیں کیا کرنا ہے؟''

اس پر عثمان کے چہرے پر طنزیہ بلکہ مکروہ قسم کی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور ابنِ مرار کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''ابنِ مرار! اب ہمیں وہی کچھ کرنا چاہئے جو اس سے پہلے ہم دونوں نے سوچ رکھا ہے۔''

عثمان کے ان الفاظ پر جہور بن عجلی کے چہرے پر بھی مکروہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر عثمان بن نحیک کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''ابن نحیک! تمہارا کہنا درست ہے۔ اس وقت جو لشکر ہمارے پاس ہے، عددی لحاظ سے اسے اُس لشکر پر بھی فوقیت ہے جو ان دنوں ہمارے خلیفہ ابوجعفر منصور کے پاس ہے اور اب ابو مسلم خراسانی کا جو خزانہ اور دولت ہمارے ہاتھ آئی ہے، اتنی دولت تو انبار شہر میں ابوجعفر منصور کے پاس بھی نہ ہو گی۔ ان حالات میں اگر ہم ابوجعفر منصور کے خلاف بغاوت اور سرکشی کھڑی کر دیں تو ہم بڑی آسانی کے ساتھ ابو مسلم خراسانی کی طرح خراسان کے حاکم بن کر خود مختار حکمران کی حیثیت سے زندگی گزار سکتے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد ابن مرار رُکا، دوبارہ اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا وہ کہہ رہا تھا۔

''اور اگر ہماری اس سرکشی اور بغاوت کو فرو کرنے کے لئے ابوجعفر منصور نے کسی لشکر کو بھیجا ہے تو مجھے امید ہے کہ اس لشکر کو ہم بدترین شکست دے کر انبار شہر کی طرف بھاگنے پر مجبور کر دیں گے۔ اور اس کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں۔

ہماری اس متوقع کامیابی اور فتح مندی کی پہلی وجہ یہ ہے کہ جو لشکر لے کر ہم انبار شہر سے چلے تھے، اس میں ہم نے کافی اضافہ کر لیا ہے۔ فیروز سنباد کے شکست خوردہ لشکریوں کو بھی امان دے کر ہم نے اپنے لشکر میں شامل کر لیا ہے۔ اس طرح ہمارے لشکر کی تعداد پہلے سے کئی گنا زیادہ ہو گئی ہے۔

ہماری فتح مندی اور کامیابی کی دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ فیروز سنباد کا ابومسلم خراسانی کے ایک عمدہ اور چوٹی کے سالار کی حیثیت سے بڑا نام تھا۔ اس سے متعلق یہ بھی خیال کیا جاتا تھا کہ اسے شکست دینا بڑا مشکل ہے لہٰذا ہم دونوں نے جو فیروز سنباد کو شکست دی ہے اس سے ہمارے لشکریوں کے حوصلے بلند ہو گئے ہیں۔ ان کے اندر ہم نے مال و دولت خوب تقسیم کی ہے۔ لہٰذا آنے والی جنگوں میں بھی وہ پہلے کی نسبت اپنی بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کریں گے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد ابن مرار جب رکا، تب مضحکہ خیز انداز میں اپنے کندھے اچکاتے ہوئے عثمان بن نحیک بول اُٹھا تھا۔

''ابن مرار! میرے بھائی! ہمارے خلیفہ ابوجعفر منصور کے پاس اس وقت دو بڑے سالار ہیں جن پر وہ ہماری بغاوت فرو کرنے اور کچلنے کے سلسلے میں بھروسہ کر سکتا ہے۔ ایک خازم بن خزیمہ اور دوسرا اس کا خالہ زاد محمد بن اشعث۔ جہاں تک محمد بن اشعث کا تعلق ہے وہ میرے خیال میں ان دنوں اپنی ماں اور اپنی بہن کے قاتلوں کو تلاش کرنے میں سرگرداں ہو گا۔ وہ کوئی لشکر لے کر ہماری طرف آنے کے قابل نہیں ہو گا۔ جہاں تک خازم بن خزیمہ کا تعلق ہے تو میرے خیال میں ابوجعفر منصور اسے مرکز کی حفاظت کے لئے انبار شہر میں رکھے گا۔ چنانچہ ہماری بغاوت کا سن کر ابوجعفر منصور انتظار کرے گا۔ یہاں تک کہ حالات ہمارے خلاف اور اس کے حق میں فوق الفطرت انداز میں پلٹا کھا جائیں۔ اس لئے کہ میرا اندازہ ہے کہ محمد بن اشعث کی مصروفیت کے بعد وہ

خازم بن خزیمہ کو لشکر دے کر ہماری طرف روانہ کر کے اپنے مرکزی شہر انبار کو خالی اور غیر محفوظ کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔''

عثمان بن نحیک کے ان خیالات سے جہور بن مرار نے مکمل طور پر اتفاق کیا تھا۔ اس کے بعد دونوں صلاح و مشورہ کر کے اٹھے اور اپنے لشکر کی خبر گیری کے لئے لشکر کے پڑاؤ کے اندر گھومنے پھرنے لگے تھے۔

حاکم طبرستان کی بغاوت کے بعد جہور بن مرار عجلی اور عثمان بن نہیک کی بغاوت کی خبریں جب انبار شہر میں خلیفہ ابوجعفر منصور کے پاس پہنچیں تو منصور نے اپنے سارے سالاروں، اُمراء اور سرکردہ لوگوں کا اجلاس طلب کر لیا تھا۔ جب یہ سب لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے تب جو خبریں آئی تھیں، ان سے سب کو آگاہ کیا گیا۔ چنانچہ سارے چھوٹے بڑے سالاروں کے علاوہ سرکردہ اُمراء نے بھی اس سے اتفاق کیا کہ طبرستان کے حاکم کے علاوہ جہور بن مرار اور عثمان کے خلاف لشکرکشی کی جانی چاہئے اور ان سب کو اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر کے بغاوت و سرکشی کا خاتمہ کرنا چاہئے۔

جب سب لوگوں نے اس سے اتفاق کیا، تب منصور نے وہ اجلاس ختم کر دیا۔ تب اس نے خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث اور کچھ دیگر اہم سالاروں کو اپنے پاس روک لیا تھا۔ جب سالاروں کے علاوہ باقی سب لوگ اُٹھ کر چلے گئے، تب منصور نے کچھ سوچا پھر وہ محمد بن اشعث کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''اے فرزندِ مہربان! لگتا ہے قدرت تمہارے حق میں فیصلے دے رہی ہے اور تمہارے لئے دشمنوں سے انتقام لینے کے در کھلنا شروع ہو گئے ہیں۔ دیکھو! جس وقت جہور بن مرار عجلی اور عثمان نہیک یہاں سے روانہ ہوئے تھے، اس وقت مجھے خبر نہ تھی کہ وہ یہ سارا کام کسی سازش کے تحت کر رہے ہیں۔ اب جبکہ ہمیں یہ پکے و پختہ اشارے مل گئے ہیں کہ تمہاری ماں اور بہن کے قاتلوں کی سرپرستی جہور بن مرار اور عثمان کر رہے ہیں۔ لہٰذا ان سے نمٹنا انتہائی ضروری ہے۔ دیکھ بیٹے! ان دونوں نے بغاوت کر دی ہے اور ان دونوں کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے میں تمہیں مقرر کرتا ہوں۔ آج نہیں تو کل ایک خاصا بڑا لشکر لے کر رے شہر کا رخ کرو جہاں اس وقت جہور بن مرار

عجلی اور عثمان نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر رکھا ہے۔ پہلے رے شہر میں ان دونوں سے نمٹو۔ مجھے اُمید ہے کہ تم ان دونوں کو شکست دینے میں کامیاب ہو جاؤ گے اور کوشش کرو کہ جہور بن مرار اور عثمان بن نہیک کو زندہ گرفتار کرو اور جب وہ گرفتار ہو کر تمہارے سامنے لائے جائیں تو ان سے اپنی ماں اور بہن کے قاتلوں سے متعلق دریافت کرنا۔

ان دونوں کم بختوں سے نمٹنے کے بعد میرے بیٹے طبرستان کا رُخ کرنا۔ وہاں کے حاکم نے فیروز سنباد کو قتل کر کے اس کے اور اس کے ہمراہیوں کے پاس جس قدر مال و دولت تھا اس پر قبضہ کر لیا ہے اور فیروز سنباد کے ساتھیوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ چنانچہ تم اس سے اس دولت کی واپسی کا مطالبہ کرنا جو دولت فیروز سنباد اپنے ساتھیوں کے ساتھ لے کر اس کی طرف گیا تھا۔ طبرستان کے حاکم نے نہ صرف فیروز سنباد بلکہ اس کے سارے ساتھیوں کا بھی خاتمہ کر دیا ہے اور دولت کے انبار جو فیروز سنباد اپنے ساتھ لے کر گیا تھا، اس پر اس نے گرفت کر لی ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد ابوجعفر منصور رُکا، کچھ سوچا، دوبارہ وہ محمد بن اشعث کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''بیٹے! اس موقع پر میں تمہارے خالہ زاد خازم بن خزیمہ کو بھی تمہارے ساتھ روانہ کرتا لیکن تمہارے جانے کے بعد میں مرکز میں اس کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ لہٰذا جو لشکر لے کر تم باغیوں کی سرکوبی کے لئے جاؤ گے۔ اس میں تمہارے تینوں ساتھی روح بن حاتم، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس شامل ہوں گے۔ اس کے علاوہ میں ایک چوتھا سالار بھی تمہارے ماتحت کرتا ہوں اور وہ سعید حریشی ہے۔ یہ اس سے پہلے بھی چند مواقع پر تمہارے ساتھ کام کر چکا ہے اور تمہارا بڑا مداح ہے۔''

محمد بن اشعث نے جب ابوجعفر منصور کی اس تجویز سے اتفاق کیا تب منصور نے وہ اجلاس ختم کر دیا اور اگلے روز محمد بن اشعث اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک لشکر لے کر انبار سے رے شہر کی طرف روانہ ہوا تھا۔

دوسری طرف جہور بن مرار اور عثمان نہیک کو بھی خبر ہو گئی تھی کہ ابوجعفر منصور نے محمد بن اشعث کو ایک لشکر دے کر ان دونوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا ہے۔ لہٰذا ان دونوں نے رے شہر سے باہر محمد بن اشعث کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی تھی۔ دونوں نے

رے شہر سے باہر جہاں اپنا خیموں کا شہر آباد کر رکھا تھا، اس سے ذرا آگے اپنے لشکر کو استوار کرنے کا فیصلہ کیا اور پشت پر اپنی خیمہ گاہ کو رکھا تھا۔ اسے ہی پڑاؤ کے طور پر استعمال کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ چنانچہ اپنی تیاریوں کو آخری شکل دینے کے بعد ابنِ مرار اور عثمان بن نحیک دونوں نے محمد بن اشعث کی آمد کا انتظار کرنا شروع کر دیا تھا۔

چند روز بعد محمد بن اشعث بھی اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ اس موقع پر اپنے لشکر کے سامنے ابن مرار اور عثمان بن نحیک، محمد بن اشعث کے لشکر کا جائزہ لے رہے تھے۔ محمد بن اشعث کا لشکر جب وہاں پہنچا اور اس نے پڑاؤ کرنا شروع کیا تب بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے ابنِ مرار اپنے دست راست عثمان بن نحیک کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''ابن نحیک! میں نے اپنے دل میں جو کچھ سوچ رکھا ہے، سب کچھ اس کے مطابق ہو رہا ہے۔ میرا یہ اندازہ تھا کہ اوّل تو ابوجعفر کوئی لشکر نہیں بھیجے گا۔ انتظار کرے گا۔ اگر بھیجے گا تو اس لشکر کی تعداد ہم سے بہت کم ہو گی۔ اب تم خود ہی دیکھ لو، جو لشکر لے کر محمد بن اشعث آیا ہے، اس کی تعداد ہم سے بہت کم ہے اور مجھے امید ہے کہ اسے زیر کرنے اور شکست سے دوچار کرنے میں ہم زیادہ دیر نہیں کریں گے۔ تاہم ابن نحیک! میں سمجھتا ہوں تمہارا یہ اندازہ غلط ثابت ہوا ہے کہ محمد بن اشعث اپنی ماں اور بہن کے قاتلوں کو تلاش کرنے میں مصروف ہو گا۔ لہٰذا ہمارے مقابلے پر ایک لشکر لے کر اس کا خالہ زاد خازم بن خزیمہ آئے گا۔ میرے خیال میں ابوجعفر نے ایک لشکر کے ساتھ خازم بن خزیمہ کو اپنے مرکزی شہر میں حفاظت کے لئے رکھ لیا ہو گا اور یہ لشکر جو اس وقت ہمارے سامنے پڑاؤ کر رہا ہے، اسے محمد بن اشعث کی کمانداری میں ہمارا مقابلہ کرنے کے لئے بھیجا ہے تا کہ یہ سب ہمارے ہاتھوں کٹ مریں۔''

عثمان بن نحیک نے بھی مسکراتے ہوئے ابن مرار کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ پہلے دونوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اگلے روز محمد بن اشعث کے ساتھ جنگ کی ابتداء کی جائے گی۔

چنانچہ اگلے روز صبح ہی صبح ابن مرار اور ابن نحیک دونوں نے اپنے لشکر کے اندر بڑے بڑے طبل بجوانے کا حکم دے دیا تھا۔ لشکر کے اندر جب طبل اور بڑی بڑی دفیں پیٹی جانے لگیں تب لشکر کے اندر بڑی خوف ناک آوازیں اُبھرنا شروع ہو گئی تھیں۔

طبل اور دفیں پیٹے جانے کے جواب میں محمد بن اشعث، روح بن حاتم، شبیب بن رواح، حرب بن قیس اور سالار سعید حریشی کے ساتھ اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے لگا تھا۔

محمد بن اشعث نے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ لشکر کا مرکزی حصہ اس نے اپنے پاس رکھا۔ دائیں پہلو کی کمانداری شبیب بن رواح اور حرب بن قیس کے حوالے کی جبکہ بائیں پہلو کی سرکردگی روح بن حاتم اور نئے سالار سعید حریشی کے ذمہ کی گئی۔ جہور بن مرار عجلی اور عثمان کے حوصلے اور ولولے بڑے بلند اور جوان تھے۔ اس کی پہلی وجہ تو یہ تھی کہ اس سے پہلے وہ فیروز سنباد کو بدترین شکست دے کر بھاگ جانے پر مجبور کر چکے تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ فیروز سنباد کے شکست خوردہ لشکریوں کو امان دے کر انہیں اپنے لشکر میں شامل کر لیا تھا۔ اس طرح ان کے لشکر کی تعداد کئی گنا بڑھ گئی تھی۔ اور اب وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ جو لشکر محمد بن اشعث لے کر آیا تھا ان کے پاس اس سے کئی گنا بڑا لشکر تھا۔ لہٰذا محمد بن اشعث کے مقابلے میں وہ اپنی فتح اور کامیابی کو یقینی خیال کرتے تھے۔

اس موقع پر جہور بن مرار عجلی اور عثمان بن نحیک کے لشکر میں بڑا جوش اور جذبہ بھی پایا جاتا تھا۔ ان کے حوصلے بھی بڑھے ہوئے تھے اس لئے کہ اس سے پہلے وہ فیروز سنباد کے خاصے بڑے لشکر کو بدترین شکست دے چکے تھے۔ چنانچہ ان دونوں کے کہنے پر ان کے لشکر میں محمد بن اشعث اور ان کے ساتھیوں پر حملہ آور ہونے کے لئے ایک آتشیں ہیجان سا برپا ہو گیا تھا۔ اس ہیجان میں جہور بن مرار اور عثمان کے لشکری کچھ دیر تک ارتقاء کے دائروں میں خونی داستانیں رقم کرتی جاگتی بپھرتی موجوں کے نعرے بلند کرتے رہے۔ اس کے بعد انہوں نے درد کے صحرا میں سرگرداں صعوبتوں کی دھوپ کی طرح اپنے لشکر کو آگے بڑھایا، پھر وہ محمد بن اشعث کے لشکر پر صدیوں کے خلاء میں ہست کو نیست کرتی جاں کی ملامتوں، روحانی کرب کے طوفان، اذیتوں کے عذاب، سوزِ نہاں جبر، بے یقینی کا باعث بنتے کرب کے موسموں کے عذاب کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

محمد بن اشعث اور اس کے ساتھیوں نے بھی جوابی کارروائی کرنے میں کسی قسم کی تاخیر سے کام نہیں لیا۔ کچھ دیر تک انہوں نے ایسے انداز میں تکبیریں بلند کیں جیسے

یکسانیت کے سکوت میں ہولناک سنگریزوں کی آوازیں اُٹھتی ہیں یا سوکھے پتوں کے ملبوں پر تند یلغار کرتی اُفق سے اُٹھتی آندھیوں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں یا صبح و شام کے لمحوں کو بے قرار کرتی طوفانی یورش اپنا رنگ دکھاتی ہے۔

جس وقت جہور بن مرار اور عثمان بن نحیک کا لشکر محمد بن اشعث کی طرف بڑھ رہا تھا اس کے لشکری صلوٰۃ اور وہ خود لگاتار تکبیریں بلند کرتے رہے۔ اس کے بعد محمد بن اشعث کے اشارہ پاتے ہی اس کے سالار اور لشکری جہور بن مرار اور عثمان بن نحیک کے لشکر پر نفس نفس کے تسلسل پر ضرب لگاتے حدیثِ غم کے اَن گنت افسانوں، باغی آوازوں میں اُٹھتے خون کے جوار بھاٹے، بے ضمیری کے خوابوں اور ذہن و دل کی تمازت پر ضرب لگاتی آتش صفت پیاسی ساعتوں کی طرح ٹوٹ پڑے تھے۔

دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے میدانِ جنگ میں جبر کے قصے، عذابوں کی داستانیں، عقوبتوں کے سائے ناچ اٹھے تھے۔ ہر کوئی دوسرے کے پاؤں تلے سے کرب خیز جھکڑوں کی طرح زمین کھینچنے لگا تھا۔ پتھروں کا سینہ تک چیر کر نکلتی قضا نبض کی جنبش روکنے لگی تھی۔ جذبوں اور احساسات کی ہر خواہش پر قضا کے بے روک سرسام طاری ہونا شروع ہو گئے تھے۔ موت ہوس کے شیاطین کی طرح نفرت کے طوفان اور مہیب طاغوتی قوتوں کی طرح ہر سُو عناد کی آگ بھڑکاتی چلی گئی تھی۔ بڑے بڑے لشکریوں کی بلند ہمتی موت کے عمیق غاروں میں غرق ہونے لگی تھی۔ غیر فانی جذبے میدانِ جنگ میں بادلوں کی طرح اُڑتے بکھرتے دکھائی دے رہے تھے۔ چاروں طرف سر بریدہ لاشوں کی گنتی بڑی تیزی سے بڑھتی چلی گئی تھی۔

جہور بن مرار عجلی اور اس کے نائب عثمان نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ اپنی عددی فوقیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے محمد بن اشعث کو پسپا کرنے میں کامیاب ہو جائیں لیکن انہیں دور دور تک کہیں بھی اپنی کامیابی اور محمد بن اشعث کی پسپائی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ محمد بن اشعث اور اس کے سالاروں میں سے روح بن حاتم، شبیب بن رواح، حرب بن قیس اور نیا سالار سعید حریشی بڑی تندی، بڑی تیزی، بڑی شدت سے حملہ آور ہو رہے تھے اور ان کی طرف دیکھتے ہوئے ان کے لشکری بھی بڑھ چڑھ کر جہور بن مرار اور عثمان بن نحیک کے لشکر پر ضربیں لگا رہے تھے۔

جہور بن مرار ایک موقع پر ایک جگہ رُکا، اپنے لشکر کا جائزہ لیا۔ اس نے دیکھا کہ

اس کے لشکر کا خاصا نقصان ہو چکا تھا۔ اگلی صفیں کافی حد تک کچلی مسلی جا چکی تھیں اور ان کی جگہ پچھلی صفوں کے کچھ لشکری آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے اور موت کو اپنے سامنے دیکھتے ہوئے پہلوتہی سے کام لیتے ہوئے اِدھر اُدھر ہو کر اپنی جانیں بچانے کے درپے تھے۔

یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے جہور بن مرار نے اندازہ لگا لیا کہ جنگ اگر زیادہ دیر تک جاری رہی تو محمد بن اشعث اس کے پورے لشکر کو کاٹ کر رکھ دے گا۔ چنانچہ اس نے اپنے کچھ لشکریوں اور مخبروں کے ذریعے جنگ میں مصروف عثمان سے مشورہ کیا اور عثمان بن نحیک نے بھی یہی جواب دیا کہ اگر جنگ مزید جاری رہی تو ان کے مقدر میں بدترین شکست لکھ دی جائے گی۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ پسپائی اختیار کر کے شکست قبول کر لی جائے۔

یہ بھی طے پایا کہ واپس مڑ کر رے شہر میں داخل نہیں ہونا چاہئے۔ اندازہ تھا کہ اگر انہوں نے محمد بن اشعث کے مقابلے میں شکست کو قبول کرتے ہوئے رے شہر میں محصور ہو کر اس کا مقابلہ کرنا چاہا تو اس پسپائی اور شکست سے محمد بن اشعث کے سالاروں اور لشکریوں کے حوصلے بڑھے ہوئے ہوں گے لہٰذا وہ بڑی سختی سے رے شہر کا محاصرہ کریں گے اور جہور بن مرار اور عثمان بن نحیک دونوں کو اپنے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیں گے۔ اس لئے یہ فیصلہ ہوا کہ پسپائی اور شکست قبول کرنے کے بعد اصفہان شہر کی طرف بھاگا جائے۔

یہ فیصلہ ہونے کے بعد جہور بن مرار اور عثمان بن نحیک شکست قبول کرتے ہوئے اپنے بچے کھچے لشکر کو لے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان دونوں کے اس طرح میدانِ جنگ سے بھاگنے کے بعد محمد بن اشعث نے ان کا تعاقب نہیں کیا۔ اس طرح دونوں طرف سے مسلمانوں ہی کا نقصان ہوتا لہٰذا جہور بن مرار اور اس کے نائب عثمان کو شکست دینے کے بعد محمد بن اشعث نے سب سے پہلے ان کے پڑاؤ پر قبضہ کیا۔ یہ پڑاؤ ہزاروں خیموں پر مشتمل تھا۔ ایک تو ان گنت خیمے محمد بن اشعث کے ہاتھ لگے تھے، دوسرے وہاں جو مال و دولت جہور بن مرار اور عثمان بن نحیک نے جمع کر رکھا تھا وہ بھی محمد بن اشعث کے ہاتھ لگ گیا تھا۔

دشمن کے پڑاؤ پر قبضہ کرنے، اس کے بعد اپنے زخمیوں کی دیکھ بھال اور جنگ میں

کام آنے والوں کی تدفین کے بعد محمد بن اشعت نے رے شہر کے سرکردہ لوگوں کی طرف پیغام بھجوایا کہ وہ شہر پناہ کے دروازے اس کے لئے کھول دیں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو انہیں امان دی جائے گی اور کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا جائے گا۔ شہری پہلے کی طرح پُرامن زندگی بسر کرتے رہیں گے اور اگر انہوں نے جہور بن مرار عجلی کی شکست کے بعد بھی شہر پناہ کے دروازے نہ کھولے تو پھر شہر کا محاصرہ کرلیا جائے گا۔ پوری شدت کے ساتھ حملے کئے جائیں گے اور شہر کو فتح کرنے کے بعد جن لوگوں نے شہر پناہ کے دروازے کھولنے پر مزاحمت کی ہوگی، انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔

یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی۔ رے شہر کے سرکردہ لوگوں نے شہر پناہ کے دروازے کھول دیئے اور محمد بن اشعت جہور بن مرار عجلی کے پڑاؤ کی ہر چیز کو سمیٹتا ہوا رے شہر میں داخل ہوا۔

اس موقع پر مؤرخین لکھتے ہیں کہ محمد بن اشعت رے شہر پر قابض ہوگیا جبکہ جہور بن مرار اصفہان کی طرف چلا گیا۔ اصفہان جا کر اس نے اس پر قبضہ کرلیا تھا۔ یوں محمد بن اشعت رے میں قیام کر کے اپنی طاقت و قوت کو استوار کرنے لگا تھا جبکہ جہور بن مرار اور عثمان بن نحیک دونوں اصفہان شہر پہنچ کر بڑی تیزی سے اپنے لشکر میں اضافہ کرنے لگے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اصفہان شہر دفاعی لحاظ سے بڑا مضبوط اور مستحکم ہے۔ لہٰذا یہ یقینی بات تھی کہ اپنے لشکر کے ساتھ کسی نہ کسی روز محمد بن اشعت رے شہر سے نکلے گا اور اصفہان کا رخ کرے گا۔

چنانچہ جہور بن مرار اور عثمان بن نحیک نے یہ ارادہ کر رکھا تھا کہ جب تک محمد بن اشعت رے شہر سے نکل کر اصفہان کی طرف آتا ہے۔ اس وقت تک وہ اپنی عسکری قوت کو خوب بڑھالیں گے۔ جنگ میں جو ان کا نقصان ہوا ہے، اس کی تلافی کرلیں گے۔ شہر کی فصیل اور اس کے برج پہلے ہی مضبوط اور مستحکم تھے۔ ان کا خیال تھا کہ پہلے ایک بار پھر وہ اصفہان سے باہر نکل کر محمد بن اشعت سے ٹکرا کر قسمت آزمائی کریں گے۔ اگر انہیں کامیابی ملی تو دور تک محمد بن اشعت، اس کے سالاروں اور لشکریوں کا تعاقب کریں گے۔ اور اگر محمد بن اشعت کے مقابلے میں کامیابی اور کامرانی ان کا مقدر نہ بنی تو پھر پسپا ہو کر اصفہان شہر میں محصور ہو جائیں گے اور دفاعی حیثیت اختیار کرلیں گے۔ ساتھ ہی تیز رفتار قاصد طبرستان کے حکمران کی طرف بھجوائیں گے۔ چونکہ طبرستان

کے حاکم نے بھی ابوجعفر منصور کے خلاف علم بغاوت کھڑا کر رکھا تھا، لہٰذا ان کا خیال تھا کہ طبرستان کا حاکم ضرور ان کی مدد پر آمادہ ہوگا۔ چنانچہ جب محمد بن اشعت کے لشکر پر باہر سے طبرستان کا حاکم اپنے لشکر کے ساتھ ضرب لگائے گا اور شہر کے اندر سے نکل کر جہور بن مرار اور عثمان بن نحیک جب حملہ آور ہوں گے تو محمد بن اشعت اپنی ساری کامیابیوں کو بھول کر اپنا بوریا بستر سمیٹتے ہوئے انبار شہر کی طرف جانے میں ہی اپنی خیریت اور عافیت جانے لگا۔

اپنے لشکر کے ساتھ چند روز تو محمد بن اشعت نے رے شہر میں قیام کیا۔ لشکریوں کو ستانے اور آرام کرنے کا اس نے خوب موقع فراہم کیا۔ اس کے بعد اپنی حالت درست اور مستحکم کرنے کے بعد اس نے اصفہان شہر کا رخ کیا تھا۔

اصفہان شہر ان دنوں اپنی حسین مسجدوں کی وجہ سے بڑا مشہور تھا۔ اسے بابل کے حکمران بخت نصر نے یہودیوں کو بسانے کے لئے آباد کیا تھا۔ مسلمانوں نے اسے فاروق اعظمؓ کے دور میں 19 ہجری بمطابق 640 عیسوی میں فتح کیا تھا۔

مشہور مؤرخ طبری کے نزدیک فتح کا سال 21ھ بمطابق 642ء ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق حضرت ابوموسیٰ اشعری نے نہاوند کے بعد اس شہر کو فتح کیا۔

اس کے بعد المعتد کے عہد میں ایک بغاوت 247ھ بمطابق 661ء میں ہوئی جس پر اسے دوبارہ فتح کیا گیا۔ اس بغاوت میں شہریوں کی ایک کثیر تعداد قتل ہوئی۔ اس دور میں اس شہر کے اندر ایک قلعہ نما عمارت موجود تھی۔ نیز شہر کے گرد فصیل تھی جس میں چار دروازے اور ایک سو مینارے تھے۔ شہر کے قرب و جوار میں چاندی، تانبے، جست، سرے کی کانیں بھی تھیں۔

301ھ بمطابق 913ء میں یہ شہر سامانیوں کے قبضہ میں چلا گیا اور 442ھ بمطابق 1030ء میں غزنویوں کی قلمرو میں شامل ہوا۔ منگولوں کے حملے کے دوران خوارزم شاہ سلطان جلال الدین کے زیر کمان شہر کی دیواروں تلے ایک بہت بڑی جنگ لڑی گئی۔ بعد میں یہ شہر منگولوں کی سلطنت کا حصہ بن گیا۔

تیمور لنگ نے یہاں ستر ہزار (70.000) شہریوں کا قتل عام کیا تھا۔ اس کے بعد کئی حکمرانوں نے یہاں کے باشندوں کا قتل عام جاری رکھا۔ نادر شاہ کے عہد میں شہر میں کچھ امن ہوا۔ اس کے بعد 1914ء سے 1918ء تک یہ شہر عالمی طاقتوں کی آویزش

کا مرکز رہا۔ 1917ء میں اس شہر پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا۔

تاریخ میں اس شہر کو پہلی بار کسی حکومت کا مرکزی شہر بننے کا شرف صفوی خاندان کے عہد میں حاصل ہوا جس نے اسے ایک خوب صورت شہر بنا دیا۔ ان حکمرانوں نے دریائے زندہ رود پر تین خوب صورت پُل تعمیر کرائے، نیز ایک عالی شان مسجد بھی تعمیر کرائی۔ اس شہر میں ایک عالی شان مسجد بھی تھی جس کے ستونوں پر چاندی کے پترے چڑھائے گئے تھے۔ بعد کے کئی حکمرانوں نے یہاں خوب صورت عمارات تعمیر کرائیں جن میں گھنٹہ گھر، شاہی محلات، کارواں سرائے، مینار خواجہ عالم قلعہ تبرک اور مدرسہ نادر شاہ وغیرہ اہم ہیں۔ موجودہ دور میں اصفہان شہر ایک صنعتی مرکز کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ یہاں کپڑے کے بے شمار کارخانے قائم ہیں نیز دھات کا بہترین کام ہوتا ہے جس میں چاندی، تانبے اور سوت کی صنعتیں قابل ذکر ہیں۔

بہرحال محمد بن اشعث اپنے لشکر کے ساتھ جب اصفہان کے نواح میں پہنچا تھا تو وہاں اس کی آمد سے پہلے ہی جہور بن مرار اور اس کا دست راست عثمان اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن تھے اور وہیں انہوں نے محمد بن اشعث اور اس کے لشکر سے ٹکرانے کا عزم کر لیا تھا۔ محمد بن اشعث جونہی اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچا، ابن مرار اور ابن نحیک دونوں نے جنگ کی ابتداء کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا چنانچہ جس وقت وہاں پہنچ کر ابن اشعث اور اس کے ساتھی اپنے لشکر کو درست کرنے لگے تھے۔ ابن مرار نے اپنے لشکر کے اندر طبل پیٹنے کا حکم دے دیا تھا۔ یہ حکم ملتے ہی جہاں بڑے بڑے طبل خوف ناک آوازوں کے ساتھ گونج اُٹھے تھے، وہاں ابن مرار کے لشکر میں کہکشاں کی پرچھائیوں سے بادلوں کی شکل میں اُڑتے آشفتگی کے سودا کی طرح کرب خیز آوازیں بلند ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ ابن مرار اور ابن نحیک کے لشکری محمد بن اشعث اور اس کے لشکر پر ضرب لگانے کے لئے بڑے بے چین ہو رہے تھے۔ اس کے بعد ابن مرار کا اشارہ پاتے ہی اس کے لشکری حیات کی رگوں میں زہر گھول دینے والے وارفتہ شوق اور مرگ کے دستِ خونی کی طرح آگے بڑھے تھے۔ اس کے ساتھ ہی وہ محمد بن اشعث کے لشکر پر خوشیوں کی کرنوں کو آنسوؤں کے کرب، روح کی ہریالی کو مقاصد کی خباثت، نظر کی خوش حالی کو نیتوں کی خرابی میں تبدیل کرتے سلگتے تھل کی بھانجھ مٹی، کرب کے قاتل لمحوں اور غموں کی دھوپ کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

دوسری طرف ابن اشعث اور اس کے سالاروں نے بھی معمول کے مطابق اپنے کام کی ابتداء کی۔ پہلے انہوں نے حسب سابق بے غبار موسموں میں ہواؤں کے خروش، سمندر کے شور کے رقصاں رنگوں، آسمان کی رفعتوں اور زمین کی پستیوں تک میں چھا جانے والے انداز میں تکبیریں بلند کیں۔ اس کے بعد محمد بن اشعث، روح بن حاتم، شبیب بن رواح، حرب بن قیس، سعید بن حریثی اپنے اپنے حصہ کے لشکر کے ساتھ ذلت و پستیوں کی تلخیوں کو نیستی کی الم ناکیوں، اُکتا دینے والی وحشتوں کو اہانت و نامرادی کے بھنور، نفرت بھرے طوفانوں کو تشنگی کے اُبلتے سمندر میں ڈبو دینے والی وحشی ہواؤں اور جبر کی دھول کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔ محمد بن اشعث، اس کے سالاروں اور لشکریوں کے حملوں میں غم انگیز تباہی سے دوچار کرتی سمندر کی ہیجان خیزی جیسی شدت اور ہولناک سپنوں کی خشونت آمیزیوں کی سی تختی تھی۔

رے شہر کی طرح ایک بار پھر اصفہان شہر کے نواح میں دونوں لشکر بری طرح ایک دوسرے سے ٹکرائے تھے۔ پرانی رقابتیں، قدیم عداوتیں، سلگتے چہروں کے کرب کی طرح جاگ اُٹھی تھیں۔ عقوبتوں کے برہنہ سائے اپنا رنگ جمانے لگے تھے۔ زیست کے جنگل میں تشنگی کے اُبلتے سمندر، نفرت بھرے طوفان، خون ریزیاں برپا کرتے لمحے قتل گاہوں کو اپنا مقروض کرنے لگے تھے۔ ہر کوئی ہولناک سپنوں میں ہیجان آفریں سمندر کی طرح دوسروں کو اپنے سامنے زیر کرنے کے درپے ہو گیا تھا۔ پھر آزاد لمحوں کے اسیر بدن، ریزہ ریزہ سلامتی کے گوشے، جان کا آزار لخت لخت ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ہست و نیستی کی اس کشمکش میں سرکتے المناک سایوں اور سفاکانہ ہلچل نے حشر خیز، سرخ طوفانوں کا سا سماں باندھ کر رکھ دیا تھا۔ لشکری تیغوں کا شکار ہوتے ہوئے بڑی تیزی سے دکھ کے راستوں کے مسافروں کی طرح کوچ کرتے چلے گئے تھے۔

اس لڑائی کی تفصیل بتاتے ہوئے مؤرخین لکھتے ہیں کہ محمد بن اشعث رے پر قابض ہو گیا تھا اور جہور اصفہان کی طرف چلا گیا۔ اس کے بعد محمد بن اشعث نے اصفہان پر چڑھائی کی۔ جہور نے مقابلہ کیا۔ سخت لڑائی کے بعد جہور شکست کھا کر آذر بائیجان کی طرف بھاگا۔ وہاں جہور کے ہمراہیوں میں سے کسی نے اسے قتل کر دیا اور اس کا سر کاٹ کر منصور کے پاس بھیج دیا۔

بہرحال اس جنگ میں بھی محمد بن اشعث کامیاب اور سرخرو رہا۔ باغیوں کی

اکثریت کو اس نے موت کے گھاٹ اتار دیا اور جس طرح مؤرخین نے بیان کیا ہے، جہور اپنی جان بچا کر بھاگا، آذر بائیجان کی طرف گیا اور وہاں مارا گیا۔ جبکہ اس کا نائب عثمان بن نحیک بھی اپنی جان بچا کر بھاگا تھا اور کسی کو کچھ پتہ نہ چلا کدھر گیا ہے؟

باغی جہور بن مرار کے خاتمہ کے بعد محمد بن اشعث نے مالِ غنیمت ابوجعفر منصور کی خدمت میں انبار روانہ کر دیا اور محمد بن اشعث کی اس کارگزاری سے ابوجعفر منصور نے بے پناہ خوشی اور دلچسپی کا مظاہرہ کیا تھا۔

❁

❁

ایک رات کھانا کھانے کے بعد اقلیما، رملہ، سالم بن تماضر، کلثوم اور سعید بن سالم فارغ ہوئے تھے کہ حویلی میں عدی بن عمیر داخل ہوا۔ اُس کے چہرے پر مسکراہٹ اور بڑی طمانیت تھی۔ اسے دیکھتے ہی سالم بن تماضر کہنے لگا۔

''بھائی! آؤ پہلے کھانا کھاؤ۔ اس کے بعد بیٹھتے ہیں۔''

اس پر عدی بن عمیر مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''میرے عزیز بھائی! کھانا تو میں کھا کر آیا ہوں۔ اس وقت میں آپ لوگوں کے لئے ایک بہت بڑی بلکہ اچھی خبر لے کر آیا ہوں۔''

عدی بن عمیر مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ سب دیوان خانہ میں بیٹھ گئے۔ اس کے بعد سالم بن تماضر، عدی بن عمیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میرے بھائی! جو خبر تم لے کر آئے ہو، جسے تم اچھی خبر کہتے ہو اگر وہ میری بیٹی اقلیما سے متعلق ہے اور اس میں محمد بن اشعث کا کوئی ذکر ہے تب تو وہ اچھی اور بڑی خبر ہے۔ اگر اس کے علاوہ کوئی خبر ہے تو اسے کسی قدر اچھا کہا جا سکتا ہے لیکن اسے بہت بڑی خبر نہیں کہا جا سکتا۔''

سالم بن تماضر کے ان الفاظ پر اقلیما، رملہ اور کلثوم مسکرا رہی تھیں۔ عدی بن عمیر خود بھی مسکراتے ہوئے سالم بن تماضر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''ابن تماضر! میرے بھائی! تمہارا اندازہ درست ہے۔ جو خبر میں لے کر آیا ہوں وہ یقیناً محمد بن اشعث سے متعلق ہے اور میری بیٹی اقلیما سے ہی اس کا تعلق اور واسطہ ہے۔ اس کے بعد محمد بن اشعث نے جہور بن مرار عجلی اور عثمان بن نحیک کے بغاوت ختم کرنے سے پہلے رے شہر سے باہر محمد بن اشعث کے ساتھ ان کے ٹکراؤ اور اس

کے بعد محمد بن اشعث نے جو انہیں اصفہان شہر سے باہر بدترین شکست دی تھی۔ اس کی ساری تفصیل مزے لے لے کر کہہ دی تھی۔

یہ ساری تفصیل جان کر اقلیما کی خوشی اور طمانیت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ کچھ دیر تک وہ اس خبر سے لطف اندوز ہوتی رہی، پھر سنبھلی، اور عدی بن عمیر کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''عم! کیا انہیں اپنی ماں اور بہن کے قاتلوں سے متعلق بھی کچھ پتہ چلا؟''

اس پر بڑے غور سے اقلیما کی طرف دیکھتے ہوئے عدی بن عمیر کہنے لگا۔

''بیٹی! دراصل بات یہ ہے کہ جرجان شہر کے کچھ لشکری بھی محمد بن اشعث کے لشکر میں شامل ہیں۔ بس بدقسمتی کی بات یہ ہوئی کہ آج میری اُن سے اُس وقت ملاقات ہوئی جب وہ واپس اپنے لشکر کی طرف جا رہے تھے یعنی محمد بن اشعث کے لشکر کا رخ کر رہے تھے۔ انہوں نے ہی مجھے رے شہر اور اس کے بعد اصفہان کے باہر لڑی جانے والی جنگوں کی تفصیل بتائی۔ انہوں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ محمد بن اشعث کی ماں اور بہن کے قتل کا شک جہور بن مرار اور عثمان بن نحیک پر کیا گیا ہے۔ جہور بن مرار جیسا کہ میں بتا چکا ہوں وہ آذر بائیجان میں مارا جا چکا ہے اور عثمان بن نحیک اصفہان کے نواح میں شکست اٹھانے کے بعد بھاگ چکا ہے۔ ابھی تک اس کا کچھ پتہ نہیں چلا کہ وہ کدھر گیا ہے۔ تاہم وہ لشکری کہہ رہے تھے کہ محمد بن اشعث عثمان بن نحیک کی تلاش اور جستجو میں ہے۔ اس سلسلے میں اُس نے اپنے کچھ آدمی بھی عثمان کو تلاش کرنے کے لئے مقرر کر رکھے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد عدی بن عمیر کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لئے کہ اقلیما نے پھر سوال کر دیا تھا۔

''عم! اگر محمد بن اشعث نے پہلے رے اور اس کے بعد اصفہان کے نواح میں جہور بن مرار اور عثمان بن نحیک کو شکست دی تو اب وہ کہاں ہیں؟ کیا وہ انبار کی طرف واپس چلے گئے ہیں؟''

اقلیما یہیں تک کہنے پائی تھی کہ اُس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے عدی بن عمیر فوراً بول اُٹھا۔

''بیٹی! وہ انبار شہر کی طرف نہیں گیا۔ اصفہان شہر سے باہر ابن مرار اور ابن نحیک دونوں کو شکست دینے کے بعد سنا ہے، اس نے اصفہان شہر میں ہی قیام کر رکھا ہے۔

اس لئے کہ وہ اپنے لشکریوں کو چند دن آرام دینے اور ستانے کا موقع فراہم کرنا چاہتا ہے اور اس کے بعد وہ طبرستان کا رخ کرے گا۔ اس لئے کہ طبرستان کے حاکم نے بھی خلیفہ ابوجعفر منصور کے خلاف علم بغاوت کھڑا کر رکھا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد دم لینے کے لئے عدی بن عمیر رکا، پھر اقلیما کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''بیٹی! میرا دل کہتا ہے کہ طبرستان کی بغاوت سے نمٹنے کے بعد محمد بن اشعث جرجان شہر کی طرف ضرور آئے گا۔ بیٹی! تمہارا اس سے نکاح ہو چکا ہے۔ اب تم اس کی بیوی ہو۔ میرے خیال میں وہ تم سے ملنے جرجان شہر کا رخ ضرور کرے گا۔''

عدی بن عمیر کے ان الفاظ پر اقلیما خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔ اس کے بعد سب مل کر سلطنت کے موجودہ حالات پر گفتگو کرنے لگے تھے۔

❁❁❁

اصفہان کو فتح کرنے کے بعد محمد بن اشعث نے چند روز تک اپنے لشکر کو ستانے اور آرام کرنے کا موقع فراہم کیا۔ اس کے بعد اس نے طبرستان کی بغاوت کو فرو کرنے کا عزم کیا اور اپنے لشکر کے ساتھ وہ اصفہان سے نکلا تھا۔

دوسری طرف طبرستان کا حاکم بھی بڑی سرکشی، بڑے گھمنڈ اور تمرد میں تھا۔ طبرستان کے حاکم کی حیثیت سے اُس نے ایک بہت بڑا لشکر اور ایک بڑی عسکری قوت جمع کر لی تھی اور اسی قوت کے بل بوتے پر اس نے خلیفہ ابوجعفر منصور کے خلاف باغی پن کا مظاہرہ کیا تھا۔ چنانچہ اُسے جب خبر ہوئی کہ محمد بن اشعث، جہور بن مرار کو بدترین شکست دینے اور رے اور اصفہان پر قبضہ کرنے کے بعد اب اس کی طرف بڑھ رہا ہے، تب اس نے اپنے لشکر کو استوار کیا۔ طبرستان کے کھلے میدانوں میں اس نے پڑاؤ کیا اور محمد بن اشعث کی آمد کا انتظار کرنے لگا تھا۔

محمد بن اشعث کو اس کے جاسوسوں نے اطلاع کر دی تھی کہ جونہی وہ حاکم طبرستان کے پڑاؤ کے سامنے جائے گا۔ حاکم طبرستان جنگ کی ابتداء کر دے گا چنانچہ محمد بن اشعث نے بہت اچھا قدم اٹھایا، طبرستان کے ان میدانوں میں پہنچنے سے پہلے ایک رات پھر اس نے اپنے لشکر کو ستانے کا موقع فراہم کیا اور اگلے روز صبح سویرے وہ طبرستان کے ان میدانوں میں نمودار ہوا جہاں طبرستان کے حاکم نے اپنے لشکر کے

ساتھ پڑاؤ کر رکھا تھا۔

محمد بن اشعت نے وہاں پہنچتے ہی طبرستان کے حاکم نے اپنے لشکر کی صفیں درست کرنا شروع کر دی تھیں۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ جنگ کی ابتداء کرنے کے درپے ہے۔ ان کی طرف دیکھتے ہوئے محمد بن اشعت اور اس کے ساتھی روح بن حاتم، شبیب بن واح، حرب بن قیس اور سعید بن حریش بھی حرکت میں آئے۔ اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے لگے تھے۔ اس کے بعد حاکم طبرستان نے جنگ کی ابتداء کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ تمدن، ثقافت اور شرافت کا خون کرتے مضطرب سرگرداں انتشار کی طرح اپنے لشکر کو وہ حرکت میں لایا۔ اقدارِ انسانیت کے علم سرنگوں کر کے تنزل برپا کرتی موت کی طرح آگے بڑھا، اس کے بعد وہ محمد بن اشعت کے لشکر پر وقت کے افلاک پر وہموں کی سیاہی کی طرح جسموں کا آشوب بنتے فلاکتوں کے جلتے الاؤ، اُڑتے تند لمحوں کی طرح حرکت کرتے وارفتہ سیلِ محشر اور جدائیوں کی ہواؤں میں دلوں کو پتھر کر دینے والے آندھیوں کے شب خون اور فشارِ آتش کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

حاکم طبرستان کے ساتھ ہی محمد بن اشعت اور اس کے ساتھی بھی حرکت میں آئے اور وہ بھی حاکم طبرستان کے لشکر پر دُکھ کی چھاؤں میں خون کی بارش کرتے جبر و قہر کی دھوپ کے نزول، سانسوں کی ڈوریاں کاٹتے ذرّے ذرّے میں خوف و ہراس بھر دینے والے آسمان پر کمند ڈالنے والے مجاہدوں، قطرے قطرے میں خوف و ہراس اور لمحہ لمحہ میں دہشتوں کا رقص کھڑا کرتے تقدیر کی ہولناکیوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

میدانِ جنگ میں شور برپا ہو گیا تھا۔ قسمت کا منہ چڑاتی تلواریں ہر صدا کو بے صدا اور ہر آواز کو دربدر اور ہر نگاہ کو بے بصر کرنے لگی تھیں۔ دونوں طرف کے لشکری چیتوں کی چنگھاڑ کی طرح نعرے بلند کر کے میدانِ جنگ میں لمحوں کی ہولناک حدت، خواہشوں سے لبریز خوف، موت کی بے کراں وادیوں، لا انتہا صحرائی ویرانیوں، گونجوں کے چکراتے بھنور، خون رنگ فضاؤں کی سی کیفیت پیدا کرنے لگے تھے۔

کافی دیر تک دونوں طرف کے لشکری ایک دوسرے پر قیامت کے ہنگاموں کی طرح محرومیاں برپا کرتے لاوے کی طرح رینگتی سرکش ہواؤں کے نوحوں کی طرح حملہ آور ہوتے رہے۔ نمایاں سچائیاں، سزورِ جمال، شبنم کی گفتگو، بہاروں کے کلام، جوئے محبت کی روانی، چاہتوں کی معتبر گھٹائیں، آشوب و دہشت، جبر کی بھڑکتی آگ، بربریت

کی ترک تاز خونی تعبیروں، بے ضمیر روشنی بکھیرتے قصوں اور ٹوٹتی آوارہ داستانوں میں تبدیل ہونے لگی تھیں۔ میدانِ جنگ ہر شے کو اپنی ذلت کا اسیر، ویران اور ناموافق موسموں کا غلام بنانے لگا تھا۔ زیست کو خون آلود کرتے گہرے خوف کا فسوں چارسُو بکھرنے لگا تھا۔ گہرے اندھیروں کی وحشت میں نراس کر کے بھٹکا دینے والے پرانے المیوں کی سرپرستی ہونے لگی تھی۔ تلواروں اور ڈھالوں کے سامنے بڑے بڑے لشکری ساعتوں میں اُترتی آوازوں، کچے رنگوں سے لکھی گئی تحریروں کی طرح مٹنے لگے تھے۔ درد کی آگ اور نحوست کے لمحوں میں زندگی بھر کا سکون لٹنے لگا تھا۔ ننگ و عار کی زندگی کا نصاب مرتب ہونا شروع ہو گیا تھا۔ میدانِ جنگ میں اذیتوں کی طغیانی، درد کی صلیبیں، دائرے بناتی آگ ہواؤں کے نوحوں، فضاؤں کے ماتم، خوابوں کے بے ربطی میں زرد زرد خراشوں اور درد کی آہ و زاری کا سا سماں برپا ہونا شروع ہو گیا تھا۔

کچھ دیر تک میدانِ جنگ میں ہولناک کیفیت طاری ہوتی رہی، زندگی لٹتی رہی، موت رقص کرتی رہی، لشکریوں کی تعداد بڑی تیزی سے کم ہوتی رہی۔ طبرستان کے حاکم نے اپنی طرف سے بڑی کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح کوئی نہ کوئی حربہ استعمال کرتے ہوئے محمد بن اشعت کو بھاگ جانے پر مجبور کر دے۔ لیکن اُس کی کوئی تدبیر کامیاب نہ ہوئی اور پھر جب محمد بن اشعت نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ بڑی تیزی سے طبرستان کے حاکم کے لشکریوں کو کاٹنا شروع کیا تھا، تب طبرستان کے حاکم نے اپنی عافیت اسی میں سمجھی کہ میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑا ہو۔

چنانچہ یہ سوچنے کے بعد اس نے اپنے لشکریوں تک پسپائی اور شکست کا پیغام بھجوایا، پھر مڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس طرح اُسے بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ کچھ دور تک محمد بن اشعت اور اس کے ساتھیوں نے بھاگتے دشمن کا تعاقب کیا لیکن طبرستان کا حاکم کسی نہ کسی طرح بچ کر بلخ شہر کی طرف جانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ جبکہ اس کے سارے پڑاؤ پر محمد بن اشعت کا قبضہ ہو گیا تھا اور وہ سارا سامان اُس نے انبار شہر میں ابوجعفر منصور کی طرف روانہ کر دیا تھا۔

طبرستان کے کھلے میدانوں میں جہاں محمد بن اشعت نے طبرستان کے حاکم کو شکست دی تھی، وہیں محمد بن اشعت نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لیا تھا۔ زخمیوں کی دیکھ بھال کی گئی، لشکریوں کو ستانے کا موقع فراہم کیا گیا تھا اور جس وقت وہاں سے

ہاتھ لگنے والے مال و دولت کو سمیٹ کر اس میں سے کچھ حصے محمد بن اشعث نے انبار کی طرف روانہ کئے تھے۔ عین اسی وقت دو گھڑ سوار اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے وہاں آئے اور اس جگہ آ کر رُک گئے جہاں محمد بن اشعث، روح بن حاتم، شبیب بن رواح، حرب بن قیس، سعید بن حریشی اور کچھ دوسرے سالار کھڑے ہوئے تھے۔

اُن سواروں کو دیکھتے ہی محمد بن اشعث کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا۔ اس موقع پر روح بن حاتم محمد بن اشعث کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''یہ جو دو سوار آئے ہیں، گھوڑوں سے اتر رہے ہیں، ان میں سے ایک تو عمیس بن حزام ہے جس نے مروادیخ کا کام تمام کرنے میں ہماری مدد کی تھی اور اسی نے ابو مسلم کے خلاف بھیجا ہوا آپ کا پیغام اس کی رہائش گاہ میں ایک خنجر کے ساتھ پہنچایا تھا۔ اس کے ساتھ دوسرا کون ہے، اسے ہم نہیں جانتے۔''

جواب میں محمد بن اشعث روح بن حاتم اور اپنے دوسرے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''جس وقت ہم مروادیخ کا خاتمہ کرنے کے لئے دریائے آموکی پرانی گزرگاہ کی طرف گئے تھے تو وہیں عمیس بن حزام سے ہماری ملاقات ہوئی تھی۔ دورانِ گفتگو اس نے ہم پر انکشاف کیا تھا کہ ابو مسلم کے لشکر میں اُس کا ایک اور ساتھی بھی ہے اُس کا نام ولید بن جعفر ہے اور یہ دونوں کبھی میرے تحت کام کر چکے ہیں۔ میرے خیال میں دوسرا سوار یقیناً ولید بن جعفر ہی ہوگا۔ ذرا انہیں قریب آنے دو پھر ان سے بات کرتے ہیں۔''

محمد بن اشعث کی اس گفتگو سے روح بن حاتم ہی نہیں، اس کے دوسرے ساتھی بھی مطمئن ہو گئے تھے۔ اپنے گھوڑوں سے اُترنے کے بعد عمیس بن حزام اور اس کا ساتھی قریب آئے، بڑے پُر جوش انداز میں سب ایک دوسرے سے ملے اور عمیس نے ولید بن جعفر کا اپنے ساتھی کی حیثیت سے تعارف بھی کروایا تھا۔ جب ایسا ہو چکا تب محمد بن اشعث اُن دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے عزیز ساتھیو! تم دونوں کو میں اپنے پڑاؤ میں خوش آمدید کہتا ہوں۔ کیا تم دونوں کسی خاص مقصد کے تحت ہماری طرف آئے ہو؟''

محمد بن اشعث کے اس سوال پر عمیس بن حزام کہنے لگا۔

''امیر! آپ جانتے ہیں ہم دونوں پہلے ابو مسلم خراسانی کے لشکر میں شامل تھے۔ جس وقت اس کا کام تمام کیا گیا، اس وقت ہم دونوں نے مرد شہر میں قیام کر رکھا تھا۔ اس کے مرنے کی خبر سننے کے بعد ہم دونوں انبار شہر کی طرف گئے۔ دراصل میں اور میرا ساتھی ولید بن جعفر آپ کے ساتھ کام کرنا چاہتے تھے پر ہماری بدقسمتی جب ہم انبار شہر پہنچے تو پتہ چلا کہ آپ کسی ذاتی کام کے سلسلے میں انبار شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ انبار شہر میں چونکہ ہمارا کوئی جاننے والا نہیں تھا اور ہمیں یہ بھی خطرہ تھا کہ ہم چونکہ ابو مسلم خراسانی کے لشکر میں رہ چکے ہیں لہٰذا کہیں ہم پر شک نہ کیا جائے کہ ہم ابو مسلم کے حق میں کام کرنے والے ہیں۔ لہٰذا ہم انبار شہر سے کوچ کر گئے اور دریائے فرات کے کنارے ایک گمنام بستی میں دن گزارتے رہے۔

اس کے بعد ہمیں خبر ملی کہ آپ انبار شہر میں واپس آ گئے ہیں۔ چنانچہ ہم دونوں نے پھر انبار شہر کا رخ کیا۔ لیکن ہماری بدبختی کہ جب ہم وہاں پہنچے تو پتہ چلا کہ آپ تو جہور بن مرار عجلی کی بغاوت فرو کرنے کے لئے جا چکے ہیں۔ انبار میں قیام کے دوران ہمیں یہ بھی پتہ چلا کہ جہور بن مرار عجلی کے ساتھ عثمان بھی اس بغاوت میں شامل ہو چکا ہے۔ چنانچہ آپ سے ملاقات کرنے کے لئے ہم نے رے شہر کا رخ کیا لیکن جب ہم رے شہر پہنچے تو آپ اصفہان کی طرف جا چکے تھے۔ ہم پیچھے پیچھے اصفہان کی طرف گئے اور ہمارے ساتھ عجیب معاملہ ہوا کہ جس وقت ہم اصفہان پہنچے، آپ اپنے لشکر کے ساتھ وہاں سے بھی طبرستان کی طرف کوچ کر چکے تھے۔ لہٰذا ہم نے بھی اصفہان سے طبرستان کا رخ کیا اور اب آپ دیکھتے ہیں دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد عمیس بن حزام رکا، پھر دکھ بھرے انداز میں محمد بن اشعث کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''امیر! سب سے پہلے میں اور میرا ساتھی ولید بن جعفر اس بات پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ کچھ ظالموں نے آپ کی ماں اور بہن کو آپ کی غیر موجودگی میں قتل کر دیا۔ ہمیں یہ بھی خبریں ملی ہیں کہ اس قتل میں عثمان بن نحیک کے علاوہ جہور بن مرار عجلی کا ہاتھ ہے۔ اب جہور بن مرار عجلی تو مارا جا چکا ہے لیکن عثمان بن نحیک زندہ ہے۔ جہاں تک ہمارا خیال ہے جہور بن مرار کے مارے جانے کے بعد عثمان بن نحیک طبرستان کی

طرف بھاگا تھا اور طبرستان کے لشکر میں شامل ہو گیا تھا۔ اب جبکہ ان میدانوں میں آپ نے طبرستانی لشکر کو بھی بدترین شکست دی ہے تو میرا خیال ہے جس طرح طبرستان کا حاکم اپنی جان بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہو گیا ہے اسی طرح عثمان بن نحیک بھی اپنی جان بچا کر کہیں پناہ لینے میں کامیاب ہو چکا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد عمیس بن حزام رکا، دوبارہ محمد بن اشعث کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''امیر! میں اور میرا ساتھی ہم دونوں آپ کے لشکر میں شامل ہونے کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔''

اس موقع پر محمد بن اشعث کے چہرے پر تبسم نمودار ہوا اور کہنے لگا۔

''میں تم دونوں کو بخوشی اپنے لشکر میں شامل کرتا ہوں اور جنگوں میں جو ہمیں مال غنیمت ملا ہے اس میں تم دونوں کو بھی تمہارا حصہ ملے گا۔''

محمد بن اشعث کی اس گفتگو سے عمیس بن حزام اور ولید بن جعفر خوش ہو گئے تھے۔
اس موقع پر ولید بن جعفر بول اٹھا۔

''امیر! اگر آپ پسند کریں تو آپ کے لشکر میں رہنے کے ساتھ ساتھ ہم سب سے پہلے عثمان بن نحیک کو تلاش کریں۔ وہ آپ کی ماں اور بہن کا قاتل ہے۔ اگر وہ قاتل نہیں، اس کے علاوہ کسی اور نے یہ کارروائی کی ہے تو یقیناً جن لوگوں نے کارروائی کی ہے، عثمان بن نحیک اور جمہور بن مرار انہیں جانتے ہوں گے۔ لہٰذا اگر آپ اجازت دیں تو ہم سب سے پہلے عثمان بن نحیک کو تلاش کریں۔''

جب تک ولید بن جعفر بولتا رہا، محمد بن اشعث مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ جب وہ خاموش ہوا تب محمد بن اشعث بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''ابن جعفر! میں تمہاری تجویز سے اتفاق کرتا ہوں۔ تم دونوں میرے لشکر میں شامل ہو گئے۔ سب سے پہلے تم عثمان ہی کو تلاش کرو۔ اس کی تلاش میں دونوں اکٹھے نکلنا۔ لیکن آج کی شب ہمارے پڑاؤ میں قیام کر کے آرام کرو۔ مال غنیمت میں سے میں تم دونوں کو خاصا بڑا حصہ دوں گا اس کے علاوہ اپنے پاس سے بھی کچھ رقم مہیا کروں گا تا کہ عثمان بن نحیک کو تم دونوں پوری دلجمعی کے ساتھ تلاش کر سکو۔''

عمیس بن حزام اور ولید بن جعفر دونوں محمد بن اشعث کے ان الفاظ سے خوش ہو گئے تھے۔ چنانچہ محمد بن اشعث نے ان دونوں کو اپنے لشکر میں شامل کر لیا۔ مال غنیمت میں سے اچھی خاصی رقم بھی ان کے حوالے کی۔ عمیس بن حزام اور ولید بن جعفر نے دو روز تک محمد بن اشعث کے لشکر میں قیام کیا، اس کے بعد وہ عثمان بن نحیک کی تلاش میں نکل گئے تھے۔

❁❁❁

سعید بن سالم ایک روز بھاگتا ہوا اپنی حویلی میں داخل ہوا۔ سیدھا اس طرف گیا جہاں اقلیما، رملہ اور کلثوم تینوں بیٹھی آپس میں گفتگو کر رہی تھیں۔ وہ اقلیما کے پاس جا کر کھڑا ہوا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میری بہن! آج یوں جانو جرجان شہر میں ایک انقلاب برپا ہو گیا ہے۔''

''کیسا انقلاب؟'' سعید کی طرف دیکھتے ہوئے اقلیما نے تجسس بھرے انداز اور فکر گیر آواز میں پوچھ لیا تھا۔

سعید بن سالم مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''میری بہن! میں نے آپ کو اکثر نماز کے بعد دعا مانگتے ہوئے سنا۔ آپ کی دعاؤں میں یہ التجا بھی ہوا کرتی تھی کہ محمد بن اشعث زندہ اور خوش رہیں۔ آپ یہ بھی آرزو کرتی رہی ہیں کہ وہ کب آپ سے ملنے جرجان شہر میں آئیں گے۔ میں بس آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کی دعائیں قبول ہوئیں۔ اس لئے کہ بھائی اور ان کے ساتھی جرجان تشریف لا چکے ہیں اور اس وقت سرائے میں بابا اور عم عدی بن عمیر سے باتیں کر رہے ہیں۔''

سعید بن سالم کے ان الفاظ پر اقلیما کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی۔ کمرے سے نکل کر باہر برآمدے میں آئی۔ رملہ اور کلثوم بھی اس کے ساتھ باہر آ کر کھڑی ہو گئی تھیں۔ کوئی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ حویلی میں سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر کے ساتھ محمد بن اشعث داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی اقلیما کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ چہرے پر خوش نما تبسم کھیل گیا تھا۔ آنکھوں کے اندر روشنی اور شادمانیوں کے رقص شروع ہو گئے تھے۔

اقلیما، رملہ اور کلثوم تینوں نے بہترین انداز میں محمد بن اشعث کو خوش آمدید کہا، پھر سب دیوان خانہ میں جا کر بیٹھ گئے تھے۔ جب سب نشستوں پر بیٹھ گئے تب محمد بن اشعث نے اپنے کندھے پر لٹکتی خرجین اُتاری، اس کا منہ کھولا، اس میں سے اس نے نقدی کی تین تھیلیاں نکالیں، اپنی جگہ سے اُٹھا، ایک تھیلی اس نے چپ چاپ اقلیما کی گود میں رکھ دی، دوسری تھیلی سالم بن تماضر اور تیسری عدی بن عمیر کے سامنے رکھ دی تھی۔ پھر کمرے میں محمد بن اشعث کی آواز گونجی۔

''عم سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر! بات یہ ہے کہ اقلیما اب اکیلی نہیں۔ کیونکہ میرا، اس کا نکاح ہو چکا ہے۔ اب یہ میری بیوی ہے لہٰذا میرے مال پر اس کا حق بنتا ہے اور میں نے اسی حق کو سامنے رکھتے ہوئے ایک بھاری رقم اس کے حوالے کی ہے۔''

سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر! میں نے جو آپ دونوں کو دو تھیلیاں دی ہیں، یہ مت خیال کیجئے گا کہ میں ایسا اس لئے کر رہا ہوں کہ آپ ..نے میری بیوی کو اپنے ہاں رکھا ہوا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اقلیما کے ساتھ آپ دونوں کا اب ایک رشتہ ہے۔ عدی بن عمیر نے جو اقلیما کی خدمت کی ہے، اسے تو میں زندگی بھر فراموش نہ کر سکوں گا۔ اور محترم سالم بن تماضر! چونکہ آپ نے اقلیما کو اپنی بیٹی بنا لیا ہے لہٰذا اسی رشتہ کے حوالے سے نقدی کی تھیلی میں نے آپ کی خدمت میں پیش کی ہے۔''

جواب میں سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر مسکراتے ہوئے اور بڑی ممنونیت سے محمد بن اشعث کی طرف دیکھتے رہے، پھر سالم بن تماضر بول اٹھا۔

''بیٹے! جو کچھ تم نے کیا ہے اس کے لئے میں خصوصیت کے ساتھ تمہارا شکر گزار ہوں۔ اگر تم برا نہ مانو تو میں اپنے حصہ کی نقدی کی یہ تھیلی بھی عدی بن عمیر کے حوالے کرتا ہوں۔ میری حالت بہت اچھی بلکہ عمدہ ہے۔ عدی بن عمیر کے حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ لہٰذا میری خواہش ہے کہ میں اپنی تھیلی بھی اسے دے دوں۔ مجھے امید ہے کہ میرا ایسا کرنے پر تم برا نہیں مانو گے۔''

سالم بن تماضر کے ان الفاظ سے محمد بن اشعث خوش ہوا۔ کہنے لگا۔

''اگر آپ ایسا کرتے ہیں تو اس میں میری خوشی مضمر ہو گی۔''

محمد بن اشعث جب خاموش ہوا تب سالم بن تماضر بول اٹھا۔

''بیٹے! اقلیما پر تمہارا حق بنتا ہے۔ تمہاری بیوی ہے۔ لیکن جو نقدی کی تھیلی تم نے اُس کے حوالے کی ہے وہ اس کا کیا کرے گی؟ اس کے پاس اپنا چھوٹا سا ایک خزانہ بھی ہے اور اس کے علاوہ اِرم بھی مرنے سے پہلے بہت کچھ اس کے حوالے کر چکی ہے۔ وہ تو ان سب چیزوں کو سنبھالنے سے بھی قاصر ہے، اب تم نے اسے ایک اور تھیلی تھما دی ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد سالم بن تماضر جب خاموش ہوا تب دُکھ بھرے انداز میں محمد بن اشعث بول اٹھا۔

''جو کچھ آپ نے کہا ہے، آپ کے نقطہ نظر سے درست ہی ہو گا۔ لیکن اب اس دنیا میں اقلیما کے سوا میرا کوئی نہیں ہے۔ یہی میری توجہ کا مرکز، یہی میری سلامتی کا محور اور یہی میرا سرمایۂ حیات ہے۔ بس جو کچھ میرے پاس ہے، اس کی مالکہ اقلیما ہی ہے۔''

اس موقع پر اقلیما کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن محمد بن اشعث کے ان الفاظ نے اُسے خاموش کرا دیا تھا۔ کچھ دیر سوچتی رہی، پھر دُکھ بھرے انداز میں وہ محمد بن اشعث کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''کیا آپ کو اماں اور بہن کے قاتلوں کا کچھ پتہ چلا؟''

اس پر محمد بن اشعث کہنے لگا۔

''میری ماں اور بہن کے قاتل کون ہیں، انہیں جہور بن مرار اور عثمان بن نحیک جانتے ہیں۔ جہور بن مرار وہ سالار ہے جسے میں پہلے رے اور اس کے بعد اصفہان کے نواح میں شکست دے چکا ہوں اور بعد میں وہ میدانِ جنگ سے بھاگنے کے بعد ایک جگہ قتل ہو چکا ہے۔ جبکہ عثمان بن نحیک طبرستان کی طرف بھاگا تھا۔ میں نے حاکم طبرستان کو بھی شکست دی تو حاکم طبرستان تو اپنی جان بچا کر بلخ کی طرف بھاگ گیا ہے، عثمان کا کچھ پتہ نہیں چلا کہ وہ کدھر گیا۔ اب جہور بن مرار تو مر چکا ہے، اس سے تو میں کچھ پوچھنے سے رہا۔ عثمان بن نحیک زندہ ہے اور وہ مجھے بہت کچھ بتا سکتا ہے۔ لہٰذا میں نے اپنے دو ساتھیوں عمیس بن حزام اور ولید بن جعفر کو عثمان کے پیچھے لگایا ہے۔ وہ اس کا اتہ پتہ ڈھونڈیں گے۔ ساتھ ہی مجھے اس کے محل وقوع سے جب وہ آگاہ کریں گے تو میں عثمان پر ضرب لگانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوں گا۔

میرا یہ بھی اندازہ ہے کہ عثمان بن نہیک میری ماں اور بہن کے براہِ راست قتل میں ملوث نہیں ہے لیکن وہ یقیناً ان لوگوں کو جانتا ہے جنہوں نے میری ماں اور بہن کو قتل کیا۔ اب عثمان کو تلاش کرنا میری زندگی کا ایک حصہ بن چکا ہے۔ مجھے امید ہے کہ میں بہت جلد اسے تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا اور پھر اس سے قاتلوں کا پتہ پوچھ کر ان کے خلاف حرکت میں آؤں گا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد محمد بن اشعث رکا، پھر اقلیما کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "میرا لشکر اس وقت طبرستان کے کھلے میدانوں میں پڑاؤ کئے ہوئے ہے۔ میں تھوڑا وقت نکال کر یہاں آیا ہوں۔ میں یہاں شب بسری نہیں کروں گا۔ مغرب کی نماز کے بعد یہاں سے کوچ کر جاؤں گا۔ میرے ساتھ تینوں ساتھی بھی ہیں۔ انہوں نے سرائے میں قیام کر رکھا ہے۔ دیکھو اقلیما! حالات ابھی میرے حق میں مکمل طور پر درست نہیں ہوئے۔ ماں اور بہن کے مرنے کے بعد حویلی بالکل ویران اور سنسان پڑی ہے۔ ایسا لگتا ہے وہاں کبھی کوئی انسان رہا ہی نہ ہو۔ مجھے تمہاری حفاظت کے لئے کچھ انتظامات کرنے ہیں۔ وہ انتظامات مکمل ہو جائیں گے تو میں تمہیں یہاں سے نکال کر اپنی بیوی کی حیثیت سے انبار شہر لے جاؤں گا۔ وہاں تم سے کوئی باز پُرس نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ سب کو خبر ہو چکی ہو گی کہ محمد بن اشعث نے تم سے شادی کر لی ہے لہٰذا سب تمہاری عزت اور تمہارا احترام کریں گے۔"

محمد بن اشعث جب خاموش ہوا تب اقلیما اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑی ہوئی اور محمد بن اشعث کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"اگر یہ بات ہے تو میں آپ کا کھانا تیار کرتی ہوں۔ آپ ہمارے ساتھ کھانا کھا کر رخصت ہوں گے۔"

اس پر محمد بن اشعث کہنے لگا۔ "میں مغرب کی نماز کے بعد یہاں سے طبرستان کی طرف کوچ کر جاؤں گا۔"

اقلیما نے مسکراتے ہوئے محمد بن اشعث کی طرف دیکھا، پھر وہ وہاں سے نکل کر مطبخ کی طرف چلی گئی تھی۔ اس کے پیچھے پیچھے رملہ اور کلثوم بھی اُٹھیں اور وہ بھی کھانا تیار کرنے کے لئے نکل گئی تھیں۔

کھانا کھانے کے بعد سب نے اقلیما اور محمد بن اشعث کو اقلیما کے کمرے میں

علیحدگی میں گفتگو کرنے کا موقع فراہم کیا۔ دونوں نے اپنے مستقبل سے متعلق طویل گفتگو کی۔ اس کے بعد محمد بن اشعث وہاں سے نکل کر سرائے میں آیا۔ روح بن حاتم، شبیب بن رواح ور حرب بن قیس کو لیا اور رات کی تاریکی میں جرجان کی سرائے سے طبرستان کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

طبرستان جا کر اس نے ایک روز مزید وہاں قیام کیا، اس کے بعد وہ اپنے لشکر کو لے کر انبار شہر کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

جن دنوں محمد بن اشعث نے خراسان میں امن قائم کر دیا اور وہ طبرستان میں باغیوں کا قلع قمع کرنے میں مصروف تھا، خلیفہ ابوجعفر منصور نے ابوداؤد خالد بن ابراہیم کو خراسان کا حاکم مقرر کیا۔ اس سے پہلے وہ بلخ کا عامل تھا۔ خراسان بغاوتوں کا مرکز و منبع خیال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ابوداؤد خالد بن ابراہیم کے خلاف بھی ایک بغاوت پھوٹی۔ اسی بغاوت کے دوران باغیوں نے اس کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ ابوداؤد مکان کی چھت پر چڑھ کر باغیوں کو دیکھنا چاہتا تھا کہ اتفاق سے پاؤں پھسل کر گر پڑا اور مر گیا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے ایک سالار حسام نے لشکر کی کمانداری سنبھالی۔ باغیوں پر حملہ آور ہو کر ان کی بغاوت کو فرو کیا اور خراسان کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر ساری صورتِ حال سے منصور کو مطلع کیا۔

چنانچہ ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے منصور نے ایک شخص عبدالجبار بن عبدالرحمٰن کو خراسان کا حاکم بنا کر بھیج دیا۔ جن دنوں عبدالجبار بن عبدالرحمٰن حاکم خراسان کی حیثیت سے مرو پہنچا، محمد بن اشعث طبرستان کی اپنی مہم میں مصروف تھا۔

محمد بن اشعث اپنے لشکر کو لے کر ابھی مرکزی شہر انبار نہیں پہنچا تھا کہ انبار شہر کے اندر ایک بہت بڑا حادثہ اُٹھ کھڑا ہوا اور یہ حادثہ فرقہ راوندیہ والوں کی بغاوت تھی۔ مؤرخین میں سے خصوصیت کے ساتھ مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی، راوندیہ کے اس فرقہ کو اہلِ تشیع کی ایک شاخ قرار دیتے ہیں، ساتھ ہی ان سے متعلق تفصیل لکھتے ہوئے یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ یہ درحقیقت ایران اور خراسان کے جاہل لوگوں کا ایک گروہ تھا جو علاقہ راوندیہ میں رہتا تھا اور ابومسلم خراسانی نے انہیں اپنے ساتھ شامل کیا تھا۔

ابومسلم خراسانی نے جو جماعت تیار کی تھی، اس کو مذہب سے کوئی تعلق نہیں تھا بلکہ

جس طرح ممکن ہوتا ان کو سیاسی اغراض کے لئے آمادہ اور مستعد کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ وہ گروہ جس کو راوندیہ کہا جاتا تھا، تناسخ اور حلول کا قائل تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ خدا تعالیٰ نے منصور میں حلول کیا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ خلیفہ منصور کو خدا سمجھ کر اس کی زیارت کرتے تھے اور منصور کے درشن کو عبادت جانتے تھے۔ ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ حضرت آدمؑ کی روح عثمان بن نحیک اور جبرائیلؑ کی روح حبیب بن معاویہ میں حلول کئے ہوئے ہیں۔ عثمان بن نحیک جو محمد بن اشعث کی ماں اور بہن کے قاتلوں کا سرغنہ تھا وہ بھی اسی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا اور ان دنوں روپوش تھا۔ جبکہ ہیثم بن معاویہ کے ساتھ ان گنت جنگجو تھے اور یہ لوگ بھی خراسان کے مخصوص حصوں کو اپنا مرکز اور اپنا مسکن بنائے ہوئے تھے۔

چنانچہ ان لوگوں کا ایک بہت بڑا گروہ اس وقت مرکزی شہر انبار میں داخل ہوا جس وقت خلیفہ ابوجعفر منصور کے لشکر کا بڑا حصہ انبار شہر سے باہر بغاوتوں کو فرو کرنے میں مصروف تھا۔

چنانچہ یہ لوگ دارالحکومت انبار میں آ کر اپنے اعمال اور عقاید ناشدنی کا اعلان کرنے لگے تو منصور نے ان میں سے دو سو آدمیوں کو پکڑ کر قید کر دیا۔ چونکہ یہ کافی تعداد میں انبار شہر میں داخل ہوئے تھے چنانچہ ان کو اپنے ہم عقیدہ لوگوں کی گرفتاری سے اشتعال پیدا ہوا تھا۔ قید خانہ پر حملہ کر کے اپنے بھائیوں کو قید سے چھڑا لیا اور پھر منصور کے محل کا محاصرہ کر لیا۔

یہاں تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ منصور کو خدا کہتے تھے۔ پر اس خدا کی مرضی کے خلاف آمادۂ جنگ بھی تھے۔ اس موقع پر یہ بات بھی بڑی قابلِ تذکرہ ہے کہ بنو اُمیہ کا ایک سالار یزید بن ہبیرہ ہوا کرتا تھا۔ اُس کا ایک نائب سردار معن بن زائدہ تھا اور جب یزید بن ہبیرہ کی لڑائیاں عباسیوں کے ساتھ ہوئیں تو معن بن زائدہ ابن ہبیرہ کے نامور سالاروں میں شمار کیا جاتا تھا۔ جب ابن ہبیرہ کا کام تمام کر دیا گیا تو معن بن زائدہ دارالخلافہ انبار میں آ کر روپوش ہو گیا تھا جبکہ عباسی خلیفہ منصور اس کی تلاش اور جستجو میں تھا اور وہ معن بن زائدہ کو گرفتار کر کے اسے قتل کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔

جب ان بد مذہب راوندیہ نے منصور کے محل کا محاصرہ کیا تو منصور پیادہ پا اپنے محل سے نکل آیا اور بلوائیوں کو ٹھنڈا کرنے اور ہٹانے لگا۔ چونکہ اس وقت دارالحکومت میں

کوئی جمعیت اور طاقت ایسی موجود نہ تھی کہ ان بلوائیوں کی طاقت کا مقابلہ کر سکتی چنانچہ منصور کے لئے وہ وقت نہایت ہی نازک تھا اور قریب تھا کہ دارالحکومت اور اس کے ساتھ ہی خلافت اور اپنی جان منصور کے ہاتھ سے چلی جائے اور اس پر راوندیہ کا قبضہ ہو جائے۔

اس خطرناک حالت سے فائدہ اٹھانے میں معن بن زائدہ نے کوئی کوتاہی نہ کی۔ وہ چونکہ ان دنوں انبار شہر میں روپوشی کی زندگی بسر کر رہا تھا چنانچہ اپنے آپ کو قتل سے بچانے کے لئے اُس نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کا تہیہ کر لیا۔ وہ فوراً مسلح ہو کر نکلا۔ اس کے ساتھ بہت سے دوسرے لوگ بھی جو مسلح تھے اس کے ساتھی بن کر اس کے ساتھ ہو لئے۔ چنانچہ یہی معن بن زائدہ اس جگہ آیا جہاں راوندیہ بلوہ کر رہے تھے۔ معن بن زائدہ بڑے مشاقانہ انداز میں اپنے مسلح جوانوں کے ساتھ ان پر حملہ آور ہوا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ معن بن زائدہ نے ان پر ضرب لگانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ ایک شخص اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ راوندیوں پر ٹوٹ پڑا ہے تو اتنے میں اور لوگ بھی وہاں جمع ہونے لگے اور راوندیوں پر ضرب لگانے لگے۔

لیکن معن بن زائدہ کے حملے بہت ہی زبردست اور کارگر ثابت ہو رہے تھے اور منصور اپنی آنکھ سے اس اجنبی شخص کی حیرت انگیز بہادری کو دیکھ رہا تھا۔ آخر معن بن زائدہ نے اس لڑائی میں ایک طرح سے سپہ سالاری کے فرائض خود ادا کرنے شروع کر دیئے تھے اور نتیجہ یہ ہوا کہ شدید اور سخت زور آزمائی اور معرکہ آرائی کے بعد راوندیہ کے ان باغیوں اور بلوائیوں کو شکست ہوئی۔ اس دوران شہر کے سب آدمی بھی اُٹھ کھڑے ہوئے اور بلوائیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔

اس ہنگامہ کے فرو ہونے کے بعد منصور نے لوگوں سے دریافت کیا کہ وہ شخص کون تھا جس نے اپنی پامردی اور بہادری کے ذریعے اس فتنہ کو فرو کرنے میں سب سے زیادہ کام کیا۔ اسے بتایا گیا کہ جس وقت اُس کی جان خطرے میں تھی، جس وقت اس کا دارالحکومت بھی خطرات میں گھرا ہوا تھا تو جو نوجوان اُس کی مدد کے لئے آیا وہ بنو اُمیہ کا حامی معن بن زائدہ تھا جو بنو اُمیہ کے نامور سپہ سالار ابن ہبیرہ کے ساتھ کام کرتا رہا تھا اور جس سے متعلق ابو جعفر منصور نے قتل کا ارادہ کر رکھا تھا۔

جب ابو جعفر منصور کو یہ علم ہوا کہ یہ معن بن زائدہ ہے تب منصور نے اس کو امان دے دی اور اس کے سابقہ جرائم کو معاف کر کے اس کی عزت و مرتبہ میں خوب اضافہ کیا۔

راوندیہ کے اس فتنہ کے ختم ہونے کے بعد ابو جعفر منصور کے لئے دو اور بڑے مسائل اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک مسئلہ خراسان میں اور دوسرا سندھ میں اُٹھا۔ جہاں تک خراسان کا تعلق ہے تو وہاں کے عامل ابوداؤد خالد بن ابراہیم کے بعد ابو جعفر منصور نے ایک شخص عبدالجبار بن عبدالرحمٰن کو خراسان کا حاکم مقرر کیا تھا۔

حالات کی ستم ظریفی کہ عبدالجبار بن عبدالرحمٰن نے خراسان کی حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی پہلے حاکم ابوداؤد خالد بن ابراہیم کے عاملوں کو معزول و بے عزت اور قتل کرنا شروع کر دیا۔ بڑے بڑے سرداروں کو ذرا ذرا سے شبہ میں قتل کر کے اس نے تمام علاقے میں ہلچل مچا دی تھی۔

یہ خبر منصور کے پاس پہنچی کہ عبدالجبار بن عبدالرحمٰن عباسیوں کے خیر خواہوں کو قتل کر ڈالتا ہے لہٰذا اس کا کوئی سد باب ہونا چاہئے۔

اس سلسلے میں منصور متذبذب تھا کہ عبدالجبار کو خراسان سے کس طرح با آسانی علیحدہ کیا جا سکے۔ چونکہ اس کو اندیشہ تھا کہ کہیں وہ اعلانیہ باغی نہ ہو جائے۔

آخر منصور نے عبدالرحمٰن کو نرم رویے سے اپنا مطیع اور فرمانبردار بنانا چاہا۔ اس وقت منصور کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ کار بھی نہیں تھا۔ اس لئے کہ خراسان مرکز سے بہت دور تھا۔ گو محمد بن اشعث اپنی مہم سے واپس انبار پہنچ چکا تھا لیکن ابو جعفر منصور خراسان کے خلاف کوئی لشکر کشی کر کے حالات کو مزید خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔

آخر منصور نے عبدالجبار کو قاصد کے ذریعے پیغام بھیجا کہ خراسان کے لشکر کا ایک بڑا حصہ مغرب کی طرف روانہ کرے اور وہ لشکر رومنوں کے خلاف جہاد کرے۔ اس لئے کہ رومن مسلمانوں کی سرحدوں پر خطرات پیدا کر رہے ہیں۔ ایسا کرنے سے منصور کا مدعا یہ تھا کہ جب خراسان کے لشکر کا بڑا حصہ خراسان سے علیحدہ ہو کر رومنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے جائے گا تو اس حالت میں عبدالجبار بن عبدالرحمٰن کو معزول کرنا اور کسی دوسرے کو وہاں کا حاکم بنا کر بھیجنا آسان ہو جائے گا۔

عبدالجبار بن عبدالرحمٰن بھی بڑا تیز آدمی تھا۔ اس نے منصور کے اس پیغام کے

جواب میں لکھا۔

''ترکوں نے فوج کشی شروع کر دی ہے۔ اگر آپ لشکر خراسان کو دوسری طرف منتقل کر دیں گے تو مجھے خدشہ ہے کہ خراسان ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔''

یہ جواب پا کر منصور نے عبدالجبار بن عبدالرحمٰن کو لکھا کہ مجھ کو خراسان کا علاقہ سب سے زیادہ عزیز ہے اور اس کو محفوظ رکھنا نہایت ضروری سمجھتا ہوں۔ اگر ترکوں نے خراسان پر فوج کشی شروع کر دی تو میں خراسان کی حفاظت کے لئے انبار سے ایک عظیم لشکر روانہ کرتا ہوں۔ تم خراسان کے سلسلے میں کوئی فکر نہ کرو۔

اس تحریر کو پڑھ کر عبدالجبار نے منصور کو لکھا کہ خراسان کے ملک کی آمدنی اس قدر بھاری اور عظیم اخراجات کی متحمل نہ ہو سکے گی۔ اگر آپ کوئی بڑا لشکر خراسان کی طرف بھجوائیں گے تو اس لشکر کے اخراجات خراسان سے پورے نہیں ہو سکیں گے۔

یہ جواب پا کر ابوجعفر منصور کو یقین ہو گیا کہ عبدالجبار بغاوت پر آمادہ ہے۔ اب اس نے ارادہ کر لیا کہ عبدالجبار پر وہ ضرب لگائے گا۔ اس سلسلے میں ابوجعفر منصور نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ اس نے سارے اُمراء اور سالاروں کا اجلاس طلب کر لیا تا کہ متفق رائے سے خراسان سے متعلق کوئی فیصلہ کیا جائے۔

جب سارے سالار اور سرکردہ امراء ابوجعفر منصور کے پاس جمع ہو گئے تب خراسان کی جو صورتِ حال تھی، اس کا اجمالی خاکہ منصور نے سب کے سامنے پیش کیا۔ ساتھ ہی خراسان میں بغاوت کرنے والے عبدالجبار بن عبدالرحمٰن کے قاصدوں کے ذریعے جو پیغام رسانی ہوئی تھی، اس کی تفصیل بھی اس نے سب سے کہہ دی تھی۔ ساری تفصیل جاننے کے بعد لوگ آپس میں صلاح مشورہ کرنے لگے تھے۔ اس موقع پر پھر سب کو مخاطب کرتے ہوئے منصور کہہ رہا تھا۔

''خراسان میں اُٹھنے والی بغاوتوں کو اگر ہم نے سختی سے نہ کچلا اور ختم نہ کیا تو وہاں آئے دن ہمارے خلاف بغاوتیں اُٹھتی رہیں گی۔ میں چاہتا ہوں خراسان میں اٹھنے والی موجودہ بغاوت کو فرو کرنے کے بعد وہاں کسی ایسے شخص کو حاکم مقرر کیا جائے جس کی طرف سے آنے والے دور میں بغاوت اور سرکشی کا خطرہ نہ ہو۔ ساتھ ہی وہ خراسان میں کسی اور کو بھی بغاوت یا سرکشی کرنے کا موقع نہ دے اور باغیوں اور سرکشوں کو اپنے سامنے دبا کر رکھے۔

اس بغاوت کو کچلنے کے لئے اب تک جو میں ارادہ کر چکا ہوں وہ یہ کہ ایک لشکر دے کر خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث کو روانہ کیا جائے۔ جب یہ دونوں مل کر عبدالجبار بن عبدالرحمٰن کا مقابلہ کریں گے تو بڑی سختی سے اس کی بغاوت کو کچلیں گے۔ جہاں تک کسی کے وہاں حاکم مقرر کرنے کا تعلق ہے تو ابھی تک میں نے اس سے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد منصور جب رکا تب اس کی طرف بڑے غور سے دیکھتے ہوئے خازم بن خزیمہ بول اٹھا۔

''جو کچھ آپ نے کہا ہے وہ درست ہے۔ جب تک غیر ذمہ دار لوگوں کو خراسان کا حاکم مقرر کیا جاتا رہے گا، وہ وہاں بغاوت کھڑی کرتے رہیں گے۔ بغاوت کھڑی کرنے والے خراسان میں اس لئے بغاوت کرتے ہیں کہ وہ مرکز سے ایک دور افتادہ علاقہ خیال کیا جاتا ہے اور بغاوت کرنے والے یہ سوچ کر بغاوت کرتے ہیں کہ شاید مرکز اتنی دور ان کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی نہیں کر پائے گا۔ اس لئے ان بغاوتوں کا سدباب کرنے کے لئے اور خراسان میں امن قائم کرنے کے علاوہ وہاں کے حالات کو اب اپنے حق میں درست کرنے کے لئے میرے پاس ایک تجویز ہے اور وہ تجویز یہ ہے کہ جب آپ مجھے اور میرے بھائی محمد بن اشعث کو ایک لشکر دے کر خراسان میں عبدالجبار بن عبدالرحمٰن کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے روانہ کریں تو ہمارے ساتھ اپنے بیٹے مہدی کو خراسان کے حاکم کی حیثیت سے بھیج دیں۔ میں اور محمد بن اشعث عبدالجبار کی بغاوت کو بڑی سختی سے کچل دیں گے اور بغاوتوں کا خاتمہ کرنے کے بعد آپ کے بیٹے مہدی کو مرو میں حاکم کی حیثیت سے بحال کرنے اور وہاں چند دن قیام کرنے کے بعد ہم لوٹ آئیں گے۔ مجھے امید ہے کہ آپ میری اس تجویز سے اتفاق کریں گے۔ اس لئے کہ جب خراسان میں آپ کا بیٹا ہو گا تو خراسان کے حاکم کی حیثیت سے کوئی آپ کے خلاف بغاوت نہیں کرے گا اور اگر کسی نے خراسان میں بغاوت کرنے کی ٹھانی ہے، ارادہ کیا تو پہلے یہ سوچے گا کہ خراسان کا حاکم تو خلیفہ کا بیٹا ہے لہٰذا وہ کیسے برداشت کرے گا کہ اس کے باپ کے خلاف بغاوت کی جائے۔ چنانچہ آپ کا بیٹا خراسان کے حکم کی حیثیت سے آپ کے خلاف اُٹھنے والی ہر بغاوت کو انتہائی سختی کے ساتھ کچل دے گا۔ اس طرح خراسان میں حالات ہمارے حق میں درست اور پُرسکون

ہو جائیں گے۔''

خازم بن خزیمہ کی اس تجویز کو لگتا تھا، ابوجعفر نے پسند کیا تھا۔ اس لئے کہ جب خزم بن خزیمہ خاموش ہوا تب کچھ دیر تک منصور توصفی انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا، پھر خازم بن خزیمہ کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

''ابن خزیمہ! میں تمہاری اس تجویز کو پسند کرتا ہوں۔ ساتھ ہی تمہاری اس تجویز پر میں تمہارا شکریہ بھی ادا کرتا ہوں۔ میرا خیال ہے اس موضوع پر اب مزید گفتگو یا بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تم دونوں بھائیوں کو دو دن دیتا ہوں۔ اپنی تیاری کر کے لشکر لے کر خراسان کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ عبدالجبار بن عبدالرحمٰن کی بغاوت کو فرو کرنے کے بعد چند ہفتوں تک تم دونوں بھائی وہیں قیام کئے رکھنا۔ تمہارے وہاں قیام کے دوران میرا بیٹا وہاں کے حالات سے واقف ہو جائے گا۔ اس کے بعد جب خراسان کا لشکر تم اس کے حوالے کرنے کے بعد وہاں سے لوٹو گے تو میرے خیال میں اس کے لئے کسی خطرے کا کوئی اندیشہ نہیں رہے گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد منصور رُکا، اس کے بعد محمد بن اشعت کی طرف دیکھتے ہوئے وہ شفقت انگیز انداز میں کہنے لگا۔

''ابن اشعت! میرے بیٹے! میں تمہارے حالات کو دیکھتے ہوئے تمہارے متعلق بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ میں جانتا ہوں جرجان کی سرائے کے جس مالک کی بیٹی سے تم نے شادی کی ہے، وہ لڑکی صحیح معنوں میں عمدہ سیرت اور خوبصورتی میں اعلیٰ معیار کی ہو گی۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم اسے انبار شہر میں اس لئے نہیں لا رہے کہ تمہاری ماں اور بہن کے قاتل ابھی گرفتار نہیں ہوئے اور اگر تم اپنی بیوی کو یہاں لاتے ہو تو قاتل اس کے لئے بھی خطرہ بن جائیں گے۔

دیکھو! اگر تم اپنی بیوی کو انبار شہر میں لا کر اپنی حویلی میں رکھنا چاہتے ہو تو تم رکھ سکتے ہو۔ تمہاری غیر موجودگی ہی نہیں، تمہاری موجودگی میں بھی تمہاری حویلی کے تحفظ کا بہترین اہتمام کیا جائے گا۔ تمہاری بیوی تو بہت دُور کی بات تمہاری حویلی کی طرف بھی اگر کسی نے میلی نگاہ ڈالی تو وہ زندہ نہیں رہے گا۔ تمہاری ماں اور بہن کے معاملے میں جو کچھ ہوا، اس میں کسی کی غفلت نہیں تھی۔ اس لئے کہ ہم ایسے بڑے حادثے کی توقع ہی نہیں رکھ سکتے تھے۔ میں یہ نہیں جانتا کہ جمہور بن مرار اور عثمان بن نحیک جو میرے ہی

پاس میرے مصاحبوں کی حیثیت سے بیٹھے ہوئے تھے، وہ تمہاری ماں اور بہن کو قتل کرنے کی سازش میں ملوث ہو جائیں گے۔ جمہور بن مرار تو اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے۔ اب تم اور خازم بن خزیمہ دونوں خراسان کی طرف روانہ ہونے والے ہو۔ عبدالجبار بن عبدالرحمٰن کی بغاوت فرو کرنے کے ساتھ ساتھ وہاں کے حالات پر بھی نگاہ رکھنا۔ ابن اشعت! میرے بیٹے! تم نے مجھ پر انکشاف کیا تھا کہ تم نے دو انتہائی مخلص ساتھیوں کو عثمان بن نحیک کی تلاش میں لگایا ہوا ہے، میری طرف سے انہیں حکم دینا کہ اپنے کام میں تیزی اور انہماک پیدا کریں۔ ہر صورت میں عثمان بن نحیک کو تلاش کرنے کی کوشش کریں۔ اور جب عثمان بن نحیک تمہیں مل جائے تو پہلے اس سے ان لوگوں سے متعلق تفصیل جاننا جو تمہاری ماں اور بہن کے قتل میں عملی طور پر ملوث تھے، اس کے بعد عثمان کو ایسی موت مارنا کہ ایسی سازش، ایسی غلطی، ایسی غداری کرنے والا دوسروں کے لئے عبرت اور مقامِ درس بن جائے۔''

محمد بن اشعت اور خازم بن خزیمہ نے ابوجعفر منصور کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ مجلس ختم ہو گئی تھی۔ دو دن بعد خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعت ایک لشکر لے کر خراسان کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ خلیفہ منصور نے اپنے بیٹے مہدی کو بھی خراسان کے حاکم کی حیثیت سے ان کے ساتھ کر دیا تھا۔

خازم بن خزیمہ، محمد بن اشعت اور منصور کا بیٹا مہدی اپنے لشکر کے ساتھ پہلے رے شہر پہنچے۔ رے شہر میں لشکر کا ایک حصہ علیحدہ کر کے اسے مہدی کی کمانداری میں دیا گیا اور اسے رے شہر میں قیام کرنے کے لئے کہا گیا جبکہ خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعت عبدالجبار بن عبدالرحمٰن کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے آگے بڑھے تھے۔

خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعت اپنے سالاروں اور ساتھیوں کے ساتھ اس جگہ پہنچے جہاں عبدالجبار بن عبدالرحمٰن نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر رکھا تھا۔ چنانچہ دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے آئے اور ٹکرانے کے لئے اپنی صفیں درست کرنے لگے۔

عبدالجبار باغی کے پاس خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعت کے لشکر کی نسبت بڑا لشکر تھا۔ اسے اپنی فتح اور کامیابی کی اُمید تھی۔ چنانچہ اپنے اسی ظن و گمان میں اس نے حملہ آور ہونے میں پہل کی ٹھانی۔ چنانچہ اس نے کرن کرن ویرانی پھیلاتی، گھروں کو برباد

کرتی دوزخ مزاج قہرمانیوں کی طرح اپنے کام کی ابتداء کی۔ اپنے لشکر کو اس نے حشر خیز سرخ طوفانوں اور سچائیوں کو زہر آلود کرتے زندان کی الم خیز داستانوں کی طرح آگے بڑھایا۔ اس کے بعد وہ خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث کے لشکر پر بصارت و بصیرت دونوں کو بے بصر کر دینے والی انحطاط کی کرشمہ سازیوں، رحم سے نا آشنا شدید نفرت کی گرم رو اور اپنی تخلیق کے مدعا سے بے خبر تپتے سایوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

اُس کے ان حملوں کا جواب دینے کے لئے پہلے خازم بن خزیمہ حرکت میں آیا۔ اس لئے کہ خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نے اپنے پورے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا تھا۔ پہلا حصہ خازم بن خزیمہ کی کمانداری میں اور دوسرا آدھا محمد بن اشعث کی کمانداری میں کام کر رہا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے خازم بن خزیمہ نے اپنے کام کی ابتداء کی اور وہ زمانے کے تغیر میں موت کے دائرے بناتی کشمکش، شب کی تیرگی میں فنا لمحوں کے رقص، چہروں کو اُداس کرتی اذیتوں، حیرت کے در کھولتی موت کی آغوش اور غموں کے بھنور کھڑے کرتے موت کے ان گنت مناظر کی طرح عبدالجبار بن عبدالرحمٰن کے لشکر کے ایک حصہ پر حملہ آور ہوا تھا۔

خازم بن خزیمہ کے ساتھ ساتھ محمد بن اشعث نے اپنے لشکر کے ساتھ اُفق کے کناروں کو سیندوری کرتے حشر خیز سرخ طوفانوں، شعلے برساتی آندھیوں میں متحرک ہزارہا آتشی بگولوں کی طرح اپنے کام کی ابتداء کی۔ اس کے بعد وہ بھی سینوں میں اُلجھنیں پیدا کرتے لا انتہا جستجو کے بگولوں، بے چہرگی کے الیے کھڑے کرتے سیل آتش و طوفان اور سرابوں کے کھلے حقائق، وسوسوں کے حیرت کدوں کو کھولتے آشوب کے اضطراب میں بدل دینے والے جلتے عذاب کے گرداب کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

خراسان کی سرزمینوں میں دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے میدانِ جنگ کے اندر کرب کی صدیوں، دُکھ کے سمندر کا سا رقص شروع ہو گیا تھا۔ میدان میں نہ زخموں کا مرہم تھا، نہ درد کا درماں، نہ مداوائے الم۔ زیست کے میدان ذلتوں کے بحران کا شکار ہونے لگے تھے۔ برہنہ و برہم قضا کی یورش بدنوں کو ریزہ ریزہ کرنے لگی تھی۔ رگ رگ سے لہو کے لاوے پھوٹ پڑے تھے۔ بغض و عداوت کی شر انگیزیوں نے غیض و غضب کی آندھیوں کو جنم دینا شروع کر دیا تھا۔ ہر کوئی دوسرے پر کوہستانوں کی جہنم نما کوکھ

سے نکلتی سلگتی قیامت کی طرح اُمڈ رہا تھا۔ بڑے بڑے سورما، بڑے بڑے ہنر مند تیغ زن آتش عناد کی طرح حرکت کرتے اپنے مقابل کے لئے گراں باریٔ آلام بن کر نزول کرنا شروع ہو گئے تھے۔ وفاؤں کے علم سوکھے جذبوں کے قہر میں تبدیل ہونا شروع ہو گئے تھے۔ زندگی پر حادثوں، آندھیوں اور زلزلوں کی سی قہرمانیوں کا بوجھ بڑھتا چلا گیا تھا۔

باغی عبدالجبار بن عبدالرحمٰن نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث کو شکست دے کر مار بھگائے لیکن وقت کی آنکھ دیکھ رہی تھی، فضاؤں کی بصارت تانک جھانک کرتے ہوئے اندازہ لگا رہی تھی کہ جو لمحہ گزرتا تھا، وہ آنے والے لمحے کو عبدالجبار کی بدبختی کا پیغام دیتا چلا جا رہا تھا۔ ہر آنے والی ساعت عبدالجبار اور اس کے لشکریوں کے لئے بھاری سے بھاری ہوتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ عبدالجبار بن بدالرحمٰن نے دیکھا، اُس کے لشکر کی حالت صحرائے وحشت کی اسیری، احساس کی ہزیمت، قبرستانوں کی ویرانیوں، مسافتوں کے تھکے زہریلے لمحوں، تشنگی کے بحر بے کراں اور حرماں و یاس طاری کرتے عقوبت کے لمحوں سے بھی ابتر ہونا شروع ہو گئی تھی۔ جبکہ اس کے لشکریوں کے مقابلے میں خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث کے لشکری نئی منزلوں کے طلب گار اور حرمتوں کی رفعتوں کی طرح آگے بڑھ رہے تھے۔ صداقتوں کے محافظ دیانت کے امینوں کی طرح حملہ آور ہوتے ہوئے عبدالجبار کے لشکریوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا رہے تھے اور ان کے سامنے عبدالجبار کے لشکری کچھ اس طرح اِدھر اُدھر ہٹ جاتے تھے، کچھ ایسے انداز میں چھٹ جاتے تھے جیسے جنگ کے دوران وہ راستوں کا تعین، سمتوں کا تعین، سوچوں کی تنظیم تک بھی فراموش کر گئے ہوں۔ اس حالت سے خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور انہوں نے پہلے کی نسبت اپنے حملوں میں تیزی پیدا کر دی تھی جس کے نتیجہ میں عبدالجبار کے لشکریوں کی حالت بہتے پانی پر بنتے مٹتے نقوش، تقدیر کے الم ناک حادثوں، درد و الم کے نصاب، ریزہ ریزہ آئینوں اور پارہ پارہ احساسات سے بھی زیادہ ابتر ہونا شروع ہو گئی تھی اور عبدالجبار بن عبدالرحمٰن نے جب اندازہ لگایا کہ اب دنیا کی کوئی طاقت اسے شکست سے بچا نہیں سکتی، تب وہ اپنی ہزیمت کو قبول کرتا ہوا بھاگ کھڑا ہوا۔ لیکن اس کی بدقسمتی کہ خازم بن خزیمہ، محمد بن اشعث کے ایک لشکری محشر بن

مزاحم نے بھاگتے ہوئے اسے گرفتار کر لیا اور اسے اس جگہ لے کر آیا جہاں خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث اپنے دوسرے سالاروں کے ساتھ اپنے زخمیوں کی مرہم پٹی سے فارغ ہو کر بیٹھے ہوئے تھے۔

عبدالجبار بن عبدالرحمٰن اُن سب کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ اس کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ خازم بن خزیمہ نے اسے مخاطب کیا۔

"تُو کیسا نادان اور کیسا نا عاقبت اندیش سالار نکلا۔ دیکھ، خراسان کی امارت کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ یہ امارت تمہاری زندگی سے تو زیادہ عزیز نہ تھی۔ تم نے اس امارت کی خاطر اپنی زندگی کو داؤ پر لگا دیا۔ خلیفہ نے بار بار تمہاری طرف پیغام بھجوائے، کبھی تمہیں حکم دیا کہ اپنا لشکر رومنوں پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کرو۔ مقصد صرف یہ تھا کہ خلیفہ کو تمہارے متعلق شک ہو چکا تھا کہ تم خلیفہ کے حامیوں کو ناحق قتل کر رہے ہو اور خلیفہ تمہیں تمہارے منصب سے علیحدہ کرنا چاہتا تھا۔ لیکن تم نے وہ راستہ اپنایا جو موت اور بربادی کی طرف جاتا ہے۔ کس احمق نے تمہیں مشورہ دیا تھا کہ خلیفہ کے خلاف بغاوت کھڑی کر دو؟ کس غیر ذمہ دار شخص نے تمہیں یہ مشورہ دیا تھا کہ خلیفہ کے کہنے پر اپنے لشکر کا حصہ رومنوں کی سرکوبی کے لئے روانہ نہ کرنا۔ سنو عبدالجبار! مجھے تمہاری بغاوت کو فرو کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ میرے ساتھ میرا بھائی محمد بن اشعث بھی ہے۔ میں تمہارے خلاف کوئی تادیبی کارروائی کرنے کا مجاز نہیں ہوں۔ میں تمہیں خلیفہ کی طرف روانہ کرتا ہوں۔ وہ تمہاری کارگزاری کو دیکھتے ہوئے جو چاہے سلوک تمہارے ساتھ کرے۔"

مؤرخین لکھتے ہیں کہ خازم بن خزیمہ نے سب سے پہلے عبدالجبار بن عبدالرحمٰن کو بالوں کا ایک جبہ پہنا کر ایک اونٹ پر اسے اس طرح سوار کرایا کہ اس کا منہ اونٹ کی دُم کی طرف تھا اور اس کی خوب تشہیر کرا کر اسے اس کے بڑے سالاروں کے ساتھ منصور کے پاس بھیج دیا۔

چنانچہ مؤرخین لکھتے ہیں کہ جب باغی عبدالجبار بن عبدالرحمٰن 142 ھ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ منصور کی خدمت میں پیش کیا گیا تب منصور نے اس کے خلاف بڑی سخت تادیبی کارروائی کی۔ پہلے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے، اس کے بعد اُسے قتل کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ یوں خراسان میں عبدالجبار نے جو بغاوت

کھڑی کی تھی، اس کا خاتمہ کر دیا گیا اور خراسان میں خلیفہ ابوجعفر منصور کا بیٹا مہدی عامل مقرر کر دیا گیا تھا۔

عبدالجبار بن عبدالرحمٰن کی بغاوت کو فرو کرنے کے بعد خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نے بھی انہی کھلے میدانوں میں قیام کیا ہوا تھا، جہاں عبدالجبار کے ساتھ لڑائی ہوئی تھی۔ ایک دن جبکہ خازم بن خزیمہ، محمد بن اشعث، روح بن حاتم، شبیب بن رواح، حرب بن قیس اور سعید حریشی جیسے بڑے سالاروں کے علاوہ کچھ اور سالار بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک محمد بن اشعث ہی نہیں، روح بن حاتم، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس بھی چونک اٹھے۔ اس لئے کہ سامنے کی طرف سے عمیس بن حزام اور ولید بن جعفر آتے دکھائی دیئے تھے۔ یہ دونوں وہی تھے جنہیں محمد بن اشعث نے عثمان کی تلاش کے لئے روانہ کیا تھا۔

قریب آ کر وہ گھوڑوں سے اُترے۔ سب اپنی جگہوں سے اُٹھ کر اُنہیں گلے لگا کر ملے۔ پھر دونوں کو محمد بن اشعث نے اپنے قریب بٹھا لیا۔ پھر ان دونوں کو مخاطب کر کے پوچھا۔

"میرے عزیز ساتھیو! کیا تم ہمارے لئے کوئی اچھی خبر لے کر آئے ہو؟"

اس پر عمیس بن حزام بولا اور کہنے لگا۔

"ہم آپ کے لئے یقیناً اچھی خبر لے کر آئے ہیں۔ جو خبر ہم لے کر آئے ہیں اگر اس پر اپنی خواہش کے مطابق عمل کر لیا جائے تو پھر کئی اچھی خبریں ہمارا مقصد بن سکتی ہیں۔"

جواب میں محمد بن اشعث ہی نہیں، خازم بن خزیمہ کے چہرے پر بھی تبسم نمودار ہوا تھا۔ پھر محمد بن اشعث نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے انہیں مخاطب کیا۔

"کیا تم دونوں نے عثمان بن نحیک کو تلاش کر لیا ہے؟"

عمیس بن حزام نے پہلے اثبات میں گردن ہلائی، پھر کہنے لگا۔

"ہم دونوں نے اسے بڑی مشکل سے تلاش کیا ہے۔ اس کے جاننے والوں سے ملتے رہے، اپنے آپ کو اس کا رازدار بتاتے رہے، تب کہیں جا کر اسے تلاش کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اُس نے ان دنوں تدمر شہر میں قیام کیا ہوا ہے۔"

عمیس بن حزام کے ان الفاظ پر محمد بن اشعث کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ یہاں

تک کہ وہ خازم بن خزیمہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''بھائی! میں آج ہی روح بن حاتم، شعیب بن رواح اور حرب بن قیس کے ساتھ اپنے دونوں ساتھیوں کو لے کر تدمر کی طرف روانہ ہونا چاہتا ہوں۔ میں عثمان کو اب مزید دندناتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔ گو وہ عملی طور پر میری ماں اور بہن کے قتل میں شامل نہیں لیکن جن لوگوں نے انہیں قتل کیا ہے ان کا سرکردہ یہ عثمان بن نہیک ہی ہے اور وہی یہ بتا سکتا ہے کہ قاتل کون ہیں۔''

خازم بن خزیمہ نے جواب میں ہاتھ کے اشارے سے محمد بن اشعث کو ذرا رکنے کے لئے کہا، پھر وہ آنے والے دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے عزیز ساتھیو! پہلے یہ بتاؤ عثمان بن نہیک کے ساتھ اس کے کچھ ساتھی بھی ہیں؟''

اس پر اس بار ولید بن جعفر بول اٹھا، کہنے لگا۔

''جہاں تک ہم نے اندازہ لگایا ہے، عثمان بن نہیک کے ساتھ اس کے پانچ چھ ساتھی ہیں۔ انہوں نے ان دنوں تدمر شہر کی ایک سرائے میں قیام کر رکھا ہے۔ چونکہ تدمر خراسان سے کافی دور ہے لہٰذا وہاں وہ اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے ہیں۔ شام کے وقت وہ سرائے سے نکل کر گھڑ دوڑ کا اہتمام کرتے ہیں اور پھر واپس سرائے میں چلے جاتے ہیں۔''

ولید بن جعفر جب خاموش ہوا تب خازم بن خزیمہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ محمد بن اشعث اس سے پہلے ہی بول اٹھا۔

''بھائی! مجھے امید ہے کہ تم میری تجویز سے اتفاق کرو گے کہ وقت ضائع کئے بغیر اپنے تینوں ساتھیوں کے ساتھ یہاں سے کوچ کر جانا چاہئے۔ ایسا نہ ہو وہ تدمر سے نکل کر بھی کہیں اور چلے جائیں۔''

اس پر خازم بن خزیمہ محبت بھری نگاہوں سے محمد بن اشعث کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں خود چاہتا ہوں کہ تم وقت ضائع کئے بغیر تدمر ہی کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ میں چاہتا ہوں کہ شعیب بن رواح، حرب بن قیس اور روح بن حاتم کے علاوہ تم سعید حریشی کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔''

اس پر محمد بن اشعث کہنے لگا۔

''میرے بھائی! میں ایسا نہیں چاہتا۔ ان علاقوں میں آپ کو کوئی اور معرکہ بھی پیش آ سکتا ہے۔ لہٰذا سعید حریشی کو آپ کے نائب کی حیثیت سے آپ کے ساتھ رہنا چاہئے اور یہ ضرورت کے وقت آپ کے بہترین کام آ سکتا ہے۔ سعید حریشی جنگ کا بہترین تجربہ رکھتا ہے اور پھر ایسے مخلص سالار بہت کم ملتے ہیں۔ میرے ساتھ میرے پرانے تین بھائیوں اور ساتھیوں کے علاوہ عمیس بن حزام ہے، ولید بن جعفر ہے۔ وہ تیغ زنی کا بہترین تجربہ رکھتے ہیں۔

میرے بھائی! تم فکر مند نہ ہونا۔ مجھے امید ہے کہ میں بہت جلد اپنی ماں کے قاتلوں کا سراغ لگا کر انہیں ان کے انجام تک پہنچا کر لوٹوں گا۔ ہاں بھائی! میری غیر موجودگی میں تم یہ کام کرنا کہ کسی قابل اعتماد شخص کو جرجان شہر کی طرف روانہ کرنا کہ وہ سالم بن تماضر سے ملے۔ وہ میرا سسر ہے، سرائے کا مالک ہے۔ اسے یہ پیغام دے دے کہ میں قاتلوں کے سرغنہ کی تلاش میں تدمر کی طرف جا رہا ہوں اور بہت جلد اپنی ماں اور بہن کے قاتلوں کو تلاش کر کے انہیں ان کے انجام تک پہنچانے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔''

خازم بن خزیمہ نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ پھر سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ تھوڑی دیر بعد محمد بن اشعث، شعیب بن رواح، حرب بن قیس، روح بن حاتم کے ساتھ عمیس بن حزام اور ولید بن جعفر کی رہنمائی میں تدمر کا رخ کر گئے تھے۔ جبکہ خازم بن خزیمہ اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا۔ اب وہ انبار شہر کا رخ کیا ہوا تھا۔

اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک روز محمد بن اشعث تدمر شہر میں داخل ہو رہا تھا۔

اس شہر کو تاریخ کے اوراق میں پالمائریا یا لمیرہ بھی کہا گیا ہے۔ یہ عراق کا ایک قدیم شہر تھا جو دمشق سے شمال مشرق کی جانب ایک نخلستان میں واقع تھا۔ یہاں گرمی ناقابل برداشت حد تک پڑتی تھی۔ سردی میں بعض اوقات برف بھی پڑ جاتی تھی۔ یہ شہر بہت قدیم تھا۔ بارہویں صدی قبل مسیح کے اعتبار سے اس کی قدامت کی تصدیق ہوتی ہے۔ بعد میں اس کا نام سن عیسوی کے آغاز سے کچھ پہلے سامنے آتا ہے۔

تدمر نام کے اس شہر کے بارے میں یہ بھی روایت ہے کہ یہ شہر حضرت سلیمان علیہ السلام نے آباد کیا تھا۔ عربوں میں یہ بھی مشہور ہے کہ اس شہر کو بنانے میں جنوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی مدد کی۔ اور بعض نے تو یہاں تک کہا ہے کہ ملکہ بلقیس نے حضرت سلیمانؑ سے تدمر شہر ہی میں ملاقات کی تھی، وہیں دفن ہوئی تھیں۔

بعد میں یہ شہر رومن سلطنت میں شامل ہونے کے بعد کافی اہمیت حاصل کر گیا تھا اور تجارتی مرکز بن گیا تھا۔ تیسری صدی عیسوی میں اہلِ تدمر ایک اور سلطنت کے بارے میں سوچنے لگے تھے جس کا دارالحکومت تدمر ہو۔ چنانچہ یہاں کے حاکم نے اہلِ ایران کو اپنی خدمات پیش کیں۔ جب انہوں نے اس کی اس پیشکش کو ٹھکرا دیا تو وہ رومنوں کے ساتھ مل گیا اور ایرانیوں کو شکست فاش دی۔

قیصر روم نے اُس کی اس کارگزاری سے خوش ہو کر اسے رومنوں کے تمام مشرقی مقبوضہ جات عطا کر دیئے۔ چنانچہ 266ء میں جب تدمر کے اس حاکم کا انتقال ہو گیا تو اس کا بیٹا اس کا جانشین ہوا لیکن پورے اختیارات اس کی ماں زنوبیہ کے ہاتھ میں تھے جو تاریخ کے اوراق میں ملکہ زنوبیہ کہلاتی ہے۔

کچھ عرصہ بعد تدمر نے رومنوں کے خلاف بغاوت کر دی۔ چنانچہ 270ء میں ایک جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں زنوبیہ نے شکست کھائی۔ لیکن جب اہلِ تدمر نے دوسری بغاوت کی تو رومنوں نے اس شہر کو پوری طرح مسمار کر دیا۔ چنانچہ اس کے بعد اس شہر کی ساری عظمت ختم ہو گئی۔ بعد میں اس کی شہر پناہ کو دوبارہ تعمیر کرایا گیا۔ اسی زمانے میں یہاں پر عیسائیت پھیلنے لگی۔

اس شہر کو مسلمانوں نے حضرت خالدؓ بن ولید کی سرکردگی میں فتح کیا۔ پہلے تو یہاں کے باشندے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے لیکن بعد میں اس شرط پر کہ انہیں ذمیوں کے حقوق دیئے جائیں، ہتھیار ڈال دیئے۔ بعد میں یزید کے زمانے میں ان لوگوں نے بغاوت کر دی تو یزید نے دمشق فتح کرنے کے بعد اپنے ایک سالار کو ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا جس نے انہیں قطعی طور پر مطیع کر لیا۔

جب مروان ثانی خلیفہ بنا تو یہاں کے باشندے اس کی اطاعت سے منحرف ہو گئے۔ چنانچہ مروان ثانی جو بنو اُمیہ کا آخری خلیفہ خیال کیا جاتا ہے، اس شہر میں اُٹھنے والی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے آیا۔ چنانچہ مروان نے اس شہر پر فوج کشی کی اور فصیل کا ایک حصہ گرا دیا۔ یہاں تک کہ اس کے باشندوں نے اس کی حکومت کو تسلیم کر لیا۔

1157ء میں اس شہر میں ایک زلزلہ آیا جس نے اسے سخت نقصان پہنچایا۔ مشہور مؤرخ دمشقی نے اس شہر کے بے شمار کھنڈرات کے ساتھ ایک جامع مسجد کا بھی ذکر کیا ہے جس کی چھت پتھروں سے بنائی گئی تھی۔ جب ممالک مشرق میں ایک عظیم زوال آیا تو یہ شہر بھی اس زوال کا شکار ہو گیا۔ یہاں کے باشندے ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہنے لگے۔ 1678ء میں حلب کے انگریزی کارخانہ کے ارکان نے اس شہر کا دوبارہ پتہ لگایا۔ اب یہ شہر پھر سے آباد ہو چکا ہے۔

تدمر شہر میں داخل ہونے کے بعد محمد بن اشعث نے ایک سرائے میں قیام کر لیا تھا۔ چند روز تک وہ اپنے دونوں مخبروں کی رہنمائی میں اس سرائے کا جائزہ لیتا رہا جہاں عثمان بن نحیک اور اس کے ساتھی ٹھہرے ہوئے تھے اور ان وسیع میدانوں کا بھی اس نے خوب جائزہ لیا جن میں شام سے کچھ پہلے عثمان بن نحیک اور اس کے ساتھی گھڑ دوڑ کے لئے نکلتے تھے۔

ایک روز عثمان اپنے چھ ساتھیوں کے ساتھ تدمر کی سرائے سے نکلا اور رائے کے

نواح میں ایک کھلے میدان کا رخ کیا۔ اس میدان کے گرد چاروں طرف جھنڈ نما گھنے درخت تھے جن کے اندر گھڑ دوڑ کا میدان تھا۔ عثمان بن نحیک اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھڑ دوڑ کی ابتداء کرنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک ایک طرف سے اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا محمد بن اشعث نمودار ہوا اور عثمان بن نحیک اور اس کے ساتھیوں کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ گویا اس نے ان کی راہ روک لی تھی۔

محمد بن اشعث کو اس انداز میں دیکھتے ہوئے وقتی طور پر عثمان کے چہرے پر پیلاہٹ بکھر گئی تھی۔ پھر اس نے جلد ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا اور کسی قدر غصیلی اور جستجو بھری آواز میں اس نے محمد بن اشعث کو مخاطب کیا۔

''تم یہاں؟ اور وہ بھی اس انداز میں کہ ہماری راہ روک کھڑے ہوئے ہو؟''

عثمان بن نحیک جب خاموش ہوا تب بڑی کرب خیزی میں محمد بن اشعث اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''سن عثمان بن نحیک! ظالم زندگی کی گرم بازاری میں روح کو خون سے تر کر کے اندھی جنوں فروشی کا مظاہرہ کر کے جانوں کو خاک، یادوں کو راکھ میں ملا کر یوں بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بھاگتے تو نہیں ہیں۔ اے مونسِ دیرینہ! عقوبت خیز گھٹاؤں اور نسلی پاگل پن میں جسموں کا آشوب کھڑا کر کے زمانے بھر کی وحشتیں، مسائل، عذاب، حادثات کسی کی جھولی میں ڈال کر یوں بزدلوں کی طرح بھاگ تو نہیں جاتے۔

سن عثمان بن نحیک! تنہائیوں کی وسعتوں میں کسی کی راحتیں جلا کر، کسی کے جسم کو جھلسا کر آگ و موت کے کھیل میں نفرتوں اور شقاوتوں کو بھڑکا کر ظالم یوں بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے چھپ کر زندگی تو نہیں گزارتے۔ دیکھ! زمین کی چھاتی پر روح کی پیاس میں غموں کی دھوپ میں درد و کرب کے نصاب، عداوتوں کی متحرک آتش اور رگوں میں کھولتی آگ بھر کر بھاگ تو نہیں نکلتے۔

کیا تم نے یہ نہیں سوچا، جو کام تم نے کیا ہے یا کرایا ہے، اس کے ردِعمل کے طور پر کوئی سراب آثار سفاک لمحات میں اندوہ و غم کی حکایت، ان گنت نالوں کے شور، ہونٹوں سے ٹکراتی آہوں، بصارتوں کو اندھا کرتے آتشیں لاوے چھوڑتے عذابوں کی طرح تمہارا تعاقب کرے گا۔ کیا تم نے یہ نہ سوچا کہ کوئی تمہارے طبقاتی جبر کے خلاف کروٹیں لیتے عذابوں اور ہر آرزو کے خلاف موت کا دستِ خونی، زمانۂ شب و روز میں

قہرمانیت کی اُڑتی اُمنگ، موت کی برستی برسات اور اندھی کرب ناک بُت شکنی کی طرح تمہارا تعاقب نہیں کرے گا۔ اور دیکھ لو، آج تمہارے ضبط کے آثار پر شب خون مارتی بے کلی اور دل کی خلشوں میں اضافہ کرتی موت کی طرح میں تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔ کسی کے جذبات میں کھولتی آتش بھر کر یوں بچ نکلنا آسان نہیں ہے۔ دیکھ! قبل اس کے کہ یہ ٹکراؤ شروع ہو جائے، بتا تُو نے میری ماں اور بہن کا خاتمہ کس کے ہاتھوں کرایا؟''

یہاں تک کہنے کے بعد محمد بن اشعث جب خاموش ہوا تب عثمان بن نحیک نے ایک طنزیہ اور تمرد بھرا قہقہہ لگایا پھر محمد بن اشعث کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''یہ بھی تم نے خوب کہی۔ کیا احمقوں والی باتیں کر رہے ہو؟ تُو اکیلا اور ہم تمہارے مقابلے میں سات۔ ہم تو تمہاری تکہ بوٹی کر کے تمہارا خون پی جائیں گے۔ اُلٹا تم ہمیں دھمکی دے رہے ہو۔ تم ہم سے پوچھتے ہو کہ تمہاری ماں اور بہن کو کس نے قتل کیا ہے۔ جاؤ! جس قاضی کو بلا کر لانا چاہتے ہو اُسے بلاؤ، جس محتسب کو تم میرے خلاف حرکت میں لانا چاہتے ہو، اُسے لاؤ۔ جس مفتی شہر کا تم میرے خلاف فیصلہ حاصل کرنا چاہتے ہو، وہ کر لو۔ کوئی تمہاری مدد، تمہاری اعانت کے لئے نہیں آئے گا۔ سنو! مجھے اس سے انکار نہیں کہ میں نے تمہاری ماں اور بہن کو قتل کرایا تھا۔ اس لئے کہ ایسا کرنا میرے لئے ضروری تھا۔ میں بظاہر ابوجعفر منصور کے دربار میں تھا، اس کا حامی اور ناصر بنا ہوا تھا لیکن حقیقت میں، میں ابو مسلم خراسانی کا آدمی تھا۔ اُس کے قتل اور اُس کے ساتھ دشمنی میں تُو پیش پیش تھا لہٰذا تجھے زک پہنچانا میں نے اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا۔ سو تُو نے دیکھا تیری ماں اور بہن کو قتل کرا کر میں نے تمہیں در بدر دھکے کھانے پر مجبور کر دیا ہے۔ اب قدرت نے تم اکیلے کو ہم سات کے سامنے لا کھڑا کیا ہے۔ شاید کسی بتانے والے احمق نے تمہیں یہ بتایا ہو گا کہ میں تدمر کی سرائے میں قیام کئے ہوئے ہوں۔ تم نے سوچا ہو گا تم اکیلے میرے خلاف حرکت میں آؤ گے اور میرا خاتمہ کر دو گے۔ میں جانتا ہوں تم ایک عمدہ تیغ زن ہو۔ میں اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہوں کہ تیغ زنی اور نیزہ بازی اور تیر اندازی میں تم ہم سب پر فائق ہو۔ پر یہ بھی تو دیکھو ایک طرف ہم سات، دوسری طرف تم اکیلے۔ کیا تم ہماری ضرب برداشت کر سکو گے؟''

عثمان بن نحیک جب خاموش ہوا تب محمد بن اشعث پہلے سے زیادہ کھولتے ہوئے لہجے میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''عثمان بن نحیک! تم احمق اور بے وقوف ہو۔ کیا تم نے دیکھا نہیں، گدھ کتنے ہی جمع ہو جائیں، چیلیں کتنی ہی بکھر جائیں، جب اُن کے اندر شاہین اُترتا ہے تو سب اس کے خوف کے تحت ایک طرف ہٹ جاتے ہیں، سمٹ جاتے ہیں۔ عثمان بن نحیک! اگر تُو یہ خیال کرتا ہے کہ تُو اپنے ساتھ اپنے چھ ساتھی رکھ سکتا ہے اور میں اکیلا ہوں تو یاد رکھنا میں تم سات کو بھی اپنی تلوار کی نوک پر رکھتے ہوئے تم سب کا خاتمہ کر کے اپنی منزل کی طرف نکل جاؤں گا۔''

محمد بن اشعث جب خاموش ہوا تب عثمان بن نحیک کھولتے لہجے اور غضب ناک آواز میں کہنے لگا۔

''تیرے خاتمہ کرنے والے کی ایسی تیسی۔ جس وقت تُو ہمارا خاتمہ کرے گا، اس وقت تک تو تُو زندہ نہیں رہے گا۔ اس سے پہلے ہی ہم تجھے موت کی گہری نیند سلا دیں گے۔''

عثمان بن نحیک کے خاموش ہونے پر محمد بن اشعث نے پھر کھولتے ہوئے لہجے میں کہنا شروع کیا۔

''عثمان بن نحیک! کسی دھوکے، کسی فریب، کسی غلطی، کسی خود فریبی میں نہ رہنا۔ میں تم ساتوں کا قتل نہیں کروں گا، چھ کو موت کے گھاٹ اُتاروں گا اور تمہیں زندہ گرفتار کروں گا۔ اور پھر میں دیکھوں گا کہ تم اپنے ان ساتھیوں کے نام کیسے نہیں بتاتے جن سے تم نے میری ماں اور بہن کو قتل کرایا۔''

جواب میں عثمان بن نحیک نے ایک خوف ناک اور بھرپور قہقہہ لگایا اور کہنے لگا۔

''واہ! کیا خوب فیصلہ ہے۔ گویا تم میرے چھ ساتھیوں کا خاتمہ کر کے مجھے زندہ گرفتار کرنے کا ارادہ رکھتے ہو۔ کہو! کیا ایسا ممکن ہے؟''

یہاں تک کہنے کے بعد عثمان بن نحیک رکا، اس کے بعد فیصلہ کن انداز میں محمد بن اشعث کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''ابنِ اشعث! اگر تُو یہ گمان رکھتا ہے کہ تُو ہم ساتوں کو موت کے گھاٹ اُتار کر نکل جائے گا، میں تیرے مقابلے پر اپنے تین ساتھیوں کو اتارتا ہوں اور دیکھتا ہوں تُو ان کا

کیا بگاڑتا ہے۔''

جونہی وہ تین ساتھی محمد بن اشعث پر حملہ آور ہونے کے لئے آگے بڑھے، قریبی درختوں کے جھنڈ سے سنسناتے ہوئے کئی تیر آئے اور عثمان بن نحیک کے وہ تین ساتھی جو محمد بن اشعث پر حملہ آور ہونے کے لئے آگے بڑھے تھے، تیروں سے چھلنی ہو کر زمین پر گر گئے تھے۔

یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے عثمان بن نحیک کا رنگ ہلدی اور پیلا ہو گیا تھا۔ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اسی کے انداز میں محمد بن اشعث نے ایک ہولناک قہقہہ لگایا اور عثمان بن نحیک کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''عثمان بن نحیک! تُو مجھے اپنے چھ مسلح جوانوں کی دھمکی دیتا تھا کہ یہ مجھ پر حملہ آور ہو کر میری تکہ بوٹی کر دیں گے۔ دیکھ! تم سات میں سے تین کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ اس واقعہ کو میں یوں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے تیرے گناہ کے شہر کے چھ دروازوں میں سے تین دروازے گرا دیئے ہیں۔ تین دروازے باقی ہیں۔ اس کے بعد تُو اکیلا رہ جائے گا۔ عثمان بن نحیک! کیا تُو سمجھتا تھا کہ میری ماں اور بہن کو قتل کرانے کے بعد تُو یوں ہی آزادی کے ساتھ دندناتا پھرے گا، بے تحاشے بیل کی طرح جہاں چاہے گا، منہ مارتا پھرے گا، کوئی تجھے پوچھے گا نہیں، بے نکیل اونٹ کی طرح صحرا کے اندر جہاں چاہے گا اپنے نقش پا ثبت کرتا رہے گا اور کوئی تیرا تعاقب نہیں کرے گا۔ ابنِ نحیک! تُو میرا رفیقِ دیرینہ تھا، تیرا میرے ساتھ پرانا اُٹھنا بیٹھنا تھا۔ اگر میں پہلے سے جانتا ہوتا کہ تُو بھیڑ کی کھال میں بھیڑیا ہے، انسانیت کے بھیس میں تجھ میں ایک مکروہ شیطان چھپا ہوا ہے تو میں تیرا خاتمہ بہت پہلے کر چکا ہوتا۔ دیکھ! قبل اس کے کہ میں تیرے ہاتھ پاؤں باندھوں، تجھے کھولتے ہوئے پانی یا اُبلتے ہوئے تیل کے اندر ڈالوں، بتا قاتل کون ہیں؟ وہ اس وقت کہاں ہیں؟''

کوئی فیصلہ کرنے کے لئے عثمان بن نحیک گہری سوچوں میں پڑ گیا تھا۔ اتنے میں تیروں کی ایک اور باڑ آئی اور اس کے ساتھ جو اس کے تین ساتھی تھے وہ بھی چھلنی ہو کر اپنے گھوڑوں سے گر کر موت کا لقمہ بن گئے تھے۔

اپنے آخری تین ساتھیوں کے مارے جانے پر عثمان بن نحیک ایک دم حرکت میں آیا اور گھوڑے کو اس نے موڑا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ اسی لمحہ محمد بن اشعث بھی اپنے

گھوڑے کو ایڑ لگاتا ہوا اس کے پیچھے یوں لگ گیا تھا، شاید اس نے اس کے ارادوں کو بھانپ لیا تھا۔ عثمان بن نحیک تھوڑا سا آگے گیا ہو گا کہ پیچھے سے محمد بن اشعث نے اسے لباس سے پکڑ کر اس کے گھوڑے سے اُچکا اور زمین پر گرا دیا۔ محمد بن اشعث بھی اپنے گھوڑے سے کودا، تلوار بے نیام کی اور عثمان بن نحیک کی طرف بڑھا۔ اتنی دیر تک درختوں کے جھنڈ کے اندر سے روح بن حاتم، شبیب بن رواح، حرب بن قیس، عمیس بن حزام اور ولید بن جعفر بھی اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے وہاں پہنچ گئے تھے۔ عثمان بن نحیک کے قریب جا کر محمد بن اشعث نے اپنی تلوار کی نوک ابن نحیک کی گردن پر رکھی، پھر کھولتے لہجے میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''بتا! میری ماں اور بہن کے قاتل کون ہیں اور اس وقت وہ کہاں ہیں؟''

محمد بن اشعث نے جب اپنی بھاری بھرکم تلوار کی نوک عثمان بن نحیک کی گردن پر رکھی تب موت کے خوف اور ڈر سے عثمان کانپنے لگا تھا۔ لہٰذا کپکپاتی آواز میں کہنے لگا۔

''تمہاری ماں اور بہن کے قاتل دو اشخاص ہیں۔ ایک کا نام عاصم بن مرداس، دوسرے کا نام شبرہ بن شبل۔ دونوں چچا زاد ہیں۔ ان کا ایک چچا بلخ میں قیام رکھتا ہے۔ اس کا نام قاسم بن برقل ہے۔ بلخ شہر کے پارچہ بافوں کے بازار میں اس کی دکان ہے۔ اسی کے ہاں دونوں قاتلوں نے قیام کر رکھا ہے۔''

عثمان بن نحیک جب یہاں تک کہہ چکا تب محمد بن اشعث نے اپنی تلوار بلند کر کے گرائی اور اس کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد اپنے سارے ساتھیوں کے ساتھ محمد بن اشعث وہیں سے بلخ کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

محمد بن اشعث ایک روز اپنے ساتھیوں کے ساتھ بلخ شہر میں داخل ہوا۔ بلخ شہر کا شمار دنیا کے قدیم شہروں میں ہوتا ہے۔ یہ شہر پہاڑیوں کے دامن میں واقع تھا۔ دریائے آمو سے چھ میل کے فاصلے پر تھا۔ اس کے آثار اب بھی مزار شریف کے ایک گاؤں کے اطراف میں موجود ہیں۔ کہتے ہیں سکندر اعظم کی فتوحات کے بعد بلخ نام کا شہر ایک یونانی باختری ریاست کے صدر مقام کی حیثیت سے سامنے آیا تھا۔

628ء میں ایک چینی بدھ بھکشو ہوانگ سانگ یہاں آیا۔ اس کے قول کے مطابق بلخ شہر میں بتوں کی تقریباً ایک سو عبادت گاہیں تھیں۔ مؤرخ اس شہر کو اسلام سے پہلے بدھ مت کا مرکز بتاتے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں انس بن قیس نے اس شہر کا محاصرہ کر کے اسے فتح کیا۔ لیکن شہر کو امان مل گئی اور دست برد سے محفوظ رہا۔ 43ھ بمطابق 663ء میں قیس بن ہیثم نے پورے شہر پر قبضہ کر لیا اور نوبہار جو بدھ مت کے مندروں کا مجموعہ تھا، اسے تباہ و برباد کر دیا۔

اس کے علاوہ برمکوں جو نوبہار مندروں کا ایک طرح سے حاکم تھا اس نے اپنی جاگیر کو بچانے کے لئے عربوں کی اطاعت قبول کر لی۔

اس کے پاس سیستان اور طاس ہلمند کے بادشاہ نیزک ترکھان نے بھی بظاہر اسلام قبول کر لیا جو بعد میں مرتد ہو گیا اور اس نے بلخ کو عربوں کے قبضہ سے نکال لیا۔

96ھ بمطابق 715ء میں اس شہر پر مسلمانوں کے مکمل قبضہ ہو جانے سے پہلے اس پر مختلف لوگوں کا قبضہ رہا۔ 107ھ بمطابق 725ء میں اسد بن عبداللہ والئی خراسان نے اپنی محفوظ فوجوں اور صوبائی حکومت کو مرو سے بلخ منتقل کر دیا اور اس شہر کی تعمیر شروع کروائی۔

900ء میں بلخ پر سامانیوں کا قبضہ ہو گیا اور سامانیوں کے دور حکومت میں اس شہر میں بہت ترقی ہوئی اور بلخ، ماوراء النہر، ترکستان اور ہندوستان کی باہمی تجارت کا مرکز بن گیا۔ اس دور میں یہ شہر دو حصوں میں بٹا ہوا تھا۔ اندرون شہر کو شہرستان یا مدینہ کہا جاتا تھا اور شہر کے اردگرد کے علاقے کو ربض کہہ کر پکارا جاتا تھا۔

شہر کے گرد فصیل تھی۔ ایک بڑی دیوار تھی جس میں سات دروازے تھے۔ شہر کی ایک بڑی مسجد شہرستان میں تھی۔ بڑے بڑے بازار، بیرونی علاقے ربض میں تھے۔

عام ایرانی شہروں کے مقابلے میں بلخ کی سڑکیں زیادہ چوڑی تھیں۔ اس کی مسجدیں خوب صورتی میں بے نظیر تھیں۔ اس کے گھروں کے صحن کھلے ہونے کے علاوہ خراسان کے تمام شہروں کے صحن ان سے زیادہ کشادہ تھے۔ 1040ء میں سلجوقی سردار چغری نے اس پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد سلجوقیوں کا اس شہر پر 1155ء تک قبضہ رہا۔ اس کے بعد یہ شہر ایک طرح سے برباد ہو کر رہ گیا۔ چنانچہ بلخ کے نئے حاکم امیر قوماچ نے ایک نئی جگہ ہموار میدان میں اس شہر کو نئے سرے سے آباد کیا۔

1198ء تک یہ شہر تبت کے قراختائیوں کے ہاتھوں میں رہا، اس کے بعد غوریوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ 1206ء میں خوارزم شاہ نے بلخ پر قبضہ کر لیا جبکہ 1220ء میں شہر

کو چنگیز خاں نے تباہ و برباد کر ڈالا۔ چودھویں صدی عیسوی کے شروع میں کیک خاں نے اسے پھر سے تعمیر کرایا۔ جب اس شہر پر تیمور کا قبضہ ہوا تو قدیم ربض یعنی مضافات بھی ازسرِ نو تعمیر ہوئے۔ ان تعمیرات کی وجہ سے ہرات اور سمرقند کے بعد بلخ وسط ایشیاء کا سب سے زیادہ اہم تجارتی مرکز بن گیا تھا۔

ازبکوں کے دورِ حکومت میں پرانے بلخ کے شمال مشرق میں نئے بلخ کے نام سے ایک قصبہ بنایا گیا۔ محمود خان بن ولی نے ان تمام تفریح گاہوں، باغوں، محلوں، نہروں، مسجدوں، مدرسوں کے مفصل حالات لکھے ہیں جو بلخ میں ازبک خوانین کے عہد میں بنائے گئے تھے۔

سولہویں صدی عیسوی میں بلخ کو زوال آنا شروع ہو گیا اور آہستہ آہستہ یہ شہر ویران ہوتا چلا گیا۔ شہر کی آبادی کا بڑا حصہ مزار شریف منتقل ہو گیا اور بلخ کی بجائے یہ شہر آباد ہو گیا اور بلخ کی حیثیت ایک چھوٹے سے قصبہ کی رہ گئی جس میں صرف چند مکان تھے۔

1750ء میں احمد شاہ ابدالی کے وزیر شاہ ولی نے بلخ اور بدخشاں کے علاقوں یعنی افغانستان کے شمالی حصے کو سلطنت احمد شاہی میں شامل کر لیا اور وہاں افغانی حکام متعین کئے۔

1901ء سے موجودہ زمانے تک مزار شریف اور بلخ افغانستان کی ایک ولایت ہیں۔ مزار شریف میں ایک گورنر مقرر ہوتا ہے جو پوری ولایت پر حکمرانی کرتا ہے۔ اب بلخ، مزار شریف کی ولایت میں ایک ضلع ہے جو مزار شریف سے بائیس کلومیٹر اور کابل سے 643 کلومیٹر ہے اور سطح سمندر سے اس کی بلندی لگ بھگ 1150 میٹر ہے۔

نئے بلخ کی بناء 1933ء میں افغانستان کے وزیر داخلہ گل محمد خاں نے ڈالی۔ نئے شہر کو اس کا نام بدل کر وزیر آباد کہا جاتا ہے۔ اس میں بازار، حکومتی مراکز اور تجارت خانے بنائے گئے تھے۔ ضلع میں دولت آباد، کشندہ، کشوتپہ، جبار اور متعدد دوسرے قصبے شامل تھے۔ یہاں کے رہنے والے ازبک، تاجک اور پختون ہیں جو ازبکی، فارسی اور پشتو بولتے ہیں۔ 1973ء میں شہر کی آبادی تیرہ ہزار تھی۔ بلخ کی عام پیداوار گیہوں، جو، ماش، لوبیا، چنا اور کپاس ہیں۔

یہاں کا مشہور پھل خربوزہ ہے جو بہت اُگتا ہے۔ قراقلی قالین، شال، برق، ریشمی

ابرہ یہاں کی مشہور مصنوعات ہیں جو دوسرے ملکوں کو بھیجی جاتی ہیں۔ پالتو جانور گھوڑے بہت مشہور ہیں۔ لوگوں کا پیشہ زراعت اور قراقلی بھیڑیں پالنا، قالین بافی اور دوسرے جانوروں کی پرورش کرنا ہے۔

یہاں موسمِ گرما میں سخت گرمی اور موسمِ سرما میں سخت سردی پڑتی ہے۔ بلخ میں بہت سے قدیم بزرگانِ اسلام کے مزار موجود ہیں جن میں خواجہ ابونصر اور خواجہ عکاشہ بہت مشہور ہیں۔

بلخ شہر میں داخل ہونے کے بعد ایک جگہ محمد بن اشعث رُک گیا۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے روح بن حاتم، شبیب بن رواح، حرب بن قیس، عمیس بن حزام اور ولید بن جعفر نے بھی اپنے گھوڑوں کی باگیں کھینچتے ہوئے انہیں روک دیا تھا۔ یہاں تک کہ محمد بن اشعث انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے عزیز ساتھیو! پہلے سرائے میں قیام کرتے ہیں، اپنے گھوڑوں کو وہاں باندھنے کے بعد پارچہ بافوں کے بازار تک جاتے ہیں۔ وہاں قاسم بن بدیل سے ملتے ہیں اور ان سے دونوں قاتلوں عاصم بن مرداس اور ثمرہ بن شبل کے متعلق گفتگو کرتے ہیں۔ گفتگو کرنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ تم پانچوں بازار میں ایک طرف کھڑے رہنا۔ میں قاسم بن بدیل کی دکان میں داخل ہوں گا اور اس سے عاصم بن مرداس اور ثمرہ بن شبل کے متعلق پوچھوں گا۔ اپنا صحیح تعارف بھی اس سے کرا دوں گا۔ اگر تو عاصم بن مرداس اور ثمرہ بن شبل کے چچا قاسم بن بدیل کو خبر ہوگی کہ اس کے دونوں بھتیجے قاتل ہیں اور انہوں نے محمد بن اشعث کی ماں اور بہن کو قتل کیا ہے تب مجھ سے مل کر قاسم بن بدیل کو خوشی نہیں ہوگی۔ جب میں اس سے اپنا تعارف کرا دوں گا تو اسے یہ بھی کہوں گا کہ کسی کو بھیج کر عاصم بن مرداس اور ثمرہ بن شبل کو یہیں بلا لو۔ میرے خیال میں میرا کہنا مانتے ہوئے وہ کسی کو بھیجے گا۔ اس کے ہاتھ یہ پیغام نہیں دے گا کہ عاصم بن مرداس اور ثمرہ بن شبل اس کی دکان میں آ جائیں، بلکہ وہ یہ پیغام دے کر بھیجے گا کہ محمد بن اشعث ان سے انتقام لینے کے لئے یہاں پہنچ گیا ہے۔ لہٰذا اپنی جانیں بچانے کے لئے وہ بھاگ کھڑے ہوں۔

چنانچہ میری طے شدہ تجویز کے مطابق جب قاسم بن بدیل اپنا آدمی عاصم بن مرداس اور ثمرہ بن شبل کو بلانے کے لئے اپنی حویلی کی طرف بھجوائے گا تو عمیس بن

حزام اور ولید بن جعفر! تم دونوں اس کے پیچھے ہو لینا۔ جس حویلی کے سامنے وہ رکے گا، پھر اس میں داخل ہونے کی کوشش کرے گا، وہیں سے اسے پکڑ لینا اور حویلی میں داخل نہ ہونے دینا اور پکڑ کر یہاں لے آنا۔ لیکن ساتھ ہی اس حویلی کی نشاندہی بھی کر لینا۔ اتنی دیر تک میں قاسم بن بدیل کے پاس سے اُٹھ چکا ہوں گا اور جدھر قاسم بن بدیل کا آدمی جائے گا، اس سے تھوڑا سا آگے جا کر میں شبیب بن رواح، حرب بن قیس اور روح بن حاتم کے ساتھ کھڑا ہو جاؤں گا۔ تم اس آدمی کو پکڑ کر میرے پاس لے آنا۔ پھر اسے پکڑ کر ہم دوبارہ قاسم بن بدیل کی حویلی کا رخ کریں گے اور وہاں عاصم بن مرداس اور ثمرہ بن شبل سے نمٹنے کی کوشش کریں گے۔''

چنانچہ محمد بن اشعت کی اس تجویز سے اس کے سارے ساتھیوں نے اتفاق کیا تھا۔ پہلے وہ ایک سرائے میں گئے، وہاں انہوں نے کھانا کھایا، اپنے گھوڑوں کو وہاں باندھا، پھر وہ بازار کی طرف آئے تھے۔ بازار کے ایک طرف روح بن حاتم، شبیب بن رواح، حرب بن قیس، عمیس بن حزام اور ولید بن جعفر کھڑے ہو گئے جبکہ خود محمد بن اشعت ایک دکان میں داخل ہوا۔ دکان میں اس وقت دو آدمی دکان کی چیزیں ٹھیک کر رہے تھے۔ وہ مالک کے ملازم لگتے تھے۔ ایک شخص سفید چادر پر بیٹھا ہوا تھا۔ محمد بن اشعت اس کے قریب گیا اور بڑی رازداری میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اگر میں غلطی پر نہیں تو تم قاسم بن بدیل ہو۔''

وہ شخص چونکا اور بڑے غور سے محمد بن اشعت کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''یقیناً تمہارا اندازہ درست ہے۔ میں ہی قاسم بن بدیل ہوں۔ کیا تمہیں مجھ سے کوئی کام ہے؟''

جواب میں ایک غائر نگاہ محمد بن اشعت نے قاسم بن بدیل پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔

''کیا تمہارے دو بھائی اور تھے جن میں سے ایک کا نام مرداس اور دوسرے کا نام شبل تھا؟''

محمد بن اشعت کے اس انکشاف پر قاسم بن بدیل ایک اُلجھن میں پڑ گیا تھا۔ کچھ سوچنے لگا، پھر رکتے رکتے کہنے لگا۔

''تمہارا یہ اندازہ بھی درست ہے۔ میرے دو بھائی مرداس اور شبل تھے۔ لیکن وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔''

قاسم بن بدیل کے خاموش ہو جانے پر محمد بن اشعت نے پھر گفتگو کا سلسلہ آگے بڑھایا۔

''کیا تمہارے ان بھائیوں کے دو بیٹے بھی تھے؟ ایک کا نام عاصم بن مرداس اور ایک کا نام ثمرہ بن شبل ہے؟''

''ہاں...... ہیں۔'' ابنِ بدیل نے رُکتے رُکتے کہا تھا۔

''اور انہوں نے ان دنوں تمہارے ہاں ہی قیام کر رکھا ہے؟'' محمد بن اشعت نے پھر سوال داغا تھا۔

''ہاں۔ انہوں نے ان دنوں میرے ہاں ہی قیام کر رکھا ہے۔ اس میں کیا قباحت ہے؟'' قاسم بن بدیل نے سوالیہ سے انداز میں محمد بن اشعت کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ دیا تھا۔

اس کے بعد محمد بن اشعت کھل کر قاسم بن بدیل کے سامنے آیا اور کہنے لگا۔

''سن ابنِ بدیل! میرا نام محمد بن اشعت ہے۔ مجھے تمہارے دونوں بھتیجوں عاصم بن مرداس اور ثمرہ بن شبل سے انتہائی ضروری کام ہے۔ کیا تم زحمت کرو گے کہ اپنی دکان کے ان آدمیوں میں سے کسی کو بھیجو اور وہ ان دونوں کو بلا کر یہاں لے آئے۔''

اس پر قاسم بن بدیل کا رنگ تبدیل ہو گیا۔ اپنی جگہ سے اُٹھا، ایک خادم کے پاس آیا، تھوڑی دیر تک اس کے کان میں کھسر پھسر کی، جس پر وہ خادم اُٹھ کر باہر نکل گیا۔ قاسم بن بدیل پھر اپنی نشست پر آ کر بیٹھ گیا اور محمد بن اشعت کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میں نے آپ کے کہنے کے مطابق اپنا ایک آدمی بھیج دیا ہے۔ وہ عاصم بن مرداس اور ثمرہ بن شبل دونوں کو بلا کر یہاں لاتا ہے۔''

دوسری طرف ابنِ بدیل کا وہ ملازم دکان سے نکلا اور بازار میں ایک طرف ہو لیا۔ عمیس بن حزام اور ولید بن جعفر بڑی احتیاط برتتے ہوئے اس کے پیچھے لگ گئے تھے۔ روح بن حاتم، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس ایک جگہ کھڑے رہے۔ دوسری طرف محمد بن اشعت قاسم بن بدیل کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''مجھے اسی بازار میں تھوڑا سا کام ہے۔ ابھی لوٹتا ہوں۔ اگر میری غیر موجودگی میں تمہارے دونوں بھتیجے عاصم بن مرداس اور ثمرہ بن شبل آئیں تو انہیں یہیں روک لینا۔ تمہاری دکان میں ہی میں اُن سے اپنے کام کی گفتگو کر لوں گا۔''

اس کے ساتھ ہی قاسم بن بدیل کے جواب کا انتظار کئے بغیر محمد بن اشعث اُٹھا اور اُس کی دکان سے نکل گیا تھا اور وہیں جا کر کھڑا ہو گیا جہاں پہلے سے روح بن حاتم اور شبیب بن رواح اور حرب بن قیس کھڑے تھے۔

کوئی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ عمیس بن حزام اور ولید بن جعفر دونوں لوٹ آئے اور ان دونوں کے ساتھ قاسم بن بدیل کا آدمی بھی تھا۔ قریب آ کر عمیس بن حزام، محمد بن اشعث کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''یہ شخص جب یہاں دکان سے نکل کر روانہ ہوا تو ایک محلّہ میں پہنچا۔ ہم اس کے پیچھے تھے۔ تعاقب کرتے ہوئے ہم نے اس کی طرف نہیں دیکھا، اسے نظر انداز کرتے رہے۔ یہاں تک کہ یہ ایک حویلی کے سامنے رکا، دستک دینے ہی والا تھا کہ ہم نے اسے جا پکڑا اور پکڑ کر یہاں لے آئے۔''

اس پر محمد بن اشعث نے خوشی کا اظہار کیا اور کہنے لگا۔

''اسے بھی ساتھ لے لو اور چلو اسی حویلی کے دروازے پر جا کر دستک دیتے ہیں۔''

چنانچہ محمد بن اشعث کی اس تجویز کے مطابق سب وہاں سے چل پڑے۔ عمیس بن حزام کے کہنے پر سب ایک جگہ رک گئے۔ اس کے بعد محمد بن اشعث نے اس حویلی کے دروازے پر دستک دی تھی۔ اس وقت عمیس بن حزام اور ولید بن جعفر نے قاسم بن بدیل کی دکان کے ملازم کو ایک طرف اپنے پیچھے کر دیا تھا تاکہ دروازہ کھولنے والا اسے دیکھ نہ سکے۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا۔ دروازہ کھولنے والا ایک نوجوان تھا۔ جونہی اس نے دروازے پر محمد بن اشعث، روح بن حاتم، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس کو دیکھا، اُس کا رنگ پیلا اور ہلدی ہو گیا تھا۔ اس نے فوراً دروازہ بند کر کے پیچھے ہٹنا چاہا لیکن ایک دم طوفانی انداز میں محمد بن اشعث حرکت میں آیا۔ جس وقت دروازہ کھولنے والا دروازہ بند کر کے دروازے کو زنجیر لگانے لگا تھا، محمد بن اشعث نے دروازے کو کندھا مارا۔ دونوں پٹ کھل گئے اور جس نے دروازہ کھولا تھا، اُس کی گردن پر ہاتھ رکھ کر گرفت تیز اور شدید کرتے ہوئے اسے اپنے سامنے بے بس کر دیا تھا۔

جبکہ محمد بن اشعث نے اپنے ساتھیوں کو مخصوص اشارہ کیا جس پر سب حرکت میں آئے اور اپنی تلواریں بے نیام کرتے ہوئے حویلی میں داخل ہوئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ

لوٹے، ایک نوجوان کو لے کر آئے۔ اس موقع پر شبیب بن رواح، محمد بن اشعث کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''یہ نوجوان جسے ہم لے کر آئے ہیں، یہ عاصم بن مرداس ہے۔''

جسے محمد بن اشعث نے پکڑا ہوا تھا، اس کی ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ جما کر اس کا چہرہ محمد بن اشعث نے اوپر کیا، پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''کیا تم ثمرہ بن شبل ہو؟''

اُس نے جب اثبات میں گردن ہلائی تب محمد بن اشعث نے شبیب بن رواح سے کہا کہ وہ اس گھر کے سب افراد کو باہر لے آئے۔ اس پر گھر میں جو عورتیں تھیں، ان سب کو باہر لایا گیا۔ اور جب سب عورتوں سے باری باری ان دونوں کے نام پوچھے گئے تو سب نے تصدیق کر دی کہ ان میں سے ایک عاصم بن مرداس اور دوسرا ثمرہ بن شبل ہے۔

اس کے بعد محمد بن اشعث ان گھر والوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''مجھے تم سے کوئی دشمنی اور عناد نہیں ہے اور نہ ہی میں تم کو کوئی نقصان پہنچانا چاہتا ہوں۔ یہ دونوں میری ماں اور بہن کے قاتل ہیں۔ لہٰذا یہ زندہ نہیں رہ سکتے۔ یہ میری بہن اور ماں کو قتل کر کے بھاگے تھے۔ انہوں نے روپوش ہونے کی کوشش کی لیکن خداوند قدوس نے میری راہنمائی کی اور میں نے انہیں پکڑ لیا۔ لہٰذا اگر میں انہیں سزا دوں تو تم میں سے کوئی اعتراض مت کرنا۔''

محمد بن اشعث کی یہ گفتگو سن کر وہ سب لوگ عاصم بن مرداس اور ثمرہ بن شبل پر لعنت بھیجنے لگے تھے۔ اس موقع کو محمد بن اشعث نے غنیمت جانا چنانچہ اس نے اپنی تلوار بے نیام کی اور وسطی حصہ میں ان دونوں کو کھڑا کر کے ان کی گردنیں کاٹ دی تھیں۔

اس کے بعد محمد بن اشعث نے اپنی تلوار نیام میں کی اور اپنے ساتھیوں کو مخصوص اشارہ کیا۔ جس پر وہ سب حویلی سے نکلے۔ حویلی کے سب لوگ پریشان اور ششدر کھڑے تھے۔ محمد بن اشعث اور اس کے ساتھی قاسم بن بدیل کی دکان میں کام کرنے والے کو بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ یہاں تک کہ سب دکان میں داخل ہوئے۔ انہیں اس طرح دکان میں آتے دیکھ کر قاسم بن بدیل پریشان ہو گیا تھا۔ اس لئے کہ انہوں نے اس کی دکان کے ملازم کو پکڑا ہوا تھا جسے اس نے اپنی حویلی کی طرف بھجوایا تھا۔ اس

موقع پر اس نوجوان کو محمد بن اشعث، قاسم بن بدیل کے پاس لے آیا اور کہنے لگا۔

''جس وقت قاسم بن بدیل نے تمہیں اپنی دکان سے اپنی حویلی کی طرف جانے کے لئے روانہ کیا تھا تو روانہ کرنے سے پہلے اس نے تمہارے ذمہ کیا کام لگایا تھا؟''

وہ شخص سہم رہا تھا، ڈر رہا تھا، فوراً کہنے لگا۔

''قاسم بن بدیل نے کہا تھا کہ میں اس کی حویلی میں جاؤں اور اس کے دونوں بھتیجوں عاصم بن مرداس اور ثمرہ بن شبل سے کہوں کہ تم دونوں کا قاتل یہاں پہنچ گیا ہے، وہ تمہاری گردنیں ضرور اُڑائے گا، لہٰذا بھاگ جاؤ...... پر یہ پیغام میں پہنچا نہ سکا۔ ابھی میں قاسم بن بدیل کی حویلی کے دروازے پر پہنچا ہی تھا کہ مجھے پکڑ لیا گیا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد وہ شخص رکا۔ تب محمد بن اشعث، قاسم بن بدیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''تم نے ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی تھی۔ میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ عاصم بن مرداس اور ثمرہ بن شبل کو یہاں بلا دو، تم نے حامی بھی بھری کہ ان دونوں کو بلاتے ہو لیکن تم نے ان کی طرف یہ پیغام بھیج دیا کہ اپنی جانیں بچانے کی خاطر بھاگ کھڑے ہو۔ سن لو! تم نے ہمارے ساتھ دھوکا دہی سے کام لیا، اس کی سزا ہم تمہیں نہیں دیں گے۔ لیکن میں صرف تم پر یہ انکشاف کرتا ہوں کہ میں اور میرے ساتھی تمہاری حویلی میں داخل ہوئے تھے اور وہاں ہم نے تمہارے دونوں بھتیجوں عاصم بن مرداس اور ثمرہ بن شبل کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ تم نے اپنی دکان سے جو آدمی بھیجا تھا، میرے لوگوں نے اس کا تعاقب کیا۔ اس طرح تمہاری حویلی کا محل وقوع ہم جان گئے۔ سنا ابن بدیل! میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں گیا، وہاں ہماری ملاقات عاصم بن مرداس اور ثمرہ بن شبل سے ہوئی۔ مجھے دیکھتے ہی انہوں نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن ہم نے پکڑ لیا، دبوچ لیا۔ اس کے بعد تمہاری حویلی کے صحن میں عاصم بن مرداس اور ثمرہ بن شبل دنوں کی گردنیں کاٹ دیں۔ اب وہ اس دنیا میں نہیں ہیں۔

اس میں اس ملازم کا کوئی قصور نہیں جس کو تم نے اپنی حویلی بھیجا اور یہ پیغام اپنے بھتیجوں کو دیا کہ جس کی ماں اور بہن کو تم نے قتل کیا ہے وہ یہاں پہنچ گیا ہے اور تم سے انتقام لے گا، لہٰذا تم دونوں بھاگ جاؤ۔ لیکن ہم نے ایسی ترکیب استعمال کی کہ انہیں بھاگنے نہیں دیا اور موت کے گھاٹ اُتار دیا ہے۔ چاہئے تو یہی تھا کہ دھوکا دہی کے جرم

میں تمہاری بھی گردن کاٹ دی جاتی، لیکن میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ اب ہمارا تم سے کوئی جھگڑا، کوئی عداوت نہیں ہے۔''

اس کے ساتھ ہی محمد بن اشعث اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ شہر کے بازار سے نکلا۔ وہ سرائے کی طرف گئے، جہاں ان کے گھوڑے اصطبل میں باندھے گئے تھے۔ انہوں نے وہاں کھانا کھایا، شب بسری نہیں کی۔ کھانا کھانے کے فوراً بعد وہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور واپسی کا سفر اختیار کر گئے تھے۔

❁

ایک روز اقلیما سالم بن تماضر کے ہاں رملہ اور کلثوم دونوں ماں بیٹی کے ساتھ بیٹھی گفتگو کر رہی تھی۔ ان کے قریب ہی سعید بن سالم بھی بیٹھا ہوا تھا اور ان تینوں کی گفتگو سن رہا تھا کہ اتنے میں اسی کمرے میں سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر داخل ہوئے۔ وہ دونوں کچھ پریشان، اُلجھے ہوئے اور چپ چاپ سب کے سامنے آ کر بیٹھ گئے۔

سب سے پہلے ان کی اس کیفیت کو اقلیما نے بھانپا۔ وہ فکرمند ہو گئی کہ شاید اس سے متعلق حالات خراب ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ وہ اس لئے بھی پریشان تھی کہ اسے ان دنوں محمد بن اشعث سے متعلق بھی کوئی خبر نہیں تھی کہ وہ کہاں ہے؟ لہٰذا سالم بن تماضر اور عدی بن عمیر کو اس حالت میں دیکھتے ہوئے اس کی پریشانی لازم تھی۔ چنانچہ باری باری دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے آخر وہ بول اُٹھی۔

''میں دیکھتی ہوں، آپ دونوں کچھ پریشان اور فکرمند ہیں۔ کیا معاملہ ہے؟ کیا میرے حالات پھر خراب ہونا شروع ہو گئے ہیں؟ پہلے تو ہم دونوں بہنیں ہی پریشان تھیں۔ جگہ جگہ دھکے کھانے پر مجبور تھیں لیکن جب سے میرا نکاح محمد بن اشعث کے ساتھ ہوا، تب سے مجھے کچھ سکون ہو گیا تھا کہ میں کسی کی بیوی ہوں۔ ٹھیک ہے، ابھی میری رخصتی نہیں ہوئی لیکن آخر میرا رشتہ تو ان سے طے ہو چکا ہے۔ منگنی بھی ہو چکی ہے، نکاح بھی ہو چکا ہے۔ مجھے اس رشتہ نے ایک طمانیت بخشی تھی کہ آخر کوئی میرا سہارا ہے، میرا پاسبان ہے۔ اب جبکہ مجھے نہیں معلوم کہ وہ ان دنوں کہاں ہیں، میرے حالات پھر خراب ہونے لگے ہیں۔''

اقلیما جب خاموش ہوئی تب اس کی طرف دیکھتے ہوئے عدی بن عمیر بول اٹھا۔

''بیٹے! تیرے متعلق حالات خراب نہیں ہوئے۔ اللہ نہ کرے کہ تیرے حالات خراب ہوں۔ اس لئے کہ تُو ہمارے پاس محمد بن اشعث کی امانت ہے۔ میں روز دعا مانگتا ہوں کہ اس کے حالات درست ہو جائیں اور وہ اپنی ماں اور بہن کے قاتلوں سے انتقام لینے میں کامیاب ہو جائے۔ بیٹی! حالات اب پورے مسلمانوں کے خراب ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ اور یوں جانو اس اسلامی سلطنت میں پھر کوئی خونی انقلاب آنے کے درپے ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد عدی بن عمیر جب خاموش ہوا تب فکرمندی میں اُس کی طرف دیکھتے ہوئے اقلیما نے پوچھ لیا۔

''کیوں، کیا ہوا بابا؟''

جواب میں عدی بن عمیر کہنے لگا۔

''بیٹی! پہلے بنو اُمیہ اور بنو عباس میں لڑائیوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا تھا۔ اس موقع پر ایک تیسرا گروہ بھی تھا، بنو ہاشم۔ یعنی علویوں کا۔ اور انہوں نے آخر اپنے آپ کو بنو عباس میں ضم کر لیا اور یہ دونوں قوتیں بنو اُمیہ کے خلاف حرکت میں آئیں۔ وہ ہر صورت میں بنو اُمیہ کی حکومت کو ختم کر کے اپنی حکومت قائم کرنا چاہتی تھیں۔ جبکہ یہ معاملہ ہو گیا، بنو اُمیہ کی حکومت ختم ہو گئی، بنو عباس حکمران بن گئے، اب حالات پہلے کی نسبت بھی ابتر ہونے لگے ہیں۔ اس لئے کہ علویوں نے سر اٹھانا شروع کر دیا ہے اور جگہ جگہ بغاوتوں اور سرکشیوں کی بُو آنے لگی ہے۔ اس بناء پر لوگ بڑی فکرمندی کا اظہار کر رہے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد عدی بن عمیر جب خاموش ہوا تب بڑی سنجیدگی میں اقلیما کہنے لگی۔

''بابا! ایسا ہونا تھا۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ علوی اور بنو عباس تو اپنے آپ کو ایک سمجھتے تھے۔ ان کا تو آپس میں بنو اُمیہ کے خلاف بڑا تعاون اور بڑا اتفاق تھا۔ پھر یہ دونوں ہی بنو ہاشم کہلاتے ہیں۔ لہٰذا یہ آپس میں کیسے ٹکرانے لگے؟ چلو ہمارے ساتھ تو اُن کا ٹکراؤ فطری تھا اس لئے کہ ہمارا، اُن کا ٹکراؤ شروع سے آبائی تھا۔''

یہاں تک کہتے کہتے اقلیما کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اُس کی بات کاٹتے ہوئے اس بار سالم بن تماضر بول اٹھا۔

"بیٹی! میں تمہاری بات کچھ سمجھا نہیں۔ یہ بنو اُمیہ اور بنو ہاشم کا آخری ٹکراؤ خاندانی کس طرح تھا؟ کیا یہ ٹکراؤ خلیفہ چہارم کے زمانے سے شروع نہیں ہوا؟"

اقلیما نے نفی میں گردن ہلائی، کہنے لگی۔

"نہیں بابا! بات یوں نہیں ہے۔ یہ ٹکراؤ برسوں پہلے کا ہے۔ بہت پہلے کا۔ اور وہی ٹکراؤ اندر ہی اندر لاوے کی طرح پکتا رہا، بل کھاتا رہا۔ آخر ایک روز اس نے اپنا رنگ دکھانا تھا، دکھا دیا۔"

"کیا تم اس کی تفصیل بتاؤ گی؟" سالم بن تماضر نے اقلیما کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

جواب میں اقلیما نے کچھ سوچا، پھر وہ سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"دراصل بنو ہاشم اور بنو اُمیہ جو قریش ہیں، ان کی ہمارے ہاں تفصیل کے ساتھ معلوم تاریخ قصی بن کلاب سے شروع ہوتی ہے۔ یہ قصی بن کلاب بن عرہ بن کعب بن لعری بن غالب بن فہر بن مالک تھے۔ قصی کے معنی بعید اور دُور کے ہیں۔ ان کا نام زید اور لقب قصی تھا۔ کیونکہ یہ اپنے خویش اور اقرباء اور وطن سے دُور ہو گئے تھے۔

ان کا وطن سے دور ہونا۔ کچھ اس طرح ہے کہ کلاب بن عرہ کی اولاد فاطمہ بنت سعد سے زہرہ اور زید پیدا ہوئے۔ یہی زید قصی تھے۔ کلاب بن عرہ کی وفات کے بعد ان کی بیوہ فاطمہ بنت سعد نے ربیعہ بن احرم بن زملا بن عبدلی بن کبیر بن عذرا بن سعد بن زید سے عقد کر لیا۔

یہ سعد قبیلہ قضا سے تعلق رکھتے تھے اور فاطمہ کو اپنی قوم بنی عذرا کے علاقے ملک شام میں اپنے ساتھ لے گئے۔ زہرہ بن کلاب تو بڑے تھے وہ مکہ ہی میں اپنی قوم کے پاس رہ گئے مگر قصی یعنی زید ہنوز شیر خوار تھے اس لئے ان کی والدہ ان کو اپنے ساتھ شام لے گئیں۔

وطن سے دور چلے جانے کی وجہ سے حضور ﷺ کے جد امجد زید کا نام قصی مشہور ہو گیا جبکہ ان کا اصل نام زید تھا۔

حالات اب آگے یوں بنتے ہیں کہ قصی نے جب ہوش سنبھالا تو اپنے آپ کو ربیعہ بن حرام ہی سے منسوب کرنے لگے۔ یعنی اگر کوئی ان کے والد کا نام پوچھتا تو والد کا نام وہ ربیعہ بتایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ قبیلہ قضا کے ایک شخص رزیح سے ان کا تیر اندازی

کا مقابلہ ہوا اور اس تیر اندازی کے مقابلہ میں قصی غالب آ گئے اور ربیع ان پر غضب ناک ہوا۔ دونوں میں نزع اور جھگڑا پیدا ہوا اور ایک دوسرے کو گفتنی ناگفتنی باتیں کہنے لگے۔ اس موقع پر قصی کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

"تُو ہمارے خاندان سے تو ہے ہی نہیں۔ اگر تُو اچھا ہے تو اپنے خاندان میں کیوں نہیں چلا جاتا؟"

قصی کے لئے یہ بات تعجب انگیز تھی۔ جب گھر آئے تو والدہ سے دریافت کیا کہ میرا باپ کون ہے؟

والدہ نے کہا۔ "ربیعہ۔"

قصی نے کہا۔

"اگر ربیعہ میرا باپ ہے تو مجھے یہاں کے لوگ نکالنے کی باتیں نہ کرتے۔"

والدہ نے پوچھا۔

"بیٹا! تم کیا کہہ رہے ہو؟ نہ تمہیں حُسنِ جوار کا خیال ہے اور نہ ہی حفظ و مراتب کا۔ میرے بیٹے! خدا کی قسم تُو اپنی ذاتی حیثیت سے اپنے والد کی حیثیت اور خاندان کی حیثیت سے اس خاندان سے کہیں زیادہ ہے۔ کلاب بن عرہ تیرے باپ تھے۔ تیری قوم باعزت ہے۔ بیت اللہ کے پاس آباد ہے۔"

قصی نے جب یہ بات سنی تو پھر کہنے لگے۔

"اگر یہ بات ہے تو خدا کی قسم میں یہاں ہرگز نہیں رہوں گا۔"

والدہ نے کہا کہ تنہا جانا خطرے سے خالی نہیں ہے، حجاج کے کسی قافلے کے ساتھ چلے جانا۔

بہرحال آپ قبیلہ قضا کے کچھ لوگوں کے ساتھ موسم حج میں مکہ آ گئے۔ ان کا بڑا بھائی زہرہ ابھی زندہ تھا لیکن بینائی سے محروم تھا۔ اس سے مل کر انہوں نے اپنا رشتہ بتایا اور مکہ میں رہنے کے ارادے سے آگاہ کیا۔

حج سے فراغت کے بعد بنی قضا نے انہیں واپس لے جانے کی کوشش کی مگر قصی ایک طاقتور، سخت مزاج، ثابت قدم اور پُرجوش جوان تھے، واپس جانے سے انکار کر دیا اور مکہ ہی میں مقیم ہو گئے۔

اس زمانے میں مکہ معظمہ میں خلیل بن حبشیہ الخزاعی حکمران تھا۔ کعبہ شریف کی

حجابت یعنی پردہ داری کا منصب بھی اس کے پاس تھا۔

قصی نے اس کی لڑکی حبہ کے لئے شادی کا پیغام بھیجا۔ خلیل قصی کے اندر جوہر آبدار اور شجاعت کے آثار دیکھ چکا تھا اس نے اس پیغام کو شرف قبولیت سے نوازا۔ جب قصی اس ازدواجی سلسلے میں منسلک ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ایسی اولاد سے نوازا جس کی عزت و شرافت کا ہر سو چرچا ہونے لگا اور خلیل کے یہ منظور نظر بن گئے تو وہ انہیں اپنا جانشین بنانے کے متعلق سوچنے لگا۔

بڑھاپے اور ضعف کے باعث اس نے کعبہ شریف کی چابیاں اپنی بیٹی حبہ کے حوالے کر دی تھیں۔ چنانچہ کبھی کبھار کعبہ شریف کی چابی انہیں دے دیتا تھا کہ کعبہ شریف کا دروازہ کھول کر لوگوں کو زیارت کرائیں۔ جب اس کا انتقال ہونے لگا تو مکہ معظمہ کی حکومت اور مکہ کی تولید انہی کے سپرد کر دی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خلیل کے بعد اس کے بیٹے ابو غفشان سے قصی نے ایک مشکیزہ شراب کے عوض مکہ معظمہ کی حکومت خرید لی تھی۔

پھر جب قصی کی اولاد شرافت میں معظم اور مسلم مانی جانے لگی اور مال و دولت کی بھی فراوانی ہو گئی تو قصی کے دل میں مکہ معظمہ کی حکومت کا شوق انگڑائیاں لینے لگا۔ ان کا خیال تھا کہ قبائل خزاعہ اور بنی بکر کی نسبت مکہ معظمہ کی حکومت اور کعبہ شریف کی تولید کا میں زیادہ حق دار ہوں کیونکہ سیدنا اسمٰعیلؑ کی خالص اولاد قریش ہی ہیں۔ لہٰذا یہ ان کا حق ہے۔

چنانچہ قریش بنی کرانا قصی کے ماں جائے بھائی رضا بن ربیعہ اور قبیلہ قضا بھی ان کی رائے سے متفق ہو کر خزاع اور بنی بکر کے خلاف صف آراء ہو گئے۔

اس دور میں قبیلہ صوفا جو غوث بن مرہ کی اولاد سے تھا، عرفا کے پاس ان لوگوں کو ارکان حج کی اجازت دیتا تھا۔ اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ غوث کی والدہ کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی۔ اس نے اللہ کے نام پر نذر مانی کہ اگر اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو اسے کعبہ شریف کی خدمت کے لئے وقف کر دے گی۔ جب اللہ نے اسے لڑکا عنایت فرمایا تو اس کا نام غوث رکھا۔ اس نے اپنی نذر پوری کی اور غوث اپنے ماموں کے ساتھ مل کر بیت اللہ شریف کی خدمت پر مامور ہو گیا۔

مزدلفہ سے رمی جمار کے لئے سب سے پہلے قبیلہ صوفا ہی آیا کرتا تھا۔ جب اس

قبیلہ کے تمام لوگ رمی سے فارغ ہو جاتے، تب دوسرے لوگوں کو رمی کی اجازت ملتی تھی۔ اس کے بعد اس خدمت پر آل صفوان بن حارث مقرر ہوئے۔ صفوان لوگوں کو عرفات سے حج کے لئے لے جایا کرتا تھا۔ اس خاندان کا آخری فرد جس کے دور میں اسلام کا ظہور ہوا، ابو سیارہ بن آذر تھا جو اس خدمت پر مجبور تھا۔ یہ حاجیوں کو مزدلفہ سے دوسرے مقامات کی طرف لے جاتا۔ مگر اب تو قصی فیصلہ کر چکا تھا کہ یہ خدمت خود ہی انجام دے گا چنانچہ وہ اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ منیٰ میں جمرات کے قریب پہنچ گیا۔ جب قبیلہ صوفا اپنے قدیم دستور کے مطابق وہاں آئے تو قصی نے مزاحمت کی اور کہا کہ ان خدمات کے انجام دینے میں ہم تمہاری نسبت زیادہ حق دار ہیں۔ جب تکرار بڑھی تو نوبت جنگ تک پہنچ گئی۔ فریقین کے بے شمار آدمی مارے گئے۔ بنو صوفا کو شکست ہوئی اور قصی کو غلبہ نصیب ہوا۔ جب قصی کے ایک ماں جائے بھائی رضا نے دیکھا کہ دشمن کا زور ٹوٹ چکا ہے تو قصی سے درخواست کی کہ لوگوں کو اب رمی کے لئے جانے کی اجازت دے دی جائے۔

قصی کے اجازت دینے پر لوگوں نے رمی کی۔ جب یہ معاملہ بنو خضا اور بنو بکر نے دیکھا تو انہیں اپنی فکر دامن گیر ہو گئی کہ کہیں خدمت اور مناسک سے ہمیں بھی محروم نہ کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ بھی قصی سے برسر پیکار ہو گئے۔

زبردست جنگ و جدل اور قتال کے بعد وہ صلح پر مجبور ہو گئے اور یامر بن عوف کو حاکم مقرر کیا کہ قصی سے صلح کرائے اور اس کا فیصلہ فریقین کے لئے قابل قبول ہو گا۔

یامر بن عوف نے فیصلہ دیا کہ قصی بن کلاب مکہ کی حکومت اور تولید کعبہ کا بنی خضا سے زیادہ حق دار ہے اور جس قدر لوگ قصی اور اس کے لشکر کے ہاتھوں قتل ہوئے ہیں، ان کا خون بہا ان کے ذمہ نہیں ہے اور نہ ہی ان سے کوئی باز پرس ہے۔ قریش کے جتنے آدمی بنو کنانہ اور قضا کے خضا اور بنو بکر کے ہاتھوں قتل ہوئے ہیں ان کا خون بہا ان کے ذمہ واجب الادا ہے۔ لہٰذا مکہ مکرمہ کی حکومت قصی کے سپرد کر دی جائے۔ اس طرح قبیلہ خضا سے مکہ کی حکومت قریش کو منتقل ہو گئی۔

حکومت ملنے کے بعد مکہ معظمہ کی تمدنی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی ترقی کے لئے قصی نے ایسے عظیم الشان کارنامے انجام دیئے کہ جن کی یادگار عرصہ دراز تک قائم رہی۔ قوم کو ترقی کی جس راہ پر گامزن کیا، بتدریج وہ اوج کمال کو پہنچ گئی۔ اس کی چند

جھلکیاں کچھ اس طرح تھیں:

قصی کے کہنے پر نئی بات یہ شروع ہوئی کہ حج کے ایام میں مزدلفہ میں چراغاں کیا جانے لگا تھا۔ کچھ لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ قصی نے مزدلفہ میں آگ روشن کرنے کی رسم ایجاد کی تا کہ عرفات سے آنے والے لوگ رات کے اندھیرے میں راستہ بھٹک نہ جائیں اور آگ دیکھ کر وہ اپنی منزل پر پہنچ جائیں۔ اور میں آپ پر یہ بھی انکشاف کروں کہ آگ جلانے کا یہ طریقہ حضور ﷺ کے علاوہ سیّدنا ابوبکرؓ، سیّدنا عمر فاروقؓ، سیّدنا عثمانؓ کے دور تک جاری رہا۔

دوسرا کام قصی نے یہ کیا کہ مکہ شریف کے قریب ہی ایک بیش بہا قیمتی عالی شان محل تعمیر کرایا جس کا دروازہ کعبہ شریف کی طرف کھلتا تھا۔ اس محل کا نام دارالندوہ رکھا۔ قریش جب کسی اہم اور خاص کام کا مشورہ کرنا چاہتے تو سب اسی محل میں جمع ہو کر باہم مشورہ کیا کرتے۔ یہ قریش کا شوریٰ ہال تھا یا مجلس شوریٰ تھی۔

ہر قسم کے اجلاس اسی محل میں منعقد کئے جاتے تھے۔ جنگی تیاریوں کے انتظامات سے متعلق تمام امور بھی یہیں طے پاتے تھے۔ شادی بیاہ کی رسوم اور دیگر قومی تقریبات بھی اسی جگہ منعقد ہوتی تھیں۔ قریش کے قافلے جب مکہ روانہ ہوتے تھے، ان کی قافلہ بندی اسی حال میں کی جاتی تھی اور جب وہ سفر سے واپس آتے تو قصی کے فضل و شرف کا اعتراف کرنے کے لئے پہلے دارالندوہ ہی میں اُترتے تھے۔

قصی کے وصال کے بعد دارالندوہ کا محل اس کے بیٹے عبدالدار کے تصرف میں آیا۔ (بعد میں عبدالدار سے حکیم بن ہدام کی ملکیت میں آیا جس نے امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں ایک لاکھ درہم میں فروخت کر دیا۔ لوگوں نے طعنہ زنی کی کہ حکیم نے باپ دادا کی عزت و شرف کو بیچ ڈالا جس کے جواب میں اس نے کہا۔

''اسلام آ جانے کے بعد عزت و شہرت صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت میں ہے۔ ایک وقت وہ بھی تھا جب زمانۂ جاہلیت میں یہ مکان ایک شراب کے مشکیزے کے عوض فروخت ہوا تھا جبکہ میں نے ایک لاکھ درہم میں فروخت کیا ہے۔'')

ظہورِ اسلام کے بعد بھی مکہ مکرمہ کے مکانات میں دارالندوہ بڑا اور زیادہ وسیع مکان تھا۔ بادشاہ اور اُمراء حج اور عمرہ کے لئے آتے تو اسی میں قیام پذیر ہوتے تھے۔ یہیں سے حرم شریف میں نماز اور طواف کے لئے جاتے تھے۔ اس کا صحن کافی کشادہ تھا

لیکن جب کبھی سیلاب آتا تو اس میں کوڑا کرکٹ، کیچڑ اور گندگی بھر جاتی تھی جس سے نہ صرف قرب و جوار کے دوسرے مکانوں کو نقصان پہنچتا بلکہ حرم شریف بھی متاثر ہوتا تھا۔

تیسرا کام جو قصی نے کیا وہ سقایہ اور رفادہ کا تھا۔ حجاج کو پانی پلانا اور کھانا کھلانا، غریب اور نادار حجاج کو ایام حج میں کھانا کھلانا خدام حرم کا سب سے بڑا منصب تھا۔ قصی نے حرم شریف میں قریش کے مجمع سے خطاب کیا:

''تم اللہ تعالیٰ کے زیر پناہ ہو۔ اہلِ حرم اور خانۂ خدا کے متولی ہو اور حاجی حضرات اللہ تعالیٰ کے معزز مہمان ہیں۔ اس کے گھر کے زائر ہیں۔ وہ تمام مہمانوں سے زیادہ عزت و تکریم کے حق دار ہیں۔ تم حج کے ایام میں ان کے لئے کھانے اور پینے کا بندوبست کرو، ان کی خدمت اور مہمان نوازی اس وقت تک جاری رکھو جب تک وہ مکہ مکرمہ سے رخصت نہیں ہو جاتے۔''

قریش نے قصی کے اس حکم پر خلوصِ دل سے لبیک کہا اور بڑی محبت و رغبت میں اپنے مال سے حصہ نکال کر قصی کے سپرد کر دیتے جس سے سال بھر میں معقول رقم جمع ہو جاتی۔ پھر اس مال سے حج کے دنوں میں مکہ معظمہ میں، منیٰ میں حجاج کے لئے کھانے کا انتظام کیا جاتا۔ انہیں پانی کی سہولت بہم پہنچائی جاتی۔ منیٰ اور عرفات میں بڑے بڑے حوض بنا کر ان میں پانی جمع کر دیا جاتا تھا جن سے حاجی خوب سیراب ہو جاتے تھے۔ یہ طریقہ قصی کی قوم میں مسلسل جاری رہا۔ یہاں تک کہ آفتابِ اسلام طلوع ہوا اور اس رواج کو اور بھی زیادہ تقویت پہنچی اور حجاج کی ضیافت میں مزید اضافہ ہوا۔

چوتھا کام قصی نے یہ کیا کہ جب قصی بن کلاب بیت اللہ شریف کی تولید اور مکہ مکرمہ کی حکومت پر پوری طرح قابض ہو گیا تو اس نے اپنی قوم کو تمام اطراف سے بلا کر مکہ شریف میں آباد کیا۔ کعبہ شریف سے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چاروں طرف ان کے مکانات بنائے، کعبہ شریف اور مکانات کے درمیان فاصلے کا نام المطلوش رکھا جسے اب حرم یا بیت اللہ کہا جاتا ہے۔ مکانات کے دروازے بیت اللہ کی طرف رکھوائے اور ہر دو مکانات کے درمیان راستہ رکھا گیا تا کہ حرم میں آنے میں آسانی ہو۔ جو منصب اور خدمات اہلِ مکہ کے سپرد تھیں، ان سب پر اپنی قوم کے لوگوں کو مامور کیا۔ اس کا خیال تھا کہ جو خدمات ان لوگوں کے سپرد کی گئی ہیں وہ دین کا جزو بن گئی ہیں، انہیں تبدیل کرنا ناجائز اور ناروا ہے۔ حتیٰ کہ ظہورِ اسلام تک وہ برابر قائم رہیں لیکن اسلام

نے ان تمام امور کو باطل اور نیست و نابود کر دیا۔

قصی پہلا شخص تھا جسے حکومت نصیب ہوئی اور پوری قوم نے اس کی اطاعت کی اور کعبہ شریف کی تمام خدمات مثلاً سقایہ، حجابہ، عرفادہ، ندوہ وغیرہ اس کے تصرف میں آئیں۔ اس نے مکہ معظمہ کے بالائی حصہ میں اقامت اختیار کر لی تھی۔

اس کے علاوہ قصی نے حجاج کی خدمت اور وضع داری کے پیش نظر سقایہ کی خدمات میں بہت زیادہ جدت پیدا کی۔ حجاج کے لئے نہایت خوشگوار قسم کا پانی باہر سے درآمد کیا جاتا اور پھر اس میں کھجور اور انگور نچوڑ کر اور زیادہ خوش ذائقہ بنایا جاتا تھا۔ مکہ والوں کے لئے وہ بے حد پسندیدہ مشروب تھا۔ اس طرح رفادہ کا انتظام بھی بہت عمدہ تھا۔ جب تک حاجی مکہ مکرمہ میں رہتے، ان کو مقدور بھر نہایت عمدہ اور اعلیٰ قسم کا کھانا کھلایا جاتا تھا اور یہ طریقہ خلفائے راشدینؓ کے دور تک برابر جاری رہا۔ اس کے بعد بھی جو ملوک اور سلاطین برسر اقتدار رہے، انہوں نے اس نیک دستور کو قائم رکھا۔

جب قصی بوڑھا ہو گیا تو اس نے یہ تمام عہدے اپنے بیٹوں میں منتقل کر دیئے۔ عبدالدار جو اس کا بڑا بیٹا تھا اسے ان تمام عہدوں کا منصب دار مقرر کیا۔ عبدالمناف جو عبدالدار کے چھوٹے بھائی تھے، کم سنی کے باعث باپ کا اعزاز انہیں حاصل نہ ہو سکا۔ عبدالمناف کے انتقال کے بعد ان کی اولاد اور عبدالدار میں جھگڑا ہوا چنانچہ انہوں نے سقایہ اور رفادہ خود لے لیا، خانہ کعبہ کی کلید برداری اور پرچم جنگ ان کے لئے چھوڑ دیا۔

عبدالمناف کے چھ بیٹے تھے۔ مطلب، ہاشم، عبدالشمس، نوفل، ابوعمر اور ابوعبید۔ ان میں زیادہ اہم مطلب، ہاشم اور عبدالشمس تھے۔ عبدالشمس اور ان کی اولاد نے تجارت اور کاروبار کی طرف توجہ کی۔ حجاز اور پڑوسی شہروں میں ان کا کاروبار خوب چمکا اور ان کا بیٹا اُمیہ بن عبدالشمس مالی ساکھ اور دولت و ثروت میں بہت بڑھ گیا۔

چنانچہ عبدالشمس کے بیٹے اُمیہ نے دیکھا کہ اس کا چچا ہاشم پیر کہن سال ہو چکا ہے۔ وہ اس کی منزلت سے خار کھانے لگا اور اس کی قیادت کا حریف بن کر سامنے آیا اور اپنے دعوئ کا فیصلہ قریش سے چاہا لیکن ناکام رہا۔

اس ناکامی سے وہ اتنا دلبرداشتہ ہوا کہ مکہ میں رہنا دوبھر ہو گیا۔ چنانچہ برہمی اور طیش کے عالم میں ترک وطن کر کے شام چلا گیا اور وہاں بیس سال تک مقیم رہا۔

پھر اس طویل مدت کے بعد جب واپس وطن آیا تو خاندانِ عبدالمناف دو ٹکڑوں میں بٹ چکا تھا۔ ہاشمی اور اُموی اور یہ دونوں حالانکہ ایک ہی باپ کی اولاد تھے لیکن ایک دوسرے سے نالاں اور ایک دوسرے کے درپے آزار تھے۔

حسد اور جلن کی چنگاریاں سال بہ سال تک سلگتی رہیں۔ دل میں جو کپٹ بیٹھ چکی تھی، وہ رنگ لائی اور شدید عداوت ایک خاندان کے ان دونوں حصوں میں پیدا ہو گئی۔

یہ عداوت بڑھتے بڑھتے باقاعدہ رزم آرائی میں تبدیل ہو گئی اور اس کا سلسلہ بھی کئی نسلوں تک جاری رہا۔

یہ رقابت، حریفانہ کشمکش اور جنگ عربوں میں اور اسلام کے بعد مسلمانوں میں بھی جاری رہی۔ خون بہتا رہا اور دماغ جنگی تدبیروں میں مصروف رہے۔ اس دشمنی نے دولت اسلامیہ کے عہد اوّل کی سیاست اور امور و معاملات پر بھی گہرا اثر ڈالا۔

اوّل اوّل یہ لڑائی اور دشمنی ایک معمولی چیز تھی جس کے اثرات محدود تھے جیسا کہ حرب بن اُمیہ اور عبدالمطلب بن ہاشم کے معاملے سے ظاہر ہوتا ہے لیکن درحقیقت یہ جنگ خاصی خطرناک تھی۔ یہ جنگ تھی قیادت اور سیادت کی۔ دو قیادتیں برسر اقتدار تھیں۔ ابنِ ہاشم میں جب حضور ﷺ کا ظہور ہوا اور یہ دعوت مکہ کے باشندوں اور باہر سے مکہ وارد ہونے والے لوگوں میں پھیلنے لگی اور رفتہ رفتہ اس دعوت کے اثرات وسیع ہوتے چلے گئے تو سردارانِ قریش سراسیمہ اور حواس باختہ ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا، نہ اب ان کے بتوں کی خیر ہے، نہ بت پرستی کی۔ دونوں کے چل چلاؤ کا وقت قریب سے قریب تر آتا جا رہا ہے۔ اس وقت کے اُموی ذہن ابوسفیان بن حرب بن اُمیہ نے محسوس کیا کہ یہ دعوت تو جڑ پکڑتی جا رہی ہے اور اس کی کامیابی کے معنی یہ ہیں کہ ایک ہاشمی فرد کے ہاتھ میں ساری عرب قوم کی قیادت اور سیادت آ جائے گی۔ چنانچہ ابوسفیان صفِ مخالف میں شریک ہو گیا اور اپنے امکان بھر حضور ﷺ کی جتنی مزاحمت و مخالفت کر سکتا تھا، کی۔ اپنا اثر و رسوخ اور اپنی پوری مال و وجاہت اس نے مخالفین دعوتِ اسلام کے پلڑے میں ڈال دی۔ متعدد مواقع پر وہ آپؐ سے جنگ آزما بھی ہوا۔ یہاں تک کہ لڑتے لڑتے اس کے بازو شل ہو گئے اور مخالفت کرتے کرتے اس کے ساتھی کم تعداد میں رہ گئے۔ پھر فتح مکہ کے موقع پر وہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور اسیر کر لیا گیا۔

لیکن حضور ﷺ رحمت اللعالمین تھے۔ اس کی خطائیں معاف کر دیں اور اس کو عزت اور سر بلندی عطا فرمائی۔ اس لئے کہ بہرحال وہ حضور ﷺ کا رشتہ دار تھا۔ اس طرح جو اس کے دل میں دہشت بیٹھ گئی تھی، وہ آپؐ کے لطف و کرم نے دور کر دی۔

آخر کار ابوسفیان نے اسلام قبول کرلیا۔

جب حضور ﷺ نے وفات پائی تو مسلمانوں نے عبداللہ بن قحافہ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا۔ ان کی وفات کے بعد فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے خلافت بے چوں و چرا قبول کر لی۔ اللہ ان دونوں سے راضی ہو۔ یہ دونوں خلیفہ یعنی حضرت ابوبکرؓ صدیق اور حضرت عمرؓ فاروق، عبدالمناف کی سلب سے نہیں تھے۔ لہٰذا خاندانِ عبدالمناف کے دونوں رزم آرا گروہوں سے انہیں کوئی واسطہ نہ تھا۔ چنانچہ ان دونوں کی سربراہی میں مسلمانوں کا سفینہ گرداب سے بچتا ہوا ساحلِ مقصود کی طرف بڑھتا رہا۔ اس زمانے میں عربوں نے جس طرف کا رخ کیا، چھا گئے۔ مصر، شام، فارس اور عراق میں فتوحاتِ اسلامی کا نہ رکنے والا سلسلہ قائم ہو گیا تھا۔

جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حادثۂ قتل فارس کے رہنے والے مجوسی کے ہاتھوں رونما ہوا تو ان کی جانشینی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئی جو اُموی تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ انہوں نے معاملاتِ حکومت میں ان اُموی نوجوانوں پر اعتبار کیا جو ان کے حاشیہ نشین بنے۔ یہ لوگ حضرت عثمانؓ پر چھا گئے۔ انہوں نے اور ان کے عزیز و انصار نے حکومت کے تمام بڑے بڑے کلیدی عہدوں پر قبضہ کرلیا۔

اس صورتِ حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کے گروہوں اور جماعتوں کے اندر چہ میگوئیاں ہونا شروع ہو گئیں اور کئی شہروں میں قیل و قال کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جیسے جیسے دن گزرتے گئے، اس میں اضافہ ہوتا گیا۔ خلیفہ وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پیرانہ سالی کے باعث اس کا تدارک نہ کر سکے۔

آخر بغاوت و سرکشی اُٹھی۔ بغاوت نے خطرناک صورت اختیار کر لی اور یہ بغاوت حضرت عثمانؓ کی شہادت پر منتج ہوئی۔ حضرت عثمانؓ کے قتل سے مسلمانوں کی صف میں پہلا رخنہ پیدا ہوا اور قبل اس کے کہ خونِ شہادت کے قطرے سوکھتے، لوگوں نے حضرت

علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی جو ظاہر ہے ہاشمی تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دستِ مبارک پر جن لوگوں نے بیعت کی، ان میں وہ باغی بھی شامل تھے جو قتلِ عثمانؓ میں شریک تھے۔ یہ لوگ بیعت کے بعد جیشِ علیؓ میں داخل ہو گئے تھے۔

دوسری طرف حجاز میں جو اُموی موجود تھے، ان میں سے ایک گروہ مدینہ منورہ سے نکل کر معاویہؓ بن سفیان کے پاس شام جا پہنچا۔ ان لوگوں کے پاس حضرت عثمانؓ کا وہ لباس بھی تھا جسے قتل کے وقت آپؓ زیبِ تن کئے ہوئے تلاوتِ قرآن کریم کر رہے تھے۔ یہ لوگ اپنے ساتھ حضرت عثمانؓ کی زوجہ نائلہؓ کی کٹی ہوئی اُنگلیاں بھی لے گئے جو حضرت عثمانؓ کو بچاتے ہوئے آگے آگے تھیں اور اس حملہ کے باعث ان کی اُنگلیاں کٹ گئی تھیں۔ حضرت عثمانؓ کا قتل عالم اسلام میں صرف ایک حادثہ ہی نہیں تھا، ایک بہت بڑا المیہ بھی تھا جس نے بلا استثنا تمام مسلمانوں کو مبتلائے رنج و الم کر دیا تھا۔''

یہاں تک کہتے کہتے اقلیما کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لئے کہ عین اسی لمحہ سالم بن تماضر کی حویلی پر دستک ہوئی، پھر کسی نے پکار کر کہا۔

''محمد بن اشعث تشریف لائے ہیں۔ وہ اس وقت اپنے ساتھیوں کے ساتھ سرائے کے اصطبل میں اپنے گھوڑے باندھ رہے ہیں۔''

یہ خبر سن کر اقلیما کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ سالم بن تماضر، عدی بن عمیر، رملہ اور کلثوم سب خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ سعید اپنی جگہ سے اُٹھا، بھاگتا ہوا باہر نکل گیا۔ جبکہ اس کے پیچھے سالم بن تماضر، عدی بن عمیر بھی حویلی سے نکل کر سرائے کا رخ کر رہے تھے۔

کوئی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ محمد بن اشعث، سالم بن تماضر، عدی بن عمیر سب حویلی میں داخل ہوئے۔

اقلیما، رملہ اور کلثوم سب نے شاندار انداز میں محمد بن اشعث کا استقبال کیا تھا۔ جب سب دیوان خانہ میں بیٹھ گئے تب سب سے پہلے گفتگو کا آغاز اقلیما نے کیا اور محمد بن اشعث کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''آپ نے ماں اور بہن کے قاتلوں کا کیا، کیا؟''

جواب میں بڑی دلجمعی اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے محمد بن اشعث نے اپنی ماں اور بہن کے قاتلوں سے نمٹنے کی پوری تفصیل کہہ دی تھی۔

یہ تفصیل سن کر اقلیما سمیت سب خوشی اور مسرت کا اظہار کر رہے تھے۔ آخر اقلیما اپنے مدعا کی طرف آئی، پھر محمد بن اشعث کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''مجھے اب مزید کب تک یہاں رہنا ہوگا؟''

جواب میں محمد بن اشعث مسکرایا اور کہنے لگا۔

''اب تمہیں مزید کہیں بھی نہیں رہنا ہوگا۔ میں تمہیں لینے ہی تو آیا ہوں۔ ماں اور بہن کے قاتلوں سے نمٹنے کے بعد میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ بغداد چلا گیا تھا۔ ابوجعفر منصور بھی وہاں آیا ہوا تھا۔ بغداد میں میری اور دوسرے سالاروں کی رہائش گاہوں کا اہتمام ہو گیا ہے اور لشکریوں اور سالاروں کے علاوہ بہت سے دوسرے لوگ بھی نئے تعمیر ہونے والے بغداد شہر میں آباد ہونا شروع ہو گئے ہیں۔''

یہاں تک کہتے کہتے محمد بن اشعث کو رک جانا پڑا تھا اس لئے کہ اس کی طرف

دیکھتے ہوئے سالم بن تماضر نے پوچھ لیا تھا۔

''بیٹے! یہ آخر نیا دارالحکومت تعمیر کرنے کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی؟ اس پر خاصی بڑی رقم خرچ کی ہوگی۔ یہ رقم کسی اور رفاہی کام پر بھی لگائی جا سکتی تھی۔''

سالم بن تماضر جب خاموش ہوا تب محمد بن اشعث نے کچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔

''دراصل بغداد تعمیر کرنے کی بہت سی وجوہات ہیں۔ سفاح کے بعد مسند خلافت پر ابوجعفر منصور متمکن ہوا اور انبار کو دارالحکومت نہ رکھنے کا فیصلہ کیا اور اس کے مختلف اسباب تھے۔

پہلا سبب یہ تھا کہ یہ جگہ کوفہ سے بہت قریب ہے۔ کوفہ دراصل سازشوں کا مرکز بنا رہا ہے۔ اس کے علاوہ عراق میں کوئی ایسا شہر نہیں تھا جس کی آبادی بہت زیادہ ہو، جہاں باغات ہوں، خوب صورت عمارتوں کی کوئی زنجیر پھیلی ہوئی ہو، بڑے بڑے میدان ہوں اور جو شام کے شہروں سے ٹکر لے سکتا ہو اور اس نئی شہنشاہیت بنو عباس کا پایۂ تخت بننے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ لے دے کر ایک کوفہ شہر تھا جس کی بنیاد حضرت فاروقؓ اعظم کے عہد میں پڑی تھی جو عمال و ولایت کا مرکز اور مستقر تھا اور سیاسی اعتبار سے مرکزی حیثیت رکھتا تھا اور جہاں تاریخی نوعیت کے حوادث و واقعات اکثر رونما ہوتے رہتے تھے۔

نیز یہاں مختلف افکار و نظریات کے طبقات بھی موجود ہیں جن کی فکری رنگارنگی نے کسی ایک ہنگامہ پرور مرکز کی حیثیت و طاقت رکھی ہے۔ لیکن اسے ثبات و قرار نہیں ہے۔ چنانچہ کسی اعتبار سے بھی یہ شہر ایک ایسی مملکت کا پایۂ تخت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا جو تقدم اور استقرار کی جویا اور رسائی رکھتا ہو۔ اس شہر کی ہنگامہ خیزیوں سے دور رہنے کے لئے ہی بغداد شہر کی تعمیر کا فیصلہ کیا گیا تھا۔

بغداد کی تعمیر کا دوسرا سبب یہ ہے کہ انبار میں فضا اور آب و ہوا سخت ناقابل برداشت ہے۔ اکثر آندھیاں چلتی رہتی ہیں، ریت کے ذرات کو اپنے ساتھ اڑاتی ہوئی آتی ہیں اور لوگوں کا منہ بگاڑ کر رکھ دیتی ہیں اور نقصان پہنچاتی ہیں۔

ابوجعفر کا انبار سے دلبرداشتہ ہونے کا تیسرا سبب یہ تھا کہ آخر میں اس کے خلاف ایک ایسا حادثہ رونما ہوا تھا جس سے اس کی جان کو خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ وہ حادثہ ابو مسلم خراسانی کے جیش کا ایک گروہ تھا جسے راوندہ کہتے ہیں۔ یہ حلول پر اعتقاد رکھتے ہیں۔

ان کا عقیدہ ہے کہ خدائے عزوجل ابوجعفر منصور کے جسم میں حلول کر گیا ہے اور روح اعظم ابومسلم خراسانی کے قاتل عثمان بن نحیک کے جسم میں حلول کر گئی ہے۔ یہ لوگ انبار ہی میں رہتے تھے اور اپنے عقائد کا پرچار کرتے رہتے تھے۔ ابوجعفر منصور نے اس جماعت کے سرداروں کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا۔ روانده جماعت کے لوگوں نے جیل پر ہلہ بول دیا اور اپنی جماعت کے بہت سے لوگوں کو چھڑا کر لے گئے۔ پھر قصر خلیفہ کی طرف متوجہ ہوئے کہ اسے قتل کر دیں۔ اس کے نگہبانوں کی تعداد بھی اتنی کافی نہ تھی کہ وہ اس حملہ کی مدافعت کر سکتے۔ پھر بھی جتنے آدمی ساتھ تھے، انہیں لے کر مقابلہ کو اُٹھ کھڑا ہوا اور لوگوں کو ان کے خلاف جنگ پر اُبھارتا رہا۔ تلواریں میان سے نکل آئیں اور کافی خون بہا۔ اس واقعہ کے بعد منصور نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ بہت جلد اپنے نئے دارالحکومت کی طرف منتقل ہو جائے گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد محمد بن اشعث جب رُکا تب اس بار عدی بن عمیر بول اُٹھا۔

''بیٹے! اگر تم بغداد سے ہو کر آ رہے ہو تو پھر اس نئے شہر سے متعلق ہمیں بھی کوئی تفصیل بتاؤ کہ وہ کیسا ہے؟''

جواب میں محمد بن اشعث مسکرایا اور کہنے لگا۔

''یہ شہر تقریباً گزشتہ پانچ سال سے تعمیری مراحل سے گزرتا رہا ہے۔ اس عرصہ میں اپنے زمانے کے ماہرفن کاریگر، معمار، رنگ ساز، نقاش اور صناع اپنا اپنا جوہر دکھاتے رہے ہیں جو مملکت کے دور دراز گوشوں سے لا کر یہاں جمع کیے گئے تھے اور انہوں نے اپنی ہنرمندی اور کاریگری کے نقوش و آثار ایسے حسین و جمیل تیار کیے کہ نظروں میں کھب جاتے ہیں۔

یہ شہر مدوّر ہے۔ اس کا دائرہ چار میل پر محیط ہے۔ دو شہر پناہیں ہیں۔ ایک داخلی اور دوسری خارجی۔ ہر ایک کا عرض نیچے سے پچاس گز اور اونچائی سے بیس گز ہے۔ داخلی شہر پناہ خارجی سے چند گز زیادہ اونچی ہے۔ دونوں بڑے پختہ اور عمدہ مصالحہ سے تیار کی گئی ہیں۔ خارجی شہر پناہ کے اردگرد ایک بڑی خندق کھودی گئی ہے جو کافی گہری ہے۔ جس میں پانی نہر سے لا کر بھرا جاتا ہے۔ خندق پر متعدد پُل بنائے گئے ہیں تا کہ آئندہ اگر کوئی دشواری ہو تو ان پلوں کے ذریعے دریا کو عبور کیا جا سکے۔ ساتھ ہی ساتھ پُل اس طرح بنائے گئے ہیں کہ خطرے کے موقع پر بڑی آسانی سے انہیں توڑا بھی جا

سکتا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد محمد بن اشعث رکا، گلا صاف کیا، اس کے بعد وہ دوبارہ کہہ رہا تھا۔

''شہر پناہ کی ہر دیوار پر پونے دو سو کے قریب اونچے اونچے برج بنائے گئے ہیں۔ یہ برج عسکری نقطہ نگاہ کو سامنے رکھتے ہوئے تعمیر کیے گئے ہیں۔ اگر دشمن کسی وقت بھی بغداد شہر کا محاصرہ کر لے تو آسانی کے ساتھ ان برجوں سے اس پر چوٹ لگائی جا سکتی ہے۔ ہر چار برج کے درمیان ایک ایسا راستہ رکھا گیا ہے کہ گھڑسوار آسانی سے نقل و حرکت کر سکتے ہیں۔

شہر کے چار دروازے ہیں۔ پہلا بابِ خراسان۔ یہ دریائے دجلہ کی طرف ہے۔ اس کا نام باب دولہ بھی ہے۔ دوسرا دروازہ بابِ بصرہ۔ اس کا رخ جنوب کی طرف ہے جہاں ایک نہر ہے۔ جس میں پانی دریائے فرات سے آتا ہے اور دجلہ میں جا گرتا ہے۔ تیسرا دروازہ بابِ کوفہ ہے۔ اس کا رخ جنوب مغرب کی طرف ہے۔ اور چوتھا باب شام ہے۔ اس کا رخ مغرب کی طرف ہے۔

ان چاروں ابواب کے لئے جو پھاٹک لائے گئے ہیں وہ بھی تاریخی اہمیت کے حامل ہیں جو مختلف زمانوں میں چار قدیم شہروں کے لئے بنائے گئے تھے۔ چنانچہ ایک پھاٹک شہر واسط سے لایا گیا ہے جو حجاج بن یوسف کے عہد میں بنایا گیا تھا جو بنو اُمیہ کی طرف سے عراق کا حاکم تھا۔ بابِ کوفہ والا پھاٹک بھی خالد بن عبداللہ القسری کے عہد میں تیار ہوا تھا جو امویوں کی طرف سے یہاں کا حاکم تھا۔ باب شام اور باب خراسان کے پھاٹک بھی قدامت کی انوکھی شان رکھتے ہیں۔

یہ پھاٹک ان مقامات سے لا کر یہاں اس لئے نہیں لگائے گئے تھے کہ ہنر و کاریگری کے اعتبار سے یکتا تھے اور اب ان کا مثل تیار نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اس میں رمز یہ پنہاں تھی کہ نئے دارالحکومت کے لئے یہ دروازے مختلف حکومتوں کی یادگار تھے۔ اس لئے ان کی حیثیت زیادہ اہم اور ممتاز تھی۔

ان چاروں ابواب کے جو برج تعمیر ہوئے ہیں، ان کے حُسن و جمال اور صفت و کمال کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ ہر برج پر کئی قبے بنے ہوئے ہیں جن پر سونے کا کام کیا ہوا ہے۔ ان کے نیچے کافی گنجائش رکھنے والی نشست گاہیں ہیں جن

سے متعدد راستے لشکریوں کی کمین گاہوں کی طرف جاتے ہیں جہاں سے حضر اور خطرے کے وقت تیر افگنی کے جوہر دکھا کر شہر پناہ اور اس کے دروازوں کی حفاظت کی جا سکتی ہے اور یہیں سے ایسے راستے بنے ہوئے ہیں جو شہر پناہ کی دیواروں پر سے گزرتے اور دوسرے بالائی برجوں تک چلے جاتے ہیں۔

قلب شہر میں منصور نے ایک بڑا محل تعمیر کرایا ہے جس کی زمین کا رقبہ ایک لاکھ ستر ہزار مربع گز ہے۔ اس محل کا نام اس نے قصرِ ذہب یعنی سونے کا محل رکھا ہے۔ اس میں دس بڑے بڑے ایوان ہیں جن میں سونے کا کام کیا ہوا ہے اور طرح طرح کے رنگوں سے اسے مزین کیا گیا ہے اور اس کے حُسن کو دوبالا کر دیا گیا ہے۔

ہر ایوان میں ایک وسیع اور کشادہ ہال ہے۔ اس کے اوپر ایک قبہ ہے جس کی بلندی اسی گز ہے۔ اس کی خارجی سطح ہرے رنگ سے رنگی گئی ہے اور اس کے اوپر ایک زرد رنگ کا مجسمہ ہے جو ایک سوار کے برابر ہے جس کے ہاتھ میں ایک لمبا نیزہ ہے جو ہوا کے رُخ کی طرف اشارہ کیا کرتا ہے۔

محل کے اندر منصور نے ایک شاندار اور حسین و جمیل مسجد بھی تعمیر کرائی ہے۔ اب تک مسلمانوں نے جتنی مسجدیں تعمیر کی ہیں، یہ ان سب میں کہیں زیادہ خوب صورت اور دلکش ہے۔ اس کا نام مسجد المنصور ہے۔ اسے مسجد مدینۃ الاسلام بھی کہہ کر پکارا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ شہر پناہ کی دونوں دیواروں کے بیچ میں ایک بہت بڑا قید خانہ تعمیر کیا گیا ہے جس کا نام مطبک ہے۔ اس میں وہ لوگ قید رکھے جائیں گے جو بارگاہِ خلافت کے معتوب ہوں گے۔

شہر بغداد اندرونی طور پر چار منطقوں پر تقسیم ہے۔ ہر منطقہ اپنی وسعت و کشادگی کے اعتبار سے مساوی ہے۔ ہر منطقہ کو چار بڑی بڑی شاہراہیں تقسیم کرتی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی چوڑائی چالیس گز ہے۔ یہ شاہراہیں ایک بڑے میدان میں آ کر مل جاتی ہیں جس کے وسط میں قصرِ ذہب اور مسجدِ منصور کی شاندار عمارتیں بنائی گئی ہیں۔ ان چاروں منطقوں میں امرائے بنو عباس کے بعض رجال مملکت، اُمراء، حکومت اور سالارانِ لشکر کے لئے شاندار حویلیاں اور کوٹھیاں تعمیر کی گئی ہیں۔ ان حویلیوں اور کوٹھیوں کے باغات قوس کی شکل کی طرح ہے جن کا رخ قصرِ ذہب اور مسجد منصور کی

طرف ہے۔

ہر محلّہ میں کئی بازار ہیں جن میں ضروریاتِ زندگی سے متعلق تمام چیزیں دستیاب ہو سکتی ہیں۔ چونکہ ان بازاروں میں ہر طرح کے لوگوں کی آمد و رفت رہنے لگی ہے اور شور و غل کا یہ عالم ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی، پریشان روزگاروں، گویّوں اور تلاشِ معاش میں سرگرداں لوگوں کی کثرت سے گندگی اور غوغا آرائی بڑھ گئی ہے۔

لہٰذا منصور نے ان بازاروں کو ایک دور دست علاقے میں جو شہر سے بعید اور محلّہ کرخ سے قریب تھا، منتقل کر دیا اور صرف ایک بازار رہنے دیا۔ دکانوں کے اُٹھ جانے اور بازاروں کے خالی ہو جانے سے جو جگہ بچی، وہاں ایک مسجد تعمیر کرا دی گئی تا کہ عام لوگ وہاں پر نماز پڑھ لیا کریں اور مسجد منصور میں زیادہ ہجوم نہ ہوا کرے۔

اندرونِ شہر کے متعدد اور مختلف علاقوں میں کافی حمام بھی بنائے گئے ہیں۔ صفائی ستھرائی سے متعلق یہاں کے قوائد اور شرائط بہت سخت ہیں۔ خلیفہ سے اجازت نامہ لئے بغیر کوئی شخص سواری پر یہاں نہیں جا سکتا۔

نہریں مغرب کی جانب اور مغرب سے مشرق کی جانب بہتی ہیں۔ ان میں پانی نہر کرخایہ سے آتا ہے۔ اس سے درختوں کی آبیاری بھی ہوتی ہے اور باغات اور میدانوں میں جو پھولوں کے درخت لگائے گئے ہیں، انہیں شاداب رکھا جاتا ہے۔

بغداد شہر تو تعمیر ہو گیا ہے اور بغداد شہر کی تعمیر کے ساتھ ہی خلیفہ ابوجعفر منصور کو دو خوشیاں نصیب ہوئی ہیں۔ پہلی یہ کہ بغداد تعمیر ہو گیا اور وہ بہت جلد اپنی رہائش مستقل طور پر بغداد میں نئے تعمیر ہونے والے محل میں رکھ لے گا۔ دوسری خوشی اُسے یہ نصیب ہوئی کہ اُس کے ہاں بیٹا ہوا ہے جس کا نام اُس نے ہارون رشید رکھا ہے۔ منصور چاہتا ہے کہ بغداد شہر کو اپنے زمانے میں عالم اسلام کا سب سے زیادہ خوب صورت اور جاذبِ نظر شہر بنا دے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد محمد بن اشعث رُکا، کچھ سوچا، اس کے بعد اقلیما کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''اقلیما! اب میں تمہیں اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا۔ ہماری رہائش اب انبار شہر کی

بجائے بغداد شہر میں ہو گی۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ میرا خالہ زاد خازم بن خزیمہ اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ بغداد منتقل ہو چکا ہے۔ دوسرے بہت سے سالار اور اُمراء بھی بغداد منتقل ہو چکے ہیں اور اب خود خلیفہ بھی چند دنوں میں بغداد منتقل ہو جائے گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد محمد بن اشعت جب خاموش ہوا تب تفکرات کا اظہار کرتے ہوئے عدی بن عمیر بول اٹھا۔

''بیٹے! اقلیما سے تمہارا نکاح ہو چکا ہے۔ بے شک رخصتی نہیں ہوئی، پھر بھی یہ تمہاری بیوی ہے۔ جس وقت تم چاہو گے اسے تمہارے ساتھ رخصت کر دیں گے۔ بیٹے! تم اسے بغداد میں اس حویلی میں رکھو گے جو تمہیں ملی ہے تو یہ بے چاری اتنی بڑی حویلی میں اکیلی کیسے رہے گی؟''

جواب میں محمد بن اشعت سب کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اقلیما اکیلی نہیں رہے گی۔ ہاں! اگر اسے اکیلا بھی اپنی حویلی میں رہنا پڑ جائے تو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اس لئے کہ اس کی حفاظت کا خاطر خواہ انتظام پہلے ہی کیا جا چکا ہے۔ اس کے علاوہ میری اور میرے خالہ زاد خازم بن خزیمہ دونوں کی حویلیاں قریب قریب ہیں۔ جب میں نے کسی مہم پر جانا ہوا تو میری اوّل کوشش تو یہی ہو گی کہ اقلیما کو اپنے ساتھ لے کر جاؤں، لشکر میں اسے اپنے ساتھ رکھوں۔ اس طرح میرے لئے بھی آسانیاں پیدا ہوں گی۔ میں دلجمعی سے اپنی کارگزاری کا مظاہرہ کر سکوں گا اور جس لشکر میں یہ میرے ساتھ نہ جا سکی تو میری غیر حاضری میں یہ میرے خالہ زاد خازم بن خزیمہ کے ہاں رہا کرے گی۔ خازم بن خزیمہ کی بیوی اور اس کے بچے اس سے بڑی محبت اور پیار کریں گے۔ بہرحال اقلیما سے متعلق آپ لوگوں کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ اب میری ذات کا ایک حصہ ہے، میرے بدن کا ایک عضو ہے اور ہر کوئی اپنے بدن کے عضو کی حفاظت کرنا خوب جانتا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد محمد بن اشعت رُکا، دوبارہ وہ عدی بن عمیر اور سالم بن تماضر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میں صرف آنے والی شب کو یہاں قیام کروں گا اور اگلے دن صبح سویرے ہی اقلیما کو لے کر بغداد کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔''

محمد بن اشعت جب خاموش ہوا تب تفکرات بھرے انداز میں اقلیما کہنے لگی۔

''کیا میں اور آپ اکیلے بغداد تک سفر کریں گے؟''

اقلیما کی طرف دیکھ کر محمد بن اشعت مسکرایا اور کہنے لگا۔

''کیا ہم دونوں بچے ہیں کہ بغداد کی طرف جاتے ہوئے ڈرتے ہیں؟''

اقلیما نے سر کو نفی میں ہلایا اور کہنے لگی۔

''نہیں، نہیں! میرا یہ مقصد نہیں تھا۔ دراصل جو لوگ مجھے تلاش کرتے پھرتے تھے، ان کا آپ کے ہاتھوں قتل اور پھر جن لوگوں نے آپ کی ماں اور بہن کو قتل کیا، ان سے جو آپ نے انتقام لیا ہے تو بہت سے لوگ آپ کے خلاف بھی ہو جائیں گے۔ لہٰذا بغداد کی طرف جاتے ہوئے ایسے لوگوں کے کسی گروہ نے اگر ہمیں روک لیا تو ہمارے لئے نقصان کا باعث بن جائیں گے۔''

اقلیما کے ان الفاظ پر محمد بن اشعت مسکرایا اور کہنے لگا۔

''کچھ بھی نہیں ہو گا۔ اس سے پہلے تم میرے ساتھ جارجیا سے دریائے دجلہ اور دریائے دجلہ سے جارجیا تک سفر کرتی رہی ہو۔ کئی مواقع پر ہمارے دشمن بھی ہم پر حملہ آور ہوئے۔ تو کیا وہ مجھے اور تمہیں نقصان پہنچا سکے؟''

جواب میں اقلیما منہ سے کچھ نہ بولی۔ تاہم اس نے نفی میں گردن ہلا دی تھی۔ محمد بن اشعت مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''اس بار بھی مطمئن رہو۔ کوئی ہماری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکے گا۔ کوئی ہمیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور ہم بخیر و عافیت بغداد اپنی حویلی میں پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔''

محمد بن اشعت جب خاموش ہوا تب تفکرات کا اظہار کرتے ہوئے اقلیما کہنے لگی۔

''بغداد میں اتنی بڑی حویلی میں، میں اکیلی کیسے رہوں گی؟ جبکہ آپ جانتے ہیں اس سے پہلے آپ کی والدہ اور بہن کو دشمن موت کے گھاٹ اتار چکے ہیں۔ تو کیا وہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں ہو گا؟ ظاہر ہے آپ اپنی مہموں میں ہوں گے اور مجھے حویلی میں اکیلا رہنا پڑے گا۔ میں تو اکیلے پن کے خوف سے خود بہ خود ہی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھوں گی۔''

یہاں تک کہنے کے بعد اقلیما جب خاموش ہوئی تب محمد بن اشعت نے ہلکا سا ایک

قہقہہ لگایا، کہنے لگا۔

''اقلیما! تم محمد بن اشعث کی بیوی ہو۔ جو کچھ ہونا تھا، ہو چکا۔ میری ماں اور میری بہن کو دھوکے سے قتل کیا گیا اور میں اُمید بھی نہیں کر سکتا تھا کہ دشمن اتنی دُور تک جائیں گے۔ اب اوّل تو ان دشمنوں کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ اگر کوئی ہیں بھی تو وہ تمہارے نزدیک نہیں پھٹک سکیں گے۔ جہاں تک تمہارا یہ خدشہ ہے کہ حویلی میں تمہیں اکیلا رہنا پڑے گا تو ایسی کوئی بات نہیں۔ پہلے تو میں یہ کوشش کروں گا کہ جب بھی کسی مہم میں جاؤں اگر ممکن ہوا تو تمہیں اپنے ساتھ رکھوں گا اور اگر کوئی ایسی مہم پیش آئی جس میں تمہیں ساتھ نہ رکھا جا سکے گا تو پھر تم حویلی میں اکیلی نہیں ہو گی۔ تمہارے ساتھ چار افراد اور ہوں گے۔ اس کے علاوہ حویلی کی حفاظت اور تحفظ کا بھی عمدہ انتظام ہو گا اور کوئی تمہاری طرف خطرے کی نگاہ سے دیکھ بھی نہیں سکے گا۔''

''چار افراد میرے ساتھ وہاں کون رہیں گے؟'' جستجو بھرے انداز میں محمد بن اشعث کی طرف دیکھتے ہوئے اقلیما نے پوچھ لیا تھا۔

''ابھی میں تم سے یہ نہیں کہوں گا کہ وہ چار افراد جو تمہارے ساتھ رہیں گے، وہ کون ہیں؟ لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ جب تم ان کے اندر رہو گی تو مطمئن ہو جاؤ گی اور اپنے آپ کو بالکل محفوظ محسوس کرو گی۔''

''کیا وہ چار افراد آپ کے خالہ زاد خازم بن خزیمہ اور اس کے اہلِ خانہ ہیں؟''

جواب میں مسکراتے ہوئے محمد بن اشعث نے نفی میں گردن ہلائی، پھر کہنے لگا۔

''نہیں۔ خازم بن خزیمہ کی حویلی میرے ساتھ ہے۔ وہ ہمارے ہمسائے کے طور پر رہیں گے۔ وہ بھی تمہارا بہترین خیال رکھیں گے۔ لیکن جو لوگ تمہارے ساتھ رہیں گے، یوں جانو تمہارے اپنے ہیں اور تمہارے ساتھ رشتہ طے ہونے اور تمہاری نسبت سے اب وہ میرے بھی اپنے ہیں۔''

جواب میں اقلیما نے سر کو جھٹکا، کہنے لگی۔

''آپ نے مجھے ایک عجیب سی اُلجھن میں مبتلا کر دیا ہے۔ اب بتائیں وہ کون لوگ ہیں؟''

جواب میں محمد بن اشعث کہنے لگا۔

''ابھی میں تم سے کچھ نہیں کہوں گا۔ جب ہم بغداد پہنچیں گے اور تم انہیں وہاں

دیکھو گی تو مطمئن ہو جاؤ گی کہ واقعی تمہیں بغداد میں رکھنے کے لئے میں نے تمہاری حفاظت کا بہترین اہتمام کیا ہے۔''

محمد بن اشعث کی اس گفتگو سے اقلیما کسی حد تک مطمئن ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ عدی بن عمیر محمد بن اشعث کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''بیٹے! تم نے بغداد میں اقلیما کو جو اپنے ساتھ رکھنے کا اہتمام کیا ہے، سب سے پہلے تو ہم تمہارے شکر گزار اور ممنون ہیں۔ اس طرح اقلیما تمہاری بیوی کی حیثیت سے مطمئن زندگی کی ابتداء کر سکے گی۔ بیٹے! سالم بن تماضر کے ہاں وہ خوش اور مطمئن ضرور ہے اور اب لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ سالم بن تماضر کی تین بیٹیاں تھیں۔ ایک فوت ہو چکی ہے، دو باقی ہیں۔ لیکن عورت اپنے شوہر کے پاس ہی خوش رہتی ہے۔ اقلیما اگر تمہارے ساتھ خوش ہے تو بیٹے! اس میں میری ہی نہیں، سالم بن تماضر کی بھی طمانیت اور خوشی کی کوئی انتہا نہیں ہے۔''

اس موقع پر رملہ اور کلثوم دونوں ماں بیٹی ایک دوسرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اُٹھیں اور کہنے لگیں آپ سب بیٹھیں، ہم کھانا تیار کرتی ہیں۔

اس پر اقلیما بھی ایک دم اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی۔

''اماں! آپ یہیں بیٹھیں۔ میں اور کلثوم کھانا تیار کرتی ہیں۔''

اقلیما کے کہنے پر رملہ اپنی جگہ پر بیٹھی رہی جبکہ اقلیما اور کلثوم دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے اس کمرے سے نکل کر مطبخ کی طرف چلی گئی تھیں۔

ان کے جانے کے بعد فکر گیری آواز میں سالم بن تماضر کہنے لگا۔

''بیٹے! بڑی مشکل سے بنو اُمیہ اور بنو عباس کے ٹکراؤ کے کچھ واقعات ختم ہوئے تھے، لوگوں نے سکون کا سانس لینا شروع کیا تھا، اب یہ خبریں آنا شروع ہو گئی ہیں کہ بنو عباس اور علوی آپس میں ٹکرا رہے ہیں اور علویوں نے جگہ جگہ عباسیوں کے خلاف اُٹھ کھڑا ہونے کا تہیہ کر لیا ہے۔ کیا ایسی صورت میں مسلمانوں کی سلطنت کے اندر پھر پہلے کی طرح خون کی ندیاں نہ بہنا شروع ہو جائیں گی؟ بیٹے! ذرا موجودہ حالات سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار تو کرو۔''

اس پر دکھ بھرے انداز میں محمد بن اشعث سب کو بنو عباس اور علویوں کے ٹکراؤ سے متعلق تفصیل بتانے لگا تھا۔

محمد بن اشعث نے صرف ایک شب اقلیما کے ساتھ وہاں بسر کی، اس کے بعد دونوں میاں بیوی وہاں سے بغداد کے لئے کوچ کر گئے تھے۔ محمد بن اشعث کے ساتھی بھی ان کے ہمراہ تھے۔

بنو عباس کے زور پکڑنے اور بنو اُمیہ کے کمزور ہو جانے کے بعد مسلمانوں کے اندر کشت و خون کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اور پھر بنو عباس نے خلافت پر قبضہ کرنے کے بعد بنو اُمیہ کے لوگوں کا چن چن کر قتل عام شروع کر دیا تھا۔ وہی حالات اب پھر سر اُبھارنے لگے تھے۔

دراصل مکہ میں بنو اُمیہ کی حکومت کے آخری ایام میں ایک مجلس منعقد ہوئی تھی۔ اس میں خلیفہ کے تعین اور انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا تھا تو منصور نے جو اس مجلس میں موجود تھا، محمد بن عبداللہ بن حسن بن علی کے حق میں اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔ سب نے اس رائے سے اتفاق کر کے محمد بن عبداللہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اس بیعت میں خلیفہ ابوجعفر منصور بھی شریک تھا۔ یعنی منصور محمد بن عبداللہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر چکا تھا۔

چنانچہ جب بنو عباس کی خلافت قائم ہوئی اور پہلا خلیفہ سفاح مقرر ہوا تو سفاح نے اپنے عہد خلافت میں علویوں کو خاموش رکھا اور انعام و اکرام سے مالا مال کر کے انہیں مخالفت اور خروج پر آمادہ نہ ہونے دیا۔

لیکن منصور کا روّیہ اب مختلف تھا۔ اس نے سفاح کے زمانے کی سخاوت کو باقی نہ رکھا اور لوگوں میں دولت خرچ کرنے سے گریزاں رہا۔

حالانکہ اس سے پہلے محمد بن عبداللہ کے باپ عبداللہ بن حسن جب سفاح کے پاس آئے تھے تو سفاح نے ان کو بہت سا سامان اور مال و زر دے کر خوش و خرم واپس کر دیا تھا۔ جب منصور خلیفہ ہوا تو عبداللہ بن حسن نے اپنے بیٹوں محمد اور ابراہیم کو اس خیال سے روپوش کر دیا تھا کہ کہیں منصور ان کو قتل نہ کروا دے۔

محمد بن عبداللہ کو جن کے ہاتھ پر منصور نے بیعت کی تھی، محمد مہدی کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ لہٰذا ان کا نام آنے والے دور میں تاریخ کے اوراق میں محمد مہدی ہی لکھا جانے لگا۔

چنانچہ 136ھ میں جب منصور حج کرنے گیا تو اس نے وہاں سفاح کے مرنے کی خبر سنی تھی۔ سب سے پہلے اس نے اسی محمد مہدی سے متعلق دریافت کیا۔ اس وقت وہ وہاں موجود نہ تھا۔ لوگوں کو شبہ پیدا ہو گیا کہ وہ محمد مہدی کو نقصان پہنچائے گا، لہٰذا محمد مہدی روپوش ہو گیا۔ اس کے ساتھ اس کا بھائی ابراہیم بھی روپوش ہی رہا۔ منصور خلیفہ ہونے کے بعد برابر محمد مہدی کا حال لوگوں سے دریافت کرتا رہتا تھا۔ اس تجسس اور کرید میں اس نے ایک مبالغہ کیا کہ ہر شخص کو یہ معلوم ہو گیا کہ منصور کو محمد مہدی کی بڑی تلاش ہے۔

چنانچہ جب عبداللہ بن حسن کو منصور کی طرف سے مجبور کیا گیا کہ اپنے بیٹے کو حاضر کرو تو اس نے منصور کے چچا سلیمان بن علی سے مشورہ کیا۔ سلیمان نے کہا کہ اگر منصور درگزر کرنے کا عادی ہوتا تو اپنے چچا سے درگزر کرتا یعنی عبداللہ بن علی پر سختی اور تشدد روا نہ رکھتا۔

عبداللہ بن حسن یہ سن کر اپنے بیٹوں کو روپوش رکھنے میں اور بھی زیادہ مبالغہ کرنے لگا۔

آخر منصور نے حجاز کے چپہ چپہ میں اپنے جاسوس پھیلا دیئے۔ جعلی خطوط لکھ لکھ کر عبداللہ بن حسن کے پاس بھجوائے کہ کسی طرح محمد مہدی کا پتہ چل جائے۔ محمد مہدی اور اس کے بھائی دونوں حجاز میں چھپتے پھرتے تھے۔ منصور صرف انہیں تلاش کرنے اور ان کے تجسس میں خود حج کے بہانے مکہ جا پہنچا۔ جب انہیں خبر ہوئی کہ منصور تو ان کی تلاش میں مکہ پہنچا ہے تو وہ دونوں بھائی بنو مرہ کے پاس جا کر بصرہ میں مقیم ہو گئے۔ منصور کو اس کا پتہ لگا تو وہ سیدھا بصرہ میں آیا لیکن اس کے آنے سے پیشتر محمد مہدی اور ابراہیم بصرہ چھوڑ کر جا چکے تھے۔

چنانچہ بصرہ سے یہ دونوں عدن جا پہنچے۔ منصور بصرہ سے دارالخلافہ کو روانہ ہو گیا۔ جب عدن میں بھی ان دونوں بھائیوں کو اطمینان نہ ہوا تو یہ سندھ چلے گئے۔ چند روز سندھ میں رہ کر کوفہ میں لوٹے اور وہاں روپوش رہے۔ پھر کوفہ سے مدینہ

منورہ چلے گئے۔ 140 ہجری میں منصور پھر حج کو آیا اور یہ دونوں بھائی بھی حج کے لئے مکہ آئے۔ ابراہیم نے قصد کیا کہ منصور کی زندگی کا خاتمہ کر دے مگر ان کے بھائی محمد مہدی نے منع کر دیا۔

منصور کو اس مرتبہ بھی ان کا کوئی پتہ نہ چلا۔ اس نے ان کے باپ عبداللہ بن حسن کو بلا کر دونوں بیٹوں کو حاضر کرنے کے لئے مجبور کیا۔ جب انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا تو منصور نے اسے قید کرنا چاہا مگر مدینہ کے عامل زیاد نے ضمانت دی، تب وہ چھٹے۔

چونکہ مدینہ کے عامل زیاد نے عبداللہ بن حسن کی ضمانت دی تھی اس لئے منصور اس سے بھی بدگمان ہو گیا اور دارالخلافہ میں واپس آ کر محمد بن خالد بن عبداللہ قسری کو مدینہ کا عامل بنا کر بھیجا اور زیاد کو مع اس کے دوستوں کے گرفتار کر کے بلوایا اور قید کر دیا۔

محمد بن خالد نے مدینہ کا عامل مقرر ہو کر محمد مہدی کی تلاش و جستجو میں بڑی کوشش کی اور بیت المال کا تمام روپیہ اس کوشش میں صرف کر دیا۔ منصور نے محمد بن خالد کے اسراف اور ناکامی پر اس کو بھی معزول کر دیا اور رباح بن عثمان بن حیان کو حاکم مقرر بنایا۔ رباح نے مدینہ میں پہنچ کر عبداللہ بن حسن کو بہت تنگ کیا اور تمام مدینہ میں ہلچل مچا دی اور بہت سے لوگوں کو گرفتار کر لیا۔

بہت سے لوگوں کو گرفتار کرنے کے بعد رباح نے اس کی اطلاع منصور کو دی۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ علویوں کے لگ بھگ گیارہ سرکردہ آدمیوں کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ چنانچہ جب حاکم مدینہ رباح نے لوگوں کی گرفتاری کی اطلاع منصور کو دی تو اس نے لکھا کہ ان لوگوں کے ساتھ محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان کو بھی گرفتار کر لو کہ عبداللہ بن حسن بن علی کی ماں ایک ہی ہے یعنی یہ دونوں فاطمہ بنت حسین کے بیٹے ہیں۔ چنانچہ رباح نے اس حکم کی بھی تعمیل کی اور محمد بن عبداللہ بن عمرو کو قید کر لیا۔ انہی ایام میں گورنر مصر نے علی بن محمد بن عبداللہ بن حسن بن علی کو گرفتار کر کے منصور کے پاس بھیجا۔ منصور نے اس کو قید کر دیا۔ یہ اپنے باپ کی طرف سے مصر میں علوی دعوت و تبلیغ کے لئے بھیجے گئے تھے۔

رباح نے جن لوگوں کو گرفتار کر کے قید کر دیا تھا، وہ 144ھ کے آخری ایام تک مدینہ میں رہے۔ منصور برابر محمد مہدی اور ان کے بھائی ابراہیم کے تجسس اور تلاش میں رہا۔ اس عرصہ میں یہ دونوں بھائی حجاز کے قبائل اور غیر معروف مقامات میں روپوش

رہے اور جلد جلد اپنے جائے مقام کو تبدیل کرتے رہتے تھے۔

الغرض حضرت حسنؓ بن علیؓ کی اولاد میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو قید نہ کیا گیا ہو یا اپنی جان بچانے کے لئے چھپا چھپا نہ پھرتا ہو۔

اسی سال 144ھ کے ماہ ذوالحجہ میں منصور حج کرنے گیا اور محمد بن عمران بن ابراہیم بن طلحہ اور مالک بن انس کو یہ پیغام دے کر قید خانہ میں بھیجا کہ محمد اور ابراہیم دونوں بھائیوں کو ہمارے سپرد کر دو۔

ان دونوں کے بھائی عبداللہ بن حسن نے ان دونوں کے حال سے اپنی لاعلمی بیان کر کے خود منصور کے پاس حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔ منصور نے کہا جب تک اپنے دونوں بیٹوں کو حاضر نہ کرو گے، میں عبداللہ بن حسن سے ملنا نہیں چاہتا۔ جب منصور حج سے واپس ہو کر عراق کی جانب آنے لگا تو رباح کو حکم دیا کہ ان قیدیوں کو ہمارے پاس عراق بھیج دو۔ رباح نے ان سب قیدیوں کو قید خانہ سے نکال کر بغیر کجاوہ کے اونٹ پر سوار کرایا اور محافظ دستے کے ساتھ عراق کی جانب روانہ کر دیا۔

راستے میں محمد اور ابراہیم دونوں بھائی بدوؤں کے لباس میں اپنے باپ عبداللہ سے آ کر ملے اور بنو عباس کے خلاف خروج کرنے کی اجازت چاہی مگر عبداللہ بن حسن نے ان کو صبر کرنے اور عجلت سے کام نہ لینے کی ہدایت اور نصیحت کی۔ یہ قیدی جب منصور کے پاس پہنچے تو منصور نے محمد بن عبداللہ کو اپنے سامنے بلا کر برا بھلا کہا اور کوڑے لگوائے۔ محمد بن عبداللہ کا منصور اس لئے دشمن تھا کہ اہل شام اس کے ہوا خواہ تھے اور شام میں ان کا خاصا اثر و رسوخ تھا۔

ان قیدیوں کو عراق میں منتقل ہو جانے کے بعد محمد مہدی نے اپنے بھائی ابراہیم کو عراق اور خراسان کی طرف روانہ کیا کہ تم وہاں جا کر لوگوں کو دعوت دو اور عباسیوں کی مخالفت پر آمادہ کرو اور علویوں کے حق میں انہیں کرنے کی کوشش کرو۔

خود محمد مہدی حجاز میں رہے۔ منصور کو اس بات کا یقین تھا کہ محمد مہدی حجاز میں موجود ہے۔ اسؒ نے اس کو دھوکا دینے اور اس کا پتہ لگانے کی غرض سے جو تدابیر اختیار کیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ وہ مسلسل مختلف شہروں کے لوگوں کی طرف سے محمد مہدی کے نام خطوط لکھوا لکھوا کر مکہ اور مدینہ کے ایسے لوگوں کے پاس بھجواتا رہتا تھا جن کی نسبت اس کو شبہ تھا کہ یہ محمد مہدی کے ہمدرد اور اس کے حال سے باخبر ہیں۔

ان خطوط میں لوگوں کی طرف سے اظہارِ عقیدت اور منصور کی برائیاں درج ہوتی تھیں اور خروج کے لئے ترغیب دی جاتی تھی۔ اس سے منصور کا مدعا یہ تھا کہ اس طرح ممکن ہے کہ محمد مہدی تک کوئی جاسوس پہنچے اور وہ گرفتار ہو سکے۔ یہ مدعا تو حاصل نہ ہو سکا لیکن یہ ضرور ہوا کہ محمد مہدی کو ایسے خطوط کی اطلاع اپنے دوستوں کے ذریعے پہنچتی رہی اور انہیں اپنے بہی خواہوں اور فدائیوں کا اندازہ کرنے میں کسی قدر غلط فہمی ہو گئی یعنی انہوں نے اپنی جماعت کا اندازہ حقیقت سے زیادہ کر لیا۔

ادھر ان کے بھائی ابراہیم نے بصرہ، کرمان، اصفہان، خراسان، موصل اور شام وغیرہ کا سفر کر کے جابجا اپنے داعی، نقیب اور ہمدرد پیدا کئے اور منصور کے دارالخلافہ میں بھی اپنے ہمدرد بنانے کی کوشش شروع کر دی۔

کچھ عرصہ محمد مہدی اور ان کے بھائی سخت ترین کوشش اور تلاش کے باوجود اس کے ہاتھ نہ آئے۔ آخر 142ھ میں ابو عون جو اس وقت خراسان کا حاکم تھا، اس نے منصور کے پاس ایک تحریر بھیجی کہ خراسان میں مخفی سازش بڑی تیز رفتاری سے ترقی کر رہی ہے اور تمام اہلِ خراسان محمد مہدی کے خروج کا انتظار کر رہے ہیں۔

منصور نے اس تحریر کو پڑھتے ہی محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان کو قید خانہ سے بلا کر جلاد کے سپرد کر دیا اور ان کا سر اُتروا کر خراسان بھیج دیا۔ اس سر کے ساتھ چند ایسے آدمی بھی بھیجے گئے جنہوں نے جا کر قسم کھا کر شہادت دی کہ یہ سر محمد بن عبداللہ کا ہے اور ان کی دادی کا نام فاطمہؓ بنت رسولؐ اللہ ہے۔ اس طرح اہل خراسان کو دھوکا دیا گیا کہ محمد مہدی قتل ہو گئے ہیں اور یہ انہی کا سر ہے۔ پھر منصور نے ابراہیم بن حسن کو زندہ ایک ستون میں چنوا دیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی اور عباس بن حسن بن علی کو قتل کیا گیا۔ پھر ابراہیم بن حسن بن حسن بن علی بن حسن بن علی وغیرہ کو سخت اذیت کے ساتھ قتل کیا گیا۔ منصور کی یہ سنگ دلی اور شقاوت قلبی نہایت حیرت انگیز ہے۔ بنو اُمیہ کی علویوں سے کوئی قریبی رشتہ داری نہ تھی لیکن عباسیوں اور علویوں کا تو بہت ہی قریبی رشتہ تھا۔ علویوں نے بنو اُمیہ کی سخت مخالفت کی تھی اور بار ہا بنو اُمیہ کے خلاف، تیر و تلوار کا استعمال کر چکے تھے لیکن بنو عباس کے خلاف ابھی تک انہوں نے کوئی جنگی مظاہرہ بھی نہیں کیا تھا۔

ان باتوں سے یہ راز بھی کھلتا ہے کہ بنو اُمیہ نے کسی علوی کو اس طرح محض شبہ میں

گرفتار کر کے قتل نہیں کیا تھا بلکہ ان کے ہاتھ سے وہی علوی قتل ہوئے جو میدانِ جنگ میں لڑتے ہوئے مارے گئے۔ مگر منصور نے بالکل بے گناہ علویوں کے کتنے ہی افراد قساوت قلبی اور بے دردی کے ساتھ قتل کر دیئے۔ منصور کا یہ قتل جرم اور گناہ کے اعتبار سے بعض مؤرخین کے نزدیک یزید بن معاویہؓ کے قتل حسینؓ سے بھی بہت بڑھ چڑھ کر نظر آتا ہے۔ شاید اسی کا نام دنیا ہے۔ اس کی ہوس میں انسان اندھا ہو کر ہر ایک ناشدنی کام کر گزرتا ہے۔

❀❀❀

محمد بن اشعت اور اقلیما دونوں میاں بیوی ایک روز بغداد شہر میں داخل ہوئے۔ ایک حویلی کے سامنے آ کر محمد بن اشعت اپنے گھوڑے سے اُترا۔ اتنی دیر تک اُس کی طرف دیکھتے ہوئے اقلیما بھی ہچکچاتے ہوئے اُتر گئی تھی۔ پھر حویلی کے دروازے پر محمد بن اشعت نے دستک دی تھی۔

اس موقع پر اقلیما نے بڑے پیار سے محمد بن اشعت کی طرف دیکھا، پھر انتہائی میٹھی اور شیریں آواز میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''کیا حویلی کے اندر پہلے سے کوئی رہائش رکھتے ہیں جو آپ نے دستک دے کر دروازہ کھولنے کے لئے کہا ہے؟''

اس پر محمد بن اشعت مسکرایا اور کہنے لگا۔

''اقلیما! میری اور تمہاری یہ حویلی ویران اور بے کار تو نہیں پڑی۔ اس میں پہلے سے لوگ رہائش رکھتے ہیں جن کے اندر ہمیں بھی رہنا ہے۔ دیکھو! میں نے سالم بن تماضر کے ہاں ہی تمہیں کہہ دیا تھا کہ میں اتنی بڑی حویلی میں تمہیں اکیلا نہیں رکھوں گا۔ میں نے حویلی کے دروازے پر دستک دے دی ہے اور ساتھ ہی تمہیں یہ بھی بتاؤں کہ حویلی میں جو لوگ رہتے ہیں انہیں پہلے سے میرے اور تمہارے آنے کی اطلاع کر دی گئی ہے۔''

اقلیما چونکی اور پوچھنے لگی۔

''ہمارے آنے کی اطلاع پہلے سے کس نے کر دی ہے؟''

اس پر محمد بن اشعت کہنے لگا۔

''پچھلی منزل میں تم جانتی ہو میرے ساتھیوں میں سے روح بن حاتم غائب ہو گیا

تھا اور وہ تمہارے آگے آگے بغداد کی طرف آ گیا تھا۔ میں نے اُسے اپنی اور تمہاری آمد کی اطلاع دینے کے لئے بھجوایا تھا۔ اب میں نے حویلی کے دروازے پر دستک دی ہے۔ دیکھو! دستک کا ردِ عمل کیا ہوتا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد جونہی محمد بن اشعت رُکا، تب حویلی کا دروازہ کھلا۔ جونہی دروازہ کھلا، اقلیما دنگ رہ گئی۔ دروازہ کھولنے والا اقلیما کا ماموں حارث بن لبید تھا۔ اس کے پیچھے حارث بن لبید کی بیوی نابقہ بنت علقمہ، ان کی بیٹی خضا بنت حارث اور بیٹا بشار بن حارث کھڑے تھے اور ان کے ساتھ ہی خازم بن خزیمہ، اس کی بیوی ربیب بنت اسود، ان کا بیٹا مجید بن خازم کھڑے ہوئے تھے۔

یہ صورتِ حال اقلیما کے لئے بڑی عجیب و غریب تھی۔ ایک پیار بھری نگاہ اس نے محمد بن اشعت پر ڈالی، پھر اپنے گھوڑے کی باگ چھوڑ کر بھاگی۔ پہلے اپنے ماموں حارث بن لبید سے بغل گیر ہو کر ملی، اس کے بعد وہ نابقہ بنت علقمہ، خضا بنت حارث، بشار بن حارث سے گلے مل رہی تھی۔ جب حارث بن لبید نے خازم بن خزیمہ اور اس کی بیوی اور بیٹے کا تعارف کرایا تب وہ بڑے پُر جوش انداز میں ان سے بھی مل رہی تھی۔ اتنی دیر تک بشار بن حارث اور مجیر بن خازم دونوں حرکت میں آئے اور دونوں گھوڑوں کو پکڑ کر وہ اصطبل کی طرف لے گئے۔ سب دیوان خانہ میں داخل ہوئے۔ تھوڑی دیر تک بشار بن حارث اور مجیر بن خازم نے گھوڑوں کے ساتھ سارا بندھا ہوا سامان بھی دیوان خانہ میں اس جگہ لا رکھا جہاں محمد بن اشعت اور اقلیما بھی بیٹھے ہوئے تھے۔

اقلیما دیوان خانہ میں محمد بن اشعت کے ساتھ بیٹھنے کے بعد کچھ دیر تک اپنی خوشیوں پر قابو پاتی رہی، پھر اپنے ماموں حارث بن لبید کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

'ماموں! آپ کب اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ یہاں آئے؟ آپ کو یہاں دیکھ کر تو میری خوشی، میرے سکون اور میری طمانیت کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے۔''

جواب میں بڑی رازداری سے حارث بن لبید کہنے لگا۔

''بیٹے! سب سے پہلے تو مجھے اِرم کے مرنے کا بے حد دُکھ اور صدمہ ہے۔ وہ میری بڑی پیاری بیٹی تھی۔ زندگی بھر میں اُس کے دُکھ اور المیہ کو فراموش نہیں کر سکوں

گا۔ میری بچی! اس کے بعد تم نے سب سے اچھا کام یہ کیا کہ تم نے محمد بن اشعث سے شادی کر لی۔ میری بچی! اس سے بہتر تمہیں زندگی کا کوئی ساتھی مل ہی نہیں سکتا۔ اب چونکہ تم نے ہمارے یہاں آنے سے متعلق پوچھا ہے تو سن بچی! محمد بن اشعث اپنی ماں اور بہن کے قاتلوں سے نمٹنے کے لئے نکلا تھا۔ جب یہ اپنی ماں اور بہن کے قاتلوں سے نمٹ چکا تب بغداد آیا۔ یہاں اس حویلی کا اہتمام کیا، اس کے بعد یہ ہمیں لینے کے لئے گیا۔ بچے! جب محمد بن اشعث ہمیں لینے وہاں گیا تو ہم نے اس کا شکریہ ادا کیا اس لئے کہ اس کے ساتھ رہتے ہوئے تمہاری طرح ہم بھی محفوظ ہو سکتے تھے۔ چنانچہ محمد بن اشعث کے کہنے پر ہم نے اپنا وہ مکان بیچ دیا اور یہاں آ گئے۔ میری بیٹی! اب تو بھی ہمارے پاس آ گئی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے خاندان کی تکمیل ہو گئی ہے۔ کاش میری بیٹی ارم بھی یہاں ہوتی تو میں یہاں بغداد میں اس کی شادی کا بھی اہتمام کرتا اور وہ بھی اپنے شوہر کے ساتھ خوش کن زندگی بسر کرتی۔ بہرحال اقلیما میری بچی! اب تیرے دُکھ اور تیرے الیموں کے دن ختم ہو چکے ہیں۔ میری بچی! اب تو اس حویلی میں اپنے شوہر کے ساتھ خوشگوار زندگی کی ابتداء کرے گی۔''

یہاں تک کہنے کے بعد حارث بن لبید رکا، پھر خازم بن خزیمہ، اس کی بیوی ربیب بنت اسود اور بیٹے مجیر بن خازم کی طرف دیکھتے ہوئے اقلیما کہنے لگی۔

''میرے شوہر اکثر و بیشتر آپ تینوں کی بہت تعریف کیا کرتے تھے۔ میری یہ بہت بڑی خوش قسمتی ہے کہ اب مجھے آپ لوگوں کے ساتھ رہنا نصیب ہو رہا ہے۔ کاش! میرے شوہر کی ماں اور بہن بھی زندہ ہوتیں تو میں یہاں قیام کے دوران ان کی خدمت کرتی۔''

یہاں تک کہنے کے بعد اقلیما روہانسی سی ہو گئی تھی۔ خود پر قابو پانے کے لئے خاموش ہو گئی تھی۔

اس موقع پر محمد بن اشعث اُس کے قریب ہوا، پیارے انداز میں اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھا اور کہنے لگا۔

''اقلیما! ماضی کے دُکھوں، غموں اور الیموں کو اب فراموش کر دو۔ اب یہاں اس حویلی میں تم نے نئے سرے سے خوش کن زندگی کی ابتداء کرنی ہے۔''

ہونٹ کاٹتے ہوئے اقلیما نے خوش کن انداز میں بڑی ممنونیت کے ساتھ محمد بن

اشعث کی طرف دیکھا تھا، اس کے بعد اقلیما کی ممانی نابقہ بنت علقمہ بولی اور اقلیما کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''بیٹی! تم دونوں میاں بیوی کی آمد سے پہلے ہم نے کھانا تیار کر کے رکھا ہوا ہے۔ تم دونوں میاں بیوی اُٹھو، ہاتھ منہ دھوؤ، اس کے بعد کھانا کھا کر آرام کرو۔ اس لئے کہ تم لمبا سفر طے کر کے آئے ہو۔''

جواب میں اقلیما اور محمد بن اشعث نے سوالیہ سے انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر دونوں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ محمد بن اشعث کے ساتھ اقلیما طہارت خانہ کی طرف گئی۔ دونوں نے اپنے ہاتھ منہ دھوئے۔ اتنی دیر تک خضا بنت حارث، نابقہ بنت علقمہ اور ربیب بنت اسود نے مل کر کھانا لگا دیا تھا۔ پھر سب اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔

جب منصور نے عبداللہ بن حسن اور دوسرے علوی افراد کو قتل کرا دیا تو محمد مہدی نے اس خبر کو سن کر زیادہ انتظار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اس کو یہ بھی یقین تھا کہ لوگ اس کا ساتھ دینے اور منصور کی خلافت کا خلع کرنے کے لئے ہر جگہ تیار ہیں۔ چنانچہ اس نے اپنے مدینہ کے دوستوں سے خروج کا مشورہ کیا۔

اتفاقاً مدینہ کے عامل رباح کو اپنے مخبروں کے ذریعے اس کی اطلاع ہو گئی کہ آج محمد بن مہدی خروج کرنے والے ہیں۔ جعفر بن محمد بن حسین اور حسین بن علی بن حسین اور چند دوسروں کو بلا کر کہا۔

"اگر محمد مہدی نے خروج کیا تو میں تم کو قتل کر دوں گا۔"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ تکبیر کی آواز آئی اور معلوم ہوا کہ محمد مہدی نے خروج کیا ہے۔ ابتداء میں اس کے ساتھ صرف 150 آدمی تھے۔ اس نے سب سے پہلے زندان کا رخ کیا، وہاں سے محمد بن خالد بن عبداللہ قصری اور اس کے بھتیجے ابنِ یزید بن خالد اور ان لوگوں کو جو وہاں قید تھے، آزاد کیا پھر دارالامارہ کی طرف گیا اور رباح اور اس کے بھائی عباس ابنِ مسلم بن عقبہ کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ اس کے بعد مسجد کی طرف یہ سارا مجمع گیا، خطبہ دیا گیا جس میں منصور کی بری عاداتِ اور افعالِ مجرمانہ کا ذکر کر کے لوگوں کے ساتھ عدل و انصاف کے برتاؤ کا وعدہ کیا اور ان سے امداد کی درخواست کی گئی۔

اس کے بعد مدینہ منورہ کے عہدۂ قضا پر عثمان بن محمد بن خالد بن ظبیر کو، اسلحہ خانہ پر عبدالعزیز بن مطلب بن عبداللہ مخزومی کو، انتظامی امور پر عثمان بن عبید اللہ بن عبداللہ بن عمر بن خطاب کو مقرر کیا۔ اس طرح کچھ اور شخصیتوں نے بھی اس کی بیعت کر لی۔

محمد مہدی کے خروج اور حاکم مدینہ رباح کے قید ہونے کے نو دن بعد یہ خبر منصور کے پاس پہنچی اور یہ خبر سن کر منصور بڑا پریشان ہوا۔ چنانچہ وہ کوفہ پہنچا اور کوفہ سے ایک خط بطور امان نامہ محمد مہدی کے نام لکھ کر روانہ کیا۔ اس خط کا مضمون کچھ اس طرح تھا۔

"میرے اور تمہارے درمیان اللہ اور اس کے رسولؐ کا عہد و میثاق اور ذمہ ہے کہ تم کو اور تمہارے اہلِ خاندان کو اور تمہارے متبعین کو جان و مال و اسباب کی امان دیتا ہوں۔ نیز اب تک جو تم نے خون ریزی کی ہے یا کسی کا مال لے لیا ہے اس سے بھی درگزر کرتا ہوں اور تم کو ایک لاکھ درہم اور دیتا ہوں۔

اس کے علاوہ جو تمہاری اور کوئی حاجت ہو گی وہ بھی پوری کر دی جائے گی۔ جس شہر کو تم پسند کرو گے، مقیم کئے جاؤ گے۔ جو لوگ تمہارے شریک ہیں ان کو امن دینے کے بعد ان سے بھی مواخذہ نہ کیا جائے گا اور اگر تم ان باتوں کے متعلق اپنا اطمینان کرنا چاہو تو اپنے معتمد کو میرے پاس بھیج کر مجھ سے عہد نامہ لکھوا لو اور ہر طرح سے مطمئن ہو جاؤ۔"

یہ خط جب محمد مہدی کے پاس پہنچا تو اس نے منصور عباسی کے اس خط کے جواب میں لکھا۔

"ہم تمہارے لئے ویسا ہی امان نامہ پیش کرتے ہیں جیسا کہ تم نے ہمارے لئے پیش کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت ہمارا حق ہے اور تم ہمارے ہی سبب اس کے مدعی ہوئے اور ہمارے ہی گروہ والے بن کر حکومت حاصل کرنے کو نکلے اور اسی لئے کامیاب ہوئے۔ دیکھو! بنی ہاشم میں کوئی شخص بھی قرابت اور سابقیت و فضیلت میں ہمارا ہم عصر نہیں ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں ہم فاطمہ بنت عمرو کی اولاد سے ہیں اور اسلام میں فاطمہؓ بنت رسولؐ اللہ کی اولاد ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ہم کو تم سے برتر اور بہتر بنایا ہے۔ ہمارے لئے علیؓ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور ازواجِ مطہرات میں سب سے پہلے خدیجۃ الکبریٰؓ نے قبلہ کی طرف نماز پڑھی۔ لڑکیوں میں فاطمہؓ دختر رسولؐ اللہ ہیں جن کو تمام جہان کی عورتوں پر فضیلت ہے۔

میرا باپ بنی ہاشم کے مشاہیر میں سے ہے۔ مجھ میں کسی عجمی کی آمیزش نہیں، نہ مجھ میں کسی لونڈی یا باندی کا اثر ہے۔ میں اپنے اور تمہارے درمیان خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ اگر تم میری اطاعت کر لو گے تو میں تم کو تمہاری جان و مال کی امان دیتا ہوں اور ہر ایک بات سے جس کے تم مرتکب ہو چکے ہو، درگزر کرتا ہوں مگر کسی حدود اللہ سے یا کسی مسلمانوں کے حق یا معاہدہ کا میں ذمہ دار نہ ہوں گا۔ کیونکہ اس معاملہ میں جیسا کہ تم جانتے ہو، مجبور ہوں۔ یقیناً میں تم سے زیادہ مستحق خلافت اور عہد کا پورا کرنے والا ہوں۔ تم نے مجھ سے پہلے بھی چند لوگوں کو امان اور قول دیا تھا۔ بس تم مجھے کون سی امان دیتے ہو؟''

مؤرخین لکھتے ہیں، محمد مہدی کا یہ خط جب منصور کے پاس پہنچا تو خط پڑھ کر اس نے بہت پیچ و تاب کھایا اور محمد مہدی کے نام اس نے ایک خط لکھا۔ اس خط کا مضمون مؤرخین نے کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

''میں نے تمہارا خط پڑھا۔ تمہارے فخر کا دارو مدار عورتوں کی قرابت پر ہے جس سے جاہل بازاری لوگ دھوکا کھا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو چچاؤں، باپوں اور ولیوں کی طرح نہیں بنایا۔ اللہ نے چچا کو باپ کا قائم مقام بنایا ہے اور اپنی کتاب میں اس کو قریب ترین مقام پر مقدم کیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی قرابت کا پاس و لحاظ کرنا ہوتا تو آمنہؓ مادرِ رسول اللہ جنت میں داخل ہونے والوں کی سردار ہوتیں۔ خدا تعالیٰ نے اپنی مرضی کے مطابق جس کو چاہا برگزیدہ کیا اور تم نے جو فاطمہ اُمِ ابو طالب کا ذکر کیا ہے تو خدا نے اس کے کسی لڑکے یا لڑکی کو اسلام نصیب نہیں کیا۔ اگر اللہ تعالیٰ مردوں میں سے کسی کو بوجۂ قرابت برگزیدہ کرتا تو عبدالملک بن مطلب بے شک ہر طرح سے بہتر تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے لئے جس کو چاہا اختیار کیا۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو مبعوث کیا تو اس وقت آپ کے چار چچا موجود تھے۔ چنانچہ آپؐ نے ان لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرایا اور دین حق کی طرف بلایا۔ ان چاروں میں سے دو نے دین کو قبول کر لیا جن میں

سے ایک ہمارے جدِ امجد عباسؓ تھے۔ دو نے دینِ حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ان میں سے ایک تمہارا جد امجد ابوطالب تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے دونوں کا سلسلۂ ولایت آپؐ سے منقطع کر دیا اور آپؐ میں اور ان دونوں میں کوئی عزیز داری میراث قائم نہ کی۔

دیکھو! رسول اللہ خیر الاولین و آخرین ہیں۔ ان کو ہاشم و عبدالمطلب میں سے ایک پدری تعلق تھا۔ تمہارا یہ خیال ہے کہ تم بہترین بنو ہاشم اور تمہارے ماں باپ ان میں زیادہ مشہور ہیں اور تم میں عجمیوں کا خون اور لونڈی کا لگاؤ نہیں ہے۔

میں دیکھتا ہوں کہ تم نے کل بنو ہاشم سے اپنے آپ کو زیادہ مختصر بتایا ہے۔ ذرا غور تو کرو۔ تم پر تف ہے۔ خدا تعالیٰ کو کیا جواب دو گے؟ تم نے حد سے تجاوز کیا ہے اور اپنے آپ کو اس سے بہتر بنایا جو تم سے ذات و صفات میں بہتر ہے۔ یعنی ابراہیم بن رسول اللہ، بالخصوص تمہارے باپ کی اولاد میں کوئی بہتر و افضل سوائے کنیزک زادوں کے نہیں ہے۔

حضورؐ کی وفات کے بعد تم میں سے علیؓ بن حسینؓ یعنی امام زین العابدین سے افضل کوئی شخص پیدا نہیں ہوا اور وہ کنیزک کے لڑکے بلاشبہ حسن بن حسن سے بہتر ہیں۔ ان کے بعد تم میں کوئی شخص محمد بن علی کی مانند پیدا نہیں ہوا۔ ان کی دادی کنیزک تھیں۔ وہ تمہارے باپ سے بہتر ہیں۔ ان کے لڑکے جعفر تم سے بہتر اور ان کی دادی کنیزک تھیں۔ تمہارا یہ کہنا غلط ہے کہ تم لوگ حضورؐ کی اولاد ہو۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا کہ مردوں میں سے کوئی بھی حضورؐ کا بیٹا نہیں ہے۔

ہاں! تم ان کی لڑکی کے لڑکے ہو۔ بے شک یہ قرابتیں قریب ہیں مگر اس کو میراث نہیں پہنچ سکتی۔ ہاں! یہ ولایت کی وارث ہو سکتی ہیں اور نہ اس کو امامت جائز ہے۔ قرابت کے ذریعہ تم کس طرح وارث ہو سکتے ہو؟ تمہارے باپ نے ہر طرح اس کی خواہش کی تھی۔ فاطمہ کو دن میں نکالا، ان کی بیماری کو چھپایا اور رات کے وقت اُن کو دفن کیا مگر لوگوں نے سوائے شیخانؓ کے کسی کو منظور نہ کیا۔

تمام مسلمان اس پر متفق ہیں کہ نانا، ماموں اور خالہ مورث نہیں ہوتے۔ پھر تم نے علیؓ اور ان کے سابق بالاسلام ہونے کی وجہ سے دعویٰ کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضورؐ نے وفات کے وقت دوسرے کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ بعد ازاں لوگ ایک کے بعد دوسرے کو امام بناتے گئے اور ان کو منتخب کیا۔ حالانکہ یہ بھی ان چھ شخصوں میں سے تھے۔ لیکن سب ہی نے ان کو اس امر کے قابل نہ سمجھ کر چھوڑ دیا اور اس معاملہ میں ان کو حق دار نہ سمجھا۔

عبدالرحمٰنؓ نے تو ان پر عثمانؓ کو مقدم کر دیا اور وہ معاملہ فہم بھی تھے۔ طلحہؓ اور زبیرؓ ان سے لڑے۔ سعدؓ نے ان کی بیعت سے انکار کر دیا۔ بعد ازاں معاویہؓ کی بیعت کے بعد اس کے، تمہارے باپ نے پھر خلافت کی تمنا کی اور لڑے۔ ان سے ان کے ساتھی جدا ہو گئے اور حاکم مقرر کرنے سے پہلے ان کے ہوا خواہ ان کے مستحکم ہونے کی بابت مشکوک ہو گئے۔ پھر انہوں نے رضامندی سے دو شخصوں کو حاکم مقرر کیا۔ ان دونوں نے ان کی معزولی پر اتفاق کر لیا۔ پھر حسنؓ خلیفہ ہوئے۔ انہوں نے خلافت کو معاویہؓ کو درہموں کے عوض فروخت کر ڈالا اور اپنے ہوا خواہوں کو معاویہؓ کے سپرد کر دیا اور حکومت نا اہل کو سونپ دی۔ پس اگر اس میں تمہارا کوئی حق بھی تھا تو تم اس کو فروخت کر چکے ہو اور قیمت وصول کر لی ہے۔

اس کے بعد تمہارے چچا حسینؓ نے ابن مرجانہ یعنی ابن زیاد پر خروج کیا۔ لوگوں نے تمہارے چچا کے خلاف اس کا ساتھ دیا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے تمہارے چچا کو قتل کیا اور ان کا سر کاٹ کر اس کے پاس لے گئے۔ پھر تم لوگوں نے بنو اُمیہ پر خروج کیا۔ انہوں نے تم کو قتل کیا۔ خرما کی ڈالیوں پر سُولی دی، آگ پر جلایا، شہر بدر کر دیا۔ یحییٰ بن زید کو خراسان میں قتل کیا۔ تمہارے مردوں کو قتل کیا۔ لڑکوں اور عورتوں کو قید کر لیا اور بغیر پردہ کے اونٹوں پر سوار کر کے تجارتی لونڈیوں کی طرح شام بھیج دیا۔ یہاں تک کہ ہم نے ان پر خروج کیا اور ہم نے تمہارا معاوضہ طلب کیا۔ چنانچہ تمہارے خونوں کا بدلہ ہم نے لیا اور ہم نے تم کو ان کی زمین و جائیداد کا

مالک بنایا۔ ہم نے تمہارے بزرگوں کو فضیلت دی اور معزز بنایا۔ کیا تم ان کے ذریعے ہم کو ملزم بنانا چاہتے ہو؟ شاید تم کو یہ دھوکا لگا ہے کہ تمہارے باپ کا حمزہؓ، عباسؓ، جعفر پر مقدم ہونے کی وجہ سے ہم ذکر کیا کرتے تھے۔ حالانکہ جو کچھ تم نے سمجھا ہے وہ بات نہیں ہے۔ یہ لوگ تو دنیا سے ایسے صاف گئے کہ سب لوگ ان کے مطیع تھے اور ان کے افضل ہونے کے قائل تھے۔

مگر تمہارا باپ جدال و قتال میں مبتلا کیا گیا۔ بنو اُمیہ ان پر اسی طرح لعنت کرتے تھے جیسے کفار پر نماز فرائض میں ادا کی جاتی ہے۔ بس ہم نے جھگڑا کیا، ان کے فضائل بیان کئے، بنو اُمیہ پر سختی کی اور ان کو سزا دی۔ تم کو معلوم ہے کہ ہم لوگوں کی بزرگی جاہلیت میں حجاج کو پانی پلانے کی وجہ سے تھی۔ اور یہ بات تمام بھائیوں میں صرف عباسؓ ہی کو حاصل تھی۔ تمہارے باپ نے اس کے متعلق ہم سے جھگڑا کیا۔ فاروقِ اعظمؓ نے ہمارے حق میں فیصلہ دیا۔ پس اس کے مالک جاہلیت اور اسلام میں ہم ہی رہے۔ اس کے علاوہ جن دنوں مدینہ میں قحط پڑا تھا، فاروقِ اعظمؓ نے اپنے رب سے پانی مانگنے میں ہمارے ہی باپ کے ذریعہ توسل کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے مینہ برسایا تھا۔ حالانکہ تمہارے باپ اس وقت موجود تھے، ان کا توسل نہیں کیا۔

کیا تم جانتے ہو کہ حضورؐ نے وفات پائی تو بنی عبدالمطلب میں کوئی شخص سوائے عباسؓ کے باقی نہ تھا۔ پس وراثت چچا کی طرف منتقل ہو گئی۔ پھر بنی ہاشم میں سے کئی شخصوں نے خلافت کی خواہش کی مگر سوائے عباسؓ کی اولاد کے کوئی کامیاب نہ ہوا۔

سقایت تو ان کی تھی ہی، نبی کی میراث بھی ان کی طرف منتقل ہو گئی اور خلافت ان کی اولاد میں آ گئی۔ غرض دنیا و آخرت اور جاہلیت اور اسلام کا کوئی شرف باقی نہ رہا جس کے وارث و مورث عباس نہ ہوں۔ جب اسلام چھایا ہوا ہے تو عباسؓ اس وقت ابوطالب اور ان کی اولاد کے کفیل تھے اور قحط کی حالت میں ان کی دست گیری کرتے تھے۔ اگر بدر میں

عباس کو با کراہ نہ نکالا جاتا تو طالب و عقیل بھو کے مر جاتے اور عتبہ و شیبا
کے برتن چاٹتے رہتے۔ لیکن عباسؓ اُن کو کھانا کھلا رہے تھے۔ انہوں نے
ہی تمہاری آبرو رکھی، غلامی سے بچایا، کھانے کپڑے کی کفالت کرتے
رہے۔ پھر جنگ بدر میں عقیل کو فدیہ دے کر چھڑایا۔

بس تم ہمارے سامنے کیا تفاخر جتاتے ہو؟ ہم نے تمہارے عیال کی
کفر میں بھی خبر گیری کی، تمہارا فدیہ دیا، تمہارے بزرگوں کی ناموس کو بچایا
اور ہم خاتم الانبیاء ﷺ کے وارث ہوئے۔ تمہارا بدلہ بھی ہم نے لیا۔ اور
جس چیز سے تم عاجز ہو گئے تھے اور حاصل نہ کر سکے، اس کو ہم نے حاصل
کر لیا۔''

مؤرخین لکھتے ہیں کہ تفاخر نفسی کے معاملے میں بے شک محمد مہدی کی طرف سے
ابتداء ہوئی تھی اور منصور نے جو کچھ لکھا، جواباً لکھا تھا مگر منصور اس جواب میں حد سے
بڑھ گیا۔ محمد مہدی نے حضرت عباسؓ کی نسبت کچھ نہیں لکھا تھا۔ منصور نے بلاوجہ حضرت
علیؓ کی شان میں گستاخانہ کلمات لکھے۔ منصور نے یہ بھی سخت بہتان باندھا کہ حضرت علیؓ
نے حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو خلافت حاصل کرنے کے لئے دن کے وقت باہر نکالا۔
حضرت امام حسنؓ کی شان میں بھی منصور نے بڑی بدتمیزی اور گستاخی کی۔ انہوں نے
خلافت کو فروخت نہیں کیا بلکہ انہوں نے مسلمانوں کے دو گروہوں میں جو آپس میں
لڑتے تھے، اتفاق و صلح کو قائم کر کے حضور ﷺ کی ایک پیش گوئی کو پورا کیا تھا۔

حضرت عباسؓ نے ضرور حضرت ابوطالب کی امداد کی تھی اور عقیل کو اپنے پاس رکھ
کر پرورش کرتے رہے تھے لیکن ایسی باتوں کا زبان پر لانا اور طعنے دینا شرفاء کا کام
نہیں بلکہ اس قسم کے احسانات کو زبان پر لانا کمینہ پن کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ منصور
نے ان باتوں کو زبان پر لا کر اپنی کمتری کا اظہار کر دیا تھا۔

بہرحال محمد مہدی نے مدینہ کے انتظام سے فارغ ہو کر محمد بن حسن بن معاویہ بن
عبداللہ بن جعفر کو مکہ کی طرف روانہ کیا۔ قاسم بن اسحاق کو یمن کی حکمرانی پر اور موسیٰ بن
عبداللہ کو شام کا عامل مقرر کر کے رخصت کیا۔ چنانچہ محمد بن حسن اور قاسم بن اسحاق
دونوں مدینہ سے ساتھ ہی روانہ ہوئے۔ مکہ کے عامل نے مقابلہ کر کے شکست کھائی اور
محمد بن حسن مکہ پر قابض ہو گیا۔

منصور نے مندرجہ بالا خط روانہ کرنے کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ کو محمد مہدی سے جنگ
کرنے کے لئے روانہ کیا۔ عیسیٰ کے ساتھ محمد بن سفاح، کثیر بن عبدی اور حمید بن قاتبہ
کو بھی روانہ کیا۔ روانگی کے وقت عیسیٰ بن موسیٰ اور دوسرے سرداروں کو یہ تاکید کر دی
کہ اگر تم کو محمد مہدی پر کامیابی ہو جائے تو ان کو امان دے دینا اور قتل نہ کرنا اور اگر وہ
روپوش ہو جائیں تو اہلِ مدینہ کو گرفتار کر لینا۔ وہ ان کے حالات سے خوب واقف ہیں۔
آلِ ابو طالب میں سے جو شخص تمہاری ملاقات کو آئے اس کا نام لکھ کر میرے پاس بھیج
دینا اور جو شخص نہ ملے اس کا مال و اسباب ضبط کر لینا۔

چنانچہ عیسیٰ بن موسیٰ لشکر لے کر روانہ ہوا۔ سید کے مقام پر پہنچا تو اس نے ایک
قاصد کے ذریعہ خط بھیج کر مدینہ کے چند اشخاص کو اپنے پاس طلب کیا۔ چنانچہ عبداللہ
بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب ان کے بھائی عمر بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب
اور ابوعقیل بن محمد بن عبداللہ بن عقیل مدینہ سے نکل کر عیسیٰ کی طرف روانہ ہوئے۔

دوسری طرف محمد مہدی کو جب منصور کے سالار عیسیٰ بن موسیٰ کے آنے کی خبر پہنچی تو
اس نے اپنے مصاحبوں سے مشورہ کیا کہ ہم کو مدینہ سے نکل کر مقابلہ کرنا چاہئے یا
مدینہ میں رہ کر مدافعت کرنی چاہیے؟

اس موقع پر مشیروں میں اختلافِ رائے ہوا تو محمد مہدی نے حضورؐ کی پیروی کے
خیال سے اتنی خندقیں کھودنے کا حکم دیا جنہیں حضورؐ نے غزوۂ احزاب میں کھدوایا تھا۔

اسی اثناء میں عیسیٰ بن موسیٰ نے اووز کے مقام پر پہنچ کر اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ
کیا۔ محمد مہدی نے مدینہ والوں کو باہر نکل کر مقابلہ کرنے سے منع کر دیا تھا اور کوئی شخص
مدینہ سے باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ لیکن جب عیسیٰ بن موسیٰ مدینہ کے قریب پہنچا تو محمد
مہدی نے مدینہ سے نکلنے کی اجازت دے دی۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہ محمد مہدی کی
بہت بڑی غلطی تھی کہ پہلے امتناعی حکم کو منسوخ کر دیا۔ چنانچہ اہلِ مدینہ کا ایک جم غفیر مع
اہل و عیال نکل کر بغرضِ حفاظت باہر کی طرف چلا گیا اور مدینہ میں بہت ہی تھوڑے
آدمی محمد بن مہدی کے پاس رہ گئے۔

اس وقت ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور ان لوگوں کو واپس لانے کے لئے آدمی
بھیجے مگر وہ واپس نہ آئے۔ عیسیٰ نے اووز کے مقام سے کوچ کیا اور مدینہ منورہ سے چار
میل کے فاصلے پر اپنے لشکر کے ساتھ جا پڑاؤ کیا اور اپنے لشکر کا ایک دستہ مکہ کی طرف

جانے والی شاہراہ پر بھی متعین کر دیا تھا۔

یہ اُس نے اس لئے کیا تھا کہ جب اُس کے ہاتھوں محمد مہدی کو شکست ہو تو وہ مکہ کی طرف نہ بھاگ سکے۔ اس کے بعد محمد مہدی کے پاس پیغام بھیجا کہ خلیفہ منصور تم کو امان دیتے ہیں اور کتاب و سنت کے فیصلے کی طرف بلاتے ہیں اور بغاوت کے انجام سے ڈراتے ہیں۔

محمد مہدی نے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں ایک ایسا شخص ہوں جو قتل کے خوف سے کبھی نہیں بھاگا۔

چنانچہ یہ جواب پا کر 12 رمضان 145ھ کو عیسیٰ بن موسیٰ مزید مدینہ کی طرف آگے بڑھا اور جرف کے مقام پر جا کر اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن ہوا۔ 14 رمضان کو اس نے ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر بلند آواز میں کہا۔

''اے اہلِ مدینہ! میں تم کو امان دیتا ہوں۔ بشرطیکہ کہ تم میرے اور محمد مہدی کے درمیان حائل نہ ہو جاؤ اور غیر جانبدار ہو جاؤ۔''

اہلِ مدینہ اس آواز کو سن کر گالیاں دینے لگے۔ چنانچہ عیسیٰ واپس چلا گیا۔

دوسرے دن پھر اس مقام پر لڑائی کے ارادے سے گیا اور اپنے سرداروں کو مدینہ کے چاروں طرف پھیلا دیا۔ محمد مہدی بھی مقابلے کے لئے میدان میں نکلا، اس کا علم عثمان بن محمد بن خالد بن زبیر کے ہاتھ میں اور اس کا شعار احد، احد تھا۔ محمد مہدی کی طرف سے ابوغلمش سب سے پہلے میدان میں نکلا اور انفرادی مقابلہ کے لئے للکارتے ہوئے اپنا مدِ مقابل طلب کیا۔

عیسیٰ کی طرف سے یکے بعد دیگرے کئی نامور بہادر اُس کے مقابلے کو نکلے اور سب مارے گئے۔ اس کے بعد جنگ شروع ہوئی۔ طرفین سے بہادری کے نہایت اعلیٰ اور انتہائی عمدہ نمونے دکھائے گئے۔ لڑنے والے دونوں لشکروں کے سپہ سالاروں نے بھی شمشیر زنی اور صف شکنی میں حیرت انگیز جوانمردی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد عیسیٰ کے حکم سے حمید بن قاتبہ نے پیادوں کو لے کر خندق کے قریب کی دیوار کا رخ کیا۔ محمد مہدی کے ہمراہیوں نے تیر اندازی سے روکنا چاہا مگر حمید نے اس تیر اندازی میں اپنے آپ کو مستقل رکھ کر پیش قدمی جاری رکھی اور بڑی مشکل سے دیوار پر پہنچ کر اس کو منہدم کر دیا اور خندق کو بھی طے کر کے محمد مہدی کے لشکر کے ساتھ دست بدست جنگ

شروع کر دی۔

اس طرح عیسیٰ کو بھی موقع مل گیا۔ اس نے کئی مقام پر خندق کو پاٹ کر راستے بنا دیئے اور سوارانِ لشکر خندق کو عبور کر کے محمد مہدی کے لشکر پر حملہ آور ہوئے اور بڑے گھمسان کی لڑائی ہونے لگی۔

محمد مہدی کا لشکر تھوڑا ہی تھا اور حملہ آور لشکر تعداد میں زیادہ تھا اور سامانِ حرب اور اسلحہ جنگ سے خوب آراستہ تھا مگر صبح سے لے کر نمازِ عصر تک برابر تلواریں چلتی رہیں۔

محمد مہدی نے اپنے ہمراہیوں کو عام اجازت دے دی کہ جس کا جی چاہے اپنی جان بچا کر چلا جائے۔ محمد مہدی کے ہمراہیوں نے بار بار اصرار کیا کہ اس وقت آپ اپنی جان بچا کر بصرہ یا مکہ کی طرف چلے جائیں، پھر سامان و جمعیت فراہم کر کے میدانِ جنگ کا رُخ کریں۔

مگر محمد مہدی نے ہر ایک کو یہی جواب دیا کہ تم اگر اپنی جان بچانا چاہو تو چلے جاؤ لیکن میں دشمن کے مقابلے سے فرار نہیں ہوں گا۔ آخر محمد مہدی کے ہمراہ کل تین سو آدمی رہ گئے۔ اس وقت ان کے ہمراہیوں میں سے عیسیٰ بن خزیر نے جا کر اس کتاب کو جس میں بیعت کرنے والوں کے نام درج تھے، جلا دیا اور زندان میں پہنچ کر مدینہ کے سابق حکمران رباح بن عثمان اور اس کے بھائیوں کو قتل کیا۔

یہ کام کر کے عیسیٰ بن خزیر محمد مہدی کے پاس آ کر پھر لڑنے لگا۔ اب محمد مہدی کے ہمراہیوں نے اپنی سواریوں کے پاؤں کاٹ ڈالے اور تلواروں کے نیام توڑ کر پھینک دیئے۔ مرنے مارنے پر قسمیں کھا کر دشمن پر حملہ آور ہوئے۔ یہ حملہ ایسا سخت اور ہیبت ناک تھا کہ عیسیٰ کے لشکری پسپا ہو کر بھاگے مگر چند آدمی اس کے لشکر میں سے پہاڑ پر چڑھ گئے اور پہاڑ کی دوسری طرف اُتر کر مدینہ میں آئے اور ایک عباسیہ عورت کی سیاہ اوڑھنی لے کر اس کو مسجد کے مینارے پر پھریرے کے طور پر اُڑا دیا۔ یہ حالت دیکھ کر محمد مہدی کے ہمراہیوں کے اوسان خطا ہو گئے اور یہ سمجھ کر کہ عیسیٰ کی فوج نے مدینہ پر قبضہ کر لیا ہے، پیچھے کو لوٹے۔

اس طرح عیسیٰ کے مفرور لشکریوں کو موقع مل گیا اور سمٹ کر پھر مقابلے پر آ گئے۔ اس کے لشکر کی ایک جماعت بنو غفار کے محلّہ کی طرف سے مدینہ میں داخل ہو کر مدینہ کی طرف سے محمد مہدی کے مقابلہ کو نکل آئے۔ یہ تمام صورتیں بالکل خلافِ اُمید واقع

ہوئیں۔ محمد مہدی کو یہ بھی اُمید نہ تھی کہ بنوغفار دشمنوں کو راستہ دے دیں گے۔ یہ دیکھ کر محمد مہدی نے آگے بڑھ کر حمید بن قاتبہ کو مقابلہ کے لئے للکارا لیکن حمید ان کے مقابلہ پر نہ آیا۔ محمد مہدی کے ہمراہیوں نے پھر دشمنوں پر حملہ کیا، جانبازی سے لڑے۔

اس موقع پر عیسیٰ بن موسیٰ نے پھر آگے بڑھ کر محمد مہدی کو پکارا اور کہا۔

''میں تم کو امان دیتا ہوں۔ تم لڑنا چھوڑ دو۔''

لیکن محمد مہدی اور اس کے ساتھیوں نے مطلقاً اس کی طرف توجہ نہ کی اور برابر معروف قتال رہے۔ آخر لڑتے لڑتے زخموں سے چُور ہو کر محمد مہدی اپنے ایک ساتھی عیسیٰ بن خزیہ کی لاش پر لڑنے لگے۔ عیسیٰ بن موسیٰ کے لشکری ہر چار طرف سے ان پر حملہ آور ہو رہے تھے اور وہ بڑی بہادری سے حملہ آوروں کو جواب دیتے اور پسپا کر رہے تھے۔ محمد مہدی نے اس وقت وہ بہادری دکھائی اور اپنی شجاعت اور سپہ گری کی وہ دھاک بٹھائی کہ عیسیٰ بن موسیٰ کے لشکر میں کسی کو ان کے مقابلے کی تاب نہ تھی۔ آخر ایک شخص نے پیچھے سے لپک کر ان کی کمر میں ایک نیزہ مارا۔ اس زخم کے صدمہ سے وہ جونہی ذرا جھکے تو خلیفہ منصور کے سالار حمید بن قاتبہ نے آگے بڑھ کر ان کے سینہ پر نیزہ مارا۔ آگے اور پیچھے سے جب دو نیزے جسم کے پار ہو گئے تو وہ زمین پر گر پڑے۔ اس کے بعد حمید بن قاتبہ نے فوراً آگے بڑھ کر اور گھوڑے سے اُتر کر محمد مہدی کا سر قلم کر دیا اور عیسیٰ بن موسیٰ کے پاس گیا۔

یوں عیسیٰ بن موسیٰ کا مدینہ پر تسلط ہو گیا تھا۔ عیسیٰ بن موسیٰ نے محمد مہدی کا سر اور فتح کا بشارت نامہ محمد بن ابی الکرام بن عبداللہ بن علی بن عبداللہ جعفر اور قاسم بن حسن بن زید بن حسن بن علی بن ابی طالب کے ہاتھ منصور کی خدمت میں روانہ کیا۔

یہ حادثہ 15 رمضان 145ھ کو عصر اور مغرب کے درمیان وقوع پذیر ہوا۔ محمد بن مہدی کی لاش کو عیسیٰ بن موسیٰ نے مدینہ کے نواح میں سُولی پر لٹکا دیا۔ اُن کی بہن زینب نے اجازت حاصل کر کے لاش کو لے کر بقیع میں دفن کر دیا۔

اس لڑائی میں محمد مہدی کا بھائی موسیٰ بن عبداللہ بن حمزہ بن عبداللہ بن محمد بن علی بن حسین اور پسران حسن بن زید محمد مہدی کے ساتھ تھے۔ تعجب کی بات ہے کہ آخر الذکر علی اور زید کے باپ حسن بن زید بن حسن منصور کے مددگار تھے۔ اس طرح بہت سے ہاشمی اور علوی ایسے تھے۔ باپ ایک طرف معروف جنگ ہے تو بیٹا دوسری طرف لڑ

رہا ہے۔ ایک علویوں کا ساتھ دے رہا ہے، دوسرا عباسیوں کے ساتھ ہے۔ غالباً بنو اُمیہ کے قتل اور ان کی بربادی کے نظارے دیکھ کر بہت سے علوی سہم گئے تھے۔ جیسا کہ علی بن حسین یعنی زین العابدین کربلا کا نظارہ دیکھ کر اتنے متاثر تھے کہ کبھی بنو اُمیہ کے خلاف کوئی کام نہیں کیا۔ اور بنو اُمیہ کی حمایت و موافقت کا اظہار کرتے رہے۔ اسی طرح علویوں کے بااثر افراد بھی بنو عباس کی مخالفت کو موجب تباہی جاننے لگے تھے۔

محمد مہدی کی شکست و ناکامی اور ان کے خاتمہ کی وجہ یہ ہوئی کہ خود ان کے خاندان والوں نے ان کا ساتھ نہیں دیا اور اہلِ خاندان کے ساتھ نہ دینے کا یہ اثر ہوا کہ وہ بہت سے لوگ ان سے الگ رہے۔ چنانچہ محمد مہدی نے جس وقت مدینہ میں لوگوں سے بیعت لی تھی اور مدینہ کے حاکم جسے منصور عباسی نے مقرر کیا تھا اور نام جس کا رباح بن عثمان تھا، اس کو قید کر کے اپنی خلافت کا اعلان کیا تو اسمٰعیل بن عبداللہ بن جعفر کو بھی، جو معمر آدمی تھے بیعت کے لئے بلوایا۔ انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا۔

''بھتیجے! تم مارے جاؤ گے۔ میں تمہاری بیعت کیسے کروں؟''

اسمٰعیل بن عبداللہ کے اس جواب کو سن کر بعض اشخاص جو بیعت کر چکے تھے، پھر گئے۔ اس پر حمادہ بنت معاویہ نے اسمٰعیل بن عبداللہ کے پاس آ کر کہا۔

''آپ کے اس کلام سے بہت سے آدمی محمد مہدی سے جدا ہو گئے ہیں مگر میرے بھائی ابھی تک اُن کے ساتھ ہیں۔ مجھ کو ڈر ہے کہ کہیں وہ بھی نہ مارے جائیں۔''

الغرض رشتہ داروں اور خاندان والوں کی علیحدگی نے محمد مہدی کو زیادہ طاقتور نہ ہونے دیا ورنہ بہت زیادہ ممکن تھا کہ خلافت پھر ان کی اولاد میں چلی جاتی۔ محمد مہدی اس وقت طرح دے جاتے اور مدینہ سے بچ کر نکل جاتے یا خروج میں ابھی جلدی نہ کرتے اور اپنے بھائی ابراہیم کے خروج کا انتظار کر کے دونوں بھائی ایک ہی وقت میں نکلتے تو بھی کامیابی کی اُمید تھی مگر منصور اور خاندانِ عباسیہ کی خوش قسمتی تھی کہ عباسی لشکر کو محمد اور ابراہیم دونوں کا مقابلہ یکے بعد دیگرے کرنا پڑا۔ اس طرح ان دونوں بھائیوں کی طاقت تقسیم ہو گئی اور فائدہ بنو عباس کو ہوا۔

اب محمد مہدی کا بھائی ابراہیم بن عبداللہ رہ گیا تھا۔ منصور جس زمانے میں بغداد کی تعمیر کا معائنہ کرنے کو آیا تھا، اسی زمانے میں ابراہیم بن عبداللہ برادر محمد مہدی پوشیدہ طور پر وہاں آیا تھا۔ وہاں سے نکل کر وہ کوفہ چلا گیا تھا اور منصور نے اُس کی گرفتاری

کے لئے بڑی کثرت سے ہر شہر میں اپنے جاسوس اور مخبر پھیلا دیئے تھے۔
منصور کو جب یہ معلوم ہوا کہ مرنے والے محمد مہدی کا بھائی ابراہیم بصرہ میں ہے تو اُس نے بصرہ کے ہر ایک مکان پر ایک جاسوس مقرر کرایا۔ حالانکہ ابراہیم بن عبداللہ کوفہ میں سفیان بن ہبان کے مقام پر مقیم تھا۔ یہ بات بھی مشہور تھی کہ سفیان ابراہیم کا بہت گہرا دوست تھا۔
جاسوسی کی کثرت دیکھ کر سفیان گھبرایا اور اُس نے ابراہیم کو صاف نکال دینے کی یہ تدبیر سوچی کہ منصور کے پاس پہنچا اور کہا کہ آپ میرے اور میرے غلاموں کے لئے پروانۂ راہ داری لکھ دیں اور ایک دستہ لشکر میرے حوالے کر دیں۔ میں ابراہیم کو جہاں وہ ہوگا، گرفتار کر کے لے آؤں گا۔
منصور نے فوراً پروانۂ راہ داری لکھ کر اسے دے دیا اور ایک مسلح دستہ بھی اس کے ساتھ کر دیا۔ سفیان اپنے گھر آیا اور گھر کے اندر جا کر ابراہیم کو اپنے غلاموں کا لباس پہنا کر اور غلاموں کو ساتھ لے کر معہ اس محافظ دستہ کے کوفہ سے روانہ ہوا۔
بصرہ میں جا کر کچھ مکانوں پر دو دو، چار چار لشکری مقرر کرتا گیا۔ اس طرح اُس محافظ دستے کے لشکری جب تقسیم ہو گئے اور جب آخر میں صرف سفیان اور ابراہیم رہ گئے تو ابراہیم کو اہواز کی طرف روانہ کر کے خود بھی روپوش ہو گیا۔
بصرہ میں ان دنوں حاکم سفیان بن معاویہ تھا۔ اس کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو اس نے لشکریوں کو جو جابجا منتشر اور متعین تھے، ایک جگہ جمع کیا اور ابراہیم بن عبداللہ سفیان کی جستجو شروع کی مگر کسی کو نہ پا سکا۔
دوسری طرف اہواز شہر کا حاکم محمد بن حسین تھا۔ ابراہیم جب اہواز پہنچا تو حسن بن حبیب کے مکان میں فروکش ہوا۔ اہواز کے حاکم کو اتفاقاً جاسوسوں کے ذریعے معلوم ہو گیا کہ ابراہیم اہواز میں داخل ہو چکا ہے۔ وہ بھی اس کی تلاش اور جستجو میں مصروف رہنے لگا۔
ابراہیم عرصۂ دراز تک حسن بن حبیب کے مکان میں چھپا رہا۔ لوگوں کو اپنی دعوت میں شریک بھی کرتا رہا۔ 145ھ میں بصرہ سے یحییٰ بن زیاد بن حیان نے ابراہیم کو اہواز سے بصرہ میں بلایا اور بڑی سرگرمی سے لوگوں کو ان کے مرنے والے بھائی محمد مہدی کی بیعت کی طرف بلانا شروع کر دیا۔

اہلِ علم اور با اثر لوگوں کی ایک بڑی جماعت نے بیعت کر لی۔ یوں چار ہزار افراد کے نام بصرہ میں بیعت کرنے والوں کے لکھے گئے۔
اسی عرصہ میں ابراہیم کے بھائی محمد مہدی نے مدینہ میں خروج کیا تھا اور ابراہیم کو لکھا تھا کہ تم بھی بصرہ میں خروج کرو۔ منصور نے چند سرداروں کو احتیاطاً بصرہ میں بھیج دیا تھا کہ اگر اس طرف سے کوئی خطرہ بغاوت کا پیدا ہو تو بصرہ کے عامل سفیان بن معاویہ کی مدد کریں۔
اگر ابراہیم محمد مہدی کے لکھنے کے مطابق اُسی وقت خروج کر دیتا تو یقیناً منصور کے ہاتھوں پاؤں پھول جاتے اور ابراہیم اور محمد دونوں بھائیوں کو بہت تقویت حاصل ہوتی۔ لیکن اُس وقت ابراہیم بصرہ میں بیمار ہو گیا تھا اور بیماری کی وجہ سے اُس نے خروج میں تامل کیا۔
منصور جب محمد مہدی کے مقابلہ کے لئے لشکر روانہ کر چکا تو یکم رمضان 145ھ کو ابراہیم نے بصرہ میں خروج کیا اور سفیان بن معاویہ اور ان سرداروں کو جو اس کی مدد کے لئے آئے ہوئے تھے، گرفتار کر کے قید کر دیا۔ جعفر محمد پسرانِ سلیمان بن علی یعنی منصور کے چچا زاد بھائی چھ سو آدمیوں کے ساتھ بصرہ سے باہر قیام کئے ہوئے تھا۔ یہ بھی منصور کے بھیجے ہوئے تھے۔ ان دونوں بھائیوں نے ابراہیم کے خرج کا حال سنتے ہی حملہ کیا۔ ان چھ سو آدمیوں کے مقابلہ پر ابراہیم آئے اور ان کو شکست دے کر بھگا دیا۔ ابراہیم نے تمام بصرہ پر قابض ہو کر لوگوں سے بیعت عام لی اور امان کی منادی کرا دی۔ پھر بیت المال سے بیس لاکھ درہم برآمد کرا کر پچاس پچاس درہم ہر ایک امراہی کو تقسیم کئے، پھر اپنے ایک ساتھی مغیرہ کو لشکر دے کر اہواز کی طرف روانہ کیا۔
چنانچہ اہواز کا حاکم مقابلہ کے لئے نکلا لیکن شکست کھائی اور مغیرہ نے اہواز پر قبضہ کر لیا۔
اس کامیابی کے بعد ابراہیم نے ایک شخص عمرو بن شداد کو فارس کی طرف بھیجا اور وہاں کے حاکم اسمٰعیل بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب اور اس کے بھائی عبدالصمد نے مقابلہ کیا مگر شکست کھائی۔
یوں ابراہیم نے عمرو بن شداد کو لشکر دے کر فارس کی طرف روانہ کیا تھا، اسے کامیابی ہوئی اور فارس پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد ابراہیم نے ایک شخص ہارون بن شمس

عجلی کو واسط شہر کی طرف روانہ کیا۔ اسے بھی ایک لشکر دیا۔ ہارون نے منصور کے حاکم ہارون بن حمید کو شکست دے کر واسط پر قبضہ کر لیا۔

الغرض جس روز مدینہ میں محمد مہدی اور عیسیٰ بن موسیٰ کے لشکریوں میں لڑائی ہوئی اور محمد مہدی مارے گئے۔ اس روز تک بصرہ، فارس، واسط اور عراق کا بڑا حصہ منصور کے قبضہ سے نکل چکا تھا۔ اب ابراہیم اور ان کے لشکر شام کی طرف متوجہ ہونے والے تھے۔ دوسری طرف کوفہ والے بھی کسی تبدیلی کے منتظر بیٹھے تھے اور منصور کی حکومت کے باقی رہنے کی کوئی صورت دکھائی نہ دیتی تھی۔ ابراہیم نے یکم رمضان کو بصرہ میں خروج کیا تھا۔ آخر رمضان تک برابر فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ رمضان کے ختم ہوتے ہی ابراہیم کے پاس خبر پہنچی کہ محمد مہدی یعنی اس کا بھائی قتل ہو گیا ہے۔ ابراہیم نے عیدالفطر کی نماز پڑھ کر اس خبر کا اعلان کیا۔ یہی خبر لوگوں کے پاس بھی جو دوسرے علاقوں سے منصور کے عاملوں سے لڑنے اور ان کو مغلوب اور خارج کرنے میں مصروف تھے، پہنچی۔ اس خبر کا پہنچنا تھا کہ سب کے جوش سرد پڑ گئے اور منصور کے سرداروں اور عاملوں میں ایک تازہ ہمت پیدا ہو گئی۔

بصرہ والوں نے اس خبر کو سن کر محمد مہدی کی جگہ ابراہیم کو جو اُن میں موجود تھے، خلیفہ تسلیم کیا اور پہلے سے زیادہ جوش و ہمت دکھانے پر آمادہ ہوئے۔ ابراہیم کے ہمراہیوں میں بہت سے لوگ بصرہ میں کوفہ والے بھی تھے۔ بصرہ والوں کی یہ رائے تھی کہ بصرہ ہی کو دارالخلافہ اور مرکزِ حکومت قرار دے کر اطراف میں لشکر بھیجے جائیں اور انتظام کا کام سرانجام دیا جائے۔

مگر کوفہ والوں نے اس سے اختلاف کر کے اس سے یہ رائے ظاہر کی کہ ابراہیم کو لشکر لے کر خود کوفہ کی طرف حملہ آور ہونا چاہئے۔ کوفہ والے اس کے منتظر اور چشم براہ تھے۔ ابراہیم نے اہلِ کوفہ کی رائے سے اتفاق کیا اور اپنے لڑکے حسن کو بصرہ میں اپنا نائب بنا کر کوفہ کی طرف روانگی کا عزم کیا۔

یہ خبر کوفہ میں منصور کو پہنچی تو بہت مضطرب ہوا اور اس نے فوراً تیز رفتار قاصد عیسیٰ بن موسیٰ کے پاس روانہ کئے کہ جس قدر جلد ممکن ہو اپنے آپ کو کوفہ پہنچاؤ۔

ساتھ ہی خراسان میں اپنے بیٹے مہدی کو لکھا کہ فوراً فارس پر حملہ کر دو۔ اس طرح ہر ایک عامل کو جو خطرے سے محفوظ تھا اپنی طرف بلایا۔ جس کے قریب ابراہیم کا کوئی

سردار تھا، اس کو لکھا کہ تم مقابلہ میں ہمت سے کام لو۔

یوں ہر طرف سے لشکر بڑی سرعت کے ساتھ منصور کی طرف آنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک لاکھ کا لشکر کوفہ میں آ کر جمع ہو گیا۔ ابراہیم کے حملے کی خبر سن کر منصور نے پچاس روز تک کپڑے نہیں بدلے اور مصلے پر ہی بیٹھا رہا۔ اُدھر ابراہیم بن عبداللہ ایک لاکھ لشکر کے ساتھ کوفہ سے تیس چالیس میل کے فاصلے پر پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔

اُدھر عیسیٰ بن موسیٰ اپنے لشکر کے ساتھ کوفہ کی طرف بڑھا۔ منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ کو ابراہیم کی لڑائی پر روانہ کیا تھا اور حمید بن قاتبہ کو مقدمۃ الجیش کا سالار بنایا۔

ابراہیم کو اس کے ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ لشکر گاہ کے گرد خندق کھدوا لو۔ پر ابراہیم کے ہمراہیوں نے کہا کہ ہم مغلوب نہیں بلکہ غالب ہیں لہٰذا خندق کھودنے کی کیا ضرورت ہے۔

ان ہمراہیوں نے ابراہیم کو مشورہ دیا کہ دستہ دستہ لشکری لڑانے چاہئیں تاکہ ایک دستے سے شکست خوردہ ہونے پر دوسرا تازہ دم دستہ مدد کو بھیج دیا جائے۔ مگر ابراہیم نے اس کو ناپسند کر کے اسلامی قاعدے کے مطابق صف بندی کر کے لڑائی کا حکم دیا۔

چنانچہ لڑائی شروع ہوئی۔ یوں عیسیٰ بن موسیٰ اور ابراہیم کے درمیان ٹکراؤ شروع ہو گیا۔ قریب تھا کہ ابراہیم، عیسیٰ بن موسیٰ کو شکست دے دیتا لیکن عباسیوں کا ایک لشکر اچانک ابراہیم کی پشت کی طرف سے نمودار ہوا اور عقب سے حملہ آور ہوا۔ چنانچہ ابراہیم کے لشکری اس اچانک حملے سے گھبرا کر اُن تازہ حملہ آوروں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ چنانچہ اس میں عیسیٰ بن موسیٰ نے فوراً اپنے لشکریوں کو سنبھالا دے کر اپنے ساتھی حمید بن قاتبہ کے ساتھ زوردار حملے شروع کر دیئے۔

اس طرح ابراہیم کا لشکر بیچ میں گھر گیا اور حملہ آوروں نے اُس کے لئے میدان کو تنگ کرنا شروع کر دیا تھا۔

اس دوطرفہ حملے کی وجہ سے ابراہیم کے لشکری جی کھول کر مقابلہ بھی نہ کر سکے۔ اس کے علاوہ جب عباسیوں نے دوطرف سے حملے شروع کئے تب ابراہیم کے لشکر میں ایک طرح کی بے ترتیبی اور افراتفری بھی نمودار ہونا شروع ہو گئی تھی اور اسی افراتفری کی وجہ سے ابراہیم کے کچھ ساتھی اِدھر اُدھر ہٹنے لگے تھے۔ اس طرح ابراہیم کے لشکر میں ایک ہلچل سی برپا ہو گئی تھی۔

دوسری طرف عیسیٰ بن موسیٰ اور پشت کی جانب سے حملہ آور ہونے والے عباسی لشکر نے جب اپنے حملوں میں زور پیدا کیا تو ابراہیم کے ساتھی اُسے میدان میں چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ پھر ایک ایسا موقع بھی آیا کہ جس وقت ابراہیم اپنے سامنے عباسیوں کے دستوں کے ساتھ برسرِ پیکار تھا۔ اس کے اردگرد صرف چار سو جانثار رہ گئے تھے۔

اس صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے عباسیوں کے سالار عیسیٰ بن موسیٰ نے چاروں طرف سے گھیر کر ان کا قتل عام شروع کر دیا تھا۔ اسی دوران ابراہیم کے گلے میں آ کر ایک تیر لگا جو بہت کاری تھا۔ اس موقع پر ان کے بچے کھچے ساتھیوں نے انہیں گھوڑے سے اُتار لیا اور چاروں طرف حلقہ کر کے مقابلہ اور مدافعت کرتے ہوئے بچانا چاہا لیکن عیسیٰ بن موسیٰ کے نائب حمید بن قاتبہ نے اپنی کمانداری میں لڑنے والے لشکریوں کو ان پر حملہ آور ہونے کے لئے للکارا۔ ابراہیم کے ساتھی چونکہ سارے انہیں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ سب کو اپنی اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ لہٰذا کسی نے بھی میدان میں ڈٹ کر مقابلہ نہ کیا۔ اسے چند جانثاروں کے ساتھ چھوڑ کر چلتے بنے۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عیسیٰ بن موسیٰ جو عباسیوں کے نامور سالاروں میں سے تھا، وہ کامیاب اور فتح مند رہا۔ چنانچہ عباسی لشکریوں نے ابراہیم کا سر کاٹ کر عیسیٰ کی خدمت میں پیش کیا۔ عیسیٰ نے کٹا ہوا سر منصور کی خدمت میں بھیج دیا۔ یہ واقعہ 25 ذیقعد 145ھ کو وقوع پذیر ہوا۔ اس کے بعد ابراہیم کے بیٹے حسن کو بصرہ سے گرفتار کر کے قید کیا گیا اور اس کے ساتھ ہی ایک شخص اور ان کے ہمراہی یعقوب بن داؤد کو بھی زندان میں ڈال دیا تھا۔

محمد مہدی اور اُن کے بھائی کے قتل سے فارغ ہو کر منصور نے بصرہ کی حکومت ایک شخص سالم بن قطیبہ علی کو دی اور موصل پر اپنے لڑکے جعفر کو حکمران بنا کر بھیجا۔ اس کے ساتھ حارث بن عبداللہ کو اس کا سپہ سالار مقرر کیا۔

اسی دور میں امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے سلسلے میں عالمِ اسلام کے دو اہم واقعات پیش آئے۔

جہاں تک امام ابوحنیفہ کے حالاتِ زندگی اور منصور کے ساتھ ہونے والے حادثہ کا تعلق ہے تو امام ابوحنیفہ جو تاریخی اوراق میں نعمان ابوحنیفہ بن ثابت ہیں۔ مسلمانوں کے امامِ اعظم۔ اہلِ سنت کا ایک فرقہ انہی کے نام پر حنفی کہلاتا ہے۔ بقول مولانا شبلی

آپ عجمی النسل تھے۔ آپ کے دادا کابل سے آئے تھے اور انہوں نے اسلام قبول کر کے نعمان نام رکھا۔ حضرت علیؓ نے انہیں اور ان کے بیٹے ثابت کو دعائے خیر دی تھی۔

امام ابوحنیفہ کا بچپن ایک پُر شور دور تھا۔ حجاج بن یوسف عراق کا حاکم تھا اور مذہبی تصادم اپنے عروج پر تھا۔ عبدالملک اور اس کے بعد ولید بن عبدالملک کے عہدے داروں میں اکثریت ایسے ہی سفاک اور ظالم قسم کے حکمرانوں کی تھی۔ اس کے بعد سلیمان اور پھر عمر بن عبدالعزیز کے دور میں اسلامی دنیا کو کسی قدر سکون نصیب ہوا۔ ظالم عمال حکومت معزول کر دیئے گئے اور علومِ مذہبی کی طرف خصوصی توجہ دی گئی۔

امام زہری نے احادیث کا مجموعہ مرتب کیا۔ غرضیکہ امام ابوحنیفہ کے لئے اب وہ موقع آیا کہ آپ تحصیل علم کی طرف مناسب توجہ دے سکیں۔ انہی دنوں آپ کوفہ میں ایک قسم کا ریشمی کپڑا بنایا کرتے تھے اور اس کی تجارت کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ امام حماد کے درسوں میں بھی شریک ہوتے تھے۔ یہاں آپ نے علم کلام اور فقہ کی طرف خصوصی توجہ دی۔

امام حماد کے انتقال کے بعد کوفہ میں فقہ پر سب سے زیادہ ممتاز حیثیت کے مالک آپ ہی تھے۔ امام اعظم نے اگرچہ امام حماد کے علاوہ اور علماء سے بھی فقہ کی تعلیم حاصل کی لیکن وہ اس فنِ خاص میں امام حماد ہی کے تربیت یافتہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ امام حماد کی بہت تعظیم کرتے تھے۔ اگرچہ فقہ میں امام موصوف نے زیادہ تر حماد ہی کا حلقہ درس کافی سمجھا تھا۔ لیکن علم حدیث میں یہ قناعت ممکن نہ تھی۔ یہاں صرف ذہانت اور قابلیت سے کام نہیں چل سکتا تھا۔ بلکہ دلائل کے ساتھ روایت کی ضرورت تھی۔ جہاں تک احادیث کا تعلق ہے اس وقت نہایت پریشان اور غریب مرتبت تھیں یہاں تک کہ بڑے بڑے اساتذہ کو بھی دو چار سو سے زائد احادیث یاد نہ تھیں اور یہ تعداد ضروری مسائل کے حل کے لئے بھی ناکافی تھیں۔

علاوہ ازیں طریقۂ روایت میں اس قدر اختلافات پیدا ہو گئے تھے کہ ایک حدیث جب تک متعدد طریقوں سے معلوم نہ ہو سکے، اس کے مفہوم اور تعبیر کا ٹھیک ٹھیک تعین دُشوار تھا۔ امام اعظم کو امام حماد کی صحبت اور پختگی نظر نے ضرورتوں سے اچھی طرح آگاہ کر دیا تھا۔ اس لئے نہایت صحیح اور اہتمام سے حدیثوں کو بہم پہنچانے پر آپ نے توجہ دی۔

تقریباً کوفہ میں ایسا کوئی محدث باقی نہ تھا جس کے سامنے امام اعظم نے زانوئے تلمذ طے نہ کیا ہو۔ آپ کو ان مختلف اور متعدد درس گاہوں سے اگرچہ احادیث کا بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا تاہم تکمیل کی سند حاصل کرنے کے لئے آپ نے مکہ اور مدینہ جانا ضروری سمجھا جو علومِ مذہبی کے اصل اور بڑے مرکز تھے۔

جس زمانہ میں امام ابوحنیفہ مکہ پہنچے، درس و تدریس کا بہت زور تھا۔ عطا بن ابی رباح کا حلقۂ درس سب سے زیادہ وسیع اور مستند تھا۔ امام ابوحنیفہ نے امام موصوف سے استفادہ حاصل کرنے کے لئے ان کی خدمت میں حاضری دی تو عطا بن ابی رباح نے آپ سے پوچھا۔

''تمہارا عقیدہ کیا ہے؟''

اس پر امام ابوحنیفہ کہنے لگے۔

''میں اسلاف کو برا نہیں کہتا۔ گنہ گار کو کافر نہیں سمجھتا۔ قضاء وقدر کا قائل ہوں۔''

عطا بن ابی رباح نے امام ابوحنیفہ کو اجازت دے دی کہ وہ ان کے حلقۂ درس میں شامل ہوا کریں۔

روز بروز ان کی ذہانت کے جوہر ظاہر ہوتے چلے گئے۔ پھر یہ عالم تھا کہ جب وہ حلقۂ درس میں جاتے تو عطا بن ابی رباح آپ کو اپنے پہلو میں جگہ دینے لگے۔ امام اعظم جب مدینہ منورہ پہنچے تو آپ سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب اور سلیمان سے بھی ملے پر ان سے حدیث بھی روایت کیں۔ امام موصوف کی طلبِ علم کی مسافت اگرچہ مدینہ منورہ تک محدود ہے۔ تاہم آپ نے تحصیل علم کا سلسلہ آخر زندگی تک جاری رکھا۔ آپ اکثر حرمین جاتے اور پھر مہینوں وہاں قیام کیا کرتے تھے۔

حج کی تقریب میں ممالکِ اسلامیہ سے ہر گوشہ سے بڑے بڑے اہلِ علم اور صاحبانِ کمال جمع ہوتے تھے۔ امام اعظم اکثر ان لوگوں سے ملتے اور مستفید ہوتے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ آپ کی شہرت دور دور تک پہنچ چکی تھی۔ یہاں تک کہ ظاہر بینوں نے آپ کو قیاس مشہور کر دیا اور انہی دنوں آپ کے شاگرد عبداللہ بن مبارک نے بیروت کا سفر کیا اور امام اوظائی سے فنِ حدیث کی تکمیل کرنے کی غرض کا اعلان کیا۔

پہلی ہی ملاقات میں انہوں نے عبداللہ بن مبارک سے پوچھا۔

''کوفہ میں ابوحنیفہ کون ہے جو دین میں نئی باتیں نکالتا ہے؟''

ابنِ مبارک نے کوئی جواب نہ دیا اور گھر چلے گئے۔ دو تین دن کے بعد پھر گئے تو کچھ اجزاء اپنے ساتھ لیتے گئے۔ امام اوظائی نے وہ اجزاء لے کر پڑھے۔ لکھا تھا:

''کال نعمان ابن ثابت''

دیر تک اس جملے کو دیکھتے رہے، پھر پوچھا۔

''یہ نعمان کون بزرگ ہیں؟''

ابنِ مبارک نے کہا۔

''ایک عرصہ ان کی صحبت میں رہا ہوں۔ جن کو آپ مبتدا بتاتے تھے۔''

امام اوظائی کو اپنی غلطی پر افسوس ہوا۔ حج کے لئے جب امام اوظائی مکہ تشریف لے گئے تو امام ابوحنیفہ سے ملاقات ہوئی۔ اتفاق سے عبداللہ بن مبارک بھی وہاں موجود تھے۔ ان کا بیان ہے کہ امام اعظم نے اس خوبی سے تقریر کی کہ امام اوظائی حیران رہ گئے۔

امام ابوحنیفہ کے جانے کے بعد مجھ سے کہا۔

''اس شخص کے کمال نے اس کو لوگوں کا محسود بنا دیا ہے۔ بلاشبہ میری بدگمانی غلط تھی جس کا مجھے افسوس ہے۔''

تاریخ شاہد ہے کہ امام اعظم نے فنِ حدیث میں امام اوظائی کی شاگردی کی ہے۔ غالباً یہ وہی زمانہ ہے کہ آپ امام اوظائی کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔ حضرت باقر کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ امام ابوحنیفہ دوسری بار مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو آپ امام باقر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے فرمایا۔

''ہاں! احتیاط کی بناء پر احادیث کی مخالفت کرتے ہو؟''

اس پر امام اعظم کہنے لگے۔

''حدیث کی مخالفت کون کر سکتا ہے؟ آپ تشریف رکھیں تو عرض کروں۔''

امام باقر تشریف فرما ہوئے تو ان کے ساتھ امام ابوحنیفہ کی گفتگو کچھ اس طرح شروع ہوئی۔ امام ابوحنیفہ مخاطب ہو کر کہنے لگے۔

''مرد ضعیف ہے یا عورت؟''

امام باقر کہنے لگے۔ ''عورت۔''

امام ابوحنیفہ نے پھر پوچھا۔ ''وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا؟''

امام باقر کہنے لگے۔ ''مرد کا۔''

ابو حنیفہ نے پھر کہا۔ ''میں قیاس لگاتا تو کہتا عورت کو زیادہ حصہ دیا جائے۔ کیونکہ ضعیف کو ظاہر ہے قیاس پر زیادہ ملنا چاہئے۔''

پھر عرض کیا۔ ''نماز افضل ہے یا روزہ؟''

امام باقر نے کہا۔ ''نماز۔''

ابو حنیفہ نے کہا۔ ''اس اعتبار سے حائضہ عورت پر نماز کی قضا واجب ہونی چاہئے نہ روزہ کی۔ حالانکہ میں روزہ ہی کی قضا کا فتویٰ دیتا ہوں۔''

امام اعظم کی اس گفتگو سے امام باقر اس قدر خوش ہوئے کہ اٹھ کر امام اعظم کی پیشانی چوم لی۔ امام ابو حنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے آپ کی خدمت میں رہے اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت سی نادر معلومات حاصل کیں۔ آپ اس خصوصیت سے مشہور ہیں کہ آپ کے شیوخ حدیث بے شمار تھے۔

ابو حافظ کبیر کا دعویٰ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے کم از کم چار ہزار احادیث روایت کی ہیں۔ اُندلس کے سوا اسلامی دنیا کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جو امام ابو حنیفہ کی شاگردی کے تعلق سے آزاد رہا ہو۔ مختصراً یہ کہ آپ کی استادی کی حدود خلیفۂ وقت کی حدودِ مملکت کے برابر تھی۔

عباسی خلافت کا سلسلہ جو اندر ہی اندر ایک مدت سے شروع تھا، آخری اموی خلیفہ مروان کے عہد میں نہایت زور پکڑ گیا تھا۔

ابو مسلم خراسانی نے تمام ملک میں سازشوں کا جال پھیلا دیا اور اُموی سلطنت کی جڑیں ہلا کر رکھ دیں۔ چونکہ زیادہ تر فساد کا مرکز عراق میں بالخصوص کوفہ تھا۔ یہیں پر امام ابو حنیفہ تشریف فرما تھے۔ جب آخری اُموی خلیفہ مروان نے ایک شخص یزید بن عمر بن ہبیرہ کو عراق کا حاکم مقرر کیا تو اس نے امام ابو حنیفہ کو میر منشی اور افسرِ خزانہ مقرر کرنا چاہا۔ لیکن آپ نے صاف انکار کر دیا۔ یزید بن عمر نے کہا کہ جبراً آپ کو منظور کرنا ہو گا۔ آپ کو ہم صحبت بزرگوں نے بھی سمجھایا پر آپ اپنے انکار پر ہی قائم رہے اور فرمایا۔

''اگر یزید بن عمر یہ کہتے کہ مسجدوں کے دروازے گن دو تو بھی مجھے منظور نہیں چہ جائیکہ وہ مسلمانوں کے قتل کا فرمان لکھے اور میں اس پر مہر لگا دوں۔''

یزید بن عمر نے غصہ میں آ کر حکم دیا کہ ہر روز آپ کو دس دُرّے لگائے جائیں

تاوقتیکہ آپ اس عہدے پر رضامند نہ ہو جائیں۔ اس ظالمانہ حکم کی تعمیل ہوتی رہی لیکن امام ابو حنیفہ اپنی ضد سے باز نہ آئے۔ آخر مجبور ہو کر یزید بن عمر نے اپنا حکم واپس لے لیا۔

132ھ میں حکومت نے دوسرا پہلو بدلا یعنی خلافت اُمیہ کا خاتمہ ہو گیا اور تخت و تاج کے وارث بنو عباس ہوئے۔ اس خاندان کے پہلے حکمران ابوالعباس نے چار برس حکومت کی اور 136ھ میں اس کا بھائی المنصور عباسی ہی تخت نشین ہوا۔

سفاح اور منصور اعتدال کی حدود سے دور نکل گئے تھے۔ خاص طور پر منصور نے یہ ستم کیا کہ اُس نے علویوں کی بیخ کنی شروع کر دی۔ آخر تنگ آ کر محمد نفس ذکیہ محمد مہدی نے مدینہ منورہ میں خروج کیا اور نہایت بہادری سے لڑ کر جنگ میں کام آ گئے تو ان کے بھائی ابراہیم نے علم بغاوت بلند کیا۔ امام ابو جعفر نے بھی ابراہیم کی تائید کی اور بجز اس کے کہ جنگ میں شریک نہ ہو سکے لیکن ہر طرح سے ان کی مدد کی۔

ابراہیم بھی دلیری سے لڑتے ہوئے مارے گئے۔ اب منصور اُن لوگوں کی طرف متوجہ ہوا جنہوں نے ابراہیم کا ساتھ دیا تھا۔

چنانچہ اپنے پایۂ تخت پہنچ کر منصور نے امام ابو حنیفہ کے نام فرمان بھیجا کہ فوراً حاضر ہوں۔

امام ابو حنیفہ دربار میں داخل ہوئے تو منصور کے حاجب ربیع نے امام ابو حنیفہ کو دربار میں پیش کرتے ہوئے کہا۔

''یہ دنیا میں آج سب سے بڑے عالم ہیں۔''

منصور نے پوچھا۔ ''آپ نے کس سے تحصیل علم کی۔''

امام ابو حنیفہ نے اپنے استادوں کے نام بتائے تو منصور نے آپ کے لئے قاضی کا عہدہ تجویز کیا تو آپ نے فرمایا۔

''میں اس کی قابلیت نہیں رکھتا۔''

منصور غصہ کی حالت میں کہنے لگا۔ ''تم جھوٹے ہو۔''

امام ابو حنیفہ کہنے لگا۔

''اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ دعویٰ ضرور سچا ہے کہ میں عہدۂ قضا کے اہل نہیں۔ کیونکہ جھوٹا شخص قاضی نہیں ہو سکتا۔''

منصور نے قسم کھا کر کہا کہ تم کو یہ عہدہ قبول کرنا ہوگا۔ جواب میں امام ابوحنیفہ نے بھی قسم کھا کر کہا کہ ہرگز قبول نہیں کروں گا۔ اس پر منصور کے حاجب ربیع نے غصہ میں امام ابوحنیفہ کو مخاطب کر کے کہا۔

''تم امیر المومنین کے مقابلہ پر قسم کھاتے ہو۔''

امام ابوحنیفہ کہنے لگے۔

''ہاں! کیونکہ امیر المومنین کو قسم کا کفارہ ادا کرنا میری نسبت زیادہ آسان ہے۔''

چنانچہ اس گفتگو کے بعد منصور نے امام ابوحنیفہ کو قید کر دیا۔ بلاشبہ اس کے پیچھے کچھ سیاسی اسباب بھی تھے اور عباسی حکومت ان کے ان حالات سے خائف تھی جو آپ علویوں کے متعلق رکھتے تھے۔

منصور کو بحالت قید بھی آپ کی طرف سے اطمینان نہ تھا۔ اس لئے کہ امام ابوحنیفہ کی شہرت دور دور تک پہنچ چکی تھی۔ اس گرفتاری اور قید نے ان کے اثر اور قبولِ عام کو کم کرنے کی بجائے اور زیادہ کر دیا تھا۔

منصور نے گو ان کو قید کر رکھا تھا لیکن کوئی امر ان کے ادب اور تعظیم کے خلاف نہ کر سکتا تھا۔ قید خانہ میں آپ کا سلسلۂ تعلیم بھی جاری تھا۔ امام محمد نے جو فقہ حنفی کے دست و بازو ہیں، قید خانہ ہی میں امام ابوحنیفہ سے تعلیم پائی۔

آخر بے خبری کے عالم میں آپ کو زہر دلوا دیا گیا۔ جب آپ کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو آپ نے سجدہ کیا اور اسی حالت میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔

شہر کے قاضی حسن بن عمارہ نے غسل دیا۔ غسل سے فراغت ہوتے ہوتے لوگوں کی اتنی کثرت ہوئی کہ پہلی نمازِ جنازہ میں کم و بیش پچاس ہزار کا مجمع تھا۔ اس پر آنے والوں کا سلسلہ ابھی قائم تھا۔ یہاں تک کہ چھ بار نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور ظہر و عصر کے قریب آپ کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ دفن کے بعد بھی بیس دن تک لوگ آپ کی نمازِ جنازہ پڑھتے رہے۔ قبولِ عام کی اس سے زیادہ کیا دلیل ہوگی کہ مشہور سلجوقی سلطان ملک شاہ سلجوقی نے 459ھ میں آپ کی قبر پر ایک قبہ اور اس کے قریب ہی ایک مدرسہ تعمیر کرایا۔ یہ مدرسہ مشہد ابوحنیفہ کے نام سے مشہور ہے۔

امام اعظم کے علم کی طرح آپ کی ذہانت اور طباعی بھی ضرب المثل تھی۔ اس غیر

معمولی ذہانت نے عظیم الشان ذخیرۂ علم پر تصرف کر کے آپ کو بانیانِ علوم کی صف میں لا کھڑا کیا تھا۔ امام ابن مبارک کے الفاظ میں آثارِ فقہ و فی الحدیث کے ایک مقیاسِ سعی پیدا کرنا وہ لازوال علمی کارنامہ ہے جو ہمیشہ امام ابوحنیفہ کے نام منسوب رہے گا۔ اس کو بعض محدثین نے رائے کے لفظ سے یاد کیا تھا۔ اس مقیاس اور اس رائے نے فقہ کے متعدد ابواب مرتب کرا دیئے۔ امام ابوحنیفہ نے جس قدر مسائل مدوّن کئے، ان کی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار سے کچھ زائد ہے۔

امام اعظم نے جس طریقہ سے فقہ کی تدوین کا ارادہ کیا تھا وہ نہایت وسیع اور دشوار کام تھا۔ اس لئے آپ نے اتنے بڑے اور اہم کام کو محض اپنی ذاتی رائے اور معلومات پر منحصر کرنا نہیں چاہا۔ اسی غرض سے انہوں نے اپنے شاگردوں میں سے چالیس نامور اشخاص منتخب کئے اور ان کی ایک مجلس بنائی۔ ان میں زیادہ اہم امام یوسف اور امام ظفر تھے۔ یہ دو انتہائی اہم شخصیتیں شمار کئے جاتے تھے۔ اس طرح فقہ کا گویا ایک ادارہ علمی تشکیل پذیر ہو گیا جس نے امام ابوحنیفہ کی سرکردگی میں تیس برس تک کام کیا۔ امام ابوحنیفہ کی زندگی ہی میں اس مجلس کے فتاویٰ نے حسنِ قبولیت حاصل کر لیا تھا۔ جیسے جیسے یہ فتاویٰ تیار ہوتے جاتے تھے، ساتھ ہی ساتھ تمام مملکت اسلامیہ میں پھیلتے جاتے تھے۔

امام ابوحنیفہ نے اپنے اصولِ تحقیق خود لکھے ہیں۔ فرماتے ہیں:

''میں کتاب اللہ سے اخذ کرتا ہوں۔ اگر وہاں کوئی مسئلہ مجھے نہیں ملتا تو سنت رسول اللہ ﷺ سے لیتا ہوں۔ اور جب وہاں بھی نہ ملے تو صحابہ میں سے کسی کا قول مان لیتا ہوں اور ان کا قول چھوڑ کر دوسروں کا قول نہیں لیتا اور جہاں معاملہ ابراہیم شعبی ابن سیرین اور عطا پر آ جائے تو یہ لوگ مجتہد تھے۔ اس وقت میں بھی انہی لوگوں کی طرح اجتہاد کرتا ہوں۔''

امام ابوحنیفہ اپنے افکار و خیالات کے متعلق اپنے شاگردوں سے بھی بحث کیا کرتے تھے اور انہیں لکھوا بھی دیتے تھے۔ لہٰذا انہی شاگردوں کی چند کتابیں خصوصاً امام ابو یوسف کی اختلافِ ابوحنیفہ بہت اہم ہے۔

مجموعی طور پر امام ابوحنیفہ کا فقہی اپنے ہم عصروں کے فقہی فکر سے بدرجہا ارفع تھا جو امام ابوحنیفہ فقہی مسائل میں لائے اور قیاس کو اس حد تک استعمال کرتے تھے جس حد تک اس کے زمانے کے دیگر فقہی مذاہب کا دستور تھا اور وہ دیگر مذاہب مثلاً حنبلی، مدینہ کی

طرح رواجی عقیدے کو ترک کرنے پر مائل نہ تھے۔ یعنی ایسی کسی حدیث کی بناء پر جسے ایک زمانہ میں صرف ایک شخص نے روایت کیا ہو، اس قسم کی حدیث امام ابوحنیفہ کی زندگی یعنی دوسری صدی ہجری کے نصف تک اسلامی دنیا میں رائج ہونے لگی تھی۔

اعتقادی دینیات کا ایک مقبولِ عام طریقہ آپ سے منسوب ہے جس میں جمعیتِ اسلامی اس جمعیت کے اصولِ اتحاد یعنی سنتِ نبویؐ اور ان مسلمانوں کی اکثریت کے تصورات پر جو درمیانی راستے پر گامزن ہیں اور افراط وتفریط سے بچتے ہیں، بالخصوص زور دیا گیا ہے جو دلائلِ عقلی سے زیادہ دلائلِ نفسیہ پر مبنی ہیں۔

اس دینی مسلک کی ترجمانی ''العالم والمتکلم'' اور ایک دوسری کتاب میں کی گئی ہے۔ یہ دونوں کتابیں امام ابوحنیفہ کے شاگردوں کے حلقہ میں تصنیف ہوئیں۔ بعد کے ادوار میں اسی مسلک کی ترجمانی علمائے دین کی کتابوں میں ہوئی۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کی اولاد میں سے آپ کے بیٹے اور پوتے اسمٰعیل نے جو قاضی بصرہ اور قاضی رقہ تھے، فقہ اسلامی میں ممتاز حیثیت حاصل کی۔ آپ کے اہم شاگردوں میں ظفر بن الجزیل، داؤد الطائی، امام ابویوسف شعبانی، عبداللہ بن مبارک اور کچھ دیگر ہیں۔

خلافتِ اسلامیہ میں اگرچہ خلفاء خود مدعیٔ اجتہاد تھے تاہم ہارون رشید کے عہد میں فتاوٰی ابوحنیفہ ساری قلمرو میں قانونِ سلطنت کی حیثیت سے نافذ تھا۔ منگولوں کے سیلاب بدتمیزی سے کچھ پہلے اور بعد میں بھی جو خاندان حکمران آئے ان میں سے بہت سے حنفی تھے جن میں سلجوقی، غزنوی، نورالدین زنگی، مصر کے چرکسی اور ہندوستان کے آلِ تیمور سب حنفی المذاہب تھے۔ اورنگ زیب کے عہد کی فتاوٰی عالمگیری فقہ حنفی کی عمدہ کتاب ہے۔ سب سے آخر میں ترکی کے خلفاء جن کی خلافت 625 برس تک رہی، عموماً امام اعظم کے مسلک پر قائم رہے۔ منصور نے جب امام ابوحنیفہ کو زندان میں ڈالا تو آپ کو مصروف رکھنے کے لئے وہ آپ سے خشت شماری کا کام لیا کرتا تھا۔

جہاں تک امام مالک کا تعلق ہے تو پورا نام ابوعبداللہ مالک بن انس بن مالک بن ابی ابی عامر تھا۔ ابی عامرؓ صحابی رسولؐ تھے۔ جنگ بدر کے سوا تمام غزوات میں حضورؐ کے ہمراہ رہے۔

امام مالک کی تاریخ پیدائش کے بارے میں کافی اختلاف ہے۔ اکثر مؤرخین کا

اتفاق ہے کہ 93ھ میں پیدا ہوئے اور مدینہ منورہ میں آپ کی پیدائش ہوئی اور وہاں کے معروف اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ فقہ کی تعلیم ربیع بن فضل سے حاصل کی۔

900 اساتذہ حدیث سے مستفید ہوئے اور فتوٰی دینا شروع کیا۔ اپنے ہاتھ سے ایک لاکھ احادیث لکھیں۔ 17 برس کی عمر میں درسِ حدیث شروع کیا۔ جب حدیث پڑھانے بیٹھتے، غسل کرتے اور خوشبو لگاتے۔ نئے کپڑے پہن کر بڑے خشوع وخضوع اور وقار سے بیٹھتے۔ بڑے اہتمام اور احتیاط سے راویوں کو بیان کرتے۔

آپ کے متعلق ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک بار طلباء کو درسِ حدیث دے رہے تھے۔ آپ کے چہرے پر ایک رنگ آتا تھا اور ایک جاتا تھا۔ پسینہ آنا شروع ہوگیا اور چہرہ زرد ہوگیا لیکن آپ نے حدیث کے درس کو جاری رکھا۔ درس کے اختتام پر ایک طالب علم سے کہا۔

''ذرا پشت سے قمیض اٹھا کر دیکھئے۔''

وہاں ایک بچھو نے کئی ڈنک لگائے تھے۔ آپ نے احترامِ حدیثِ رسولؐ میں درس کو درمیان میں منقطع نہ کیا اور بچھو کے زہر اور ڈنک کو برداشت کرتے رہے۔

آپ کی جرأت اور علمی دیانت کے متعلق کئی اور واقعات بھی تاریخ میں ملتے ہیں۔ آپ نے مدینہ منورہ میں علویوں کے بزرگ محمد بن عبداللہ کی بیعت کا فتوٰی دیا۔ ان دنوں منصور عباسی خلیفہ تھا۔ اس نے مدینہ منورہ کے ایک حاکم جعفر سلیمان کے ذریعے امام مالک سے باز پرس کی اور اس کے بعد مدینہ کے حاکم جعفر بن سلیمان نے آپ کو 70 کوڑے لگوائے۔ اس واقعہ سے مسلمانوں میں آپ کی عزت مزید بڑھ گئی۔

منصور عباسی کے علاوہ ہارون رشید کے دور میں بھی آپ کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور ایک شرعی مسئلہ کے بارے میں آپ کی رائے خلیفہ سے مختلف تھی۔ خلیفہ ہارون رشید نے کافی اصرار کیا کہ امام مالک اس کی رائے کے مطابق فتوٰی دیں لیکن امام مالک نے فرمایا۔

''میں قرآن وسنت کے خلاف کسی بات کو تسلیم نہیں کرتا۔''

جواب میں ہارون رشید کے حکم سے آپ کو گدھے پر بٹھا کر منہ کالا کر کے بازاروں میں پھرایا گیا۔ آپ بازار سے گزرتے وقت ہر چوک پر کھڑے ہو کر اعلان کرتے۔

''لوگو! مجھے دیکھو اور پہچانو۔ میں مالک بن انس ہوں اور میری یہ حالت ناموسِ رسالتؐ کی حفاظت میں ہوئی ہے۔''

خلیفہ ہارون رشید نے ایک بار آپ سے اپنے دونوں بیٹوں کو تعلیم دینے کے لئے کہا۔ آپ نے جواب دیا کہ اگر انہیں علم حاصل کرنا ہے تو خود چل کر علم کے دروازے پر آئیں۔ علم کبھی چل کر نہیں جاتا۔

ہارون رشید کے دونوں بیٹے جب پڑھنے کے لئے آئے تو آپ نے انہیں عام طالب علموں کے ساتھ بٹھایا۔ انہوں نے واپس جا کر اپنے والد سے یہ ماجرا بیان کیا۔ خلیفہ نے آپ کو کہلوا بھیجا کہ میرے بیٹے عام طالب علموں میں نہیں بیٹھیں گے، آپ انہیں الگ پڑھائیں۔ آپ نے خلیفہ کے بیٹوں کے لئے ایسے کسی خصوصی انتظام تعلیم سے معذوری ظاہر کر دی تھی۔

آپ کی علمی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ عبدالرحمٰن بن مہدی نے کہا کہ میں آپ کو امام مالک کی صحت حدیث پر مقدم نہیں سمجھتا۔ امام مالک کی فضیلت کے لئے یہ ایک بہت بڑی سند ہے کہ آپ کے شاگرد امام شافعی ہیں جنہوں نے بعد میں شافعی مسلک کی بنیاد رکھی۔ امام شافعی کے شاگرد ایک اور مسلک حنبلی کے بانی احمد بن حنبل ہیں۔ امام اعظم کے شاگرد خاص امام محمد بھی حدیث میں آپ کے شاگرد رہے ہیں۔ امام شافعی نے اپنے استاد کے بارے میں فرمایا۔

''جب عالموں کا ذکر آتا ہے تو ان میں امام مالک ستارہ کی مانند نظر آتے ہیں اور کسی کا احسان مجھ پر علمِ خدا میں امام مالک سے زیادہ نہیں۔''

آپ کی امام ابوحنیفہ سے بھی ملاقات کے واقعات قطعی تاریخ میں ملتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ بھی آپ کی علمی عظمت و تفقہ سے بہت متاثر تھے۔

آپ نے احادیث کا جو مجموعہ مرتب کیا اس کا نام ''موطا'' ہے۔ ابن عربی نے کہا کہ ''موطا'' اصلِ اوّل ہے اور صحیح بخاری اصلِ ثانی ہے۔ ایک ہزار محدثین نے اس کتاب کو امام مالک سے روایت کیا ہے۔ ''موطا'' دس ہزار احادیث سے منتخب کر کے مرتب کی گئی۔ اس میں کل ایک ہزار ستائیس احادیث ہیں۔

علماء کی اکثریت کا اتفاق ہے کہ علم حدیث میں ''موطا'' کا مقام بہت بلند ہے۔ برصغیر کے مشہور محدث شاہ ولی اللہ نے اسے صحاح ستہ میں شمار کیا ہے۔

اسلامی فقہ میں امام مالک کو آئمہ اربعہ میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ آپ کے پیروکار مالکی کہلاتے ہیں۔ دنیائے اسلام میں ان کی کافی تعداد موجود ہے۔ اپنے فقہ کی تدوین میں حضورؐ کی سنت اور عملِ اہلِ مدینہ کو کافی اہمیت دی۔ مدینہ کے لوگوں کا عمل حضورؐ سے تواتر سے منتقل ہوا۔ اس لئے کہ آپ نے فقہی مسائل میں انہی کو معیار بنایا۔

آپ ساٹھ سال تک مدینہ منورہ میں علم حدیث کی خدمت کرتے رہے۔ 87 سال کی عمر میں 10 ربیع الاول 179ھ کو انتقال فرمایا۔ آپ کا مزار جنت البقیع میں ہے۔ مکہ مکرمہ کی قربت ہوتے ہوئے بھی آپ نے فرض حج کے علاوہ کوئی دوسرا حج اس لئے نہیں کیا کہ اثنائے راہی نبی کریمؐ کی قربت سے مرعوب نہ ہو جائیں۔ اس بات سے یہ عکاسی ہوتی ہے کہ آپ کو حضورؐ سے کتنی محبت اور عقیدت تھی۔

مؤرخین نے یہ بھی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ شروع میں حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی وغیرہ قسم کے مسالک کے نام نہ تھے۔ فقہی مسائل میں دو قسم کے مکاتبِ فکر تھے۔ ایک اہلِ حجاز جو امام مالک کی آراء کی پیروی کرتے تھے۔ دوسرا اہلِ عراق جو امام ابوحنیفہ کے پیروکار تھے۔

امام شافعی نے مندرجہ بالا دو مسالک سے اختلاف کرتے ہوئے ایک نئے مسلک کی بنیاد رکھی اور یہ مسلکِ شافعی کے نام سے مشہور ہوا۔ مذکورہ بالا دو مسالک کے پیروکاروں نے ان مسالک کے ناموں کی نسبت سے حنفی و مالکی مسلک کے نام اختیار کر لئے۔ مالکی عقائد مغرب کے علاقوں میں پھیلنا شروع ہوئے۔ ان میں تیونس، الجیریا، مراکش اور اسپین کے علاقے شامل ہیں۔ افریقہ کے باقی علاقوں اور مصر کے علاقوں میں بھی مالکی مسلک فروغ پذیر ہوا تھا۔

محمد بن اشعث ایک روز اپنی حویلی میں داخل ہوا۔ اس وقت حویلی کے دیوان خانہ میں اقلیما، اس کا ماموں حارث بن لبید، ممانی نائلہ بنت علقمہ، ماموں کی بیٹی خنسا بنت حارث اور بیٹا بشار بن حارث بیٹھے کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ محمد بن اشعث دیوان خانہ میں داخل ہوا۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے اقلیما فکرمندی میں اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے پاس جا کر بیٹھنے کے لئے محمد بن اشعث جب اس کے قریب گیا تب اقلیما نے بڑی فکرمندی میں پوچھ لیا۔

''خلیفہ ابوجعفر منصور نے آپ کو بلایا تھا۔ کیا کوئی اہم مسئلہ تھا؟ میں تو اس وقت سے ہی آپ کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہی ہوں۔''

جواب میں بڑے پیارے انداز میں محمد بن اشعث نے اقلیما کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اُس کو اُس کی نشست پر بٹھایا، خود بھی اُس کے قریب بیٹھ گیا، پھر اُس کی تسلی اور تشفی کے لئے کہنے لگا۔

''تمہیں ہر وقت اپنی فکر پڑی رہتی ہے۔ اب تم اپنی پرانی فکرمندی اور الیوں کو دل سے نکال دو۔ میں اکیلا تو نہیں گیا ہوا تھا۔ میرے ساتھ بھائی خازم بن خزیمہ کے علاوہ باقی سارے سالار بھی تھے۔''

''کیا معاملہ تھا؟'' اقلیما نے پھر محمد بن اشعث کی طرف دیکھتے ہوئے فکرمندی میں پوچھ لیا۔

جواب میں محمد بن اشعث کہنے لگا۔

''دراصل مملکت کے مختلف حصوں میں بغاوتیں اُٹھ کھڑی ہوئی ہیں۔ ان سے نمٹنے کے لئے سارے سالاروں کا اجلاس طلب کیا گیا تھا۔ بغاوتوں کے علاوہ شمال کی طرف

سے منگول اور ترک بھی نمودار ہو کر ہمارے علاقوں پر حملہ آور ہوئے ہیں اور مسلمانوں کو انہوں نے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔''

(مؤرخین لکھتے ہیں کہ شمال سے نمودار ہونے والے ان وحشیوں نے باب الابواب سے لے کر آرمینیا تک مسلمانوں کا قتلِ عام کر کے رکھ دیا تھا)

محمد بن اشعث جب خاموش ہوا تب فکرمندی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اقلیما کہنے لگی۔

''اگر ابوجعفر منصور نے اجلاس طلب کیا تھا تو پھر اس میں کیا فیصلہ ہوا؟''

ایک گہری نگاہ محمد بن اشعث نے اقلیما پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔

''فیصلہ یہ ہوا ہے کہ میں اور خازم بن خزیمہ دونوں ایک لشکر لے کر شمال کا رخ کریں گے اور شمال کے وحشیوں نے مسلمانوں پر حملہ آور ہو کر جو مسلمانوں کا قتل عام کیا ہے، اس کا ان سے انتقام لیں گے۔''

اقلیما پھر محمد بن اشعث کی طرف دیکھتے ہوئے بول پڑی۔

''کیا آپ کے ساتھیوں میں سے روح بن حاتم، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس بھی آپ کے ساتھ ہوں گے؟''

محمد بن اشعث مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''اس بار میرے سارے ساتھی میرے ساتھ نہیں ہوں گے۔ تاہم تین قابلِ اعتماد ساتھیوں میں سے روح بن حاتم کو ابومنصور جعفر نے اپنے پاس بغداد میں روک لیا ہے۔ منصور کی نگاہوں میں روح بن حاتم بڑے کام کا آدمی ہے۔ اس لئے کہ وہ ایک اچھا سالار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عمدہ کھوجی بھی ہے۔ لہٰذا اس کی خدمات سے فائدہ اٹھانے کے لئے منصور نے اُسے اپنے پاس رکھ لیا ہے۔

جہاں تک شبیب بن رواح اور حرب بن قیس کا تعلق ہے تو یہ سیستان میں اُٹھنے والی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے جائیں گے۔ ابوجعفر منصور نے آج ہی کچھ قاصد یمن کے اپنے عامل معن بن زائدہ کی طرف بھجوائے ہیں اور اسے یمن کی بجائے سیستان کا حاکم مقرر کیا ہے۔ ایک لشکر دے کر چند دن تک ابوجعفر منصور شبیب بن رواح اور حرب بن قیس کو سیستان کی طرف روانہ کرے گا۔ یہ لشکر وہاں خارجیوں سے ٹکرائے گا اور معن بن زائدہ کے ساتھ مل کر خارجیوں کی سرکشی کا خاتمہ کر دے گا تا کہ سیستان پر معن بن

زائدہ حکومت کرتے ہوئے خارجیوں کو سر نہ اٹھانے دے۔

تیسری مہم قبرص کی طرف دو روز تک روانہ کی جائے گی۔ قبرص سے کچھ قوتیں اُٹھ کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوتی رہتی ہیں اور نقصان کا باعث بنتی ہیں۔ اس بناء پر منصور نے جزیرہ قبرص پر حملہ آور ہونے کے لئے ایک مہم بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے۔

چوتھی سمت سے بھی خطرات اُٹھ رہے ہیں اور یہ خطرات سندھ کی طرف سے ہیں۔ سندھ کی مہم کو ابھی تک ابوجعفر منصور نے التواء میں ڈالا ہے۔ ہوسکتا ہے چند روز تک سندھ سے متعلق بھی کوئی فیصلہ کرے اور وہاں رونما ہونے والے نئے واقعات پر اپنی گرفت مضبوط اور مستحکم کرنے کی کوشش کرے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد محمد بن اشعث جب خاموش ہوا تب اقلیما کا ماموں حارث بن لبید، محمد بن اشعث کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''ابن اشعث! میرے بیٹے! تمہارے جانے کے بعد تو دن رات کے سفر کو گزارنا اقلیما کے لئے بڑی فکر مندی کا باعث بن جائے گا۔ یہ تو ہر وقت اسی ڈر اور خوف میں رہتی ہے کہ ابھی کسی پر اس کی اصلیت کا راز کھلے گا اور اسے مصلوب کر دیا جائے گا۔ اس بناء پر تمہاری غیر موجودگی میں تو اسے تفکرات میں اور اضافہ ہو جائے گا۔''

اس موقع پر محمد بن اشعث نے اپنے پہلو میں بیٹھی اقلیما پر ایک گہری نگاہ ڈالی، پھر کہنے لگا۔

''ماموں! اقلیما کو اب اپنے آپ کو حالات کے مطابق ڈھالنا چاہیے۔ فکر مندی چھوڑ کر دوسرے لوگوں کی طرح پُرسکون زندگی بسر کرنے کی ابتداء کی جانی چاہیے۔ تاہم جس مہم پر میں اور بھائی خازم بن خزیمہ روانہ ہو رہے ہیں اُس سے متعلق اقلیما کو پریشان اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ اقلیما میرے ساتھ جائے گی۔ بھائی خازم بن خزیمہ کی بیوی ربیب بنت اسود اور بیٹا مجیر بھی ہمارے ہمراہ ہوں گے۔''

محمد بن اشعث کے ان الفاظ پر اقلیما کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ محمد بن اشعث، اقلیما کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ''اقلیما! ہماری روانگی میں صرف دو دن باقی ہیں۔ اپنی تیاریوں کو آخری شکل دے دو۔''

محمد بن اشعث کے ان الفاظ پر اقلیما کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس کے بعد سب

مل کر محمد بن اشعث سے شمال سے نمودار ہونے والے منگولوں اور ترکوں کے حملہ آور ہونے کی تفصیل سننے لگے تھے۔

دو دن بعد محمد بن اشعث اور خازم بن خزیمہ ایک لشکر لے کر شمال کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ جبکہ شبیب بن رواح اور حرب بن قیس بھی ایک لشکر لے کر سیستان کا رخ کر گئے تھے۔

❀❀❀

خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث ایک روز اپنے لشکر کے ساتھ خراسان کے مرکزی شہر مرو کے پاس نمودار ہوئے۔ خراسان کا والی چونکہ خلیفہ منصور کا بیٹا مہدی تھا۔ چنانچہ مہدی نے خراسان کے اُمراء اور سالاروں کے ساتھ مل کر خازم بن خزیمہ، محمد بن اشعث اور اس کے ساتھ آنے والے سالاروں اور لشکریوں کا بہترین انداز میں استقبال کیا۔ جب خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث کے کہنے پر اُن کے لشکر نے مرو شہر سے باہر پڑاؤ کر لیا تب خازم بن خزیمہ، محمد بن اشعث، مہدی اور باقی سارے سالار ایک خیمے میں جمع ہوئے۔ پھر گفتگو کا آغاز خلیفہ منصور کے بیٹے مہدی نے کیا اور کہنے لگا۔

''آپ دونوں بھائیوں کی آمد سے پہلے میرے پاس بابا کی طرف سے قاصد پہنچ چکے ہیں کہ آپ نے شمال سے نمودار ہونے والے ترکوں اور منگولوں کا مقابلہ کرنا ہے۔ ان قوتوں نے اچانک نمودار ہو کر مسلمانوں کے علاقوں میں بڑی تباہی اور بربادی کا کھیل کھیلا ہے اور ان گنت مسلمانوں کو انہوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ جس وقت یہ لوگ شمال کے برف زاروں کی طرف سے نمودار ہوئے تھے اور مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے تھے، اسی وقت اُن کی کارگزاری اور اُن کے محل وقوع سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے میں نے اپنے کچھ مخبروں کو روانہ کیا تھا اور ان مخبروں نے حملہ آوروں سے متعلق مجھے انتہائی کارآمد اور سودمند اطلاعات فراہم کر دی ہیں۔

ان مخبروں کی فراہم کردہ اطلاعات کے مطابق ان حملہ آور منگولوں اور ترکوں نے شمال کے برفستانوں کی طرف سے نمودار ہو کر جنوب کی طرف رُخ کیا تھا۔ جس علاقے کی طرف آئے، مخبروں نے بتایا اس کا نام سائبیریا ہے۔ اب انہوں نے لگاتار آباد علاقوں پر حملہ آور ہو کر اپنے لئے فوائد حاصل کرنے کے لئے اپنے کچھ مراکز قائم کر لئے ہیں۔ میں آپ لوگوں سے گزارش کروں کہ بخارا کے شمال مغرب میں جدھر قم کا

وسیع صحرا پڑتا ہے، اس صحرا کے اندر انہوں نے اپنے لئے جگہ جگہ پڑاؤ اور قیام گاہیں بنا لی ہیں۔ جو کچھ مجھے بتایا گیا ہے، اس کے مطابق یہ لوگ انہی قیام گاہوں سے نکل کر بحیرہ خزر کی طرف آئے اور مسلمان علاقوں پر حملہ آور ہوئے۔

جہاں جہاں انہوں نے اپنے پڑاؤ قائم کئے ہیں ان سے متعلق بھی مجھے تفصیل بتائی گئی ہے۔ ان کا پہلا اور بڑا پڑاؤ نور آتا کے مقام پر ہے اور یہ صحرائے قم کے اندر واقع ہے۔ اس کے علاوہ صحرائے قزل قم کے جنوبی اور شرقی کناروں پر تین اہم جگہیں ہیں۔ ایک کا نام خطرچی، دوسرے کا نام کرمینا، تیسرے کا نام رزدوان ہے۔ ان علاقوں کے نواح میں بھی ان لوگوں نے اپنے مرکز قائم کر رکھے ہیں۔ جس جس قوم اور جس جس شہر پر یہ لوگ حملہ آور ہوتے ہیں، وہاں سے لوٹ مار کر کے اپنے انہی پڑاؤ کے اندر مال و دولت جمع کرتے چلے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں ان کی تعداد شمار سے باہر ہے۔ جن چار مقامات کا میں نے نام لیا ہے، ان چاروں مقامات پر ان کے بڑے بڑے لشکر ہیں اور لشکر کا ایک حصہ انہوں نے مختص کر رکھا ہے جو مختلف علاقوں اور سمتوں پر حملہ آور ہو کر لوٹ مار، تباہی و بربادی اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کرتا ہے۔

میرے مخبروں نے یہ بھی بتایا ہے کہ مسلمانوں کے علاقوں پر حملہ آور ہونے کے بعد ترکوں کا لشکر جو ترکوں کے علاوہ دیگر وحشی قبائل منگول اور کچھ دوسری وحشی اقوام پر مشتمل ہے وہ ان دنوں قراقول کے مقام پر قیام کئے ہوئے ہے۔ یہ مقام بخارا سے ذرا جنوب مغرب کی طرف پڑتا ہے۔ مرو سے دو شاہراہیں شمال کا رخ کرتی ہیں اور تین مقامات پر دریائے آمو کو عبور کرنے کے بعد دریائے سیحوں اور دریائے زرفشاں کی طرف جاتی ہیں۔ ایک جگہ ترمذ، دوسری جگہ کرکی اور تیسری جگہ چارجوئی ہے۔ چارجوئی سے دریائے آمو کو عبور کر کے جب بخارا کی طرف بڑھا جائے تو بائیں ہاتھ میں قراقول کا مقام آتا ہے۔ ان وحشیوں کا جو لشکر مسلمانوں کے علاقوں پر حملہ آور ہوا اور تباہی و بربادی کا کھیل کھیلا، اس لشکر نے آج کل اسی مقام پر پڑاؤ کر رکھا ہے۔

یہ مقام ایسا ہے کہ ان لوگوں کو مختلف سمتوں سے اپنے لئے بوقت ضرورت کمک بھی مل سکتی ہے۔ پہلی کمک تو انہیں اپنے قزل قم کے اندر جو چار بڑے پڑاؤ ہیں وہاں سے مل سکتی ہے اور یہ کمک دریائے زرفشاں کے کنارے کنارے قراقول کی طرف آتی ہے اس لئے کہ دریائے زرفشاں شمال کے کوہستان تھان شیان کی طرف سے آتے ہوئے

سمرقند آتا ہے۔ سمرقند شہر بھی اسی دریا کے کنارے آباد ہے۔ اس کے بعد یہ دریا بڑی تیزی سے مزید مغرب کا رخ کرتا ہے اور اس کے بعد ایک دم یہ بل کھاتا ہوا جنوب کی طرف آتا ہے۔ بخارا شہر کے پاس سے گزرتا ہے اور قراقول کو کافی اپنے بائیں جانب چھوڑتے ہوئے یہ دریائے زرفشاں دریائے آمو میں گرتا ہے۔

اس کے علاوہ شمال کی دوسری وحشی قوتوں سے بھی ان لوگوں کے تعلقات ہیں۔ یہ وحشی قوتیں عموماً مرغلان، خوتند، خوجنگ سے ہوتے ہوئے دریائے زرفشاں تک آتی ہیں۔ اس کے بعد وہی راستہ اختیار کرتی ہیں جو اس سے پہلے میں بتا چکا ہوں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد خلیفہ منصور کا بیٹا مہدی جب خاموش ہوا تب خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نے ایک دوسرے کی طرف بڑے غور سے دیکھا، نگاہوں ہی نگاہوں میں کوئی فیصلہ ہوا، پھر خازم بن خزیمہ مہدی کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''دریائے آمو تک تو اکثر میرا آنا جانا ہوا ہے اور دریائے آمو کے اس پار کا کچھ علاقہ بھی میرا دیکھا بھالا ہے۔ جہاں تک قراقول کا تعلق ہے، جس جگہ شمال کے وحشی حملہ آوروں نے لوٹ مار کرنے کے بعد ان دنوں قیام کیا ہوا ہے تو وہ جگہ بھی میری دیکھی ہوئی ہے۔ لیکن صحرائے قزل قم کے اندر انہوں نے جو اپنے چار مرکز بنا رکھے ہیں وہ ساری جگہیں میرے لئے انجانی اور ناآشنا ہیں۔ اس موقع پر میں آپ سے یہ کہوں گا کہ اپنے جو مخبر آپ نے صحرائے قزل قم اور اس کے کناروں پر وحشی حملہ آوروں کا جائزہ لینے کے لئے روانہ کئے تھے اور وہ ان کے مقامات کو دیکھ کر واپس آئے ہیں ان میں سے کچھ مخبروں کو آپ ہمارے ساتھ کر دیجئے گا۔ ان کی رہنمائی میں پہلے ہم قراقول کے مقام پر ان وحشیوں سے نمٹیں گے۔ مجھے امید ہے کہ میں اور محمد بن اشعث انہیں پسپا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ جب ہم ایسا کریں گے تو پھر دریائے زرفشاں کے کنارے شمال کی طرف بڑھیں گے اور ان حملہ آوروں کے باقی ٹھکانوں پر ضرب لگانے کی کوشش کریں گے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد خازم بن خزیمہ جب خاموش ہوا تب بڑی ممنونیت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مہدی بن منصور کہنے لگا۔

''میں نے اپنے مخبروں کو آپ لوگوں کی آمد سے جو دشمن کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا تھا تو میرا مقصد ہی یہی تھا کہ آپ دونوں بھائیوں کی آمد سے پہلے پہلے میں کم از کم ان

وحشی حملہ آوروں کے محل وقوع سے متعلق جان سکوں جو مخبران کا سارا علاقہ دیکھ کر آئے ہیں۔ آپ بالکل مطمئن رہیں وہ آپ کے لشکر میں شامل ہوں گے اور ان کے ٹھکانوں تک آپ کی رہنمائی کریں گے۔ مجھے امید ہے کہ ان کے ساتھ اور ان کی رہنمائی میں یقیناً آپ دونوں بھائی شمال کے ان وحشیوں پر ایسی ضرب لگائیں گے کہ ان کے پاس بھاگنے اور شکست اٹھا کر فرار حاصل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہے گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد مہدی بن منصور رکا، پھر دوبارہ خازم بن خزیمہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں دیکھ چکا ہوں کہ آپ لوگوں کے لشکر میں سالاروں اور لشکریوں کی بیویاں بھی شامل ہیں۔ کیا آپ انہیں یہیں مرو میں رکھنا پسند کریں گے یا اپنے ساتھ لے کر جائیں گے؟ ویسے جو خبریں اب تک مجھے ہمارے طلایہ گروں نے پہنچائی ہیں ان کے مطابق شمال کے ان وحشیوں کے ساتھ ان کی عورتیں اور لڑکیاں بھی ہوتی ہیں وہ بھی اپنے دشمنوں پر حملہ آور ہونے میں پیش پیش رہتی ہیں۔ جہاں تک ان کے بڑے پڑاؤ قراقول کا تعلق ہے تو وہاں بھی دشمن کی ان گنت عورتوں اور لڑکیوں نے قیام کر رکھا ہے۔''

مہدی جب خاموش ہوا تب اس کی طرف دیکھتے ہوئے خازم بن خزیمہ بول اٹھا۔

''میرے اور محمد بن اشعث کے لشکر میں جو عورتیں ہیں وہ سب ہمارے ساتھ جائیں گی۔ کسی کو ہم اپنے پیچھے نہیں رکھیں گے اور مجھے امید ہے کہ وہ عورتیں جنگ کے دوران اپنے لشکریوں کی حوصلہ افزائی کریں گی اور مجھے امید ہے کہ دشمن کو ہم پسپا کرنے اور شکست دینے میں کامیاب رہیں گے۔''

خازم بن خزیمہ جب خاموش ہوا تب مہدی بن منصور کہنے لگا۔

''آج آپ کے لشکر کے کھانے کا اہتمام مرو شہر کے لوگوں کی طرف سے کیا گیا ہے۔ یوں جانیں کہ مرو شہر اور اس کے آس پاس کی جو آبادیاں ہیں انہوں نے آپ کے لشکر کی دعوت کا سامان کیا ہے۔ کل آپ کے لشکر کا کھانا میری طرف سے ہوگا۔ اس کے بعد......''

یہاں تک کہتے کہتے مہدی بن منصور کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ خازم بن خزیمہ بول اُٹھا۔

''اس کے بعد کچھ نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ دو دن بعد ہم یہاں سے کوچ کریں

گے۔ میں اور محمد بن اشعث زیادہ دن یہاں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے۔ فی الفور دشمن پر ضرب لگانے کی ابتداء کرتے ہیں۔ ہم ان کے دوسرے ٹھکانوں کا رخ کریں گے اور لگاتار تابڑ توڑ ان پر حملہ آور ہوتے ہوئے اور ان پر ضربیں لگاتے ہوئے ان سے مسلمان آبادیوں کو محفوظ و مامون بنانے کی کوشش کریں گے۔''

خازم بن خزیمہ کی اس گفتگو سے سب نے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ اس روز مرو شہر اور اس کے گرد و نواح کے لوگوں نے لشکر کی دعوت کا بہترین سامان کیا۔ اگلے روز لشکر کے کھانے کا اہتمام مہدی بن منصور کی طرف سے کیا گیا تھا اور اس سے اگلے روز خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث دونوں اپنے لشکر کو لے کر اپنے ہدف کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

مہدی بن منصور کے ساتھ طے ہونے والے منصوبہ کے مطابق خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعت نے اپنے لشکر کے ساتھ چارجوئی کے مقام سے دریائے آمو کو عبور کیا اور شمال مغرب کے رخ پر آگے بڑھے۔

دوسری طرف شاید شمال کے وحشیوں کو بھی خبر ہو چکی تھی کہ مسلمانوں کا ایک لشکر ان کا مقابلہ کرنے اور ان کے ہاتھوں مسلمانوں کی ہونے والی بربادی کا انتقام لینے کے لئے آ رہا ہے۔

چنانچہ جب خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعت اپنے لشکر کے ساتھ قراقول کے قریب پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کا مقابلہ کرنے کے لئے شمال کے ان وحشیوں کا لشکر بالکل تیار اور مستعد تھا۔ جونہی خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعت اپنے لشکر کو لے کر وہاں پہنچے ان وحشیوں نے جنگ کی ابتداء کرنے کے لئے اپنے لشکر کے اندر طبلوں پر ضرب لگانے کا حکم دے دیا تھا۔ اس طرح جنگ کی ابتداء کرنے کے لئے وحشی منگولوں اور ترکوں کے طبل بہت خوفناک انداز میں بجنے لگے تھے۔

یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعت بھی اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے لگے تھے۔

دونوں لشکر جب اپنی صفیں درست کر چکے تب ترکوں اور منگولوں کی طرف سے ایک سوار اپنے گھوڑے کو وحشیانہ انداز میں بھگاتا ہوا دونوں لشکروں کے درمیان آیا، رُکا، پھر بلند آواز میں مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے انفرادی مقابلے کے لئے اپنا مدمقابل طلب کیا تھا۔

اس موقع پر محمد بن اشعت، خازم بن خزیمہ اور دیگر سالار ایک جگہ کھڑے تھے۔ میدان میں انفرادی مقابلہ کے لئے آنے والے کی اس پکار پر محمد بن اشعت نے خازم بن خزیمہ کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

''میرے عزیز بھائی! میرا خیال تھا کہ یہ ترک اور منگول فی الفور ہم پر حملہ آور ہو جائیں گے۔ لیکن یہ انفرادی مقابلہ کو ترجیح دے رہے ہیں۔ ان وحشیوں کا جو جنگجو میدان میں اُترا ہے، میں اس کے مقابلے پر جاتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ خداوند قدوس مجھے اس کے مقابلے میں کامیاب و کامران رکھے گا۔''

اس موقع پر لشکر کا ایک چھوٹا سالار حائل ہوا۔ اس نے محمد بن اشعت کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی، کہنے لگا۔

''امیر! آپ کو انفرادی مقابلے کے لئے نہیں اُترنا چاہئے۔ آپ لشکر کے سالار ہیں۔ آپ کو نقصان لشکر کے لئے باعث تکلیف اور شکستگی کا باعث بن سکتا ہے......''

یہاں تک کہتے کہتے اُس سالار کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اس کی بات کاٹتے ہوئے محمد بن اشعت نے اس سالار کی پیٹھ تھپتھپائی، کہنے لگا۔

''میرے عزیز! تیری سوچ ٹھیک ہے۔ لیکن اگر اس کے مقابلہ میں ہمارا کوئی سالار مات کھا جاتا ہے تو پھر ہمارے لشکری بد دل ہو جائیں گے۔ اور اگر ہم انفرادی مقابلہ جیتتے ہیں تو میرے عزیز! ہمارے لشکریوں کے حوصلے ایسے بلند ہوں گے کہ شمال کے ان وحشیوں کو ہم قراقول کے نواحی میدانوں میں رگید کر رکھ دیں گے۔ مطمئن رہ۔ میرے مہربان خداوند قدوس کو منظور ہوا تو میں انفرادی مقابلہ کے لئے نکلنے والے اس جنگجو پر غالب اور فتح مند رہوں گا۔''

اس کے ساتھ ہی محمد بن اشعت نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور انفرادی مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑھا تھا۔

محمد بن اشعت جب اس منگول تیغ زن کے سامنے گیا، اس کے قریب جا کر اپنے گھوڑے کو روکا، تب وہ منگول محمد بن اشعت کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''پہلے یہ بتاؤ، جس لشکر سے نکل کر تم میرے ساتھ انفرادی مقابلہ کرنے کے لئے آئے ہو اس لشکر میں تمہاری حیثیت کیا ہے؟ تاکہ مقابلہ شروع کرنے سے پہلے مجھے اطمینان ہو کہ میرا ٹکراؤ کسی اچھے تیغ زن سے ہو رہا ہے۔''

اس موقع پر طنزیہ انداز میں محمد بن اشعث نے اُس منگول کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

''سن وحشی انسان! جب میرا تیرا ٹکراؤ شروع ہوگا تو میری تلوار کی صنائی تجھ پر ثابت کرے گی کہ جس لشکر سے میں نکل کر آیا ہوں اس میں میرا کیا مقام، کیا منصب ہے۔''

محمد بن اشعث کے ان الفاظ کے جواب میں اس منگول نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا، کہنے لگا۔

''یہ بھی تُو نے خوب کہی۔ ترکوں اور منگولوں کا تو نام سن کر ہی لوگ اپنی بساطیں لپیٹ لیتے ہیں، بوریا بستر سمیٹ کر پناہ گاہوں کی تلاش کی فکر کرتے ہیں۔ تم مجھے زیر کرنے کے درپے ہو۔ سن میرے مقابل آنے والے! جب میں کسی سے انفرادی مقابلہ کرتا ہوں تو مضطرب تشنگی کے نوحوں، اعصابی ہیجان، مقدر کی بدنامی، قسمت کی رُسوائی کو اس کا مقدر بنا کر رکھتا ہوں میں جب کسی پر ضرب لگاتا ہوں تو آتے جاتے موسموں کے قافلوں کی طرح شام سے پہلے ہی اس کی زندگی کی شام آ نمودار ہوتی ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں ان گنت تیغ زنوں کے ہاتھوں بے شمار تیر اندازوں کی نظر اور کتنے ہی نیزہ بازوں کی گرفت پر قدغن لگائی۔ جب تیرا میرا ٹکراؤ شروع ہوگا اور تُو میرے ساتھ مقابلہ کی ابتداء کرے گا تو تُو اپنی آنکھوں سے خود ہی دیکھ لے گا۔ تُو محسوس کرے گا کہ مقابلہ کے دوران اُداسیاں بگل مارے تیرے سامنے کھڑی ہوں گی۔ خون بھرا خوف تیرے لئے رقص کرے گا۔ بربریت تیرے ساتھ آنکھ مچولی کرے گی۔ بے بسی اور لاچارگی کی تحریریں تجھے چار سُو نظر آئیں گی اور لمحوں کے اندر میں تیری حالت بھیگے کاغذ کی طرح لاغر اور کمزور بنا کر رکھ دوں گا۔

سن میرے مقابل آنے والے! مقابلہ شروع ہونے دے۔ پھر دیکھنا کہ میں کیسے تیرے خوابوں کے نگر میں تاریکی کی سنگین دیواریں کھڑی کرتا ہوں، تیری تمناؤں کے شہر میں ٹوٹے عکس کی کرچیاں پھیلا کر رکھتا ہوں۔ اس وقت تُو میرے سامنے بے بس کھڑا ہوگا اور میں تیرے ساتھ جو چاہوں گا، سلوک کروں گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد جب وہ منگول خاموش ہوا تب محمد بن اشعث ہولناک لہجے میں اُسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''سن زمین پر درد کے اشکوں کا بیج بولنے والے! زندگی کو کراہوں کا اضطراب دینے والے! تیرے سے بھی بڑے بڑے سرو سامان رکھنے والے حکمران کوچ کر گئے۔ تجھ جیسے عصمتوں پر گندگی اچھالنے والے بھیڑیئے، تمناؤں کو لہولہو کرنے کا دعویٰ کرنے والے قضا کے بے کراں بحر، خوابوں کو کرچی کرچی کر دینے کی دھمکی دینے والے موت کے بگولوں کی بے کلی میں نے اپنی زندگی میں بہت دیکھ رکھی ہے۔ تجھ جیسے گندگی کے منصوبوں کے امین، زمین کو لالچ سے بھرپور کرنے والے بھیڑیئے، تحریروں کو بانجھ، راستوں کو ویران، فضاؤں کو سنسان کرنے والے حیوانیت کے جنون میں مچلتے جوان میں نے بہت دیکھ رکھے ہے۔ جب تُو مجھ سے ٹکرائے گا تو یاد رکھنا محسوس کرے گا جیسے بے جہت کرتے شعلوں کے شرر، کھولتی تیزابی تلخیوں اور اضطراب کے بھنور نے تمہارا تعاقب شروع کر دیا ہے۔

سن میرے مقابلے پر نکلنے والے منگول! آ باتوں کو ختم کریں۔ جس کام کے لئے دونوں لشکریوں کے درمیان آئے ہیں، اس کی ابتداء کریں۔ آ مقابلہ کی ابتداء کریں۔ پھر دیکھیں شکست کس کے منہ پر خون آلود طمانچے مارتی ہے، کس کی جھولی میں کامیابی کے پھول ڈالتی ہے۔''

محمد بن اشعث کے ان الفاظ پر وہ منگول ظلم کی گندگی، شقاوت کے مجبل میں ریاضتوں کی تابکاری کی طرح حرکت میں آیا۔ پھر وہ نابود و ناپید کر دینے والی نفرت کی طوفانی طاقتوں، موت کے شکنجے کھڑے کرتے درد انگیز المیوں اور گناہوں کے عکس کی طرح محمد بن اشعث پر حملہ آور ہوا تھا۔

جواب میں محمد بن اشعث بھی جوابی کارروائی کے طور پر موت کے قفل کھولتے جرأت مندی کے طلسماتی انداز، قدرت کی کمال صنائی اور حرب و ضرب کے جمال کی طرح حرکت میں آیا۔ پھر وہ اس منگول پر ہجر کی اندھی راہوں پر ذرہ ذرہ کو خون آلود کرتی پتھریلی مسافتوں، مفارقت کے شہر میں اوہام کے بت خانوں اور آنے والے برسوں کے تصورات کو زنگ آلود حزن کا شکار کرتے کالے قہر، پہلے موسموں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

کچھ دیر تک دونوں ایک دوسرے سے ٹکراتے رہے۔ منگول یہ خیال کر رہا تھا کہ وہ مسلمانوں کی طرف سے انفرادی مقابلے کے لئے آنے والے کو زیر کر کے میدان کے

وسط میں اپنی فتح مندی اور کامیابی کا اعلان کرے گا۔ لیکن محمد بن اشعت لمحہ بہ لمحہ اس کے لئے کرب خیزیاں اور مصیبت کھڑی کرتا جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے مزید مقابلے کے بعد وہ منگول خوف محسوس کرنے لگا تھا۔ اس لئے کہ محمد بن اشعت اس کے کسی بھی حربہ اور کسی بھی جتن کو کامیاب نہیں ہونے دے رہا تھا۔ ایک موقع پر وہ منگول جب محمد بن اشعت پر ایک خوفناک وار کرنے کے بعد پیچھے ہٹا تب ہلکے ہلکے قہقہے میں محمد بن اشعت نے اسے مخاطب کیا۔

''سن انفرادی مقابلے کے لئے پکارنے والے! اب تک تجھے سمجھ آ گئی ہو گی کہ تُو تیغ زنی کی کس قدر گہرائی میں ہے۔ میں اب تک صرف تیرے حملوں کو روکتا رہا ہوں، تیرے حملہ آور ہونے کا انداز سمجھ گیا ہوں۔ میں تو یہ جان کر پریشان ہوں، تُو مجھے دھمکی دیتا تھا کہ جب تیرا میرا مقابلہ شروع ہو گا تو تیرے تیز حملوں کے باعث میرے آگے اُداسیاں بکل مارے بیٹھ جائیں گی، خوف بھرا خون آلود رقص شروع ہو جائے گا، میرے سامنے بربریت کی آنکھ مچولی شروع ہو جائے گی اور بے بسی اور لاچارگی کی تحریریں میرے لئے رقم ہونا شروع ہو جائیں گی۔ سن منگول! میں نے اپنے دفاع کی چادر اُتار دی ہے اور جارحیت کا لبادہ پہن لیا ہے۔ اب ذرا محتاط ہو کر میرے ساتھ مقابلہ کرنا۔ اس لئے کہ مقابلے کو اب میں نے تیزی سے سمیٹنا ہے اور تمہیں تمہارے انجام تک پہنچانا ہے۔''

محمد بن اشعت کے ان الفاظ پر لمحہ بھر کے لئے منگول کا رنگ پیلا ہو گیا تھا۔ پھر دونوں ایک دوسرے پر خوف ناک وار کرنے لگے تھے۔

ایک موقع پر اچانک محمد بن اشعت نے منگول کے وار کو اپنی ڈھال پر روکا اور پھر ڈھال کو اُس نے ایسی تیزی اور قوت کے ساتھ پیچھے دھکیلا کہ وہ منگول گھوڑے پر اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا، لہرایا اور زمین پر گر گیا۔ اسی لمحہ جست لگانے کے انداز میں محمد بن اشعت اپنے گھوڑے سے کودا اور پھر قبل اس کے وہ منگول اُٹھتا، سنبھلتا، دوبارہ مقابلہ کی ابتداء کرتا، آگے بڑھ کر محمد بن اشعت نے اپنی تلوار کی نوک اُس کی گردن پر رکھ دی تھی، پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تُو تو میری حالت بھیگے کاغذ کی طرح لاغر اور کمزور کرنے کا دعویٰ کرتا تھا۔ اب ذرا اپنی حالت کو دیکھ۔ تیری حالت تو بھیگے کاغذ کے لاغر پن اور کمزوری سے بھی بدتر ہو

کر رہ گئی ہے۔ تُو میرے ساتھ بربریت کی آنکھ مچولی کی اُمید رکھتا تھا۔ میری قسمت میں رسوائی، مقدر میں بدنامی، اعصاب میں ہیجان بھرنا چاہتا تھا۔ اب وہی حالت تیری ہو گئی ہے۔''

اس موقع پر محمد بن اشعت نے ایک کام کیا۔ اچانک اپنا پاؤں اس نے اس منگول کی تلوار پر رکھ دیا۔ پاؤں کی ایک سخت ٹھوکر اس ہاتھ کو لگائی جس میں ڈھال پکڑ رکھی تھی۔ پاؤں کی یہ سخت ٹھوکر لگنے سے اس منگول کے ہاتھ سے ڈھال چھوٹ کر جا گری تھی۔ عین اسی لمحہ محمد بن اشعت نے اپنی تلوار گرائی اور اس منگول کی گردن کاٹ کر رکھ دی تھی۔

اس انفرادی مقابلہ کے بعد اپنے لشکریوں کو حوصلہ شکنی سے بچانے کے لئے منگولوں نے فوراً عام حملے کی ابتداء کر دی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ اپنے لشکر کو حرکت میں لائے اور مسلمانوں کے لشکر پر وہ خواہشوں کو بریدہ کرتی آگ اُگلتی رات، مایوسی کے سیم و تھور کھڑے کرتے صدیوں کے رُکے کالے قہر، شکست کی نئی کھوج لگاتے نفرت کے کھولتے جہنم اور اندھے غاروں سے نکل کر جوش مارتے خون خوار گھنے عذابوں کی طرح حملہ آور ہوئے تھے۔

جواب میں مسلمانوں نے بھی دشتِ امکان میں سرنگوں کر دینے والی موجوں کے تندریلوں، بوند بوند ترستے صحرا میں رقص کرتے آگ کے شعلوں کی طرح اپنے کام کی ابتداء کی اور وہ بھی منگولوں پر ہر تنظیم کو دکھ کے گھر کی طرح پریشان کر دینے والی جذبوں کی یلغار، عقل کی ساری تگ و دو کو اپنے سامنے سرنگوں کرتی قضا کی ہولناک پکار، روحوں پر درماندگی طاری کرتی نا اُمیدیوں کے خونی سحر، ذہنوں پر خونی دستک دیتے دُکھ کے بے انت سرابوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

دونوں لشکروں کے اس طرح ٹکرانے سے چار سُو ٹوٹے عکس کی کرچیاں پھیلاتا ذلت کا فسوں اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ غبار آلود اندھی فضاؤں میں ہر شے کو چاٹتی سرد مہری کی آندھیاں چل نکلی تھیں۔ قریۂ جاں میں درد و کرب بھرتے خوفناک لمحوں کے بدترین اُبال اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ زیست کی طویل راہ گزر پر چار سُو رقص کرتی بربادیاں موت کا دف بجانے لگی تھیں۔ ذہنوں پر سرسراتے سانپوں، قلوب پر خون مجرکی کیفیت طاری ہونا شروع ہو گئی تھی۔ بازوؤں کی قوت کے سامنے نفس نفس میں

مرگ کا زہر پھیلنے لگا تھا۔ تلواروں کی صناعی موت کے قفل کھولنے لگی تھی۔ بڑے بڑے تیغ زن، بڑے بڑے سورما اور بڑے بڑے لاجواب نا قابلِ تسخیر نوجوان موت کی موجوں میں تحلیل ہوتے شفق کے لرزاں سایوں کی طرح غائب ہونا شروع ہو گئے تھے۔

دریائے زرفشاں کے بائیں کنارے قراقول کے نواحی میدانوں میں آخر مسلمانوں نے منگولوں کو بدترین شکست دی۔ اس شکست کے بعد منگول بھاگ کھڑے ہوئے۔ پہلے انہوں نے سیدھا شمال کا رُخ کیا، اس کے بعد تھوڑا سا وہ مشرق کی جانب مڑے اور رزدوان کے مقام پر جا پہنچے۔ یہ وہ مقام تھا جہاں منگولوں کا ایک اور لشکر پڑاؤ کئے ہوئے تھا۔

جب شکست خوردہ منگول رزدوان پہنچے تو وہاں جو پہلے سے منگولوں کا لشکر تھا، نے اپنے اس لشکر کے زیادہ حصے کے کٹ مرنے کا بے حد دکھ ہوا اور منگول یہ سوچنے لگے کہ مسلمانوں سے ہر صورت میں اپنی شکست کا انتقام لیا جائے گا۔ چونکہ سرائے قزل تم میں اس وقت منگولوں نے اپنے پانچ مرکز بنا رکھے تھے۔ ایک قراقول میں، دوسرا رزدوان میں، تیسرا کرمینا میں، چوتھا خطرچی میں اور پانچواں نورآتہ میں تھا۔ لہٰذا منگول بھی امید کئے بیٹھے تھے کہ قراقول میں ان کے لشکر کو بدترین شکست دینے کے بعد مسلمان یونہی بیکار نہیں بیٹھ جائیں گے بلکہ وہ ہمارے شکست خوردہ لشکر کے پیچھے پیچھے شمال کا رخ کریں گے۔ لہٰذا مسلمانوں سے ٹکرا کر ہر صورت میں شکست کو ان کا مقدر بنانے کے لئے رزدوان میں جو لشکر کے سالار تھے انہوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے نورآتہ، کرمینا اور خطرچی میں جو منگول لشکر تھے انہیں بھی رزدوان کی طرف بلا لیا تھا تا کہ پوری طاقت و قوت کو استعمال کرتے ہوئے مسلمانوں کا مقابلہ کیا جائے اور انہیں نکال باہر کیا جائے۔

منگول مسلمانوں کے مقابلہ میں دل و جان کی بازی لگا دینا چاہتے تھے۔ ایسا وہ اس لئے بھی کرنا چاہتے تھے کہ قراقول کے میدانوں میں شکست اٹھانے کے بعد وہ فکرمند ہو گئے تھے۔ انہیں یہ فکر اور خطرہ بھی لاحق ہو گیا تھا کہ اگر باقی مقامات پر بھی مسلمانوں کے مقابلوں میں انہیں شکست کا سامنا کرنا پڑا تو پھر وہ ماضی کی طرح جو اپنے برفانی علاقوں سے نکل کر جنوب کا رخ کرتے ہیں اور گرم علاقوں سے اپنے لئے

ضروریاتِ زندگی بھی حاصل کرتے ہیں، لوٹ مار کا بازار گرم کرتے ہیں تو اس سے وہ محروم ہو جائیں گے۔

چنانچہ انہی خدشات کو سامنے رکھتے ہوئے منگولوں نے نورآتہ، خطرچی اور کرمینا میں جو ان کے لشکر تھے انہیں صحرائے قزل تم کے بڑے شہر رزدوان میں بلا لیا تھا۔ ایسا کر کے منگول چاہتے تھے کہ پوری یکجہتی اور اتفاق کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ کیا جائے تا کہ مسلمان انہیں شکست دے کر کہیں انہیں ان کے آبائی پیشے قتل و غارت گری اور لوٹ مار سے محروم نہ کر دیں۔

❁❁❁

دوسری طرف قراقول میں جب منگولوں کو شکست ہوئی تو کچھ دور تک خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نے اپنے لشکریوں کے ساتھ بھاگتے منگولوں کا تعاقب کرتے ہوئے ان کی تعداد مزید کم کی، تعاقب کرنے کے بعد محمد بن اشعث اور خازم بن خزیمہ ایک دوسرے کے پاس آئے، مسکراتے ہوئے اپنے گھوڑوں سے اُتر کر بھاگ کر ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے۔ پھر دونوں اپنی اس شاندار فتح مندی پر ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے تھے۔

اتنی دیر تک چھوٹے سالار اور لشکری بھی قریب آ گئے تھے۔ محمد بن اشعث اور خازم بن خزیمہ سب سے گلے ملے۔ ایک دوسرے کو اس شاندار فتح پر مبارک باد دی پھر واپس پڑاؤ میں آئے۔

لشکر کا ایک حصہ جو چند دستوں پر مشتمل تھا، پہلے سے وہاں موجود تھا تا کہ اپنے پڑاؤ کی حفاظت کرے۔ اس لئے کہ پڑاؤ کے اندر لشکریوں کے سالاروں کے اہل خانہ بھی تھے۔

خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نے مل کر پہلے اپنے زخمیوں کی دیکھ بھال کی، اس کے بعد بھاگنے والے منگولوں کے پڑاؤ پر قبضہ کر کے پڑاؤ سے جو چیز ملی سب پر قبضہ کر لیا۔ اس میں سے اکثریت کو لشکریوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔
پھر لشکر کا ایک حصہ جس نے جنگ میں شرکت نہیں کی تھی، اسے پہرہ دینے پر مقرر کر دیا گیا، باقی لشکریوں کو آرام کرنے کا موقع فراہم کیا گیا تھا۔

محمد بن اشعث جب اپنے خیمے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا خیمے میں اقلیما ایک کونے سے دوسرے کونے تک بڑی بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ جونہی محمد بن اشعث خیمے کے دروازے پر نمودار ہوا، اقلیما کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی، بھاگ کر خیمے کے دروازے پر آئی، محمد بن اشعث کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے اور اسے خیمے میں لے جاتے ہوئے کہنے لگی۔

''آپ یوں خیمے کے دروازے پر کیوں کھڑے ہو گئے ہیں؟ میں تو بڑی بے چینی سے آپ کی آمد کا انتظار کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے ہی لشکر کی کچھ عورتیں یہاں سے اٹھ کر گئی ہیں۔ وہ میری خوش قسمتی کی بڑی تعریف کر رہی تھیں۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ میں خوش قسمت ہوں کہ محمد بن اشعث کی بیوی ہوں۔ جب لشکر گاہ اور ہمارے پڑاؤ میں یہ خبر پھیلی کہ آپ نے انفرادی مقابلے میں ایک منگول کو جو منگولوں کا سورما تھا، موت کے گھاٹ اتار دیا ہے تو لشکر میں شامل بہت سی عورتیں بھاگی بھاگی میرے خیمے میں آئیں اور آپ کی کامیابی پر نہ صرف وہ مجھے مبارک باد دینے لگیں بلکہ میری ذات پر فخر بھی کرنے لگیں کہ میں آپ کی بیوی ہوں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد اقلیما رکی، تاسف بھرے انداز میں اس نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا، پھر کہنے لگی۔

''میں بھی کتنی بے وقوف اور احمق ہوں۔ آپ یہاں رکیں۔ میں ابھی آئی۔''

پھر وہ بھاگتی ہوئی خیمے سے ملحقہ طہارت خانے کی طرف گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹی۔ اس کے ہاتھ میں ایک صاف ستھرا سفید رنگ کا کپڑا پانی میں بھیگا ہوا تھا۔ اس کپڑے سے اس نے محمد بن اشعث کا چہرہ، اس کے بازو صاف کئے جن پر خون کے قطرے جم گئے تھے۔

جب وہ ایسا کر رہی تھی تب محمد بن اشعث نے پیار بھرے انداز میں اس کا بازو پکڑ لیا اور کہنے لگا۔

''اقلیما! تم زحمت کیوں کرتی ہو؟ میں ابھی نہا کر لباس تبدیل کروں گا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

جواب میں اقلیما کہنے لگی۔

''میں نے آپ کے نئے کپڑے نکال کر رکھے ہوئے ہیں۔ آپ طہارت خانے

میں جائیں، نہا کر لباس تبدیل کریں۔ اتنی دیر تک کھانا بھی آ جاتا ہے۔ پھر اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔''

محمد بن اشعث نے اس سے اتفاق کیا۔ طہارت خانے کی طرف گیا، نہایا، لباس تبدیل کیا، اس کے بعد دونوں میاں بیوی اپنے خیمے میں بیٹھ کر پُرسکون انداز میں کھانا کھا رہے تھے۔

✿

دوسری طرف شبیب بن رواح اور حرب بن قیس ایک لشکر لے کر سیستان کے خارجیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ ان کی روانگی سے پہلے منصور نے تیز رفتار قاصد یمن کے حکمران معن بن زائدہ کی طرف بھجوائے تھے اور معن بن زائدہ کے لئے منصور نے یہ حکم جاری کیا تھا کہ اسے یمن کی بجائے سیستان کا حاکم مقرر کیا جاتا ہے اور یہ کہ وہ شبیب بن رواح اور حرب بن قیس کے ساتھ مل کر سیستان میں اُٹھنے والی خارجیوں کی بغاوت کو فرو کرے۔

دوسری طرف خارجیوں نے دشت کویر میں منصور کے لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک بہت بڑا لشکر جمع کر لیا تھا اور مقابلہ کرنے کے لئے وہ وہیں انتظار کرنے لگے تھے۔

دشتِ کویر ایران کے بڑے صحراؤں میں شمار کیا جاتا تھا اور خاصا بڑا صحرا تھا۔ ان دنوں ایرانی مملکت کی حدود بھی مختلف تھیں۔ جبکہ قدیم زمانے میں یہ مملکت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی لیکن بعد میں سمٹتی چلی گئی تھی اور بعد کے دور میں پھر اس کی حدود شمال میں قفقار، روسی ترکستان، جنوب میں عرب اور بحیرۂ عرب، مشرق میں افغانستان اور ہندوستان، اور مغرب میں عراق اور ترکی تک پھیلتی چلی گئی تھی۔

سرزمین ایران ایک سطح مرتفع ہے جو چاروں طرف سے پہاڑوں میں گھری ہوئی ہے۔ اس کے شمالی جانب کوہ البرز ہے جو زنجیر کی طرح شرقاً غرباً پھیلتا چلا گیا ہے۔ یہ سلسلہ کوہ مغرب میں آرمینیا سے شروع ہو کر بحیرہ خزر سے ہوتا ہوا کوہ ہندوکش تک جا ملتا ہے۔

شمال میں کچھ ایسے پہاڑ بھی ہیں جن میں کبھی آتش فشانی مادہ پایا جاتا تھا لیکن مرورِ ایام سے یہ مادہ خاموش ہو چکا ہے۔ ان پہاڑوں میں رماوند اور سبلان ہیں۔ کوہ دماوند

تہران کے قریب ہے اور کوہ سبلان آذر بائیجان میں ہے جنوب مشرق میں بھی پہاڑ ہیں جن میں چونا پایا جاتا ہے۔ مغربی سمت زاگروس یا کردستان کے پہاڑ ہیں جو شمالاً جنوباً پھیلے ہوئے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ پہلے ان سرزمینوں میں جنگل بکثرت تھے جن کی بناء پر بارش خوب ہوتی تھی، پانی کی بہتات تھی۔ لیکن بعد میں جب جنگل کٹتے گئے اور بد امنیوں کی وجہ سے جنگلوں میں مزید کمی ہوئی تب جنگل نہ ہونے کی وجہ سے بارش بھی کم ہونے لگی۔ جو تھوڑی بہت بارش ہوتی ہے وہ سردی میں ہوتی ہے۔

صحرائے کویر جس میں خارجیوں نے مقابلہ کرنے کے لئے اپنے لشکر کو استوار کیا تھا، یہ ایران کی سطح مرتفع کے وسط میں ہے۔ اس صحرائے کویر کو دشتِ لوط بھی کہتے ہیں۔ یہ صحرا تہران اور قم کے قریب سے شروع ہو کر مشرق کی جانب تقریباً آٹھ سو میل تک پھیلتا چلا گیا ہے۔ اس طویل صحرا میں پگڈنڈیاں اور راستے بنے ہوئے ہیں جس کے اندر سے گزرنے کے لئے تاجر عموماً اونٹوں پر سوار ہو کر مال تجارت لے جاتے ہیں۔ دشت کویر یا صحرائے لوط کا سفر نہایت دشوار گزار ہے۔ کہیں سو میل کے بعد جا کر کوئی نخلستان یا چھوٹی موٹی بستی دکھائی دیتی ہے اور پھر ان علاقوں میں پانی بھی وافر نہیں ملتا۔ اس لئے کہ ایران میں کوئی خاص بڑے دریا نہیں ہیں۔ لے دے کر ایران میں ایک بڑا دریا ہے جسے قارون کہتے ہیں۔ یہ بختیاری پہاڑوں سے نکلتا ہے اور خوزستان کے علاقے میں بہتا ہے۔ خلیج فارس میں گرنے سے پہلے اس کی دو شاخیں ہو جاتی ہیں جن کے مابین جزیرہ اباداں واقع ہے۔

اہواز تک اس دریا میں جہاز رانی ہوتی ہے۔ دریائے قارون کے قریب ہی ایک اور دریا بہتا ہے جس کو کرخا کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ دریا جب شوش شہر کے قریب پہنچتا ہے تو اس کے بھی دو حصے ہو جاتے ہیں۔ آخر یہ دونوں مٹی میں جذب ہو کر دلدل بن جاتے ہیں۔ تاہم جب اس میں پانی زیادہ ہوتا ہے تو بچا کھچا پانی دریائے دجلہ میں بھی جا گرتا ہے۔

منزل پر منزل مارتے ہوئے شبیب بن رواح اور حرب بن قیس دشتِ کویر کی اس سمت بڑھے تھے جہاں خارجیوں نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر رکھا تھا۔ خارجیوں کے قریب جانے سے پہلے یمن کا حاکم معن بن زائدہ بھی اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ

صحرائے کولیر یا دشتِ لوط میں شبیب بن رواح اور حرب بن قیس سے جا ملا تھا۔ اس طرح تینوں متحد ہو کر آگے بڑھے اور دشتِ لوط میں جہاں خارجیوں نے پڑاؤ کر رکھا تھا، بالکل خارجیوں کے سامنے انہوں نے بھی اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لیا تھا۔

جونہی معن بن زائدہ، شبیب بن رواح، حرب بن قیس ان خارجیوں کے سامنے آئے، خارجیوں نے جنگ کی ابتداء کرنے کا اشارہ دے دیا تھا جس کی بناء پر وہ تینوں بھی اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے لگے تھے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے جنگ کی ابتداء خارجیوں کی طرف سے ہوئی اور خارجی اجل کی اندھی راہوں پر دکھ کے خونی بگولوں، درد و فرقت کے پیوند لگاتے اعصابی عذاب، زیست کی خود فریبی کے اوہام کھڑے اندیشوں کے سیلِ بے اماں اور پاؤں سے لپٹ جانے والے خودسر ستم پرور جذبوں کی طرح حملہ آور ہوئے تھے۔

ان خارجیوں کے حملے کے جواب میں معن بن زائدہ، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس بھی جوابی کارروائی کرتے ہوئے خوابوں کی تعبیریں بدل دینے والے مرگ کے جوش مارتے بھنور، زندگی کے حصار توڑتی آگ اُگلتی کالی ابتلاؤں، موت کے لبادے پہناتے قضا کی زنجیریں کھولتے عذابوں، الم کی داستانوں اور کڑے کرب کی فرقت کی طرح حملہ آور ہوئے تھے۔

صحرائے کولیر یا دشت لوط میں دونوں لشکریوں کے اس طرح ٹکرانے سے خوف ناک صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ برسوں سے پانی کو ترستی صحرا کی ریت انسانی خون سے اپنی پیاس بجھانے لگی تھی۔ دونوں طرف کے لشکری زخمی کہانیوں، طبقہ داری کی نفرت، بھنور بناتی بربادیوں، رگ رگ میں نوحہ گری کا کہرام اور سانسوں میں نفرت کے اُبلتے طوفان کھڑے کرتی قضا کی طرح ٹوٹ پڑے تھے۔

دشتِ لوط میں ہجر، عذاب کے خونی لمحے، نفرت بھرے عزائم۔ وحشی آتشی جذبے، گونجتی قضا کے بھنور، وہم و وحشت بھرے چھلاوے اور صدیوں سے رکی بربادیاں چار سُو ناچ اُٹھی تھیں۔

خارجیوں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ معن بن زائدہ، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس کو کسی نہ کسی طرح شکست دے کر مار بھگائیں لیکن وہ ایسا کرنے میں کامیاب نہ ہوئے۔ اُلٹا تھوڑی دیر کی مزید جنگ کے بعد انہیں بدترین شکست کا سامنا

کرنا پڑا۔ معن بن زائدہ، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس تینوں نے بڑی شدت اور سختی کے ساتھ شکست اٹھانے کے بعد بھاگتے خارجیوں کا تعاقب کیا اور ان کی تعداد کو اس قدر کم کر دیا کہ وہ خطرے کا باعث نہ بن سکیں۔

خارجیوں کے خلاف اس شاندار فتح اور کامیابی کے بعد معن بن زائدہ سیستان کے حاکم کی حیثیت سے اپنے فرائض ادا کرنے لگا تھا۔ چند روز تک شبیب بن رواح اور حرب بن قیس نے بھی اس کے ساتھ قیام رکھا اور سیستان کے انتظامی امور کو اس کے ساتھ مل کر درست کرتے رہے۔ اس کے بعد شبیب بن رواح اور حرب بن قیس جو لشکر لے کر بغداد کی طرف سے آئے تھے اس لشکر کو لے کر وہ واپس بغداد کی طرف چلے گئے تھے۔

❀❀❀

محمد بن اشعث اور خازم بن خزیمہ قراقول کے نواح میں منگولوں کو بدترین شکست دینے کے بعد دریائے زرفشاں کے کنارے قراقول شہر سے ذرا فاصلے پر اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کئے ہوئے تھے۔ لشکر کو اب کچھ دن آرام کرنے اور سستانے کا موقع بھی مل گیا تھا۔ جس وقت خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث کے ساتھ ان کے دوسرے سالار دریائے زرفشاں کے کنارے ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تب گفتگو کا آغاز خازم بن خزیمہ نے کیا اور سارے سالاروں کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

"میرے عزیز بھائیو! منگولوں کو ایک بار ہم بدترین شکست دے چکے ہیں اور ایسا کر کے ہم ان پر ثابت کر چکے ہیں کہ وہ ناقابلِ تسخیر نہیں ہیں۔ اس لئے کہ شمال کے برف زاروں سے نمودار ہونے والے ان وحشیوں کا یہ گمان اور گھمنڈ تھا کہ وہ جیسے چاہیں بربادی کا کھیل کھیلتے رہیں۔ بربادی اور شکست و ریخت کا رقص کرتے رہیں، کوئی ان سے باز پرس نہیں کر سکتا اور نہ ہی انہیں کوئی شکست دے سکتا ہے۔ لیکن قراقول کے نواح میں ہم نے انہیں شکست دے کر ان کے لشکر کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد ان کے وہم و گمان کو شکستہ کر کے رکھ دیا ہے۔

میرے عزیز بھائیو! لشکریوں نے اب خاصا آرام کر لیا ہے۔ سب لشکری تازہ دم ہیں۔ ہمارے پاس رسد کی صورت میں بھی بہت کچھ ہے۔ اس لئے کہ منگولوں کے پڑاؤ سے بھی ہمیں بہت کچھ حاصل ہو چکا ہے۔ اب ہم نے اپنے اگلے ہدف کی طرف پیش

قدمی کرنی ہے۔

میرے بھائیو! میں تم پر یہ بھی انکشاف کروں کہ تمہارے ساتھ اس موضوع پر گفتگو کرنے سے پہلے میں اپنے بھائی محمد بن اشعث کے ساتھ تفصیل سے گفتگو کر چکا ہوں اور ایک معاملے پر دونوں متفق ہو چکے ہیں۔ اب یہی معاملہ میں تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں اور اس سلسلے میں تم میں سے کسی کو کوئی اعتراض ہو تو بلا جھجک کہے۔ اگر کوئی اچھی تجویز پیش کرے گا تو اس پر عمل کیا جائے گا۔

سب سے پہلے میں تم پر یہ انکشاف کروں کہ ہمارے ہاتھوں شکست اٹھانے کے بعد جیسا کہ میں بتا چکا ہوں، منگول شمال کی طرف بھاگ گئے تھے اور اپنے لشکریوں اور اپنی عسکری قوت کو وہ رزدوان کے مقام پر جمع کر رہے ہیں، قراقول کے علاوہ صحرائے قزل قم میں ان منگولوں کے چار بڑے بڑے مرکز ہیں اور ان چاروں مراکز میں ان کے خاصے بڑے بڑے لشکر قیام کئے ہوئے ہیں اور وہیں سے نکل کر یہ آباد علاقوں پر حملہ آور ہوتے ہیں اور اپنے لئے فوائد حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ان کا ایک مرکز نورآتہ کے مقام پر ہے اور یہ نورآتہ صحرائے قزل قم کے ذرا کافی اندر ہے۔ دوسرا بڑا مرکز خطرچی میں ہے اور یہ دریائے زرفشاں کے ذرا فاصلے پر شمال کی جانب ہے۔

تیسرا بڑا مرکز کرمینا کے مقام پر ہے اور یہ بالکل دریائے زرفشاں کے کنارے ہے۔ چوتھا اور سب سے بڑا مرکز رزدوان ہے۔ یہ دریائے زرفشاں سے مغرب کی جانب ذرا ہٹ کر فاصلے پر ہے۔

منگولوں سے مزید نمٹنے کے لئے میں نے اور محمد بن اشعث نے جو منصوبہ بندی کی ہے اس کے مطابق آنے والی شب کو عشاء کی نماز کے بعد کوچ کیا جائے گا۔ دریائے زرفشاں کا کنارہ چھوڑ کر صحرائے قزل قم کے اندر رہتے ہوئے شمال کی طرف پیش قدمی کی جائے گی۔ رات کے وقت صحرا کے اندر ہمارے مخبر جو ان سارے علاقوں سے واقف ہیں، وہ ہماری راہنمائی کریں گے۔ اب ہماری منصوبہ بندی یہ ہوگی کہ منگولوں کے تین مراکز خطرچی، کرمینا اور رزدوان کو نظرانداز کرتے ہوئے ہم سیدھے آگے شمال کی جانب نورآتہ کی طرف بڑھ جائیں۔ وقت کا خیال رکھا جائے گا۔ یہ کوشش کی جائے گی کہ نورآتہ کے قریب ہم رات کے وقت پہنچیں اور رات ہی میں اپنی کارروائی کی

ابتداء کرتے ہوئے نورآتہ میں جو منگولوں کا لشکر ہو گا اس پر اس قدر سخت شب خون ماریں گے کہ وہاں سے کسی منگول کو بھاگنے کا موقع فراہم نہیں کریں گے۔ نورآتہ سے جو شاہراہ خطرچی، کرمینا یا رزدوان کی طرف آتی ہے اس پر پہلے سے اپنے مسلح دستے متعین کر دیئے جائیں گے تاکہ نورآتہ میں جب ہم منگولوں کا قتل عام کریں، اگر کوئی منگول وہاں سے نکل کر خطرچی، کرمینا یا رزدوان کی طرف بھاگتا ہے تو ہمارے وہ دستے جو ان شاہراہوں پر گھات میں ہوں گے ان منگولوں کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔

اس طرح خطرچی، کرمینا اور رزدوان تینوں جگہ نورآتہ پر گزرنے والے واقعات نہ پہنچ سکیں گے اور اس کا فائدہ ہمیں یہ ہو گا کہ نورآتہ پر ضرب لگانے اور وہاں منگولوں کی طاقت اور قوت کو تہس نہس کرنے کے بعد لشکر کو وہاں صرف دو دن ستانے کا موقع فراہم کیا جائے گا۔

اس کے بعد ہم دوبارہ بڑی برق رفتاری اور تیزی کے ساتھ مشرق کی طرف اپنے سفر کا آغاز کریں گے۔ سیدھا خطرچی کا رخ کریں گے۔ یہ سفر بھی اپنے مخبروں کی راہنمائی میں ایسی رفتار سے ہوگا کہ ہم رات کے پچھلے حصے میں خطرچی پہنچیں۔ وہاں پہنچتے ہی نورآتہ کی طرح شب خون مارا جائے گا اور وہاں منگولوں کا جو لشکر ہے اس کا کام تمام کر دیا جائے گا۔

اس موقع پر میں آپ لوگوں سے یہ کہوں کہ خطرچی، کرمینا اور رزدوان تینوں تقریباً ایک ہی سیدھ میں پڑتے ہیں اور خطرچی سے ایک ہی شاہراہ نکل کر پہلے کرمینا جاتی ہے، اس کے بعد رزدوان جاتی ہے، رزدوان سے نکل کر صحرائے قزل قم سے ہوتی ہوئی دریائے زرفشاں کے کنارے کنارے قراقول کی طرف نکل جاتی ہے۔

جب ہم خطرچی پر شب خون ماریں گے تو اس شب خون سے پہلے وہ شاہراہ جو خطرچی سے کرمینا اور رزدوان کی طرف جاتی ہے وہاں بھی اپنے مسلح دستے بٹھا دیں گے۔ اس طرح سے کسی منگول کو نکل کر کرمینا یا رزدوان کی طرف جانا نصیب نہ ہو گا تاکہ خطرچی پر گزرنے والی اذیت اور عذاب کی خبر کرمینا یا رزدوان میں منگولوں تک نہ پہنچے۔

جب ہم نورآتہ اور اس کے بعد خطرچی پر بھی کامیاب شب خون مارنے کے بعد منگولوں کے لشکریوں کا کام تمام کر دیں گے تو یاد رکھنا ہمارے ایسا کرنے سے دو

فائدے ہوں گے۔ اوّل یہ کہ منگولوں کی طاقت اور قوت میں کمی آ جائے گی۔ دوسرا یہ کہ ہمارے لشکریوں کے حوصلے منگولوں کے مقابلے میں زیادہ مضبوط اور مستحکم ہو جائیں گے۔

خطرچی میں منگولوں سے نمٹنے کے بعد وقت ضائع نہیں کیا جائے گا، کرمینا کا رخ کیا جائے گا۔ اس لئے کہ خطرچی کرمینا سے نزدیک ہی ہے۔ کرمینا پر بھی نورآتہ اور خطرچی کی طرح شب خون مارا جائے گا اور وہاں جس قدر منگول ہوں گے، ان کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ خطرچی سے کسی بھی منگول کو نکل کر کرمینا اور رزدوان کی طرف نہیں جانے دیں گے۔ لیکن جب ہم کرمینا پر ضرب لگائیں گے تو اگر وہاں سے کوئی منگول بھاگ کر رزدوان کی طرف جانا چاہے گا تو اسے روکا نہیں جائے گا بلکہ بھاگنے والوں کے اندر ہمارے مخبر بھی افواہیں پھیلا کر رکھ دیں گے کہ مسلمانوں نے جہاں منگولوں کو قراقول کے مقام پر بدترین شکست دی تھی، وہیں وہ بڑی رازداری کے ساتھ رات کی تاریکی میں حرکت میں آئے، پہلے نورآتہ کو تباہ کیا اس کے بعد یکے بعد دیگرے خطرچی اور کرمینا پر شب خون مارنے کے بعد وہاں منگولوں کے جس قدر لشکری تھے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔

جب یہ خبریں رزدوان پہنچیں گی تو ان خبروں سے رزدوان میں جو منگولوں کا لشکر ہے اس کے حوصلے پست ہو جائیں گے۔ اپنے آپ کو ناقابل تسخیر سمجھنے والے منگول جب یہ سنیں گے کہ مسلمانوں نے نہ صرف انہیں قراقول کے مقام پر شکست دی ہے بلکہ انہوں نے ان کے مراکز نورآتہ، خطرچی، کرمینا کی بھی اینٹ سے اینٹ بجاتے ہوئے وہاں سارے منگول لشکریوں کا خاتمہ کر دیا ہے تب رزدوان کے اندر جو منگول ہوں گے، ان خبروں سے ان پر کپکپی طاری ہو جائے گی۔ اور جب ہم کرمینا سے نکل کر رزدوان پر ضرب لگانے کے لئے کوچ کریں گے تو ہمارا یہ کوچ منگولوں پر ایک طرح سے لرزہ طاری کر کے رکھ دے گا۔ آخر میں مجھے امید ہے کہ ہمارا ٹکراؤ رزدوان کے شمال یا کرمینا اور رزدوان کے درمیان کسی حصے میں منگولوں سے ہوگا۔ منگولوں پر جب یہ انکشاف ہو گا کہ ہم نے ان کے سارے مراکز کو تباہ و برباد کر دیا ہے تو وہ ہم سے انتقام لینے کے لئے رزدوان سے نکل کر کرمینا کا رخ کریں گے۔ لہٰذا ہمارے مخبر سرگرداں رہیں گے۔ ان کی نقل و حرکت کی اطلاع دیتے رہیں گے اور مجھے امید ہے کہ ہمارا آخری ٹکراؤ

منگولوں کے ساتھ کرمینا اور رزدوان کے درمیان ہی ہوگا۔

میرے عزیز ساتھیو! اگر ہم جانثاری اور اپنی پوری استطاعت کے ساتھ منگولوں سے ٹکرائیں تو رزدوان میں بھی ہم ان کا حلیہ بگاڑتے ہوئے انہیں شکست دے کر بھاگنے پر مجبور کر دیں گے۔ اور اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو یاد رکھو آنے والے دور میں مسلمانوں کو شمال سے نکلنے والے کسی وحشی گروہ سے خطرہ نہیں رہے گا۔''

خازم بن خزیمہ کی اس تجویز سے سارے سالاروں نے اتفاق کیا تھا۔ کسی نے کوئی اعتراض کھڑا نہ کیا اور نہ ہی کوئی نئی تجویز پیش کی گئی۔ چنانچہ اس کے بعد آنے والی شب کو کوچ کرنے کے لئے سب اپنے اپنے خیموں کی طرف ہو لئے تھے۔

خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعت بھی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ دونوں محمد بن اشعت کے خیمے کا رخ کر رہے تھے۔ جب دونوں خیمے میں داخل ہوئے تب انہوں نے دیکھا خیمے کے اندر اکلیما کے ساتھ خازم بن خزیمہ کی بیوی ربیب بنت اسود اور بیٹا مجیر بیٹھے ہوئے تھے اور تینوں آپس میں کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔

خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعت بھی آگے بڑھ کر ان کے پاس بیٹھ گئے۔ پھر گفتگو کا آغاز محمد بن اشعت نے کیا اور اکلیما کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''لگتا ہے کسی خاص موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی۔''

محمد بن اشعت کے اس سوال کا جواب اکلیما دینا ہی چاہتی تھی کہ اس سے پہلے ہی خازم بن خزیمہ کی بیوی ربیب بنت اسود بول اُٹھی۔ کہنے لگی۔

''بھائی! ہم نے کون سے خاص موضوع پر گفتگو کرنی ہے۔ بس ہم دونوں بہنیں اور مجیر اسی موضوع پر گفتگو کر رہی تھیں کہ اب دیکھیں منگول ہم سے کہاں ٹکراتے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد ربیب بنت اسود جب رُکی تب محمد بن اشعت کہنے لگا۔

''میری بہن! اس کا فیصلہ ہو چکا۔ آنے والی شب کو لشکر یہاں سے کوچ کرے گا اور ہم منگولوں پر دوسری، پھر تیسری، پھر چوتھی اور آخری ضرب لگائیں گے۔''

''کہاں؟'' تجسس بھرے انداز میں اکلیما نے پوچھ لیا تھا۔

جواب میں تھوڑی دیر پہلے جو سالاروں کے ساتھ گفتگو ہوئی تھی اس کی تفصیل محمد بن اشعت نے کہہ دی تھی۔ اس پر خازم بن خزیمہ کی بیوی ربیب بنت اسود اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی۔ ''اگر یہ بات ہے تو پھر کوچ کی تیاری کرنی چاہئے۔ وقت

تھوڑا ہے۔ ہم نے سامان بھی سمیٹنا ہے۔''

ساتھ ہی خازم بن خزیمہ کا بیٹا مجیر بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا اور پھر خازم بن خزیمہ، محمد بن اشعت کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''بھائی! تم دونوں میاں بیوی تیاری کرو۔ ہم بھی خیمے میں جاتے ہیں اور اپنا سامان سمیٹتے ہیں۔''

اس کے ساتھ ہی خازم بن خزیمہ اپنی بیوی اور بیٹے کے ساتھ محمد بن اشعت کے خیمے سے نکل گیا تھا۔ ان تینوں کے جانے کے بعد محمد بن اشعت اور اکیما دونوں میاں بیوی حرکت میں آئے، اپنا سامان سمیٹنے لگے تھے اور پھر آنے والی شب کو عشاء کے بعد لشکر نے قراقول کے نواح میں دریائے زرفشاں کے کنارے سے کوچ کیا تھا۔ اپنے مخبروں کی رہنمائی میں خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعت نے پہلے دریائے زرفشاں کے کنارے سے مغرب کے رخ پر صحرائے قزل قم کے اندرونی حصے کی طرف پیش قدمی کی تھی۔ صحرا کے کافی اندر جانے کے بعد مخبر جو اس صحرا کے چپے چپے سے واقف تھے، حرکت میں آئے۔ انہوں نے لشکر کا رخ بدلا۔ اب لشکر بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ شمال کا رخ کر رہا تھا۔

روشنی کی زنجیریں توڑ کر خوابوں کے دیار سے نکلتی رات ہولناک انداز میں اپنے گم شدہ لمحوں کو پکارتی گہری تاریکی میں نیند کی پیاس بڑھاتی چلی جا رہی تھی۔ کسی کا انتظار نہ کرنے والا وقت ہزاروں ساعتوں کو اپنا مقروض بناتا صدیوں کی فتنہ گری کو در بدر کرتا کوہ و صحرا کو تاریکی کے سیاہ نقاب اُڑاتا مالک کائنات کے طبعی قوانین کی پیروی کرتا ہوا رواں دواں تھا۔

چاروں طرف زمین کی غنائیت، انجم ثریا کی اوج، چپ صحرا کی بے کرانیوں کی عصمت، فضاؤں کی تطہیر کرتے ہواؤں کی لامکانی کے امین خاموش تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے گہری تاریکی سے بغل گیر ہو کر بھاگتی رات نے جذبوں میں درد، بدنوں میں خوف، روحوں میں گھٹن، دل میں اضطراب، رگوں میں لرزش، نبض میں ہیجان، لبوں پر گھلا دینے والا سوز بھر کر رکھ دیا ہو۔ صحرائے قزل قم میں رات کے وقت راستوں کو پامال کرتے آوارہ مزاج جھکڑ اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ظلمتوں سے دستِ گریبان، دکھ کے بے کراں سائے صحرائے قزل قم میں چاروں طرف فطرت کی تیر خیزیاں اور بھولے بسرے تمدن کے آثار چپ اداس تھے۔

خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعت صحرائی پگڈنڈیوں کو روندتے ہوئے بڑی تیزی اور بڑی سرعت سے اپنی منزل، اپنے ہدف کی طرف رواں دواں تھے۔ منگول جو ناقابلِ تسخیر خیال کئے جاتے تھے، جنہوں نے ایک طرح سے صحرائے قزل قم کے اندر اپنے محفوظ ٹھکانے بنا رکھے تھے، یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ کوئی قوت رات کی گہری تاریکی میں صحرائے قزل قم کے ریگزاروں کو روند کر صحرا کے اندر ان کے بڑے مسکن نورآتہ کی اینٹ سے اینٹ بھی بجا سکتی ہے۔ جس کام کو منگول مشکل اور ناممکن خیال کرتے تھے، اب وہی کام ہونے جا رہا تھا۔

منگولوں کا لشکر نورآتہ میں اپنے مسکن کے اندر گہری نیند سویا ہوا تھا۔ رات اپنے انجام کو پہنچ چکی تھی۔ ہر شے پر نیند کا گہرا غلبہ تھا۔ ایسے میں خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعت اپنے لشکر کے ساتھ زندگیوں کو لہولہو کرتی ہولناک عذاب رُتوں میں بدنوں کا نکھرا رنگ، خزاں رسیدہ اور زوال کا شکار کرتی آندھیوں کی طرح نورآتہ کے قریب نمودار ہوئے۔ اس کے بعد زندگی کا رس چوس کر روحوں کو قبض کر لینے والے کروبیوں اور پاؤں تلے زمین اور سر پر کوئی سایہ نہ رہنے دینے والی اندھی صحرا کی دہشتوں کی طرح وہ آگے بڑھے۔ پھر وہ غموں کی دھوپ، روح کی پیاس بڑھاتے طوفانوں کے زہریلے الم، جسم و جان کو جلاتی شعلے برساتی موت، زیست کو قفس رنگ کرتے خون آشام شاہینوں کی طرح نورآتہ کے مستقر میں منگولوں پر حملہ آور ہو گئے تھے۔

یہ بڑا شدید اور ہولناک شب خون تھا۔ جب منگولوں کا قتل عام شروع ہوا تو منگولوں نے سنبھل کر مزاحمت کرنا چاہی لیکن اس وقت تک مسلمان لشکری غموں کی اندھی شدت، تباہی کھڑی کرتی تحریکوں کی طرح ان پر غالب آتے جا رہے تھے۔ گمنام زمینوں سے اُٹھتے پاسبانوں اور خوابیدہ موت کے دروازوں پر دستک دیتی تحریک کے ہولناک عناصر کی طرح ان پر چھاتے چلے جا رہے تھے۔

رات کی گہری تاریکی میں مسلمانوں کے تیز اور جان لیوا حملوں کے بعد منگول ورق ورق بکھرے خوابوں، گلی گلی دھکے کھاتے خشک پتوں کی طرح اِدھر اُدھر بھاگنے لگے تھے۔ لیکن مسلمانوں نے مکمل طور پر ان کا گھیراؤ کر لیا تھا اور انہیں لفظوں کے دھندلائے مفہوم کی طرح بے اہمیت کرتے ہوئے دھوپ کے پُر جفا دشت سے اُٹھتے عذابوں، سزاؤں کے قصوں کی طرح ان پر حاوی ہونا شروع ہو گئے تھے۔

خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث کا یہ حملہ ایسا اچانک، ایسا جان لیوا، ایسا شدید اور سخت تھا کہ منگول کوئی جوابی کارروائی کر ہی نہ پائے۔ جب وہ سنبھلنے کی کوشش کرنے لگے تو انہوں نے دیکھا کہ حملہ آوروں نے دور تک ان کے ساتھیوں کی لاشیں بچھا دی تھیں اور نورآتہ کے مستقر میں اس وقت آہ و فغاں اور شور و غل کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس شور و غل نے منگولوں کے رہے سہے اوسان بھی خطا کر دیئے تھے۔ ان کے اندر افراتفری کا ایک عالم برپا ہو گیا تھا اور اسی افراتفری کے عالم میں خازم بن خزیمہ، محمد بن اشعث اور ان کے لشکریوں نے منگولوں کے اندر موت و عذاب کا کھیل کھیلنا شروع کر دیا تھا۔

جب تک سورج طلوع ہوتا اس وقت تک خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نے سارے منگولوں کا مکمل طور پر صفایا کر کے رکھ دیا تھا اور پھر منگولوں کی بدقسمتی کہ جب ان میں سے بچ نکلنے والے منگولوں نے بھاگ کر اپنے دوسرے تین مراکز یعنی خطرچی، کرمینا اور رزدوان کی طرف جانا چاہا تو ان شہروں کی طرف جانے والی شاہراہوں پر چونکہ خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نے پہلے سے اپنے مسلح دستے بٹھا رکھے تھے، لہٰذا نورآتہ سے اپنی جان بچا کر جو بھی منگول بھاگا، وہ راستے میں شاہراہوں پر گھات لگائے مسلمان لشکریوں کے ہاتھوں موت سے بغل گیر ہو گیا تھا۔

سورج طلوع ہونے تک خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نے نورآتہ کے مستقر میں سارے منگولوں کا مکمل طور پر صفایا کر دیا تھا۔

نورآتہ کے منگول مسکن سے بھی خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث کو بہت کچھ ملا اور وہاں سے ملنے والی اشیاء کو جب لشکریوں میں تقسیم کیا گیا تو لشکری بھی مالا مال ہو کر رہ گئے تھے۔ نورآتہ میں خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نے صرف دو دن قیام کیا، اس کے بعد وہ اپنی اگلی مہم کی طرف روانہ ہوئے یعنی خطرچی پر ضرب لگانے کے لئے۔ چنانچہ رات کی گہری تاریکی میں وہ نورآتہ سے کوچ کر گئے تھے۔

نورآتہ پر اپنی کامیابی اور فوزمندی کے جھنڈے گاڑنے کے بعد خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث اپنے لشکر کے ساتھ پہلے کاروانِ وقت میں سینہ آفاق پر سرفروش اور سربلند جذبوں کی طرح خطرچی پر وارد ہوئے۔ بے انت دوریوں تک سماعتیں، بصارتیں مجروح کرتے بجیلے کف آلود ساگر کی طرح یہاں بھی انہوں نے منگولوں پر ایسا خون آلود شب خون مارا کہ نورآتہ کی طرح خطرچی کے مستقر میں بھی جو منگولوں کا لشکر تھا اس کا انہوں نے مکمل طور پر خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد وہ رُکے نہیں۔ ظلمتوں سے برسر پیدار ہونے والے لاہوتی قوتوں کے بے کراں طوفانوں کی طرح جنوب کی طرف بڑھے، کروٹیں لیتے اٹل عذابوں اور فطرت کی مضبوط قوتوں کی طرح وہ کرمینا پر حملہ آور ہوئے اور کرمینا میں بھی نورآتا اور خطرچی جیسا شب خون مارتے ہوئے انہوں نے وہاں بھی منگولوں کے پاؤں تلے سے زمین کھینچ کر رکھ دی تھی۔ یہاں بھی انہوں نے منگولوں کا خوب قتل عام کیا۔ اس طرح انہوں نے صحرائے قزل قم میں منگولوں کے تین مسکنوں یعنی نورآتہ، خطرچی اور کرمینا پر ایک طرح سے زلزلہ طاری کرتے ہوئے وہاں منگولوں کا خاتمہ کر دیا تھا اور اب وہ بڑی تیزی اور برق رفتاری سے منگولوں کے سب سے بڑے مرکز رزدوان کی طرف بڑھے تھے۔

دوسری طرف منگولوں کو بھی خبر ہو چکی تھی کہ مسلمان صحرا کے اندرونی راستوں کو اختیار کرتے ہوئے قراقول سے رزدوان کی طرف نہیں آئے بلکہ قراقول سے انہوں نے سیدھا نورآتہ کا رخ کیا۔ نورآتہ کو برباد کرنے کے بعد وہ خطرچی اور کرمینا پر حملہ آور ہوئے اور وہاں بھی انہوں نے منگول لشکریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ یہ تفصیل ان منگولوں نے جا کر رزدوان میں بتائی تھی جو کرمینا سے اپنی جان بچا کر بھاگے تھے۔

اس لئے کہ کرینا سے بھاگنے والے منگولوں کی راہ مسلمانوں نے نہیں روکی تھی۔ خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نے انہیں جانے کی اجازت دے دی تھی تا کہ رزدوان میں نور آتہ، خطرچی اور کرینا کی تباہی اور بربادی کی خبریں رزدوان پہنچیں جن سے منگولوں کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور وہ اپنے آپ کو ناقابل تسخیر خیال کرنے کا زعم اور ظن ترک کر دیں گے۔

اس موقع پر مسلمانوں کے مخبر بڑی تیزی سے کام کر رہے تھے۔ جس وقت کرینا میں منگولوں کی تباہی سے فارغ ہونے کے بعد خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث دونوں جنوب کا رخ کرتے ہوئے رزدوان کی طرف بڑھے تھے، مسلمان مخبروں نے انہیں اطلاع کر دی تھی کہ منگولوں کا ایک بہت بڑا لشکر رزدوان شہر کے نواح میں پڑاؤ کر چکا ہے اور وہ شہر سے باہر ہی مسلمانوں کا مقابلہ کرے گا۔ اس لئے کہ انہیں خبر پہنچ چکی ہے کہ مسلمانوں کا لشکر کرینا سے فارغ ہونے کے بعد اب جنوب کا رخ کر رہا ہے تا کہ رزدوان کو اپنا ہدف بنائے۔

ان ساری اطلاعات کو سامنے رکھتے ہوئے خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث بھی اپنے لشکر کے ساتھ بڑی تیزی اور برق رفتاری سے جنوب کی طرف بڑھے تھے۔ یہاں تک کہ وہ اس جگہ آئے جہاں منگولوں کے لشکر نے پڑاؤ کیا ہوا تھا اور مسلمانوں نے ان کے سامنے پڑاؤ کر لیا تھا۔

منگولوں پر مسلمانوں کی کچھ اس طرح ہیبت اور وحشت طاری ہو چکی تھی کہ جونہی خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث ان کے سامنے آئے وہ اسی وقت مسلمانوں سے نہیں ٹکرائے نہ ہی ان پر حملہ آور ہوئے بلکہ چپ اور خاموش رہے۔ خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نے بھی اس سے فائدہ اٹھایا۔ یوں دو دن تک دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے پڑے رہے۔ اس دوران خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نے اس لئے خاموشی اختیار کئے رکھی کہ ان کے لشکری آرام کر لیں گے، ستا لیں گے۔ تیسرے روز منگولوں نے جنگ کی ابتداء کرنے کے لئے خود ہی طبل بجانے شروع کر دیئے تھے۔ اس صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے محمد بن اشعث اور خازم بن خزیمہ بھی اپنے لشکر کی صفیں درست کر رہے تھے۔

اس موقع پر محمد بن اشعث کچھ دیر تک منگولوں کے لشکر کا جائزہ لیتا رہا، پھر اپنے

گھوڑے کو دوڑاتا ہوا وہ خازم بن خزیمہ کے قریب آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''بھائی! ذرا منگولوں کے لشکر کی طرف دیکھو۔''

جواب میں خازم بن خزیمہ مسکرایا، ایک سرسری سی نگاہ اس نے منگولوں کے لشکر پر ڈالی، پھر مسکراتے ہوئے محمد بن اشعث کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''تمہارے کہنے پر میں نے منگولوں کے لشکر پر نگاہ ڈال لی ہے۔ اب بولو تم کیا کہتے ہو؟''

''ذرا ان کی تعداد کا اندازہ لگائیں۔''

خازم بن خزیمہ مسکرایا اور کہنے لگا۔

''میرے عزیز بھائی! ایسی گفتگو تم پہلی بار کر رہے ہو۔ جبکہ تم جانتے ہو کہ ہم نے کبھی دشمن کی عددی فوقیت کو کوئی اہمیت نہیں دی۔''

جواب میں محمد بن اشعث بھی مسکرایا اور کہنے لگا۔

''بھائی! میں عددی حیثیت کو کوئی فوقیت نہیں دے رہا۔ میرے کہنے کا مقصد ہے کہ منگول تعداد میں ہم سے بہت زیادہ ہیں اور ان سے نمٹنے کے لئے ہمیں کوئی مخصوص حربہ استعمال کرنا ہوگا۔''

محمد بن اشعث کے ان الفاظ پر خازم بن خزیمہ کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی، کہنے لگا۔

''ایسی کوئی تجویز تمہارے پاس ہے تو میرے بھائی! کہو۔ ایسا کر کے ہم منگولوں کو آسانی سے مار بھگانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔''

جواب میں محمد بن اشعث کہنے لگا۔

''میرے عزیز بھائی! اس سے پہلے ہم دونوں بھائی لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کرتے رہے ہیں، باقی چھوٹے بڑے سالار ہم دونوں کے ماتحت کام کرتے رہے ہیں۔ لیکن یہاں میں چاہتا ہوں لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا جائے......''

محمد بن اشعث یہیں تک کہنے پایا تھا کہ اسے رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ خازم بن خزیمہ بول اٹھا۔

''میرے بھائی! تیسرے لشکر کی کمانداری کسے دینا چاہتے ہو اور اس کا کیا فائدہ ہوگا؟''

اس موقع پر محمد بن اشعث کے چہرے پر پھر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی، کہنے لگا۔

''میرے بھائی! ایک حصہ آپ کے پاس، دوسرا میرے اور تیسرا سعید حریشی کی کمانداری میں رکھا جائے باقی سالاروں کو آپس میں تقسیم کرلیا جائے۔ آپ حسب سابق وسطی حصے میں رہیں۔ دائیں جانب میں، بائیں جانب سعید حریشی اپنے حصے کے ساتھ رہے۔ شروع میں مل کر منگولوں پر ضرب لگائی جائے گی۔ یہ کوشش کی جائے گی کہ پہلے خاموشی اختیار کی جائے اور منگولوں کو پہلے حملہ آور ہونے کا موقع دیا جائے اور ان کی حرکات اور ان کی پیش قدمی کو دیکھتے ہوئے ہم اپنی ضرب کی ابتداء کریں۔ کچھ دیر تک منگولوں سے ٹکرا کر ان کی طاقت اور قوت کا اندازہ لگایا جائے اور ہم پوری طرح منگولوں کے لشکر کو روک دیں، پھر آخری کارروائی کی ابتداء کریں۔

آپ اور سعید حریشی دونوں اپنے اپنے لشکروں کو پھیلاتے چلے جائیں اور منگولوں کے سارے اگلے حصے کو اپنے ساتھ مصروف جنگ کر لیں۔ اس دوران میں اپنے حصے کے لشکر کو لے کر فی الفور ایک طرف ہٹتے ہوئے منگولوں کے کسی پہلو کو اپنا ہدف بناتے ہوئے ان کے لئے نیا محاذ کھولوں گا۔ میرے ایسا کرنے سے دو فائدے ہوں گے۔

اوّل یہ کہ جنگ کے دوران پہلے سے کی گئی منصوبہ بندی کے بغیر منگولوں کو حرکت میں آنا پڑے گا اور جو نیا محاذ ہم کھولیں گے اس کا انہیں دفاع کرنا پڑے گا۔ اس کا یہ فائدہ ہوگا کہ سامنے کی طرف سے آپ اور سعید حریشی پر منگولوں کا دباؤ کم ہو جائے گا۔

اس کا دوسرا فائدہ ہمیں یہ ہوگا کہ جب تیسرے محاذ کا دفاع کرنے کے لئے منگول اپنے لشکر کے اندر نقل وحرکت کریں گے تو اس نقل وحرکت کی وجہ سے ان کے لشکر کے اندر افراتفری برپا ہوگی۔ اس لئے کہ اس نقل وحرکت کو سارے منگول سمجھ نہیں پائیں گے۔ کچھ لشکری یہی جانیں گے کہ ان کے لشکر کے اندر ابتری کے آثار نمودار ہو رہے ہیں چنانچہ منگولوں کی اسی حیثیت اور کیفیت سے ہم نے فائدہ اٹھانا ہے۔ اس وقت ہم زوردار تکبیریں بلند کریں گے۔ یہ تکبیریں اشارہ ہوگا کہ منگولوں کے لشکر کے اندر اس وقت افراتفری برپا ہے لہٰذا ہمیں پوری طاقت اور قوت سے ان پر ضرب لگانی چاہئے۔ اس وقت ہم ایسا کریں گے تو میرے بھائی! یاد رکھئے گا، منگولوں کو ہم بڑی آسانی سے رزدوان کے نواح میں بدترین شکست دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد دم لینے کے لئے محمد بن اشعث رکا، پھر اپنی بات کو آگے

بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

''ابنِ خزیمہ! میرے بھائی! جس وقت میں سامنے کی طرف سے ہٹنا چاہوں گا اس وقت میں زوردار تکبیریں بلند کروں گا۔ میرے ایسا کرنے پر میرے حصے کے لشکری بھی تکبیریں بلند کریں گے۔ یہ سارا معاملہ میں انہیں سمجھا دوں گا۔ جب آپ اور سعید حریشی تکبیروں کی یہ آوازیں سنیں تو آپ اپنے اپنے لشکر کو منگولوں کے سامنے پھیلانا شروع کر دیں۔ ان کے سارے اگلے حصے کو اپنے ساتھ مصروف کرلیں۔ اس کے بعد میں اپنے کام کی ابتداء کروں گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد محمد بن اشعث جب خاموش ہوا تب خازم بن خزیمہ ہی نہیں، پاس کھڑے سعید حریشی اور دوسرے سالاروں کے چہروں پر بھی پسندیدہ مسکراہٹ تھی۔ پھر خازم بن خزیمہ کہنے لگا۔

''ابنِ اشعث! میرے بھائی! میں تمہاری اس تجویز کو پسند کرتا ہوں، اس پر عمل کیا جائے گا اور مجھے امید ہے ایسا کر کے ہم رزدوان کے ان میدانوں میں منگولوں کو بڑی آسانی سے رگیدنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔''

چنانچہ اس منصوبہ بندی کے بعد سارے لشکری وہاں سے ہٹے، لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ایک حصہ خازم بن خزیمہ نے اپنے پاس رکھا، دوسرا محمد بن اشعث کے پاس اور تیسرے کی کمانداری سعید حریشی کو دے دی گئی تھی۔ اس طرح تینوں سالار اپنے اپنے حصے کے لشکر کے سامنے کھڑے ہو کر منگولوں کے حرکت میں آنے کا انتظار کرنے لگے تھے۔

جلد ہی منگول سالاروں نے اپنے کام کی ابتداء کی۔ اپنے لشکر کو وہ حرکت میں لائے۔ کچھ اس طرح آگے بڑھے جیسے بنجر زمینوں کی خونی دلدل سے بدبختی کے پھیلتے کلیم نمودار ہوتے ہیں یا تند حقارت اور سفاک سناٹوں بھرے بوجھ سے کپڑے پھاڑتے اندھیارے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد منگول مسلمانوں پر آثار و احوال اور اعمال و ادراک تک کو اوہام کا شکار کرتے، کروٹیں لیتے اٹل عذابوں، لبوں کی مسکراہٹوں، نظریوں کی بصارتوں کو بیکار کرتی گمراہی کی کالی سازشوں، نفرتوں کے جال بُننے والے جہل کے طوفانوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

دوسری طرف جس وقت منگولوں نے اپنے لشکر کو آگے بڑھانا شروع کیا تھا،

مسلمانوں نے بھی نئی رُتوں کا پیغام دیتی اُمیدوں کے نور کی پھوار اور مقامِ صد سکون کا سماں باندھتی درخشاں آزادی کی نوید کی طرح تکبیریں بلند کی تھیں۔ اس کے بعد مسلمانوں کا لشکر بھی ہر جہت کو بے جہت کرتے چلتے پیاسے صحرا، اپنے راستے میں آنے والی پیوستہ چٹانوں تک کو ریزہ ریزہ کر دینے والے سمندر کے جلال کی طرح آگے بڑھا۔ اس کے بعد وہ بھی منگولوں پر صحرا کے بے سمت راستوں پر ثبات کی پسپائی برپا کرتے بے روگ اور اٹل طوفانوں، وقت کے خوفناک منظر میں شہرتوں کے تکبر کو پاش پاش کرتے بگولوں کو پیچھے گرد میں لپیٹتے طوفان، اندھی کہانیوں، گھنی تاریکیوں، دشتِ امکان میں پھنسی برسوں کی تشنگی تک کو ٹوٹے خوابوں کے نوکیلے ٹکڑوں کی طرح کرچی کرچی کر دینے والے موت کے جھاڑو پھیرتے قضا کے جھکڑوں، بھڑک اُٹھنے والی تلخیوں، کرب کی شدید ضربوں اور لاحاصلی کے ژولیدہ کر دینے والے عذاب کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

رزدوان کے نواح میں میدانِ جنگ کے اندر روحیں موت کی تاریکیوں میں گم ہونے لگی تھیں، ٹوٹے لرزاں خیالات نفرت کی خلیجوں کا شکار ہونا شروع ہو گئے تھے۔ موت سنگریزوں کی بارش اور وقت کی بے کل لہروں کی طرح وارد ہوتی ہوئی عمرِ رواں کے زینوں کو تباہی کی بھڑکتی آگ کی طرح بھسم کرنے لگی تھی۔ سیاہ بختیوں کے عناصر بدشگونیوں کے ہم زاد اور تشدد کے خوفناک گماشتے چارسُو ناچ اُٹھے تھے۔

کچھ دیر تک دونوں لشکروں کے اندر گھمسان کا رن پڑا۔ کوئی بھی لشکر پسپائی اختیار کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ جس وقت جنگ کی بھٹی خوب بھڑک رہی تھی، دونوں لشکری ایک دوسرے کی تعداد کم کرنے کی کوشش کر رہے تھے، اسی وقت سب سے پہلے محمد بن اشعث نے تکبیریں بلند کیں اور اس کی ان تکبیروں کے جواب میں وہ لشکری جو اس کے تحت کام کر رہے تھے انہوں نے بھی تکبیریں بلند کرتے ہوئے ایک طرح سے پورے رن اور رزم گاہ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ان تکبیروں سے خازم بن خزیمہ اور سعید حریشی کے علاوہ دیگر سالاروں کو محمد بن اشعث کا یہ اشارہ تھا کہ اب وہ علیحدہ ہونے کے عمل کو شروع کرنے لگا ہے۔

چنانچہ ان تکبیروں کے بعد خازم بن خزیمہ اور سعید حریشی نے اپنے اپنے لشکر کو دائیں بائیں خوب پھیلاتے ہوئے بڑی تیزی سے منگولوں پر ضربیں لگانا شروع کر دی

تھیں۔ اس پھیلاؤ سے محمد بن اشعث نے فائدہ اٹھایا۔ اپنے حصے کے لشکر کو وہ منگولوں کے ایک پہلو کی طرف لے گیا۔ اس کے بعد منگولوں کے اس پہلو پر اس نے ارتقاء کی رُتوں سے محروم کر کے ناروا کو روا کر دینے والے قضا کے کھولتے جبر، صدیوں کی خاموشی کے قفل توڑ کر تباہی کے دروں پر موت کی دستک دیتی قضا، کسی اور آسمان سے نزول کرتے، کسی اور زمین سے اُٹھتے مرگ کے حرف و صد اور رنج والم کی دہکتی آگ کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

محمد بن اشعث کے منگولوں پر پہلو کی طرف سے حملہ آور ہونے کے ساتھ ہی خازم بن خزیمہ اور سعید حریشی نے بھی پہلے کی نسبت اپنے حملوں میں زیادہ شدت پیدا کر لی تھی اور وہ بھی اپنے اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ تاریکی کے اندھیرے خیموں سے اُٹھتی بے چینیاں، مجبوریاں پھیلاتی روز و شب کی پیہم نفرت، عمروں کے بھیگے کناروں کو خشک، بسم کی گونجتی بھڑکتی صداؤں کو آفات میں گرفتار کرتے آلام کی طرح منگولوں پر ضربیں لگانے لگے تھے۔

یہ صورتِ حال منگولوں کے لئے بڑی انوکھی اور نئی تھی۔ وہ تو اپنی پوری دل جمعی اور پورے لشکر کے ساتھ سامنے کی طرف سے مسلمانوں پر ضربیں لگا رہے تھے۔ اب جب ایک پہلو کی طرف سے محمد بن اشعث ان پر حملہ آور ہوا تب انہیں اپنے لشکر کی تنظیم فی الفور تبدیل کرنا پڑی۔ لشکر کے ایک حصے کا رخ محمد بن اشعث کی طرف پھیرنا پڑا۔ لشکر کے اندر اس رد و بدل اور تبدیلی نے ایک ہیجان برپا کر دیا تھا۔ کچھ منگول یہ نہیں سمجھ پائے تھے کہ ان کے لشکر کے اندر یہ تبدیلی اور بدنظمی کیسی ہے اور اسی بدنظمی کی وجہ سے ان کے اندر افراتفری کا ایک عالم بھی برپا ہو گیا تھا جس سے مسلمان سالاروں اور لشکریوں نے خوب فائدہ اٹھایا اور انہوں نے پہلے کی نسبت زیادہ بڑھ چڑھ کر حملہ آور ہوتے ہوئے منگولوں کی لاشیں صفوں کی صورت میں بچھانا شروع کر دی تھیں۔

ان تیز حملوں کے باعث منگولوں کی حالت بھی اب پہلے کی نسبت بے یقینی کی فضاؤں میں شام، لرزاں سایوں، دُکھ کی آگ میں جلتے مدھم سوگی سایوں، کسی گم نام ساحل کی گمشدہ منزلوں میں زندگی اور موت کی لرزاں کشمکش اور سرد آہوں کی داستانیں سناتے سنسان ویران قبرستانوں سے بھی زیادہ ابتر ہونا شروع ہو گئی تھی۔

آخر منگول اس صورتِ حال کو زیادہ دیر برداشت نہ کر سکے، شکست قبول کی اور

میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

خازم بن خزیمہ، محمد بن اشعث اور سعید حریشی نے نفرت کے کھولتے جہنم، جان کے ہولناک آزار کے تشدد، کرب کے اُمڈتے سیلابوں، برق اور زلزلوں کے ارتعاش کی سختی کی طرح بھاگتے منگولوں کا تعاقب کیا اور پشت کی طرف سے ان کا قتل عام کرتے ہوئے ان کی تعداد مزید کم کر کے انہیں اپنے لئے بے خطر بنا کر رکھ دیا۔ اس طرح مسلمانوں سے بدترین شکست اٹھانے کے بعد بچے کھچے منگول اپنی جانیں بچانے کے لئے صحرائے قزل قم کے اندرونی حصوں کی طرف بھاگ گئے تھے۔

خازم بن خزیمہ، محمد بن اشعث اور سعید حریشی اپنے لشکر کو لے کر پلٹے۔ جس جگہ منگولوں کے ساتھ جنگ ہوئی تھی، وہاں پہلے زخمیوں کی دیکھ بھال کی گئی، منگولوں کے پڑاؤ کی ہر چیز پر قبضہ کر لیا گیا، اس کے بعد وہ رزدوان شہر کی طرف بڑھے۔ شہر کے اندر جو بچے کھچے منگول تھے، ان کا بھی خاتمہ کر دیا گیا۔ تاہم رزدوان کے پُر امن شہریوں کو امان دے دی گئی تھی۔ اس طرح خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نے اپنے لشکر کے ساتھ رزدوان شہر کے نواح میں چند روز تک قیام کئے رکھا۔ ایسا انہوں نے شاید احتیاط کی خاطر کیا تھا کہ منگولوں کا اگر کوئی اور لشکر کہیں سے نمودار ہو یا شمال کے برف زاروں کی طرف سے انہیں کوئی کمک وغیرہ فراہم کی جائے تو اس کا مقابلہ کیا جا سکے۔ جب چند روز بعد بھی کوئی ایسی خبر نہ آئی تب دونوں اپنے لشکر کو لے کر رزدوان سے بغداد کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

جن دنوں خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث شمال کے برف زاروں اور صحرائے قزل قم کی مہم میں مصروف تھے، جبکہ شبیب بن رواح اور حرب بن قیس سیستان کی مہم میں اُلجھے ہوئے تھے، اُن ہی دنوں سندھ کے اندر بھی ایک ابتری اور تبدیلی رونما ہوئی۔ ہوا یوں کہ جب محمد مہدی علوی نے خروج کیا تو ان دنوں منصور کی طرف سے سندھ کا حاکم محمد بن حفص بن عثمان بن کبیہ بن ابی صغیرہ تھا۔ محمد مہدی نے خروج کر کے اپنے بیٹے عبداللہ جو زیادہ تر اشتر کے نام سے مشہور تھا اسے اس کے چچا ابراہیم کے پاس بصرہ کی طرف روانہ کر دیا تھا۔ بصرہ پہنچ کر عبداللہ اشتر نے اپنے چچا کے مشورے سے ایک تیز رفتار اونٹنی لے کر سندھ کا قصد کیا کیونکہ حاکم سندھ عمر بن حفص سے انہیں بنو عباس کے خلاف اہانت اور ہمدردی کی توقع تھی۔

عبداللہ اشتر نے سندھ پہنچ کر عمر بن حفص کو دعوت دی۔ اُس نے اس دعوت کو قبول کر کے منصور کی جگہ محمد مہدی کی خلافت کو تسلیم کر لیا اور عباسیوں کے لباس اور نشانات کو چاک کر کے خطبے میں محمد مہدی علوی کا نام داخل کر دیا۔

اسی اثناء میں عمر بن حفص کے پاس محمد مہدی علوی کے مارے جانے کی خبر پہنچی۔ چنانچہ اس نے عبداللہ اشتر کو اس حادثے کی اطلاع دے کر تعزیت کی۔

عبداللہ اشتر نے کہا۔

''اب تو مجھ کو اپنی جان کا خطرہ ہے۔ میں کہاں جاؤں اور کیا کروں؟ ان دنوں سندھ کے نواح میں چھوٹے چھوٹے راجہ جو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں مسلمان ہو گئے تھے، اپنی اپنی ریاستوں پر فرمانروائی کرتے تھے اور خلیفہ وقت کی اطاعت کو تسلیم کر کے تمام اسلامی شعائر کے پابند اور اپنے حقوقِ حکمرانی پر قائم تھے۔

چنانچہ عمر بن حفص نے عبداللہ اشتر کو مشورہ دیا کہ وہ ایسے ہی اسلام قبول کرنے والے کسی راجہ کے علاقے کی طرف چلا جائے۔ عبداللہ اشتر نے اس پر رضامندی ظاہر کی اور سندھ کے مرکزی شہر سے نکل کر ایک محفوظ مقام کی طرف چلا گیا۔

جہاں تک سندھ کے مرکزی شہر منصورہ کا تعلق ہے تو مؤرخین لکھتے ہیں کہ سندھ میں بہنوا نامی ایک قدیم شہر تھا جسے عربی سیاح اور جغرافیہ نویس اپنی اصطلاح میں برہمن آباد لکھتے تھے۔ آخر میں یہ شہر ویران ہو گیا اور یہاں جھاڑیاں تھیں۔ اسی ویرانے اور جنگل سے دو فرسنگ دور منصورہ شہر آباد کیا گیا تھا۔

مؤرخین اور جغرافیہ دان یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ شہر دریائے سندھ سے نکل کر ایک خلیج کے قریب تھا اور یہ خلیج اس شہر کو تین اطراف سے اس طرح گھیرے ہوئے تھی کہ اسے جزیرہ نما بنا دیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگرچہ اطراف و جوانب کی آب و ہوا معتدل تھی مگر خود شہر منصورہ بہت گرم تھا۔ پینے کا پانی دریائے سندھ کی اسی خلیج سے حاصل کیا جاتا تھا۔ وہاں پسو بہت زیادہ تھے۔ اطراف میں کھجور اور گنے کی پیداوار بہت زیادہ تھی۔ میوہ جات نہیں تھے، البتہ لیموں اور آم کثرت سے ہوتے تھے۔

منصورہ نام کا یہ شہر کب آباد ہوا اور کس نے آباد کیا اور اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے، اس کے بارے میں بھی اختلافات ہیں۔ بلاذری کی روایات جو زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہیں وہ یہ ہیں کہ عراق کے گورنر خالد بن عبداللہ کثری نے حاکم بن اعوانہ کلبی کو 150ھ میں سندھ کی حکومت دے کر روانہ کیا۔ یہاں آنے پر محمد بن قاسم ثقفی کے صاحبزادے عمرو بن قاسم ثقفی سے اس کی ملاقات ہوئی اور عمرو بن قاسم کو حکم بن عوانہ قلبی نے اپنے ساتھ رکھا اور حکومت کے بڑے بڑے معاملات ان کے سپرد کر دیئے اور ان علاقوں میں لڑی جانے والی جنگوں میں اکثر انہی کو سالار اور سربراہ بنایا۔ یہ دور اموی خلیفہ ہشام کا زمانہ تھا۔ چنانچہ حکم نے پہلے سندھ میں محفوظہ نامی شہر آباد کر کے اس کو اپنا مستقر بنایا اور وہیں سے عمرو بن محمد بن قاسم کی قیادت میں جنگی سرگرمیاں شروع کیں اور فتح اور کامرانی کے بعد دریائے سندھ کے قریب ایک اور شہر آباد کیا جس کا نام منصورہ رکھا۔ بعد میں محفوظہ کی بجائے منصورہ ہی کو مرکزی شہر قرار دیا گیا اور بغداد سے مقرر کیے جانے والے حاکم اسی شہر میں قیام کرنے لگے تھے۔

ایک دوسری روایت یہ بھی ہے کہ خلیفہ منصور عباسی کے زمانے میں سندھ کے عالم

عمرو بن حفص ہزار مرد نے یہ شہر آباد کر کے خلیفہ منصور کے نام پر اس کا نام منصورہ رکھا تھا مگر مؤرخین کے مطابق یہ روایات صحیح نہیں ہے۔

مسعودی کا بیان ہے کہ سندھ کے اموی عامل منصور بن جھور کے نام پر اس کا نام منصورہ رکھا گیا تھا۔ مؤرخین نے منصورہ شہر کی عظمت اور وسعت کو کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

''منصورہ سندھ کا دارالسلطنت اور راس اقلیم کا سب سے بڑا شہر تھا۔ اس کی وسعت دمشق کے برابر تھی۔ مکانات لکڑی اور مٹی کے تھے۔ جامع مسجد بازار کے وسط میں واقع تھی جو پتھر اور اینٹ سے بنی ہوئی تھی۔ اس کے ستون ساگوان سے بنے ہوئے تھے اور لمبائی چوڑائی میں عمان کی جامع مسجد کے برابر تھے شہر منصورہ کے چاروں طرف چار دروازے تھے۔ پہلے دروازے کا نام باب بحر، دوسرے کا نام باب توران، تیسرے کا نام باب سندان اور چوتھے کا نام باب ملتان تھا۔ یہاں کے باشندوں میں بڑی شرافت، مروت اور اسلامی معاملات اور امور میں بڑی تازگی اور شفقت تھی۔ علم اور اہل علم کی کثرت تھی۔ لوگ فہیم اور ذکی تھے صدقات کی کثرت تھی۔ تجارت میں نفع تھا۔ ساتھ ہی یہاں حسن اخلاق بھی پایا جاتا تھا۔''

مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ منصورہ اور اس کے اطراف کی زبان عربی تھی۔ اس کے ساتھ مقامی زبان بھی رائج تھی۔ ساتھ ہی مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ سندھ میں منصورہ کے بعد دیبل دوسرا بڑا شہر شمار کیا جاتا تھا۔ اس شہر سے متعلق مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہ تجارتی بندرگاہ تھی۔ لاہور اور ملتان کی طرف سے بہہ کر آنے والے دریا اسی کی طرف آتے ہیں اور بحیرۂ عرب میں گرتے ہیں۔ یہاں بڑے بڑے علماء، محدثین، قراء، عباد، زاہد گزرے ہیں۔ محدثین کی ایک جماعت دیبل کی نسبت سے منسوب ہو کر دیبلی کہلاتی تھی۔

مؤرخین جن میں خصوصیت کے ساتھ بلاذری قابل ذکر ہے، اس کا کہنا ہے کہ فاروقؓ اعظم کے دور خلافت میں عمان اور بحرین کے حاکم حضرت مغیرہؓ بن ابوالعاص ثقفی نے اپنے بھائی عثمان بن ابوالعاص ثقفی کو خلیج دیبل پر چڑھائی کے لئے بھیجا تھا۔

ان کی دشمن سے مڈبھیڑ ہوئی اور نتیجے کے طور پر ان کو فتح ہوئی۔

محمد بن قاسم ثقفی نے مکران میں چند دن قیام کر کے کند پور کو فتح کیا، پھر ارمائیل کو فتح کر کے جمعہ کے دن دیبل پہنچے اور شہر کے گرد خندق کھود کر نیزوں پر جھنڈے لہرائے اور منجنیقیں نصب کیں۔ دیبل میں بہت بڑا بت خانہ تھا جس پر بہت بڑا جھنڈا لہراتا تھا۔ آپ نے سب سے پہلے اسی جھنڈے کو مار گرایا جس سے کفار کے دل ٹوٹ گئے۔ پھر انہوں نے نکل کر مقابلہ کیا مگر ان کو ہزیمت اٹھانا پڑی اور اس طرح محمد بن قاسم کی راہنمائی اور سپہ سالاری میں مسلمانوں کا اس شہر پر قبضہ ہوا۔

دونوں شہروں سے متعلق مؤرخین میں خصوصیت سے سعد مقدسی لکھتا ہے کہ ان علاقوں میں تجارت نفع بخش تھی۔ تجارتی مال و اسباب اپنے عروج پر تھے۔ لوگوں میں سلامتی طبع، امن پسندی اور ایمانداری تھی۔

منصورہ کے بارے میں اس نے لکھا ہے کہ یہاں کی آبادی بہت زیادہ اور تجارت بھی بہت فائدہ مند تھی۔ نیکی، صدقات اور خیرات کا چرچا تھا۔ یہاں کے مسلمانوں کا مذہبی حال بھی بہت اچھا تھا۔ صالحیت اور پرہیزگاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو مذہبی عصبیت اور فتنہ فساد سے محفوظ رکھا تھا۔ یہاں کی تجارت بھی اپنے عروج پر تھی۔ دنیا بھر کے سامان یہاں آ کر فروخت ہوتے تھے اور یہاں کا سامان دنیا بھر میں بکتا تھا۔ ایک مقام سے دوسرے مقام تک تجارتی قافلے آتے جاتے تھے اور ساتھ ہی بیرونی تجارت کا زور تھا۔ خشکی کے راستے سے دور دور تک تجارت ہوتی تھی۔ خشکی کے راستے چین، تبت اور خراسان سے ہندوستان کے شہر منصورہ اور ملتان تک تجارت عام تھی۔ اسی طرح منصورہ اور ملتان سے تجارتی قافلے خراسان تک آتے جاتے تھے۔

اس دور کی بحری تجارت کے متعلق مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہ بھی عروج پر تھی۔ سمندری ڈاکوؤں کی طاقت ٹوٹ چکی تھی جس سے بحری راستے محفوظ ہو چکے تھے۔ بصرہ اور ایلہ وغیرہ کے بحری تاجر ہندوستان اور چین کا سفر کرتے تھے اور ہندوستان اور چین کے بحری تاجر بھی ہندوستان اور سندھ سے ہوتے ہوئے عرب ممالک کی طرف آتے جاتے تھے۔ دیبل میں ہر جگہ کے بحری تاجر جمع ہوتے تھے اور تجارتی سامان کا آپس میں لین دین اور تبادلہ کرتے تھے۔

یہاں کی منڈی میں مشرق اور مغرب کا مال ڈھیر کے ڈھیر کی صورت میں پڑا رہتا

تھا۔ اس مرکز سے عرب کی تجارتی چیزیں ہندوستان اور چین جاتی تھیں۔ ہندوستان اور چین کا سامان دیبل سے عرب ممالک کو جاتا تھا۔

ابن حوقل کا بیان ہے کہ دیبل ان اطراف کے شہروں کی بندرگاہ ہے جہاں تجارت اپنے عروج پر رہتی ہے۔

یاد رہے کہ وہ علاقے جن کی فتح کی ابتداء محمد بن قاسم نے کی تھی، اس کے بعد ان علاقوں میں پانچ بڑی بڑی حکومتیں قائم ہوئی تھیں۔ ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

ان علاقوں میں جو پہلی حکومت قائم ہوئی، وہ دولتِ ہباریہ کہلاتی تھی۔ یہ حکومت حضور ﷺ کے ایک صحابی حضرت حبارؓ بن اسود قرشی کے نام پر قائم ہوئی۔ یہ حبار بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی کے نام سے جانے پہچانے جاتے تھے۔ مشہور صحابی تھے۔ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شروع میں یہ کفار قریش کے ساتھ مسلمانوں کو ستانے میں بہت پیش پیش تھے۔ ہجرت کے موقع پر حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو ان کے شوہر ابوالعاصؓ نے مدینہ روانہ کیا تو حبار بن اسود نے قریش کے اوباشوں کو لے کر ان کی سواری کا پیچھا کیا اور ہودج کے قریب جا کر سواری کو نیزہ مارا جس سے حضورؐ کی بیٹی کا حمل ساقط ہو گیا۔ جب حضورؐ کو اس انسانیت سوز حرکت اور سنگین جرم کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے اظہار نفرت فرماتے ہوئے اپنے صحابہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

''حبار بن اسود جہاں ملے، اُسے آگ میں ڈال دو۔''

پھر آپ نے فرمایا۔

''تم لوگ ایسا نہ کرنا۔ آگ کا عذاب دینا صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔''

اس واقعہ کے بعد حبار بن اسود مدتوں روپوش رہے۔ یہاں تک کہ فتح مکہ کے بعد حضور ﷺ کے عفوِ عام کا شہرہ سن کر خود بخود حاضر ہو گئے اور آپؐ کے سامنے کلمہ شہادت پڑھ کر عرض کیا۔

''یا رسولؐ اللہ! آپ کی دھمکیوں کے بعد میرا ارادہ ہوا کہ عرب کی سرزمینوں کو چھوڑ کر عجم کے کسی علاقے کی طرف چلا جاؤں مگر جب آپ کا رحم و کرم یاد آیا تو حاضر خدمت ہو گیا۔ کیونکہ اسلام تمام پچھلے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔''

یہ سن کر حضور ﷺ نے قصور معاف کر دیا۔ حبارؓ اسلام لانے کے بعد کچھ دن تک

مکہ میں رہے، پھر مدینہ چلے گئے۔

یہاں آنے پر بعض صحابہؓ اُن کی پہلی حرکت پر طعن و تشنیع کرنے لگے۔ انہوں نے حضورؐ سے اس کی شکایت کی۔ آپؐ نے فرمایا، تم بھی ان لوگوں کو جواب دو۔ الغرض یہ بات بھی ختم ہوگئی۔ ھبارؓ مدینہ میں خوشگوار زندگی بسر کرنے لگے۔

یہ خود بھی بہت جری اور بہادر تھے۔ ان کی اولاد میں بھی اولوالعزمی کے اوصاف موجود تھے۔ اس کے بعد یہ وصالِ نبیؐ کے بعد ارضِ شام کی طرف چلے گئے تھے۔ انہی کی اولاد میں سے ایک شخص منذر بن زبیر ہباری، بنو اُمیہ کے دور میں سندھ میں آ کر آباد ہوگیا تھا۔

اس زمانے میں یہاں کے سیاسی اور ملکی حالات نہایت ابتر تھے۔ منذر بن زبیر نے سندھ سے نکل کر جزیرہ کے شہر قرقیسیہ پر غلبہ اقتدار حاصل کرلیا مگر ناکام ہو کر وہاں مصلوب ہوگیا۔ سندھ میں اس کا خاندان وقت اور حالات کا منتظر رہا یہاں تک کہ اس کے پوتے عمر بن عبدالعزیز بن منذر ہباری نے سندھ پر قبضہ کر کے منصورہ پر بھی اپنی حکومت قائم کر لی اور خلافتِ عباسیہ کے نام کا خطبہ جاری کیا۔ بنو عباس کی یہ ماتحتی برائے نام تھی اور اس کی حکومت کو ہر طرح کی داخلی اور خارجی خودمختاری حاصل تھی اور اسی عمر بن عبدالعزیز نے جو منصورہ کو مرکز بنا کر حکومت قائم کی، وہ دولتِ ہباریہ کہلاتی ہے اور عمر بن عبدالعزیز کے بعد اس کی اولاد ان علاقوں پر حکومت کرتی رہی۔

دوسری حکومت جو ہندوستان میں قائم ہوئی وہ پنجاب میں تھی۔ یہ دولت سامیہ کہلاتی تھی اور یہ بھی حضورﷺ کے ایک صحابی لقیط بن عبادہ سامی تھے۔ ان کا شجرۂ نسب چونکہ حضورﷺ سے ملتا تھا لہٰذا ایک موقع پر حضورﷺ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا۔

"اَنتَ مِنِّی وَ اَنَا مِنکَ" یعنی تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔

ان کا تعلق بنو سامہ سے تھا اور بنو سامہ کے تین افراد کے نام اسلامی تاریخوں میں بہت مشہور اور نامور ہوئے ہیں۔ ایک حضرت خریت بن راشد، دوسرے حضرت لقیطؓ بن عبادہ اور تیسرے حضرت منجابؓ بن راشد ناجی۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ اگرچہ یہ معلوم نہیں کہ تین محترم صحابہ کے علاوہ ان کا قبیلہ بنو سامہ کب اسلام لایا، پھر بھی عہد رسالتؐ میں ان کا مسلمان ہونا اور ان کے ایک وفد

کو حضورؐ سے شرفِ ملاقات حاصل ہونا ثابت ہے۔

کہا جاتا ہے کہ بنو سامہ کے کچھ لوگ جنگ نہروان میں شامل ہوئے اور جب جنگ نہروان ختم ہوئی تو بنو سامہ کے تین سو آدمی علیحدہ ہو کر مکران کی طرف چلے گئے۔ ان کے علاوہ بنو سامہ میں سے کچھ عمان کی طرف جا کر آباد ہو گئے۔ عمان میں حالانکہ زیادہ آبادی بنو ازد کی تھی مگر بنو سامہ بھی وہاں اثر و اقتدار کے مالک تھے اور ان کی شان و شوکت میں حاکمانہ خوبو تھی۔ ہندوستان اور عمان کے درمیان بحری اسفار قدیم زمانے سے جاری تھے۔ خاص طور پر سندھ کے قریبی علاقے عمان اور بحرین کے درمیان آمدورفت تھی۔

چنانچہ بنو سامہ کا ان علاقوں کی طرف آنا جانا گو عمان میں بنو ازد کی بڑی طاقت تھی۔ لیکن بنو سامہ بھی اندر ہی اندر طاقت پکڑتے رہے یہاں تک کہ ان کے ایک شخص محمد بن قاسم سامی نے عمان میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ اس کے بعد اُس نے ایسی طاقت پکڑی کہ اپنی حکومت اس نے پنجاب کی طرف منتقل کرنا شروع کر دی۔ اس لئے کہ عمان میں قرامطیوں اور باطنیوں کا زور شروع ہوگیا تھا۔ چنانچہ اس محمد بن قاسم نے جو پنجاب میں عربوں کی حکومت قائم کی، وہ پچھتر سال تک قائم رہی۔ جبکہ عربوں کے قبیلے بنو ہبار نے جو سندھ میں حکومت قائم کی، وہ لگ بھگ 170 سال تک قائم رہی۔

ہندوستان میں جو عربوں کی تیسری حکومت قائم ہوئی، وہ دولت ماہانیہ کہلاتی ہے۔ یہ سنجان یا سنداب میں قائم ہوئی۔ سنجان موجودہ مہاراشٹر اور گجرات کے درمیان بمبئی سے شمال کی طرف 145 کلومیٹر پر، سورت سے جنوب کی طرف 118 کلومیٹر کی طرف واقع تھا۔

قدیم زمانے کے مؤرخین اس علاقے کو سندان لکھتے ہیں جبکہ موجودہ مقامی زبان میں اسے سنجان کہا جاتا ہے۔ قدیم زمانے میں یہ بلادِ ہند کا مشہور شہر اور بندرگاہ تھی اور یہاں بحری تجارت کی عالمی منڈی تھی۔

دوسری صدی ہجری کے اواخر میں سندھ میں خودمختاری، اقتدار اور غلبہ، قبائلی عصبیت اور مذہبی چپقلش سے ہر طرف بے اطمینانی برپا تھی۔ سندھ کا علاقہ چونکہ مرکز خلافت بغداد سے بہت دوری پر تھا اس لئے خلافت کے مخالفین جن میں زیادہ مشہور قرامطہ، خوارج، روافض، اسماعیلی، ملاحدہ وغیرہ شامل تھے، وہ بنو عباس کے خلاف اپنی

معاندانہ سرگرمیوں کا مرکز اسی علاقے کو بنائے ہوئے تھے۔ ان ناگوار حالات میں پنجاب میں قائم ہونے والی عربوں کی حکومت میں بنو سامہ کے ایک آزاد کردہ غلام فضل بن مہان نے ایک نئے کام کی ابتداء کی۔ سندھ کی اُلجھنوں کو دُور کرنے اور وہاں سے ہٹ کر مسلمانوں کی مضبوط حکومت قائم کرنے کے لئے اس نے ہندوستان کے شہر سندان کا رخ کیا۔ اس کے ساتھ اس کا ایک لشکر تھا جس کے ساتھ اس نے وہاں قبضہ کر لیا۔ یہ گجرات کے مہاراجگان بلہرہ کا مقبوضہ علاقہ تھا لیکن فضل بن مہان نے اُنہیں شکست دے کر وہاں اپنی حکومت قائم کر لی۔ اس طرح اس علاقے میں عربوں کی مہانیہ حکومت کی ابتداء ہوئی جس نے ان علاقوں میں لگ بھگ تیس برس تک حکومت کی۔

عربوں کی چوتھی مملکت توران میں قائم ہوئی۔ توران کسی زمانے میں سندھ کا ایک صوبہ تھا۔ توران کے مغرب میں کرمان اور بجستان کا ایک ریگستانی علاقہ تھا۔ شرق میں بحیرہ فارس، شمال میں بلاد ہند اور جنوب میں مکران واقع تھا۔ توران میں حسب ذیل شہر اور مقامات تھے:

عال کیز، کانان، سواہ، خضدار، قندہ بیل وغیرہ۔ اور ان علاقوں کا مرکزی شہر توران تھا جو آج کل کے بلوچستان میں واقع ہے اور اس کا موجودہ نام خضدار ہے۔ آج کل یہ قلات ڈویژن کا جدید صدر مقام ہے۔

ان علاقوں میں عربوں کے ایک شخص مغیرہ بن احمد نے اسلامی مملکت کی بنیاد رکھی۔ اس نے توران یعنی خضدار پر قبضہ کر کے عباسی خلیفہ کا خطبہ جاری کیا۔ اس نے خود اقتدار پر غلبہ حاصل کیا تھا۔ اس کی حکومت موروثی اور خاندانی نہیں تھی۔ اپنی حکومت میں وہ بالکل خود مختار اور آزاد تھا۔ اس نے توران کے شہر قندہ بیل اور خضدار سے الگ ایک تیسرے مقام کیز کو بھی اپنا مستقر بنایا۔ اس مغیرہ بن احمد کے بعد اس علاقے پر جو شخص دوسرا حکمران ہوا، وہ ابوالقاسم تھا اور ان علاقوں میں جو مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی وہ دولت حنظلیہ کہلاتی ہے۔

پانچویں حکومت جو ان علاقوں میں قائم ہوئی وہ دولت معدانیہ کہلاتی ہے۔ یہ مکران میں قائم ہوئی۔ یہ حکومت قائم کرنے والا ایک شخص عیسیٰ بن معدان معراج تھا۔ اس نے مکران پر غلبہ اقتدار حاصل کر کے اپنی مستقل حکومت کا اعلان کیا۔ یہی دولت معدانیہ مکرانیہ کہلاتی ہے۔ اس کا تذکرہ سب سے پہلے اصطخری نے اپنی کتاب مسالک الممالک

میں ان الفاظ میں کیا ہے:

''عیسیٰ بن معدان نامی ایک شخص مکران پر قابض ہوا جسے لوگ اپنی زبان میں معراج کہتے تھے۔ اس کی جائے قیام شہر کیز ہے۔''

یاقوت حموی نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ مکران پر ایک شخص ہجری تین کی حدود میں قابض ہو گیا۔

ان دونوں بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عیسیٰ بن معدان پہلا شخص تھا جس نے مکران میں عربوں اور مسلمانوں کی حکومت قائم کی۔ جہاں ہندوستان میں معدانیہ سلطنت 130 برس تک قائم رہی، وہاں خضدار میں دولت حنظلیہ بھی 130 برس تک قائم رہی۔ بہر حال سندھ کے حاکم عمرو بن حفص کے کہنے پر عبداللہ اشتر ایک محفوظ مقام کی طرف چلا گیا تھا اور جس مقام پر جا کر اس نے پناہ لی تھی، وہاں کے حاکم کو بھی عمر بن حفص نے لکھ دیا تھا کہ وہ عبداللہ اشتر کا خاص خیال رکھے۔ جہاں عبداللہ اشتر نے جا کر پناہ لی، وہاں کے مقامی حاکم کی بیٹی سے عبداللہ اشتر نے شادی کر لی۔ وہیں قیام کر کے عبداللہ اشتر نے لوگوں کو اپنے اردگرد جمع کرنا شروع کر دیا اور جو لوگ خلافت عباسیہ سے تنگ تھے، وہ بھاگ بھاگ کر عبداللہ اشتر کے پاس جا کر جمع ہونا شروع ہو گئے۔ اس طرح ہندوستان میں عبداللہ اشتر کے پاس ایک لشکر جمع ہو گیا۔

اسی دوران بنو عباس کے مخبروں نے منصور کے کان میں یہ بات بھی ڈال دی کہ عبداللہ اشتر بھاگ کر سندھ گیا اور سندھ کے حاکم عمر بن حفص ہی کے کہنے پر اس نے ایک محفوظ مقام پر پناہ لے رکھی ہے۔ وہاں کے مقامی حاکم کی بیٹی سے اس نے شادی کر لی ہے اور ایک لشکر بھی اس نے اپنے اردگرد جمع کر لیا ہے۔

منصور کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اس نے بڑی غضب ناکی کا اظہار کیا۔ اس نے عمر بن حفص کے خلاف تو کوئی تادیبی کارروائی نہیں کی، صرف یہی کیا کہ تیز رفتار قاصد اس نے عمر بن حفص کی طرف روانہ کئے اور اسے سندھ کی گورنری سے ہٹا کر واپس بلا لیا گیا اور اسے مصر کی حکومت پر بھیج دیا گیا۔ جبکہ منصور نے اپنی طرف سے سندھ پر ایک شخص ہشام بن عمرو تغلبی کو حاکم مقرر کیا۔

ہشام بن عمر کو سندھ کی طرف روانہ کرتے وقت منصور نے اسے مخاطب کرتے ہوئے تاکیداً کہا۔

''عبداللہ اشتر کو جس طرح ممکن ہو، گرفتار کر لینا۔ اگر سندھ کا وہ علاقہ جہاں اس نے قیام کر رکھا ہے اور جس مقامی حکمران نے اسے پناہ دے رکھی ہے، وہ عبداللہ اشتر کو تمہارے حوالے کرنے سے انکار کر دے تو اس پر فوراً چڑھائی کر دینا۔''

چنانچہ ان ارادوں کو لے کر ہشام بن عمر سندھ پہنچا۔ پہلے اس نے عبداللہ اشتر کا اتا پتہ معلوم کیا، پھر جہاں عبداللہ اشتر نے ہندوستان کے مقامی حکمران کے ہاں پناہ لے رکھی تھی، اس کی طرف ہشام بن عمر نے پیغام بھجوایا کہ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ عبداللہ اشتر کو اس کے حوالے کر دو۔

چنانچہ اس کے مقامی حاکم نے جب عبداللہ اشتر کو حوالے کرنے سے انکار کر دیا اس لئے کہ عبداللہ اشتر اس کا داماد تھا، ان حالات میں ہشام بن عمر اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا اور ان علاقوں پر حملہ آور ہوا جہاں عبداللہ اشتر نے پناہ لے رکھی تھی۔

ابھی عبداللہ اشتر اس مقامی حکمران سے ٹکرایا بھی نہیں تھا کہ ایک اور حادثہ رونما ہو گیا۔ وہ یہ کہ ہشام بن عمر کے مخبروں نے اسے بتایا کہ عبداللہ اشتر اپنے کچھ مسلح دستوں کے ساتھ اس وقت دریائے سندھ کے کنارے موجود ہے۔

یہ صورتِ حال یقیناً ہشام بن عمر کے لئے بڑی خوش کن تھی۔ ہشام بن عمر حاکم سندھ نے اپنے بھائی سفیر کو چند دستے دے کر عبداللہ بن اشتر کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ دریائے سندھ کے کنارے ہشام بن عمر کے بھائی سفیر اور عبداللہ اشتر کے درمیان ٹکراؤ ہوا۔ دونوں ہولناک انداز میں ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے۔ دریائے سندھ کے کنارے لڑی جانے والی اس جنگ میں حاکم سندھ ہشام بن عمر کا بھائی سفیر کامیاب اور کامران رہا۔ عبداللہ اشتر اور اس کے ہمراہی سب کے سب مارے گئے۔

عبداللہ اشتر کے مارے جانے کی اطلاع جب حاکم سندھ ہشام بن عمر نے قاصد کے ذریعے منصور کو بھجوائی تو منصور نے حکم دیا کہ جس مقامی حاکم نے عبداللہ اشتر کو پناہ دی تھی، اس کے علاقوں پر حملہ آور ہو، انہیں پامال کر کے رکھ دو تاکہ آنے والے دور میں خلافت کے کسی باغی کو ایسے علاقوں میں پناہ لینے کا موقع نہ ملے۔

چنانچہ عبداللہ اشتر کے خاتمے کے بعد ہشام بن عمر اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا۔ ہندوستان کے ان علاقوں پر حملہ آور ہوا اور انہیں پامال کر کے رکھ دیا۔ ہندوستان کا وہ حاکم ہشام بن عمر کا مقابلہ نہ کر سکا۔ پے در پے اسے شکستوں کا سامنا کرنا پڑا اور ان

شکستوں کے دوران حاکم سندھ ہشام بن عمر نے مرنے والے عبداللہ اشتر کی بیوی اور اس کے لڑکے کو بھی گرفتار کر لیا۔ ان کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی نہیں کی بلکہ دونوں ماں بیٹے کو اس نے خلیفہ منصور کی طرف بغداد روانہ کر دیا۔

چنانچہ جب عبداللہ اشتر کے لڑکے اور اس کی بیوی کو منصور کے سامنے پیش کیا گیا تو منصور ان کے ساتھ بڑے احترام اور عزت کے ساتھ پیش آیا۔ ان کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی بلکہ دونوں ماں بیٹے کو باحفاظت مدینہ پہنچا دیا گیا جہاں عبداللہ اشتر کے خاندان کے دیگر لوگ رہتے تھے تاکہ وہ دونوں ماں بیٹا ان کے اندر جا کر پُرسکون زندگی بسر کریں۔ اس طرح سندھ کے حالات جو خراب ہونا شروع ہوئے تھے، وہاں سے جو بغاوت اور سرکشی کی ابتداء ہونے والی تھی، منصور نے بروقت کارروائی کر کے اس کا خاتمہ کر دیا تھا۔

انہی دنوں منصور عباسی نے ایک اور اہم قدم اٹھایا، وہ یہ کہ اس سے پہلے اس کے چھوٹے بھائی جو بنو عباس کا پہلا خلیفہ شمار کیا جاتا تھا یعنی عبداللہ سفاح نے مرتے وقت منصور کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا اور منصور کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہد بنایا تھا۔ اب اس وصیت کے مطابق منصور کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ خلیفہ ہونے والا تھا۔ منصور جب مہدی اور ابراہیم علوی کے خطرات سے مطمئن ہو گیا اور عیسیٰ بن موسیٰ کی امداد کا زیادہ محتاج نہ رہا تو اس نے چاہا کہ بجائے عیسیٰ کے، اپنے بیٹے مہدی کو ولی عہد بنائے۔

اوّل اس کا ذکر عیسیٰ سے کیا۔ عیسیٰ نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ منصور نے خالد بن برمک اور دوسرے عجمی سرداروں کو شریکِ مشورہ اور اپنی رائے کا مؤید بنا کر عیسیٰ بن موسیٰ کو جو سفاح کے زمانے سے کوفہ کا حاکم چلا آتا تھا، کوفہ کی حکومت سے معزول کر کے وہاں محمد بن سلیمان کو کوفہ کا حاکم بنا دیا۔

کوفہ کی حاکمیت سے معزول ہو کر عیسیٰ کی تمام قوت زائل ہو گئی۔ اس کو منصور کی مرضی کے خلاف اظہارِ رائے کی غلطی محسوس ہوئی۔ غرض عیسیٰ کو بے دست و پا کر کے منصور نے بڑی چالاکی، فریب، دلجوئی اور منافقت سے کام لے کر لوگوں سے، مہدی کی ولی عہدی کی بیعت لے لی اور مہدی کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہد بنا کر اس کے بھی آنسو پونچھنے کی کوشش کی۔

خالد بن برمک نے یہ شہرت دی کہ میرے سامنے عیسیٰ نے ولی عہدی سے دست

برداری کا اظہار کیا تھا، اس طرح خالد بن برمک جھوٹ بولنے کا مرتکب ہوا۔ چنانچہ لوگ یہ سمجھنے لگے کہ منصور نے ٹھیک ہی اپنے بیٹے مہدی کو ولی عہد بنا دیا ہے۔

اس کام کے لئے منصور نے خلافِ عادت بہت رقم بھی خرچ کی اور لوگوں کو اس تقریب میں انعام و اکرام دے کر خوش کر دیا۔

عیسیٰ بن موسیٰ نے منصور کی حکومت کو مضبوط اور مستحکم اور قائم رکھنے میں سب سے زیادہ خدمات انجام دی تھیں۔ اس نے محمد مہدی اور ابراہیم کو شکستیں دے کر قتل کروایا تھا، منصور کو ایک بہت بڑی مصیبت سے بچایا تھا۔ ان خدماتِ جلیلہ کا اُس کو یہ الٹا صلہ ملا کہ اس کو ولی عہدی سے بھی معزول کر دیا گیا اور مہدی بن منصور اس پر عیسیٰ بن موسیٰ گورنر کوفہ سے معزول ہونے کے بعد راہبہ کے علاقے واقع کوفہ میں سکونت پذیر ہو کر خاموشی کی زندگی بسر کرنے لگا۔

رفتہ رفتہ منصور کے راستے کی تمام مشکلات دور ہو گئیں۔ سوائے ایک علاقے اُندلس کے تمام ممالک اسلامی پر منصور کی حکومت مستحکم طور پر قائم ہو گئی تھی۔

ایک روز محمد بن اشعث، اقلیما، اس کا ماموں حارث بن لبید، ممانی نابقہ بنت علقمہ، ماموں زاد بہن خضا بنت حارث، ماموں زاد بھائی بشار بن حارث سب دیوان خانے میں بیٹھے باہم گفتگو کر رہے تھے کہ دیوان خانے میں خازم بن خزیمہ کی بیوی ربیب بنت اسود داخل ہوئی۔ اُس کی طرف دیکھتے ہوئے محمد بن اشعث، حارث بن لبید، بشار بن حارث تینوں اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اُنہیں اُٹھتا دیکھ کر اقلیما، نابقہ بنت علقمہ اور خضا بنت حارث بھی اُٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

ربیب بنت اسود آگے بڑھی اور شکایت بھری آواز میں محمد بن اشعث کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''بھائی! آپ مجھے بار بار شرمندہ کرتے ہیں۔ میں آپ سے کئی بار کہہ چکی ہوں کہ جب میں آیا کروں تو آپ کھڑے نہ ہوا کریں۔ اس لئے کہ........''

یہاں تک کہتے کہتے ربیب بنت اسود کو رک جانا پڑا اس لئے کہ مسکراتے ہوئے محمد بن اشعث بول اٹھا تھا۔

''اس لئے کہ آپ میری بڑی بہن ہیں۔ بڑی بہن ماں کی جگہ ہوتی ہے اور ماں کا احترام لازم ہے۔''

ربیب بنت اسود منہ سے کچھ نہ بولی، بس ایک عقیدت اور شفقت سے محمد بن اشعث کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ اس موقع پر محمد بن اشعث نے ایک خالی نشست کی طرف اشارہ کیا اور ربیب بنت اسود کو بیٹھنے کے لئے کہا۔ اس پر ربیب بنت اسود بول اُٹھی تھی۔

''بھائی! میں بیٹھوں گی نہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اقلیما کو اپنے ساتھ لے

جاؤں۔ بھائی! شہر میں کچھ دمشقی تاجر آئے ہیں۔ ہمارے ہمسائے کی کچھ عورتیں گئی تھیں۔ وہ کچھ سامان خرید کر لائی ہیں۔ وہ بہت اچھا سامان لائی ہیں۔ ان میں کپڑے بھی شامل ہیں۔ میں کچھ خریداری کرنا چاہتی ہوں، لہٰذا........''

ربیب بنت اسود کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ محمد بن اشعث فوراً بول پڑا۔

''ربیب! میری بہن! تم بڑے وقت پر آئی ہو۔ اقلیما بھی کچھ کپڑوں کے علاوہ دوسری اشیاء کی خریداری کرنا چاہتی ہے۔ اس کے لئے آج صبح ہی میں نے اسے خاصی بڑی رقم دے دی ہے۔ آپ براہِ راست اقلیما سے بات کر لیں۔ آپ جانتی ہیں میں اسے کہیں آنے جانے سے روکتا نہیں ہوں۔ ویسے یہ خود ہی بڑی احتیاط کرتی ہے۔''

پھر محمد بن اشعث نے اپنی بیوی اقلیما کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔

''اقلیما! جو رقم میں نے تمہیں دی تھی، اس کے علاوہ تمہیں اور رقم چاہئے تو جہاں رقم رکھی رہتی ہے، تمہیں پتہ ہے۔ جا کر لے لو۔ جب تم ربیب کے ساتھ جا رہی ہو تو گھر کے سب افراد کے لئے کپڑے اور ضروریات کی دوسری چیزیں خرید لاؤ۔''

جواب میں اقلیما خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''نہیں، میرے پاس رقم کافی ہے۔'' پھر ربیب کی طرف دیکھتے ہوئے اقلیما کہنے لگی۔ ''خضا اور بشار کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔''

ربیب خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''یہ تم نے ٹھیک کہا ہے۔ اس لئے کہ مجیر بھی میرے پیچھے پیچھے آ رہا ہے۔ سب چلتے ہیں۔ اگر بچے بھی کوئی چیز لینا چاہیں یا ان کی کوئی چیز تاجر لائے ہوئے تو ان کو بھی لے دیں گے۔''

ربیب بنت اسود کے ان الفاظ سے اقلیما خوش ہو گئی تھی۔ خضا بنت حارث اور بشار بن حارث بھی خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ عین اسی لمحہ خازم بن خزیمہ کا بیٹا مجیر بن خازم بھی وہاں آ گیا۔ اس کے بعد اقلیما ساتھ والے کمرے میں گئی، چہرے پر نقاب ڈال کر وہ آئی، اس کے بعد سب حویلی سے نکل گئے تھے۔

وہ ایک کھلا میدان تھا جہاں دمشق کے علاوہ کچھ دوسرے شہروں کے تاجر اپنا سامان لگائے ہوئے تھے۔ مختلف شہروں کا بھانت بھانت کا سامان تھا جو وہاں لا کر جمع کر دیا گیا تھا۔ اقلیما، ربیب بنت اسود، نابغہ بنت علقمہ، خضا بنت حارث، بشار بن حارث اور

مجیر بن خازم سب سامان کا جائزہ لینے لگے۔ اس موقع پر اقلیما نے اپنے علاوہ محمد بن اشعث کے لئے بھی بہت کچھ خریدا۔ ربیب بنت اسود نے بھی اپنے اپنے بچوں اور خازم بن خزیمہ کے لئے خریداری کی۔ ساتھ ہی اقلیما نے خود اپنے ماموں، ممانی اور ان کے بچوں کے لئے بھی بہت سا سامان خریدا تھا۔

ایک موقع پر جبکہ اقلیما خریدا جانے والا سامان خضا بنت حارث اور اپنے ماموں زاد بشار بن حارث کو تھما رہی تھی تو اچانک اس کے چہرے سے نقاب اُتر گیا تھا۔ نقاب کا اُترنا تھا کہ انقلاب برپا ہو گیا۔ اس لئے کہ جو تاجر اس وقت سامنے کھڑا تھا، وہ اقلیما کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ حیرانی اور پریشانی کے عالم میں اسے ٹکٹکی باندھے دیکھنے لگا تھا۔ گویا صرف ایک لمحہ کے لئے ہوا اور اقلیما نے فوراً اپنے چہرے پر نقاب ڈال لیا تھا۔ اس کے بعد جب سب نے اپنی خریداری پوری کر لی اور واپس جانے لگے تب وہ تاجر اقلیما کا تعاقب کرنے لگا تھا۔

اس موقع پر اس کا ایک ساتھی اس کے قریب آیا اور کہنے لگا۔

''یہ تم کیا ظلم کر رہے ہو؟ یہ مجھے اچھے گھرانے کی خاتون لگتی ہیں اور تم کس بناء پر ان کا پیچھا کر رہے ہو؟ دیکھو اپنے مال کی طرف دھیان دو۔ ہمارا ایسے کاموں سے کیا تعلق؟ اس لڑکی کے چہرے سے نقاب اُترا ہے تو اس نے تمہیں پریشان اور فکرمند کیوں کر دیا ہے؟''

اس پر جو تاجر اقلیما کا تعاقب کرنے والا تھا، وہ اپنے ساتھی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''عامر بن مسعود! جو میں دیکھتا ہوں، وہ تم نہیں دیکھتے۔ جس قدر سامان اس وقت ہمارے پاس پڑا ہے اگر میرا اندازہ درست ہے تو پھر اس سامان کی ایسی تیسی۔ ہم تو مالا مال ہو کر رہ جائیں گے۔''

اُس نے اپنے جس ساتھی کو عامر بن مسعود کہہ کر پکارا تھا، وہ اپنے ساتھی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''سن خلیل بن اسحاق! یہ بغداد ہے۔ ناحق کسی خاتون کے پیچھے نہیں جاؤ۔ ایسا اخلاقاً بھی انتہائی برا، ناپسندیدہ اور کریہہ ہے۔ اپنے کام سے غرض رکھو۔''

اس پر خلیل بن اسحاق اپنے ساتھی عامر بن مسعود کو کہنے لگا۔

''میرے عزیز بھائی! بس ذرا تھوڑی دیر کو رُکو۔ ابھی لوٹ کر آتا ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی تاجر خلیل بن اسحاق تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اکلیما، ربیب اور دیگر کے پیچھے لگ گیا تھا۔

کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ وہی تاجر خلیل بن اسحاق لوٹ کر اپنے ساتھی عامر بن مسعود کے پاس آیا۔ چنانچہ عامر بن مسعود اسے حیرت اور تعجب بھرے انداز میں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اُس لڑکی میں تُو نے کون سی ایسی چیز دیکھ لی جس کے مطابق تیرے لئے خزانوں کے در کھل گئے ہیں؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ لڑکی بڑی خوب صورت اور پُرکشش ہے لیکن کسی کی بیٹی ہے، کسی کی بہن، کسی کی بیوی ہوگی۔ ہمیں ہرگز یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم کسی کی ماں بہن پر حرف گیری کریں۔ تم نے جو حرکت کی ہے، یہ بڑی مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں، اخلاقی لحاظ سے یہ ایک برا اور بدترین فعل ہے۔''

عامر بن مسعود جب خاموش ہوا تب خلیل بن اسحاق کے چہرے پر طنزیہ اور کسی قدر مکروہ مسکراہٹ نمودار ہوئی، کہنے لگا۔

''ابن مسعود! تم اصل معاملے کو نہیں جانتے ہو۔ بس یوں جانو میں وہ چیز دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ جس لڑکی کے پیچھے میں گیا تھا وہ عام لڑکی نہیں ہے۔ سنو! تھوڑی تفصیل اس کے متعلق میں تجھے بتایا ہوں۔ میرے خیال میں اس کے بعد تم مجھ سے اتفاق کرو گے کہ میں کیا کرنے والا ہوں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد خلیل بن اسحاق رُکا، پھر دوبارہ وہ اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''ابن مسعود! اس لڑکی کا نام اکلیما ہے۔ میں جو یہ تعاقب کرنے گیا تھا تو اس کے متعلق ساری تفصیل جان کر لوٹا ہوں۔ محلے کے کچھ لڑکوں سے بھی میں نے بات کی ہے۔ ایک دو بچیاں بھی ملیں۔ ان سے بھی میں نے پوچھا۔ یہ لڑکی ان دنوں بنو عباس کے نامور سالار محمد بن اشعث کی بیوی ہے۔ لیکن اس کی اصلیت یہ ہے کہ یہ بنو اُمیہ کے آخری خلیفہ کی بیٹی ہے۔ عامر بن مسعود! تم جانتے ہو کہ بنو عباس، بنو اُمیہ کے ایک ایک فرد کو موت کے گھاٹ اُتارنا کارِ ثواب خیال کرتے ہیں۔ ابو مسلم خراسانی جیسے عباسیوں کا ہتھیار سمجھا جاتا رہا ہے، اس نے ہزاروں ایسے ہی مسلمانوں کو موت کے

گھاٹ اُتارا۔ اس لڑکی اور اس کی بہن کی بھی بنو عباس کے کچھ افراد کو بڑی تلاش تھی۔ اس کی بڑی بہن کا نام اِرم تھا۔ دیکھو ان دونوں بہنوں کو میں دمشق میں اس سے پہلے کئی بار دیکھ چکا ہوں۔ یوں جانو میری خوش قسمتی ہے کہ جس وقت یہ لڑکی اپنا خریدا ہو سامان سنبھال رہی تھی تو اس کے چہرے سے نقاب ڈھلک گیا اور وہیں میں نے اس کا چہرہ دیکھ لیا۔''

عامر بن مسعود نے اپنے ساتھی تاجر خلیل بن اسحاق کی اس گفتگو کو ناپسند کیا تھا۔ لہٰذا ناپسندیدگی ہی کے لہجے میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''چلو تمہیں پتہ چل گیا کہ یہ اکلیما بنو امیہ کے آخری خلیفہ کی بیٹی ہے۔ پھر تم کیا کرو گے؟''

خلیل بن اسحاق نے قہقہہ لگایا، پھر بڑی رازداری میں کہنے لگا۔

''ابن مسعود! تم دور اندیش نہیں ہو۔ اب میں بغداد شہر میں کسی ایسے فرد کو تلاش کروں گا جو بنو اُمیہ کے افراد کا بدترین دشمن رہا ہو اور ساتھ ہی بنو عباس کے خلیفہ ابوجعفر منصور کے ہاں بھی اس کی رسائی ہو۔ چنانچہ اس شخص پر میں یہ انکشاف کروں گا کہ بنو عباس کے سالار محمد بن اشعث کی بیوی دراصل بنو اُمیہ کی ایک شہزادی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ جب میں انکشاف کروں گا تو عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور مجھے مالا مال کر دے گا۔ میرے خیال میں جو انعام مجھے ابوجعفر منصور دے گا، اس کے سامنے میرے اس مال کی کوئی حیثیت ہی نہیں رہے گی۔ اب میں نے سب سے پہلے یہ کام کرنا ہے کہ کسی ایسے شخص کو تلاش کرنا ہے جو بنو اُمیہ کا بدترین دشمن ہو اور ابوجعفر منصور کے پاس بھی اس کا آنا جانا ہو۔''

یہاں تک کہنے کے بعد خلیل بن اسحاق جب رکا، تب اُس کی طرف بڑے غور سے دیکھتے ہوئے عامر بن مسعود کہنے لگا۔

''ابن اسحاق! کسی مصیبت، کسی ابتلاء میں نہ پھنس جانا۔ تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ وہ بنو اُمیہ کی شہزادی ہے؟ ہوسکتا ہے اس کا تعلق کسی اور خاندان سے ہو اور اس کی شکل اس لڑکی سے ملتی ہو۔''

مسکراتے ہوئے خلیل بن اسحاق نے نفی میں گردن ہلائی اور کہنے لگا۔

''ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ میرا حافظہ، میری قوتِ یادداشت دھوکا نہیں کھا سکتی۔ جو کچھ

میں دیکھتا ہوں بالکل درست ہے۔ اب میں یہ جاننے کی کوشش کروں گا کہ یہ لڑکی محمد بن اشعث کے ہاتھ کیسے لگی؟ میں جب اس لڑکی کا پیچھا کرنے گیا تو محلے کے کچھ لوگوں سے میں نے بات کی۔ میں نے یہ بہانہ کیا کہ میں ایک دمشقی تاجر ہوں۔ ان گھروں کے لوگ میرے پاس سے کچھ سامان لے کر آئے ہیں۔ کچھ خواتین خریدا ہوا سامان میرے پاس بھول آئی ہیں۔ میں ان کا وہ سامان انہیں پہنچانا چاہتا ہوں۔ بس اسی گفتگو کے سلسلے میں، میں نے اس لڑکی سے متعلق تفصیل بھی حاصل کر لی۔ آس پاس کی رہائش رکھنے والوں میں سے ایک نے مجھے بتایا کہ اس لڑکی کا تعلق دراصل جرجان شہر سے ہے۔ جرجان شہر میں سرائے کا ایک مالک ہے۔ نام اس کا سالم بن تماضر ہے۔ کہنے والے نے مجھ سے کہا ہے کہ یہ لڑکی سالم بن تماضر کی بیٹی ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد خلیل بن اسحاق رکا، پھر اپنے ساتھی عامر بن مسعود کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''ابنِ مسعود کہنے والا جو مرضی کہتا رہے، لیکن میرا دل یہ کہتا ہے کہ یہ لڑکی سو فیصد آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد کی بیٹی ہے۔ اس کا کسی طور جرجان کی کسی سرائے کے مالک سے تعلق نہیں ہے۔ نہ وہ اس کی بیٹی ہے۔ ہاں! میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ یہ ان دنوں محمد بن اشعث کی بیوی ہے۔ لیکن اب میں نے یہ سراغ لگانا ہے کہ یہ جرجان کی سرائے کے مالک سالم بن تماضر کی بیٹی کیسے بن گئی۔ اس کے بعد میں حرکت میں آؤں گا اور پھر تم دیکھنا اس لڑکی کے حوالے سے میں کیسی قدر و منزلت حاصل کرتا ہوں۔'' یہاں تک کہنے کے بعد خلیل بن اسحاق رکا، تب عامر بن مسعود خوب غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''ابنِ مسعود! میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اس قدر گراوٹ میں چلے جاؤ گے، اس قدر پستی اور ذلت کا شکار ہو جاؤ گے۔ اگر وہ لڑکی آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد کی بیٹی ہے تو اس میں حرج اور گناہ کی کیا بات ہے؟ کیا بنو اُمیہ سے تعلق ہونا جرم کی بات ہے؟ ابنِ اسحاق! تم اپنے آپ کو خونی دلدل اور موت کی کچھار کی طرف لے جانا چاہتے ہو۔ سنو! مال و دولت کی ہوس اور حرص میں ایک لڑکی کی جان، اس کی عزت، اس کی عصمت اور آبرو کے ساتھ کھیل جانا چاہتے ہو۔ تف ہے تمہارے مسلمان ہونے پر۔ سنو! اگر تم نے اس کھیل کو جاری رکھا تو پھر یاد رکھنا میرا تمہارے ساتھ کوئی تعلق نہیں

ہو گا۔ اب تک جو ہم نے لین دین کیا ہے، اس کا حساب ہو گا اور میری تم سے علیحدگی ہو گی۔ ہم تاجر ہیں مال اسباب کے۔ لڑکیوں کی عزت، ان کی عصمت، ان کی عظمت کے سوداگر نہیں ہیں۔ یہاں تک کہنے کے بعد عامر بن مسعود جب خاموش ہوا تب خلیل بن اسحاق چبھتے ہوئے انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا، پھر طنزیہ انداز میں کہنے لگا۔

''دیکھو! ان دنوں حکومت بنو عباس کی ہے۔ تیری گفتگو سے میں یہ اندازہ لگاتا ہوں کہ تُو بنو اُمیہ کے حق میں اور بنو عباس کے خلاف ہے۔''

اس پر عامر بن مسعود نے سر کو جھٹکا، کہنے لگا۔

''تیری یہ گفتگو بالکل ہی موضوع سے ہٹ کر ہے۔ میں نہ بنو اُمیہ کا حامی ہوں نہ بنو عباس کا، نہ بنو ہاشم کا۔ یاد رکھنا! ان سب کا مطمعِ نظر صرف حکومت ہے۔ مسلمانوں کی بہتری سے انہیں کوئی سروکار نہیں۔ اس کا ثبوت تو میں تمہیں بعد میں مہیا کروں گا کہ یہ سب لوگ کیسے صرف حکومت ہی چاہتے ہیں خواہ اس کے لئے انہیں ہزاروں مسلمانوں کو ہی موت کے گھاٹ کیوں نہ اُتروانا پڑے۔ لیکن خلیل بن اسحاق! تم میرے پرانے دوست، میرے پرانے شناسا ہو۔ اگر حق کی بات سننا ہی چاہتے ہو تو پھر میرے خیال میں بنو اُمیہ کی خلافت بنو عباس سے بہت اچھی، بہتر اور زیادہ پسندیدہ تھی۔

اب تم اس کی وجہ پوچھو گے تو ذرا مجھ سے تفصیل بھی سن لو۔ یہ میں تفصیل تم سے اس لئے کہنا چاہتا ہوں کہ جو ارادہ تم کر چکے ہو، ہو سکتا ہے مجھ سے تفصیل جاننے کے بعد تم اپنے اس ارادے سے باز آ جاؤ اور کسی نئی مصیبت اور ابتلاء میں نہ پڑو۔

خلیل بن اسحاق! میرے بھائی سنو! خلافتِ بنو اُمیہ کا جہاں تک تعلق ہے تو یہ خلافت ایک فاتح اور ملک گیر سلطنت تھی اور اس کے زمانے میں عرب قوم فاتح اور تمام اقوام مفتوح سمجھی جاتی تھیں۔ عربوں میں مذہبی جوش موجود تھا اور قرآن کریم اور سنت رسول ﷺ کے سوا کوئی قانون ان کے لئے واجب تعمیل اور نافذ فرمان نہ ہو سکتا تھا۔

مسلمان اگر آپس میں لڑتے بھی تھے مگر ان لڑائیوں اور چڑھائیوں کے باوجود عرب، شام، مصر، عراق وغیرہ اسلامی ممالک میں باشندوں کی عام زندگی اور قیامِ امن کی پیچیدہ نظام کی خواہاں نہ تھیں۔ خلیفہ اہم امور میں مشورہ لے لیتا تھا مگر مشورہ لینے کے لئے وہ مجبور بھی نہ تھا۔ خلیفہ کو بلا طلب مشورے دیئے جاتے تھے اور بسا اوقات اسے وہ منظور بھی کرنے پڑتے تھے۔ حکومت میں عام طور پر عربی سادگی موجود تھی۔

معمولی بدو خلیفہ تک پہنچ سکتے تھے اور بادیہ نشینوں کی طاقت لسانی کو خلیفہ کا رعب حکومت مطلق کم نہیں کر سکتا تھا۔

خلیفہ صوبوں اور ولایتوں کی حکومت پر اپنے نائب مقرر کر کے بھیجتا تھا اور ان کو اس صوبہ یا ولایت میں کامل شاہانہ اختیارات حاصل ہوتے تھے۔ خلیفہ جس طرح تمام عالمِ اسلام کا فرمانروا تھا، اسی طرح وہ تمام عالمِ اسلام کا سپہ سالار بھی ہوتا تھا۔ صوبوں اور ولایتوں کے عامل اپنے صوبوں کے بادشاہ بھی ہوتے تھے اور سپہ سالار بھی۔ وہی مذہبی پیشوا اور نمازوں کے امام بھی ہوتے تھے اور وہی قاضی قضا بھی تھے۔

خلیفہ کو بھی جب کسی مذہبی مسئلہ کی نسبت شک ہوتا تو علماء اور فقہاء سے دریافت کرنے میں مطلق عاری نہ ہوتا۔ اس طرح عاملوں اور والیوں کو بھی علماء اور فقہاء سے استدلال کرنا پڑتا تھا۔ بعض اوقات صوبوں میں ایک عامل یعنی حاکم مقرر ہوتا تھا اور اس کے ساتھ ہی دوسرا قاضی دربارِ خلافت سے مقرر ہوتا تھا۔

عامل کا کام ملک میں انتظام قائم رکھنا، لشکر کشی کرنا، دشمن کی مدافعت کے لئے آمادہ رہنا، رعایا کی حفاظت کرنا اور محاصلِ ملکی وصول کر کے بیت المال میں جمع کرانا ہوتا تھا اور قاضی کا کام حدودِ شرعیہ کو جاری کرنا، منصفی کی خدمات انجام دینا اور احکامِ شرع کی پابندی کرانا ہوتا تھا۔

قاضی عامل کا محکوم نہ ہوتا تھا۔ بعض اوقات عامل اور قاضی کے علاوہ قانون بھی دربارِ خلافت ہی سے جدا مقرر ہوتا تھا جس کے متعلق تمام مالی انتظام ہوتا تھا۔ اس حالت میں عامل صرف سپہ سالارِ لشکر ہوتا تھا۔ غرض خلافتِ بنو اُمیہ میں سادگی زیادہ تھی۔ شرعی قوانین سے تمام عدالتی دقتوں کو رفع کر دیا جاتا تھا اور رعایا عدل و انصاف کی وجہ سے بہت خوش حال، آسودہ اور پُرسکون تھی۔

ان کے دور میں رعایا سے نامناسب ٹیکس یا محصول لیا جاتا تھا نہ سلطنت کے انتظام کو چلانے کے لئے زیادہ مال خرچ کرنا پڑتا تھا۔ خلیفہ تمام اسلامی دنیا کا روحانی پیشوا سمجھا جاتا تھا اور دنیاوی شہنشاہ بھی اس لئے مسلمانوں کی سلطنت میں امن و امان قائم کرنے میں بڑی آسانی ہوتی تھی۔ کوئی باقاعدہ وزارت کا عہدہ نہ تھا۔ ضرورت کے وقت ہر شخص وزارت کا کام سرانجام دے سکتا تھا۔

یہاں تک کہنے کے بعد عامر بن مسعود رکا اور گھورنے کے انداز میں خلیل بن

اسحاق کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اب ذرا بنو عباس کی طرف آؤ۔ خلافت عباسیہ میں عربوں کے سوا ایرانیوں کو زیادہ حقوق ملنے لگے اور تم دیکھتے ہو کہ بتدریج مفتوح قوم کا اقتدار عرب فاتحین سے بھی بڑھ گیا ہے۔ اسی لئے انتظامِ ملکی میں پیچیدگیاں واقع ہو رہی ہیں۔ اگر عرب، ایرانی سب کو احکامِ اسلام کے موافق مساوی درجہ رکھا جاتا ہے اور حقیقی مساوات قائم ہوتی ہے تو بنو اُمیہ کے زمانے سے بھی زیادہ سادگی اور خوبی سلطنت میں نمایاں ہو سکتی ہے۔ مگر بدقسمتی سے اب بنو عباس کی خلافت میں ایسا نہیں ہو رہا۔ تم دیکھتے ہو کہ بنو عباس کے دور میں عربوں اور ایرانیوں کے درمیان رقابت، مخالفت اور عداوت دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ ایرانیوں کو بنو عباس عربوں پر فضیلت دینے لگے ہیں اور ایرانی معاشرت نے عربی روایات اور سادگی کو حقارت کے ساتھ رد کر دیا ہے اور اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت اسلامیہ کو ایسی پیچیدگیوں میں مبتلا ہونا پڑ رہا ہے جس سے اس کا اعتبار اور اقتدار بتدریج کم ہوتا چلا جائے گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد عامر بن مسعود کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لئے کہ اعتراض کرتے ہوئے خلیل بن اسحاق بول اُٹھا۔

''میں تمہارے ان الفاظ سے اتفاق نہیں کرتا۔ کیا تم ایسی کوئی مثال دے سکتے ہو جہاں بنو عباس نے ایرانیوں کو عربوں پر فضیلت دی ہو؟ میں کیونکہ خود عرب ہوں، تم بھی عرب ہو لہٰذا کم از کم میں تو یہ محسوس نہیں کرتا۔''

خلیل بن اسحاق کے ان الفاظ کے جواب میں غصے کا اظہار کرتے ہوئے عامر بن مسعود کہنے لگا۔

''سب کچھ جانتے ہو، پھر بھی معصوم بنتے ہو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ بنو عباس کے خونخوار دونوں سالاروں یعنی ابو مسلم خراسانی اور قحطبہ بن شبیب نے بنو عباس ہی کے کہنے پر ان گنت مسلمانوں کا قتل عام کیا، قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا۔ اس کے علاوہ تم یہ بھی یقیناً جانتے ہو گے کہ عباسیوں کے موجودہ خلیفہ ابو جعفر منصور اور اس کے بھائی سفاح کے بڑے بھائی ابراہیم نے جسے یہ لوگ امام ابراہیم کہہ کر مخاطب کرتے تھے، اس نے خود ابو مسلم کو اپنے آخری خط میں تاکیدی طور پر لکھا تھا کہ خراسان میں کسی عربی بولنے والے کو زندہ نہ رکھنا۔ اس سے اس کا مدعا یہی تھا کہ بنو اُمیہ کے طرف دار

لوگ خراسان میں وہی عرب قبائل تھے جو فاتحانہ خراسان میں سکونت رکھتے تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بنو عباس شروع ہی سے عربوں کے خلاف اور ایرانیوں کے حق میں تھے۔ انہوں نے ان لوگوں کا بے دریغ قتل کیا۔ جنہوں نے اسلام اور مملکت اسلامیہ کی بہتری کے لئے کام کئے تھے اور ابو مسلم کے علاوہ ایسے لوگوں کو فوقیت دی جن کے آباؤ اجداد کا ماضی بھی اسلام سے وابستہ نہ تھا۔ یہاں تک کہتے کہتے عامر بن مسعود کو رک جانا پڑا اس لئے کہ اُس کی بات کاٹتے ہوئے خلیل بن اسحاق پھر بول اُٹھا۔

''ابنِ مسعود! میرے بھائی! تم میری اس بات سے یقیناً اتفاق کرو گے کہ حضور ﷺ کی قائم کی ہوئی سلطنت کا حکمران یا خلیفہ اُن کے خاندان یا قبیلے سے کوئی نہیں ہوا۔ اور یہ فیصلہ تعلیم اسلام کے عین مطابق اور موافق ہوا تھا۔ خلفائے راشدینؓ میں سے ہر ایک کی اولاد موجود تھی اور خلفاء کے ان بیٹوں میں ہر قسم کی قابلیت اور اہلیت بھی موجود تھی۔ مگر کسی خلیفہ نے اپنی کسی اولاد کو اپنا جانشین بنانا نہیں چاہا اور نہ ان کے خاندان میں حکومت اور سلطنت وارد ہوئی۔ حضرت علیؓ کے بعد ان کے بیٹے حسنؓ کو کوفہ والوں نے خلیفہ بنایا مگر حضرت حسنؓ نے صرف چھ ہی مہینے کے بعد اس خلافت اور حکومت کو حضرت امیر معاویہؓ کے سپرد کر دیا۔ کیا تم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے ہو کہ حضرت امیر معاویہؓ سے یہ غلطی سرزد ہوئی کہ انہوں نے خود اپنے بیٹے کو ولی عہد بنایا اور جانشین مقرر کیا اور حکومتِ اسلامیہ کو جو تمام مسلمانوں کی کثرتِ رائے سے کسی شخص کے سپرد ہو سکتی تھی، اپنی ذاتی چیز کی مانند اپنے اختیار سے بطور ورثہ اپنی اولاد کے سپرد کر دیا۔ تاہم میں اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہوں کہ انہوں نے اس بات سے اعلانیہ انکار نہیں کیا کہ حکومت اسلامیہ کسی فردِ واحد یا کسی ایک خاندان کی ملکیت نہیں ہے۔ اس لئے انہوں نے یزید کی بیعت کے لئے تمام مسلمانوں کو رضامند کرنے کی کوشش کی تھی۔''

یہاں تک کہتے کہتے خلیل بن اسحاق کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ عامر بن مسعود بول اٹھا۔

''سن میرے عزیز بھائی! حضرت امیر معاویہؓ کی یہ غلطی بھی کچھ زیادہ اہم اور نقصان رساں نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس زمانے کے مسلمانوں نے اس کی اصلاح کے لئے زبردست کوشش شروع کی اور اسی کوشش کے سلسلے میں حادثۂ کربلا کے علاوہ حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ کا حادثہ پیش آیا۔ تم یہ اعتراض کرتے ہو کہ بنو اُمیہ نے باپ کے بعد

بیٹے کو حکومت سونپے جانے کا سلسلہ شروع کیا۔ ٹھیک ہے، میں اسے تسلیم کرتا ہوں لیکن جو کام بنو ہاشم اور بنو عباس نے کئے ہیں، ذرا ان پر بھی تو نظر ڈالو۔ میرے عزیز بھائی! جہاں تک بنو عباس کا تعلق ہے، سب سے پہلے بنو عباس کے ابراہیم نے بنو اُمیہ کے خلاف سازشوں اور اندر ہی اندر ایک تحریک کا کام شروع کیا۔ یعنی انہوں نے بنو اُمیہ کی حکومت ختم کر کے بنو عباس کی حکومت کا سنگِ بنیاد رکھ دیا تھا۔

اس کے بعد جانتے ہو کیا ہوا۔ ابراہیم کے مرنے کے بعد اس کا جانشین، اس کا بھائی عبداللہ سفاح ہوا۔ سفاح کے بعد جانشین اس کا بھائی ابو منصور ہو گیا اور اس سے آگے بھی تم جانتے ہو۔ چند ماہ پہلے اسی ابو جعفر منصور نے اپنے بعد اپنے بیٹے مہدی کو جانشین اور ولی عہد مقرر کر دیا ہے۔ یاد رکھنا اب بنو عباس میں اس طرح باپ کے بعد بیٹا، بیٹے کے بعد اس کے بیٹے کی حکومت کا سلسلہ جاری رہے گا۔ پھر یہ سوچو کہ بنو اُمیہ اور بنو عباس میں کیا فرق رہا؟ بنو عباس کے پہلے خلیفہ ابو عباس عبداللہ کو سفاح اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ خون ریزی کا بڑا ماہر تھا۔ اس کو سفاح کا لقب ہی اس لئے دیا گیا تھا کہ انتہا درجہ کا سفاک تھا۔ خون بہانے میں اسے لطف آتا تھا اور اس کے عمال بھی خون ریزی میں بڑے مشاق تھے جن میں ابو مسلم خراسانی سرفہرست نظر آتا ہے۔

خلیل بن اسحاق! میرے بھائی! بنو عباس نے جو اپنے خاندان کی حکومت قائم کی ہے تو یہ حکومت ہزارہا مسلمانوں کی لاشوں پر قائم کی گئی ہے۔ کیا تم اسے درست اور جائز سمجھتے ہو؟ اب ذرا بنو ہاشم کا بھی احوال دیکھو! ان کے عبداللہ بن حسن کے بعد محمد مہدی کرتا دھرتا ہوئے۔ ان کے بعد ان کے بھائی ابراہیم نے تحریک کی باگ ڈور سنبھال لی اور تم جانتے ہو کہ پھر محمد مہدی کے بیٹے عبداللہ نے اس تحریک کا پرچم اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ گویا باپ کے بعد بیٹا آنا شروع ہو گیا۔ یہی عبداللہ تاریخ کے اوراق میں عبداللہ اشتر بن محمد مہدی کہلاتا ہے۔

خلیل بن اسحاق! تیرے ذہن سے یہ ساری باتیں محو ہو گئیں کہ ابھی کل کی بات ہے کہ بنو ہاشم اور بنو عباس دونوں مل کر بنو اُمیہ کے خلاف برسرِ پیکار تھے اور ان دونوں نے مل کر ایک طرح سے بنو اُمیہ کا تختہ اُلٹا تھا۔ میرے عزیز بھائی! خاندانِ بنو اُمیہ سے خلافتِ اسلامی سے نکالنا کوئی جرم نہ تھا۔ لیکن خاندانِ بنو اُمیہ سے خلافتِ اسلامیہ کو نکال کر ایک دوسرے خاندان کو اسی طرح خلافتِ اسلامیہ کے سپرد کر دینا کوئی خوبی کی

بات نہیں ہے۔ اسلام اور عالم اسلام کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ لہٰذا بنو عباس کو نہایت قابلِ شرم خون ریزی اور قتل و غارت گری کا ارتکاب کرنا پڑا۔ ہزاروں مسلمانوں کو صرف حکومت حاصل کرنے کے لئے موت کے گھاٹ اُتروا دیا گیا ہے۔ پہلے بنو ہاشم اور بنو عباس دونوں نے مل کر یہ کام کیا یعنی بنو اُمیہ یا ان کے حامی عناصر کا خوب قتل عام کیا اور اب تم دیکھتے ہو کہ بنو ہاشم نے عباسیوں کے خلاف شورش اور خروج کا سلسلہ جاری کر دیا ہے جس کی وجہ سے سینکڑوں عجیب و غریب فرقے بھی اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ خفیہ سازشیں ہونے لگی ہیں۔ جبکہ تم جانتے ہو کہ قرآن مقدس نے سرگوشی، سازش اور فریب بازی کی جابجا مذمت کی ہے اور مسلمانوں کو خفیہ تدبیروں اور سازشوں کا استعمال کرنے سے منع کر کے ان کاموں کو کافروں اور منافقوں کا کام بیان کیا ہے۔ مسلمانوں کو سرگوشیوں اور پوشیدہ مشوروں کی اگر اجازت دی ہے تو صرف نیکی اور اصلاح کے لئے نہ کہ اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کرنے کے لئے۔

لہٰذا میرے بھائی! اس سے ہر کوئی اندازہ لگا سکتا ہے کہ جو سازشیں اور خفیہ تدبیریں کام میں لائی گئیں وہ خیر، نیکی اور اصلاح بین المسلمین کے لئے تھیں یا اپنی خواہشات نفسانی اور عصبیت خاندانی کے تقاضے سے عمل میں آئیں۔ یہ ساری خفیہ تدبیریں اور سازشیں اس لئے کی گئیں کہ بنو ہاشم اور بنو اُمیہ میں شروع سے رقابت چل رہی تھی۔ بنو ہاشم میں دو گروہ جمع ہو گئے یعنی بنو ہاشم اور بنو عباس اور اب بنو ہاشم اور بنو عباس ایک دوسرے کے خلاف سازشوں اور خفیہ تدبیروں میں مصروف ہو گئے ہیں۔

میرے عزیز بھائی! دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مقدس کی طرف سے مسلمانوں کو غافل اور بے پرواہ بنانے کا سب سے پہلا قابل تذکرہ سبب مسلمانوں کی یہی کوششیں تھیں جن کا میں تم سے ذکر کر چکا ہوں اور جو منافقوں، اسلام کے دشمنوں کی تقلید میں کی گئی ہیں۔ منافقوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مسلمانوں کو کسی طرح فلاح اور بہبود حاصل نہیں ہو سکتی تھی لہٰذا ان کوششوں کے نتائج کو دیکھ لو کہ ہر ایک وہ شخص جس نے اس کام کو سرگرمی سے جاری کیا، اپنی زندگی میں اپنے اصل مقصد کو پورا ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکا۔ اس کی مثال ہمارے سامنے کچھ یوں ہے کہ ابو مسلم اور دوسرے بنو عباس کے سرگرم خونی افراد بھی ایک ایک کر کے تلوار کے گھاٹ اتر گئے۔

خلیل بن اسحاق میرے بھائی! اپنے موجودہ خلیفہ ابوجعفر منصور کو لو۔ اس نے جو

ناروا سلوک امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے ساتھ کیا، اس کو سامنے رکھتے ہوئے اگر یہ کہا جائے کہ ابوجعفر منصور ہی نہیں اس کے بعد بھی جس قدر عباسی خلیفہ آئیں گے وہ کتنی بار ہی اپنا منہ دھو لیں، امام ابوحنیفہ، امام مالک کے سلسلے میں ان کے منہ پر جو کالک لگی ہے وہ کبھی دُھل نہ پائے گی۔“

یہاں تک کہنے کے بعد عامر بن مسعود رکا، اس کے بعد اپنی گفتگو کا سلسلہ آگے بڑھاتے ہوئے وہ خلیل بن اسحاق کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”ابنِ اسحاق! تم میرے ساتھی، میرے بھائی ہو اور ایک عرصے سے ہم دونوں اکٹھے کام کر رہے ہیں۔ لہٰذا میں تمہاری بہتری اور بھلائی چاہتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ تم کسی غلط کام میں پھنس جاؤ۔ تجارت کے سلسلے میں آئے اور کسی اور ہی جرم میں دھر نہ لئے جاؤ، نقصان نہ اٹھاؤ۔ دیکھ میرے بھائی! ہم تاجر ہیں۔ جس کام کے پیچھے تم پڑنے والے ہو اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ میرے بھائی! اہلِ بصیرت کہتے ہیں کہ ہر کام کے لئے اس کے درجہ کے مطابق موانع بھی ہوتے ہیں۔ معمولی کام کے لئے معمولی امر موانع ہوتا ہے اور بڑے کام کے لئے بڑا۔ کیونکہ شریعت اسلام ایک عظیم الشان امر ہے۔ لہٰذا اس قاعدے کے مطابق ضروری ہے کہ اس پر عمل کرنے کی راہ میں موانع بھی زبردست ہوں۔ چنانچہ یہ بات بالکل عیاں ہے کہ اس کی راہ میں نفسانی خواہشات الگ معانی ہیں اور شیطانی وسوسات علیحدہ سدِ راہ ہے۔

یہ شیطان بڑا ظالم ہے۔ اپنے خیالات اس خوب صورتی سے ظاہر کرتا ہے کہ جڑ کاٹ جاتا ہے اور دوست کا دوست بنا رہتا ہے۔ لہٰذا اس شاہراہِ اسلام پر چلنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ نفسانی اور شیطانی ہتھکنڈوں سے واقف ہو۔ میرے عزیز بھائی! شیطان کبھی بھی اپنے کام سے غافل نہیں رہتا۔ انسان کے ذہن میں طرح طرح کے وسوسات کھڑے کرتا ہے اور ہر زمانے میں وہ نہایت سرگرمی سے کام کرتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا کہ اب دور برے سے برا آتا جا رہا ہے۔ اس لئے کہ جس قدر زمانہ نبوت سے قریب ہوتا ہے اس قدر شیطان کو اپنے مقصد میں ناکامی ہوتی ہے۔ اور جس قدر زمانہ نبوت سے بعد ہوتا چلا جاتا ہے اس کی کامیابی بھی روز افزوں ترقی کرتی جاتی ہے اور اس کے راستے پر چلنے کے لئے لوگ بکثرت آمادہ ہوتے رہتے ہیں۔

میرے عزیز بھائی! انسان میں خواہش نفسانی اور شہوات مرکب ہیں جن کی وجہ سے

وہ ایسی چیزیں تلاش کرتا ہے جن کو اپنے جی میں آرام اور نفع پہنچانے والی جانتا ہے اور انسان میں غضب اور غصہ بھی رکھا گیا ہے جس سے وہ ایذا دینے والی چیزیں دفع کرتا ہے اور اس کو عقل بھی عطا ہوئی ہے جو اس کے نفس کے واسطے گویا ادب دینے والی معلوم ہوتی ہے۔

عقل انسان کو یہ سکھاتی ہے کہ جو چیزیں حاصل کرے، جن کو دفع کرے، سب اعتدال کے ساتھ ہوں اور شیطان انسان کا بدترین دشمن ہے جو گمراہی پر اُبھارتا رہتا ہے اور انسان کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ نفع بخش چیزوں کے حصول کے لئے حد سے بڑھتا چلا جائے۔ لہٰذا شیطان ایک ایسا دشمن ہے جس سے ہر وقت بچنا چاہئے۔ اس لئے کہ اس کی عداوت انسان سے زمانۂ آدم علیہ السلام سے صاف ظاہر ہو چکی ہے۔ اس نے اپنے آپ کو تمام عمر اسی واسطے وقف کر دیا ہے کہ ہر حالت میں اولادِ آدم کی بربادی میں اپنی کوشش کرے گا۔ اسی بناء پر خداوند قدوس نے فرمایا۔

''اے ایمان والو! تم شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ تم کو بری باتوں اور بدکرداریوں ہی کی تاکید کرتا رہتا ہے۔ نیز اس امر کی کہ اللہ تعالیٰ کی شان میں ایسی بات کہو جس کا علم تم کو نہیں ہے۔ یعنی شیطان تم کو محتاج ہونے سے ڈراتا ہے اور کبھی بدکاریوں کی تاکید کرتا رہتا ہے۔''

''میرے بھائی کسی چیز کے لالچ اور حرص ہوس کے پیچھے ناحق پڑ جانا بھی ایک طرح سے شیطان کے نقش پا کی پیروی ہے۔ دیکھ میرے عزیز بھائی! تُو نے جس لڑکی کا تعاقب کیا میرے خیال میں وہ ناحق تھا۔ تجھے یہ حق ہی نہیں پہنچتا کہ تُو اپنے کام کو چھوڑ کر اُس لڑکی کے پیچھے پڑ جاتا۔ اگر وہ بنو اُمیہ سے تعلق رکھتی ہے تو بنو اُمیہ سے تعلق رکھنا کوئی گناہِ کبیرہ یا صغیرہ نہیں ہے۔ سب سے پہلی بات یہ کہ وہ ایک مسلمان لڑکی ہے۔ اس کی عزت، اس کی آبرو، اس کی عصمت کی حفاظت کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ دیکھو! میں تمہیں زبردستی تو منع نہیں کر سکتا لیکن یہ بتاتا ہوں کہ جس لڑکی کے پیچھے تم گئے ہو اور جس کا نام تم نے اقلیما بتایا ہے، تم نے خود ہی انکشاف کیا ہے کہ وہ بنو عباس کے سالار محمد بن اشعث کی بیوی ہے۔

میرے عزیز بھائی! تم اس لڑکی کے خلاف حرکت میں آنے لگے ہو۔ ایسا کرنے سے پہلے یہ تو سوچو کہ محمد بن اشعث بھی تو آخر خلیفہ ابو منصور کے ہاں اپنی کوئی حیثیت

رکھتا ہو گا۔ اگر اسے تمہارے اس معاملے کی بھنک پڑ گئی اور بغداد شہر میں محمد بن اشعث تمہارے خلاف حرکت میں آ گیا تو پھر سوچو کہ کیا بنے گا؟''

یہاں تک کہتے کہتے عامر بن مسعود کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ مسکراتے ہوئے خلیل بن اسحاق بول اٹھا۔

''میرے عزیز بھائی! کچھ بھی نہیں ہو گا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ابوجعفر منصور میرے اس انکشاف سے مجھے دولت سے مالا مال کر دے گا۔ جہاں تک اقلیما نام کی لڑکی کا تعلق ہے تو اب اس سے متعلق مجھے کوئی شک اور شبہ نہیں ہے۔ وہ یقیناً بنو اُمیہ کے آخری خلیفہ مروان بن محمد کی بیٹی ہے۔ اُس کی ایک بڑی بہن بھی ہے۔ نام اس کا ارم ہے۔ میں نے ان دونوں کو ایک بار نہیں، کئی بار دمشق میں دیکھ رکھا ہے اور اسے پہچاننے میں ذرا بھر بھی غلطی پر نہیں ہوں۔ لہٰذا اب میں وقت ضائع نہیں کروں گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے اس معاملے کی بھنک اسے پڑ جائے اور وہ یہاں سے کھسک جائے۔ میں ابھی تھوڑی دیر تک کسی درمیانی راستے کا انتظار کئے بغیر قصرِ خلافت کا رخ کرتا ہوں۔ اس سلسلے میں خلیفہ ابوجعفر منصور سے بات کرتا ہوں اور اقلیما کی حقیقت اور اصلیت سے آگاہ کرتا ہوں۔ پھر دیکھنا خلیفہ مجھے کیسے نوازتا ہے۔ اس لئے کہ بنو عباس، بنو اُمیہ کے کسی بھی فرد کو زمین پر چلتا پھرتا نہیں دیکھنا چاہتے۔''

خلیل بن اسحاق جب خاموش ہوا تب عامر بن مسعود کچھ دیر سوچتا رہا یہاں تک کہ خلیل بن اسحاق کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے بھائی! اگر تمہیں پورا یقین ہے کہ اقلیما نام کی وہ لڑکی واقعی آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد کی بیٹی ہے تو کیا تُو مجھے تھوڑا وقت دے سکتا ہے تاکہ میں بغداد شہر کے کچھ لوگوں سے اس سلسلے میں کوئی تحقیق کر سکوں؟ میں بڑی خفیہ تحقیق کروں گا۔ اگر یہ ثابت ہو گیا کہ اقلیما اگر محمد بن اشعث کی بیوی ہے اور کسی نے مجھے یہ بتا دیا کہ یہ نہیں پتہ اس کے ماں باپ کہاں ہوتے ہیں یا وہ کہاں کی رہنے والی ہے تو پھر میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اس معاملے میں، میں پوری طرح تمہارا ساتھ دوں گا۔

عامر بن مسعود کے ان الفاظ نے خلیل بن اسحاق کو خوش کر دیا تھا۔ آگے بڑھ کر اس نے عامر بن مسعود کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ اس کی پیشانی چومی۔ کہنے لگا۔

''تُو نے اپنی گفتگو سے میرا دل خوش کر دیا ہے۔ اگر تُو جو کچھ کرنا چاہتا ہے تو میں

یہیں سامان کے پاس کھڑا ہو کر تیری واپسی کا انتظار کرتا ہوں۔ خلیفہ ابوجعفر منصور کی طرف سے اقلیما کے سلسلے میں ہمیں انعام کی صورت میں جو ملے گا۔ عامر بن مسعود! ہم دونوں اسے آپس میں آدھا آدھا تقسیم کر لیں گے۔''

عامر بن مسعود منہ سے کچھ نہ بولا، اثبات میں گردن ہلائی، پھر وہ وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

خلیل بن اسحاق کا خیال تھا کہ عامر بن مسعود جلد لوٹ آئے گا۔ لیکن کافی دیر ہو گئی۔ عامر بن مسعود لوٹ کر نہیں آیا۔ چنانچہ اس کے نہ آنے کی وجہ سے خلیل بن اسحاق کوفت محسوس کرنے لگا تھا۔ وقت گزارنے کے لئے وہ اپنے سامان کے پاس اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا تھا۔ کبھی کبھار جو اِکا دُکا گاہک آتا تھا، اسے بھی فارغ کر دیتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک طرف سے عامر بن مسعود آتا دکھائی دیا۔ خلیل بن اسحاق اس کی طرف لپکا اور جستجو بھرے انداز میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''ابنِ مسعود! میرے بھائی! تو کیا خبر لایا ہے؟''

اس پر طنزیہ سے انداز میں عامر بن مسعود اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''عزیز بھائی! تیرا کہنا درست ہے۔ اقلیما واقعی اموی خلیفہ مروان بن محمد کی بیٹی ہے۔''

عامر بن مسعود کے ان الفاظ پر خلیل بن اسحاق نے اُسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ پھر بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کئی بار اس کی پیشانی چومی، پھر کہنے لگا۔

''اب تمہارا کیا خیال ہے؟ میں چاہتا ہوں آؤ دونوں قصرِ خلافت کی طرف چلتے ہیں اور اقلیما کی حقیقت کا انکشاف جا کر ابوجعفر منصور سے کرتے ہیں۔''

خلیل بن اسحاق جب رُکا تب عامر بن مسعود غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''عامر بن مسعود! تمہیں اب ایسا کرنے کی زحمت نہیں اٹھانا پڑے گی۔ میں نے بغداد شہر کے ایک ایسے آدمی سے رابطہ قائم کیا ہے جو تمہیں اور مجھے اپنے ساتھ قصرِ خلافت کی طرف لے جائے گا اور ہم دونوں کی موجودگی میں وہ اپنی زبان سے منصور کے سامنے اقلیما کی حقیقت کا انکشاف کرے گا۔ جس شخص سے میں ملا ہوں وہ خلیفہ ابوجعفر منصور کے ہاں بڑا صاحب عزت ہے۔ منصور کے ہاں اس کی بڑی عزت، بڑا وقار ہے۔ لہٰذا جب وہ ہماری نمائندگی کرتے ہوئے بولے گا تو یاد رکھنا خلیفہ ہم سے

خوش ہوگا اور انعام سے مالا مال کر دے گا۔''

یہاں تک کہتے کہتے عامر بن مسعود کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ ایک طرف سے روح بن حاتم، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس تینوں آتے دکھائی دیئے تھے۔

خلیل بن اسحاق یہ سمجھا کہ شاید کوئی گاہک آ رہے ہیں لہٰذا وہ بڑے غور اور انہماک سے ان کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ جب وہ تینوں قریب آئے تب تینوں نے مسکراتی ہوئی ایک نگاہ عامر بن مسعود پر ڈالی، اس کے بعد روح بن حاتم، خلیل بن اسحاق کی طرف متوجہ ہوا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''جس طرح مجھے بتایا گیا ہے، اس کے مطابق اگر میں غلطی پر نہیں تو تمہارا نام خلیل بن اسحاق ہے۔''

یہ الفاظ سن کر خلیل بن اسحاق کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ روح بن حاتم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میں نہیں جانتا آپ کون ہیں۔ بغداد میں آپ کی کیا حیثیت ہے؟ لیکن جو کچھ آپ نے کہا ہے، درست ہے۔ میں تو آپ کی آمد سے یہ سمجھا تھا کہ آپ ہمارے سامان کے بڑے گاہک ہیں۔ لیکن آپ کی گفتگو سے تو میں یہ اندازہ لگاتا ہوں کہ آپ ہمارے پاس........''

یہاں تک کہتے کہتے خلیل بن اسحاق کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ روح بن حاتم اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تمہارا اندازہ کافی حد تک درست ہے۔ اس لئے کہ اس سلسلے میں تمہارا ساتھی عامر بن مسعود میرے ساتھ تفصیل کے ساتھ گفتگو کر چکا ہے۔ ہم اقلیما ہی کے سلسلے میں تمہارے پاس آئے ہیں۔ اب تم ہمارے ساتھ آؤ تاکہ خلیفہ پر اس چھپی حقیقت کا انکشاف کیا جائے۔ پھر اس کے بعد دیکھنا خلیفہ کیسے تمہارے لئے دولت اور تحائف کے در کھولتا ہے۔''

روح بن حاتم کی اس گفتگو سے خلیل بن اسحاق خوش ہو گیا تھا۔ لہٰذا وہ ان تینوں کے ساتھ ہو لیا۔ عامر بن مسعود بھی اپنے ایک اور ساتھی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میں اور خلیل بن اسحاق تھوڑی دیر کے لئے جاتے ہیں۔ ذرا ہمارے سامان پر نگاہ رکھنا۔ اگر کوئی گاہک آئے تو داموں کا تمہیں پتہ ہی ہے، فروخت کر دینا۔ ہم جلد لوٹ

آئیں گے۔"

اس کے ساتھ ہی عامر بن مسعود اور خلیل بن اسحاق دونوں روح بن حاتم، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس کے ساتھ ہو لئے تھے۔

خلیل بن اسحاق کی خوشی بے پایاں تھی۔ چہرے پر مسکراہٹ تھی، آنکھوں میں چمک تھی۔ شاید اُسے اپنے خیالات میں دولت کے انبار دکھائی دے رہے تھے۔ جبکہ عامر بن مسعود اس کے پیچھے بڑا سنجیدہ جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ روح بن حاتم، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس خلیل بن اسحاق اور عامر بن مسعود کو لے کر ایک عمارت میں داخل ہوئے۔ اس عمارت میں داخل ہونے کے بعد خلیل بن اسحاق نے اس کا جائزہ لیا پھر روح بن حاتم کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"میرے عزیز بھائی! یہ تم ہمیں کہاں لے کر آ گئے ہو؟ تم نے کہا تھا کہ تم ہمیں قصرِ خلافت کی طرف لے کر جاؤ گے۔"

اس پر روح بن حاتم مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

"پہلے ہمارے ساتھ آؤ۔ یہاں بیٹھ کر ہم تفصیل کے ساتھ تمہارے ساتھ گفتگو کریں گے کہ تم نے خلیفہ منصور کے پاس جا کر کس انداز میں گفتگو کا آغاز کرنا ہے۔ کیسے اس پر اقلیما سے متعلق انکشافات کرنے ہیں۔ ایسے ہی اگر تم منہ اٹھا کر خلیفہ کے سامنے چلے گئے تو خلیفہ تمہارے اس انکشاف پر خوش تو ہوگا لیکن تمہیں دے گا کچھ نہیں۔ لہٰذا جو طریقہ ہم تمہیں بتائیں گے، اس سے یقیناً تم مالا مال ہو جاؤ گے۔"

روح بن حاتم کی اس گفتگو سے خلیل بن اسحاق خوش ہو گیا تھا یہاں تک کہ وہ عمارت میں آگے بڑھے۔ پھر روح بن حاتم کے اشارہ کرنے پر شبیب بن رواح فوراً حرکت میں آیا۔ خلیل بن اسحاق کا بازو اس نے پکڑ لیا۔ اس پر خلیل بن اسحاق چونکا تھا۔ کسی ردِ عمل کا اظہار کرنا ہی چاہتا تھا کہ شبیب بن رواح اسے کھینچتے ہوئے اس کمرے میں لے گیا۔ پیچھے پیچھے عامر بن مسعود بھی مطمئن انداز میں اس کمرے میں داخل ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ حرب بن قیس نے اس کمرے کو اندر سے زنجیر لگا دی تھی۔

ایسا ہونے پر خلیل بن اسحاق چونکا تھا اور سوالیہ سے انداز میں اس نے اپنے ساتھی تاجر عامر بن مسعود کی طرف دیکھا تھا۔ جواب میں عامر بن مسعود دھیمے لہجے میں کہنے لگا۔

"خلیل بن اسحاق! میں نے تمہیں سمجھایا تھا کہ ہم تاجر ہیں۔ کسی کی بیٹی، کسی کی بچی کے سلسلے میں ہمیں کوئی کردار ادا نہیں کرنا چاہئے۔ لیکن تم پر دولت کا جنون کچھ ایسا سوار تھا کہ نہ تم نے کسی کی بیٹی کی عظمت کو اپنے سامنے رکھا نہ کسی لڑکی کی عزت اور اس کی عصمت کو کوئی اہمیت دی۔

عامر بن مسعود جب خاموش ہوا تب خلیل بن اسحاق نے کھا جانے والے انداز میں اس کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

"اس کا مطلب ہے تم نے میرے خلاف سازش اور غداری کی ہے۔"

"غداری اور سازش تو تم نے کی ہے۔ میں اور تم تاجر ہیں۔ ایک تاجر کو کیا زیب دیتا ہے کہ کسی کی بہو بیٹی کے گھر تک پیچھا کرے۔ کیا کسی مسلمان کو زیب دیتا ہے کہ یوں کسی بچی کے راز کو عیاں کرنے کی کوشش کرے۔ اگر اقلیما کے چہرے سے سودا سلف خریدتے ہوئے نقاب اُتر ہی گیا تھا تو تم اس بچی کی عظمت، اس کی عزت اور آبرو کو سامنے رکھتے ہوئے اس راز کو راز ہی رہنے دیتے۔ لیکن تم نے اس راز کو خلیفہ منصور پر عیاں کر کے اس سے مال و دولت اور تحائف حاصل کرنے کی ناکام اُمیدیں اپنے شعور میں باندھ لی تھیں۔"

یہاں تک کہنے کے بعد عامر بن مسعود جب خاموش ہوا تب روح بن حاتم، خلیل بن اسحاق کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"تمہاری رہائش کہاں ہے؟"

"دمشق میں۔" خلیل بن اسحاق نے سہمے سہمے انداز میں روح بن حاتم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"کیا تمہارے پاس دولت کی کمی ہے یا تمہیں تمہارے مال و اسباب کے کام میں نقصان ہوا ہے؟"

خلیل بن اسحاق نے نفی میں گردن ہلائی، کہنے لگا۔

"نہیں۔ مجھے میرے کام میں نقصان بھی نہیں ہوا اور میرے پاس دولت کی کمی بھی نہیں ہے۔"

"پھر تم نے ایک نیک خو، باعصمت اور اچھے خاندان سے تعلق رکھنے والی لڑکی کے خلاف حرکت میں آنے کا کیوں ارادہ کیا؟ خلیل بن اسحاق! اقلیما جو ہمارے محترم سالار

اور بھائی محمد بن اشعث کی بیوی ہے، اس کا تعلق اگر بنو اُمیہ سے ہے تو بنو اُمیہ سے تعلق ہونا گناہ ہے نہ قابلِ سزا اور نہ ہی قابلِ مذمت ہے۔ لہٰذا تم نے جو اس معاملے کو خلیفہ ابوجعفر منصور کے سامنے پیش کرنے کا ارادہ کیا تو تمہارا یہ ارادہ، تمہارے انتہائی گھناؤنے ارادوں کی غمازی کرتا ہے۔ لہٰذا ایسے ارادوں کی سزا ضرور ملنی چاہئے۔''

روح بن حاتم کے ان الفاظ پر خلیل بن اسحاق لرز کانپ گیا تھا، کپکپاتی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔

''مجھے معاف کر دیں۔ مجھے میرے سامان کے پاس جانے دیں۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ اقلیما سے متعلق سوچوں گا بھی نہیں۔''

جواب میں روح بن حاتم نے نفی میں گردن ہلائی، کہنے لگا۔

''تم جیسے لوگ جو حرص و ہوس کی شہ نشین پر کھڑے ہو کر کسی لڑکی کی عزت، آبرو، اس کی عصمت کو بھول جاتے ہیں، وہ کسی بھی وقت دوسرا گھناؤنا فعل کر سکتے ہیں۔ لہٰذا تم جیسے لوگوں پر اعتماد اور بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ تم جیسے لوگوں کا ایک ہی حل ہے کہ تمہیں فوراً ختم کر دیا جائے تاکہ کسی معصوم بچی کا راز راز ہی رہے اور تم اس راز سے پردہ اٹھاتے ہوئے آنے والے دور میں اس کے لئے مصیبت اور ذلت کا باعث نہ بنو۔''

اس کے ساتھ ہی عجیب سے انداز میں روح بن حاتم نے حرب بن قیس کی طرف دیکھا۔ اس پر حرب بن قیس نے اپنی تلوار بے نیام کی۔ تلوار کو دیکھتے ہوئے خلیل بن اسحاق کپکپانے لگا تھا۔ حرب بن قیس آگے بڑھا، خلیل بن اسحاق کو بازو سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا ایک طرف لے گیا اور تلوار مار کر اس کا خاتمہ کر دیا۔ بعد میں سب نے مل کر اس کی لاش کو ٹھکانے لگا دیا تھا۔ اس کے بعد روح بن حاتم، عامر بن مسعود کے پاس آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے عزیز! میں اور میرے دونوں ساتھی تیری عظمت، تیری شرافت کو سلام پیش کرتے ہیں۔ تُو نے بروقت یہ معاملہ میرے سامنے پیش کیا تو مجھے ڈھونڈتا تلاش کرتا ہوا آیا۔ اب تُو ہمارے ساتھ آ۔ ہم تجھے تیرے سامان کے پاس پہنچاتے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد ہمارا ایک آدمی آئے گا۔ وہ تجھے نقدی کی ایک تھیلی پیش کرے گا۔ اُسے قبول کرنے سے انکار مت کرنا۔ وہ ہماری طرف سے تمہاری شرافت، تمہاری عالی نسبی کے لئے ایک

انعام ہو گا۔

جواب میں عامر بن مسعود مسکرا دیا پھر سب اس عمارت سے باہر نکلے۔ اس جگہ گئے جہاں تاجر اپنا سامان لگائے بیٹھے تھے۔ عامر بن مسعود کو وہاں چھوڑ کر روح بن حاتم، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس وہاں سے ہٹ گئے تھے۔

اقلیما اپنی خواب گاہ میں بیٹھی۔ شاید محمد بن اشعث کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ اتنے میں بغداد کی مسجدوں میں عشاء کی اذان سنائی دی۔ جس پر اقلیما چونکنے کے انداز میں اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنی خواب گاہ سے نکلی، دیوان خانے کی طرف آئی۔ دیوان خانے میں اس وقت اس کا ماموں حارث بن لبید، ممانی نابقہ بنت علقمہ، ماموں زاد بہن خنسا بنت حارث اور ماموں زاد بھائی بشار بن حارث بیٹھے کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ اقلیما دیوان خانے میں داخل ہوئی اور پھر اپنے ماموں کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''ماموں! عشاء کی اذان ہو رہی ہے اور محمد بن اشعث دوپہر کے گئے ہوئے ہیں، ابھی تک لوٹ کر نہیں آئے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد اقلیما جب خاموش ہوئی تب اُس کی طرف دیکھتے ہوئے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں حارث بن لبید کہنے لگا۔

''بیٹی! ایک بیوی کی حیثیت سے تیری پریشانی، تیری فکرمندی بجا ہے۔ پر تُو میری بچی! یونہی اس قدر فکرمند نہ ہو۔ اگر محمد بن اشعث مملکت کے اچھے اور عمدہ سالاروں میں سے ایک ہے اور پھر وہ تمہیں بتا کر گیا ہے کہ خلیفہ منصور نے سارے سالاروں کو طلب کیا ہے۔ میرے خیال میں کوئی انتہائی اہم معاملہ درپیش ہوگا جس کی بناء پر اتنی تاخیر ہو گئی ہے۔ تمہارے اطمینان کے لئے بیٹی! میں ابھی پتہ کئے دیتا ہوں۔''

پھر اپنے بیٹے بشار بن حارث کی طرف دیکھتے ہوئے حارث بن لبید کہنے لگا۔

''حارث! میرے بیٹے! اُٹھو، دیکھ کر آؤ کہ کیا خازم بن خزیمہ گھر آ چکے ہیں؟ اس لئے کہ خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث دونوں بھائی اکٹھے گئے تھے۔''

اس پر بشار بن حارث اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑا ہوا۔ بھاگتا ہوا باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹ کر آیا اور اقلیما کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میری بہن! بھائی خازم بن خزیمہ بھی ابھی تک نہیں آئے۔''

بشار بن حارث کے ان الفاظ پر اقلیما کسی قدر مطمئن ہو گئی تھی۔ پھر وہ اپنی ممانی کے پاس ہو بیٹھی اور وقت گزارنے کے لئے باہم گفتگو کرنے لگی تھیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ دستک سن کر سب چونکے تھے۔ اقلیما اپنی جگہ سے اُٹھی اور دیوان سے اُٹھ کر برآمدے میں آن کھڑی ہوئی تھی۔ بشار بن حارث بھاگتا ہوا گیا تھا، حویلی کا دروازہ جب اس نے کھولا تو محمد بن اشعث حویلی میں داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی اقلیما خوشی کا اظہار کرنے لگی تھی۔ یہاں تک کہ محمد بن اشعث کے ساتھ وہ دیوان خانے میں داخل ہوئی، اپنی نشست پر جب محمد بن اشعث بیٹھ گیا تب اقلیما اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''آپ دوپہر کے گئے ہوئے ہیں۔ کیا کوئی اہم معاملہ تھا جس کی بناء پر اتنی دیر ہو گئی۔''

اس پر محمد بن اشعث کہنے لگا۔

''اہم نہیں، بلکہ یوں کہو اہم ترین معاملہ ہے۔''

محمد بن اشعث کے ان الفاظ پر اقلیما ہی نہیں، اس کا ماموں، ممانی، ماموں زاد بہن اور بھائی بھی فکرمند ہو گئے تھے۔ اس بار حارث بن لبید نے محمد بن اشعث کو مخاطب کر کے پوچھ لیا۔

''بیٹے! خیر تو ہے؟ کیا کوئی نئی مہم اُٹھ کھڑی ہوئی ہے؟''

اس پر محمد بن اشعث کہنے لگا۔

''بات یہ ہے کہ یہ ایک نہیں، کئی مہموں پر مشتمل ایک خوفناک مہم ہے۔''

محمد بن اشعث کے ان الفاظ پر اقلیما چونک سی پڑی تھی، کہنے لگی۔

''اب کیا ہوا؟''

جواب میں محمد بن اشعث کہنے لگا۔

''خراسان کا ایک شخص ہے۔ نام اس کا استادسیس ہے۔ پتہ نہیں وہ کب سے اندر ہی اندر کام کر رہا تھا۔ اب اُس نے سرِعام نبوت کا دعویٰ کر دیا ہے۔ خراسان کے ان

گنت لوگوں کو اس نے اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ خراسان کے لوگ ہر ایسے نئے کام کے لئے پیش پیش رہتے ہیں۔ اور اس طرح استادسیس نے اپنے اردگرد ایک بہت بڑا لشکر جمع کر لیا ہے۔ اس کے ماننے والوں کی تعداد کئی ہزار ہو چکی ہے اور خلیفہ ابوجعفر منصور کے پاس جو خبریں آئی ہیں ان خبروں کے مطابق ہرات، بادغیس اور سیستان تین جگہ اس نے اپنے بڑے بڑے مراکز قائم کر لئے ہیں اور ان جگہوں پر اس نے بڑے بڑے لشکر متعین کر دیئے ہیں اور اعلانیہ اس نے بنوعباس کے خلاف بغاوت کر دی ہے۔

محمد بن اشعث جب خاموش ہوا تب اقلیما تفکرات بھرے انداز میں کہنے لگی۔

''لیکن خراسان میں تو ان دنوں خلیفہ منصور کا بیٹا مہدی حکمران ہے اور پھر مہدی کے ہوتے ہوئے استادسیس نے کیسے طاقت اور قوت پکڑ لی۔ کیا مہدی نے اُس کی سرکوبی نہیں کی؟''

اس پر محمد بن اشعث کہنے لگا۔

''یہ شخص اندر ہی اندر کام کرتا رہا ہے۔ ابومسلم خراسانی کے سب ہمنوا بھی اس سے مل چکے ہیں۔ وہ ایرانی اور خراسانی جو آتش پرست تھے اور مسلمانوں کی فتوحات کو دیکھتے ہوئے دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے تھے، دراصل وہ بظاہر تو مسلمان ہی تھے، لیکن باطن میں ان کی ہمدردیاں یقیناً آتش پرستوں ہی کے ساتھ تھیں۔ چنانچہ استادسیس نے اسی سے فائدہ اٹھایا۔ اس نے ایسے سارے لوگوں کو یکجا کیا، اندر ہی اندر کوہستانی سلسلوں کے اندر اس نے سامانِ حرب وضرب جمع کرنا شروع کر دیا۔ اب اُس نے ایسی طاقت اور قوت پکڑ لی ہے کہ کسی کے قابو میں ہی نہیں آ رہا۔''

اس موقع پر اقلیما کا ماموں حارث بن لبید بولا اور کہنے لگا۔

''کیا منصور کا بیٹا مہدی خراسان میں سو رہا تھا جو استادسیس اندر ہی اندر طاقت اور قوت پکڑتا رہا اور وہ آنکھیں بند کر کے پڑا رہا اور باغی قوتوں کو موقع فراہم کرتا رہا کہ وہ طاقت اور قوت پکڑ لیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد اقلیما کا ماموں حارث بن لبید جب خاموش ہوا تب محمد بن اشعث پھر بول اُٹھا۔

''ابوجعفر منصور کے بیٹے مہدی کو خبر اس وقت ہوئی جب استادسیس طاقت اور قوت پکڑ چکا تھا۔ چنانچہ اس کی سرکوبی کے لئے مہدی نے ایک لشکر اُس پر حملہ آور ہونے کے

لئے روانہ کیا۔ اُس لشکر کا کماندار مرو کا حاکم جم تھا۔ جو خبریں اب تک ابوجعفر منصور کے پاس آئی ہیں ان کے مطابق مہدی نے ایک خاصا بڑا لشکر دے کر جم کو استادسیس کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ کیا تھا لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ استادسیس نے جم کے لشکر کو بدترین شکست دی بلکہ اس ٹکراؤ کے نتیجے میں استادسیس کے سالاروں اور لشکریوں نے جس قدر لشکر مہدی نے بھیجا تھا، اس کا بھی قتل عام کیا اور اس لشکر کے سالار جم کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد محمد بن اشعث رُکا، اس کے بعد اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

''اب جو ابوجعفر منصور نے اپنے سارے سالاروں کا اجلاس طلب کیا تھا تو اس میں یہی فیصلہ ہوا ہے کہ ایک لشکر لے کر میں اور بھائی خازم بن خزیمہ دونوں خراسان کا رخ کریں اور استادسیس کا مقابلہ کریں۔ اس نے چونکہ نبوت کا دعویٰ کر رکھا ہے لہٰذا کم علم اور نئے ایمان لانے والے لوگ چونکہ بڑی تیزی سے اس کے گروہ میں شامل ہو رہے ہیں، ساتھ ہی وہ لوگ جو مسلمانوں کی فتوحات کی وجہ سے اسلام قبول کرنے کی بجائے اِدھر اُدھر چلے گئے تھے اور مختلف علاقوں میں جا کر انہوں نے پناہ لے لی تھی، وہ بھی ان پناہ گاہوں سے نکل کر نبوت کا دعویٰ کرنے والے استادسیس سے آن ملے ہیں۔ اس طرح اس نے اپنی طاقت اور قوت میں بڑا اضافہ کر لیا ہے اور اپنی قوت کو اس نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اس کا ایک لشکر ہرات میں، دوسرا بادغیس میں اور تیسرا ان دنوں سیستان کے مقام پر پڑاؤ کئے ہوئے ہے اور تینوں جگہ پر اس نے عباسیوں کے خلاف بغاوت اور سرکشی کا اعلان کر رکھا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد محمد بن اشعث رکا، تب اقلیما فکرمندی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''آپ اور بھائی خازم بن خزیمہ کب تک یہاں سے روانہ ہوں گے؟''

جواب میں محمد بن اشعث کہنے لگا۔

''آنے والی شب کے پچھلے حصے میں، میں اور خازم بن خزیمہ ایک لشکر لے کر پہلے ہرات کا رخ کریں گے، استادسیس بذاتِ خود ان دنوں بادغیس کے مقام پر جو لشکر ہے، اُس کے ساتھ قیام کئے ہوئے ہے۔ منصور کے ساتھ اور سارے سالاروں کی موجودگی

میں جو فیصلہ ہوا ہے اس کے مطابق میں اور بھائی خازم بن خزیمہ لشکر لے کر پہلے ہرات میں جو استادسیس کا لشکر ہے، اس سے ٹکرائیں گے۔ مجھے امید ہے اس لشکر کا خاتمہ کرنے کے بعد ہم سیستان کا رخ کریں گے۔ سیستان میں استادسیس کے حامیوں سے نمٹنے کے بعد آخر میں ہم بادغیس کا رُخ کریں گے، جہاں استادسیس بذاتِ خود ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ قیام کئے ہوئے ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد محمد بن اشعث جب خاموش ہوا تب اقلیما پھر بول اُٹھی۔

''اس کا مطلب ہے لشکر میں لشکریوں اور سالاروں کے اہل خانہ اور بیویوں کو نہیں رکھا جائے گا۔''

جواب میں مسکراتے ہوئے محمد بن اشعث نے نفی میں گردن ہلائی، پھر کہنے لگا۔

''اقلیما! یہ بڑی کٹھن مہم ہے۔ لشکر میں کوئی بھی خاتون شامل نہیں ہوگی۔ اور پھر ہم نے تین جگہ ضرب لگانی ہے اور بڑی برق رفتاری سے حرکت میں آنا ہے۔ پہلے ہرات کا رخ کریں گے، اس کے بعد سیستان کے اندر استادسیس کے لشکر سے نمٹنے کے بعد ہمیں بادغیس کا رُخ کرنا ہوگا۔ یہ ٹکراؤ بڑا بھیانک بھی ہوسکتا ہے اور اگر ہم کامیاب ہوتے ہیں تو استادسیس کوہستانی سلسلوں میں رہتے ہوئے ہمارے ساتھ جنگوں کو طول دینے کی بھی کوشش کرسکتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر ہم عورتیں اپنے ساتھ رکھتے ہیں تو نہ صرف ان عورتوں کے لئے خطرات اُٹھ سکتے ہیں بلکہ ہمارے لشکر کے لئے بھی جگہ جگہ مسائل کھڑے ہوسکتے ہیں جس سے لشکر کی کارگزاری متاثر ہوسکتی ہے۔''

اس پر اقلیما اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی۔

''عشاء کی اذان ہوگئی ہے۔ چلیں نماز پڑھ لیں۔ اس کے بعد میں آپ کے لئے زادِ راہ کے علاوہ دوسری تیاری کرتی ہوں۔''

محمد بن اشعث نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ وہ، حارث بن لبید اور بشار بن حارث عشاء کی نماز ادا کرنے کے لئے مسجد کی طرف چلے گئے تھے جبکہ دوسرے کمرے میں جا کر اقلیما، نابغہ بنت علقمہ اور خنسا بنت حارث عشاء کی نماز ادا کرنے لگی تھیں۔

اسی رات کے پچھلے حصے میں محمد بن اشعث اور خازم بن خزیمہ ایک خاصا بڑا لشکر لے کر بغداد سے کوچ کر گئے تھے۔

خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نے ہرات کا رخ کیا تھا۔ ہرات کا شمار ان قدیم

شہروں میں ہوتا تھا جس کا پارسیوں کی مذہبی کتاب اوستا کے زمانے میں بھی موجود تھا۔ مجوسیوں کی اسی کتاب میں ہرات کے قیام کی جو داستان بیان کی گئی ہے، اگرچہ اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا مگر اس سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ یہ شہر ماقبل تاریخی آثار سے تعلق رکھتا ہے۔

اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہرات کا شہر ایسی جغرافیائی حالت میں ہے جو چند مختلف ممالک کو ایک دوسرے کے ساتھ ملاتا ہے اور ساتھ ہی یہاں کی خوشگوار آب و ہوا نے بھی اس کو زیادہ اہمیت دے دی ہے۔

مؤرخ فریر لکھتا ہے کہ ہرات کے دلفریب ماحول کے باعث ایران کے بادشاہوں کی توجہ ہمیشہ اس کی طرف مبذول رہی۔ کوئی شہر بھی اس جیسی عسکری اور تجارتی اہمیت کا حامل نہیں تھا اور اس علاقے جیسا کوئی زرخیز بابرکت علاقہ بھی نہیں تھا۔

عربوں نے جب سے ہرات کو فتح کیا تھا، اس کی اہمیت اور مرکزی حیثیت میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ عباسی خلفاء کی شان و شوکت جونہی کمزور پڑی تو خراسان میں طوائف الملوکی کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا جس کے نتیجے میں کئی خودمختار، نیم خودمختار اُمراء نمودار ہوگئے۔

ہرات کو شہرت اور سیاست کے لحاظ سے بلند مقام حاصل رہا ہے۔ تمام مؤرخوں اور مسلمان جغرافیہ دانوں کو اس سے اتفاق رہا ہے کہ مذکورہ شہر نہایت اہمیت کا حامل ہوا کرتا تھا۔ اس کی آبادی تمام خراسان کے شہروں سے زیادہ تھی۔ زمین نہایت زرخیز تھی۔ تجارت اور کاروبار کا مرکز تھا۔ امراء، عالم فاضل لوگوں سے پُر رہتا تھا۔

مؤرخ ابن رستا کہتے ہیں کہ ہرات کا شہر بہت بڑا تھا۔ وہاں چار سو بڑے اور چھوٹے گاؤں تھے۔ ہر گاؤں میں سینتالیس بڑے گھر یا خاندان تھے اور ہر گھر میں دس سے لے کر بیس تک افراد تھے۔

ہرات خراسان کا سب سے چھوٹا شہر تھا۔ سارے خراسان، ماور النہر، مروہ، بجستان اور جبال کے علاقے میں اس جیسا کوئی بڑا شہر نہیں تھا۔ کسی مسجد میں بھی ہرات کی مسجد جیسا بڑا اجتماع نہیں ہوتا تھا۔ ایران کے ساز و سامان اور تجارتی مال اسباب کے ذخیرے خراسان یعنی ہرات ہی میں رکھے جاتے تھے۔

المقدسی لکھتا ہے کہ ہرات اردگرد کے علاقوں کا بوستان ہے۔ آبادی زیادہ ہے۔

اس کی عمارتیں قطار در قطار ملی ہوئی ہیں۔ اس کے گاؤں بڑے ہیں۔ لوگ چست اور چالاک ہیں اور ادبی ذوق کے حامل ہیں۔

مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہاں کئی قسم کی مٹھائیاں اور اعلیٰ پارچہ جات بنتے تھے اور مختلف ملکوں کو بھیجے جاتے تھے۔

جغرافیہ دان یاقوت لکھتا ہے کہ جب وہ 607ھ میں خراسان میں تھا تو وہاں کوئی شہر بھی آبادی، خوب صورتی، عظمت اور شہرت کے لحاظ سے ہرات کا ہم پلہ نہ تھا۔ وہاں باغات اور چشموں کی فراوانی تھی۔ لوگ نہایت مالدار، فاضل، دانش مند، متمول حیثیت کے مالک تھے۔ اکثر بڑے علماء اور اہم شخصیات کا تعلق ہرات ہی سے ہوتا ہے۔

1231ء میں جب ہرات پر منگولوں کا حملہ ہوا تو ایک لاکھ نوے ہزار جنگجو جوان ہرات سے منگولوں کا مقابلہ کرنے کو نکلے۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہرات کا شہر اور اس کا گرد و نواح کس قدر پُر جمعیت رہا ہوگا۔ منگولوں کے حملوں کے بعد جب اس شہر کا نظم و نسق امراء کرت کے ہاتھ پہنچا تو انہوں نے ہرات کو اپنا تخت قرار دیا اور انہوں نے آبادی کی ترقی کے لئے بہت کوشش کی۔ منگولوں کے حملوں سے جو علاقے ویران ہوئے تھے ان کو پہلے سے بہتر طور پر آباد کیا گیا۔ خوبصورت نقش و نگار والی عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ اس کے باوجود کہ فنی و علمی میدان میں ترقی کی بہت کوشش کی گئی حکمران کی ان نمایاں خدمات کی قدر دانی نہ ہوئی۔

اس شہر کی خوبصورتی اس کے باغات اور اس کے حُسن کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ مشہور سامانی حکمران امیر نصر جب اپنے مرکزی شہر بخارا سے ہرات آیا اور جلد واپس لوٹ جانا چاہتا تھا لیکن ہرات کی آب و ہوا کی لطافت اور میوؤں کی فراوانی اس کے آڑے آ گئے۔ چنانچہ وہ ہرات میں چند یوم قیام کرنے کے لئے آیا تھا لیکن تقریباً چار سال وہاں قیام کئے رہا۔ حتیٰ کہ اس کے درباری وزیر تنگ پڑ گئے کہ بادشاہ کب اپنے مرکزی شہر کو جائے گا۔ لیکن بادشاہ واپسی کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ حتیٰ کہ امیر نصر سامانی کے امراء نے درباری شاعر رودکی کی شاعری کے توسل سے واپسی کے لئے کوشش کرنا شروع کی۔ چنانچہ وہ نامور شاعر صبح کو بادشاہ امیر نصر سامانی کے پاس آیا، اپنے ہیجان آمیز شعروں سے بادشاہ کو ہرات سے لوٹ جانے کے لئے آمدہ کیا اور اس کی شاعری سے متاثر ہو کر بخارا کے بادشاہ امیر نصر سامانی نے واپس بخارا جانے کا

عزم کیا۔

بہرحال ہرات اپنے دور کا بڑا اہم شہر خیال کیا جاتا تھا اور اس پر ضرب لگانے اور حملہ آور ہونے کے لئے خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث پیش قدمی کر رہے تھے۔

محمد بن اشعث اور خازم بن خزیمہ جس وقت ہرات شہر کے نواح میں پہنچے تو انہوں نے دیکھا استادسیس کا جو لشکر اس وقت ہرات میں تھا وہ شہر سے باہر نکل کر ان کا مقابلہ کرنے کے لئے صف آراء ہو چکا تھا۔ خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث دونوں نے اپنے آگے آگے جو اپنے مخبر پھیلائے تھے انہوں نے پہلے ہی ان دونوں کو اطلاع دے دی تھی کہ جونہی وہ ہرات شہر میں پہنچیں گے، وہاں جو نبوت کا دعویٰ کرنے والے استادسیس کا لشکر ہے وہ شہر سے باہر نکل کر ان کے مقابلے کی ابتداء کر دے گا۔ چنانچہ ہرات کے نواح میں استادسیس کے اس لشکر کے سامنے جا کر دونوں نے پڑاؤ کیا۔ اس کے بعد دونوں اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے لگے تھے۔

استادسیس کے لشکر میں کچھ دیر تک ہولناک انداز میں طبل بجتے رہے، اس کے بعد انہوں نے اپنے کام کی ابتداء کی۔ چنانچہ استادسیس کے پیروکار اپنے پاؤں تلے روند دینے والی موج در موج قہرمانیوں، رگ رگ میں بربادی کے بھنور پھیلاتی بے ضمیری کی کثافتوں، ہر شے کی ہستی کے منطقوں میں سنگ و خشت کی برسات برساتے بپھرتے کھولتے طوفانوں کی طرح آگے بڑھے۔ اس کے بعد وہ خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث پر زوال اور انحطاط سے لیس ہر جہت قضا کا جھاڑ دیتی موت کی خونی دیمک، گھٹاؤں میں رقص کرتی مایوسی کی گھمبیر برق، اُجڑے خوابوں کے دیار میں آہوں کے بھنور بناتی ہولناکیوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

استادسیس کے اس لشکر کے ساتھ ہی ساتھ خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نے بھی اپنے کام کی ابتداء کی۔ پہلے دونوں بھائیوں نے آپس میں صلاح مشورہ کرنے کے بعد زندگی کے دشوار لمحوں میں اضطراب بھری آندھیوں، قوت باطل کی صف آرائیوں کے اندر صف شکن جری رجال کی طرح تکبیریں بلند کیں۔ ان دونوں کی ان تکبیروں کے جواب میں ان کے لشکریوں نے بھی شب و روز کے پیمانوں میں زمین کی خاموشیوں کی تہوں میں درد کے اُڑتے غبار اور اندیشوں کی ریت بھر دینے والے انداز میں تکبیریں بلند کی تھیں۔ اس کے بعد خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث دونوں اپنے لشکر

کے ساتھ استاد سیس کے اس لشکر پر دیولاخوں کی اُداسیوں میں خزاں کے پتوں کی سرسراہٹیں پیدا کرتی قضا، پیاسے صحرا میں مجبوری کے دائرے بناتی مرگ، بدبختی کے انگارے پھیلاتی بارودی ہواؤں کے طوفانوں، سلگتے بیزار لمحوں کا سماں برپا کرتے لہولہو کرتے سرخ طوفانوں، جسموں کو مجروح کرتے، کھولتے پھیلتے مسلسل خوف اور ماہ و سال کی تقویم میں ذہن کی ساری یکسوئی دھو دینے والی لہولہو وارداتوں اور آتش کے خوفناک فشار کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

دونوں طرف کے لشکری اب ایک دوسرے پر شعلہ بار سیماب صفت عداوتوں کی گھاتوں اور گراں بار آلام کھڑے کرتی نفرتوں کی اُڑتی گرد کی طرح وارد ہونا شروع ہو گئے۔ چاروں طرف روح جھلسا دینے والی نا آسودگی کے گرم کرب، محرومیوں کی دلدلیں، کینہ پرور روداد یں، نارسائی کے دکھ، دلوں میں تلاطم کھڑے کرتے غم کے خونی بادل اور لمحوں کے اندر بجی مٹی کے ٹیلوں کے خدوخال بگاڑ دینے والے بے روک اندھیاؤ رقص کرنے لگے تھے۔

رزم گاہ خون میں ڈوبی اُمیدوں، روح کے تھپیڑوں، ہجر کی کالی راتوں، نفرت کے جہنم، فنا کے خونی مسکن، موت کے کھولتے مناظر، اجنبی رقص مجرمانہ اور غم کی عقوبت گاہوں کا سماں پیش کرنے لگی تھی۔ ہرات شہر کے نواح میں کچھ دیر تک ایسا ہی سماں رہا۔ استاد سیس کے لشکریوں کو اُمید تھی کہ وہ خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث کو مار بھگائیں گے لیکن محمد بن اشعث اور خازم بن خزیمہ لمحہ بہ لمحہ ان پر حاوی ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔ اور پھر تھوڑی دیر کی مزید جنگ کے بعد استاد سیس کے سالاروں نے خود دیکھ لیا کہ ان کے لشکر کی حالت بڑی تیزی سے زندگی کے منشور میں نوحہ گر غموں، دل کے آنگنوں میں ہجرتوں کے ماتم، مقدر کے ورق ورق پر قہرمانیوں کے جلتے دھاروں اور موت کے کھولتے مناظر میں بربادی کے نمایاں حروف سے بھی زیادہ بدتر ہونا شروع ہو گئی تھی۔

دوسری طرف خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نے بھی استاد سیس کے لشکر کا اندازہ لگا لیا تھا لہٰذا دونوں نے تکبیریں بلند کرتے ہوئے اپنے لشکریوں کو للکارا اور پہلے کی نسبت زیادہ زوردار انداز میں حملہ آور ہونے کی ترغیب دی۔

یہ ترغیب ملنی تھی کہ خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث کے لشکری فنا سے عجیب تر،

موت سے عمیق تر ہو کر شعلہ فشاں آگ، ذلت کا زہر پھیلاتے رسوائی کے موسم کھڑے کرتے زہر آلود جھکڑوں، سفاک ہولناک لمحوں اور صفحہ ہستی سے مٹا دینے والی گرسنہ جبلتوں کی طرح حملہ آور ہونے لگے تھے۔

استاد سیس کے سالاروں اور اس کے لشکریوں نے ہرات شہر کے نواح میں اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح جنگ کا پانسہ پلٹنے کی کوشش کریں اور خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیں لیکن وہ بری طرح ناکام ہوئے اور اب صورت حال یہ پیش آ گئی تھی کہ وہ خود آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگے تھے۔

دوسری طرف خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نے بھی اندازہ لگا لیا تھا کہ بدکردار استاد سیس کا لشکر اب پسپا ہو کر پیچھے ہٹ رہا ہے اور ان کے سامنے ایک ہی مقصد ہے کہ شکست اٹھا کر ہرات شہر کے اندر محصور ہو جائیں۔ دوسری طرف خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نہیں چاہتے تھے کہ دشمن پسپا ہو کر ہرات شہر میں محصور ہو جائے۔ اس طرح دشمن کو زیر کرنے کے لئے ان کی کوششیں طول پکڑ سکتی تھیں۔ اس لئے کہ ہرات شہر کا محاصرہ کر کے دشمن کو زیر کرنا یقیناً دشوار ہو جاتا۔ لہٰذا آپس میں صلاح مشورہ کرنے کے بعد خازم بن خزیمہ تو سامنے کی طرف سے دشمن پر ضرب لگاتا رہا جبکہ آدھے لشکر کو لے کر محمد بن اشعث استاد سیس کے لشکر کے پہلو کی طرف آ گیا تھا۔ یہ کارروائی محمد بن اشعث نے بڑی برق رفتاری اور سرعت کے ساتھ مکمل کر لی تھی۔

سامنے کی طرف سے پہلے ہی خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث جان لیوا حملے کر رہے تھے اور جب استاد سیس کے لشکریوں نے پسپائی اختیار کی تب سامنے کی طرف سے خازم بن خزیمہ تو اسی طرح حملہ آور ہوتا رہا۔ اب پہلو کی طرف سے محمد بن اشعث نے بھی ضربیں لگاتے ہوئے باغیوں کے سارے دم خم نکال کر رکھ دیئے تھے اور اب ان کی پسپا ہونے کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔

استاد سیس کے سالار اور لشکری اس گھات میں تھے کہ بس فی الفور ہرات شہر میں محصور ہو جائیں اور ہرات شہر کی فصیل پر چڑھ کر برجوں میں کھڑے ہو کر حملہ آوروں کا مقابلہ کریں۔ انہیں امید تھی کہ خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث کے پاس شہر کی فصیل پر چڑھنے یا شہر کی فصیل پر سنگ باری کر کے اسے گرانے کا کوئی سامان نہیں۔ اس بناء پر وہ مطمئن تھے کہ اگر پسپا ہو کر وہ شہر میں گھس جاتے ہیں اور شہر پناہ کے دروازے بند کر

دیتے ہیں تو پھر چند روز شہر کا محاصرہ کرنے کے بعد خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعت ناکام و نامراد بغداد کی طرف بھاگ جائیں گے۔

لیکن معاملہ باغیوں اور سرکشوں کی امیدوں سے الٹ ہوا۔ اس لئے کہ جونہی انہوں نے بھاگ کر ہرات شہر میں داخل ہونے کی کوشش کی، محمد بن اشعت اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ ایک دم آگے بڑھا اور وہ شہر پناہ کے دروازے اور استادسیس کے لشکر کے درمیان حائل ہو گیا۔ اب استادسیس کا لشکر بری طرح پھنس گیا تھا۔ شہر پناہ کی جانب سے محمد بن اشعت نے ان پر جان لیوا حملے شروع کر دیئے تھے جبکہ سامنے کی طرف سے خازم بن خزیمہ ان کی صفیں کاٹتا ہوا بڑی تیزی سے ان کی تعداد کم سے کم تر کرتا چلا جا رہا تھا۔

کچھ دیر تک ہرات شہر کی فصیل کے قریب ہولناک رن پڑا۔ اس ٹکراؤ کے دوران استادسیس کے لشکریوں کا تقریباً صفایا کر دیا گیا اور اس کے کچھ سالار خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعت کے لشکریوں نے گرفتار کر لئے، باقی کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ اس طرح ہرات شہر سے باہر استادسیس کے لشکر کا صفایا کر دیا گیا تھا۔

اس جنگ کے بعد خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعت نے سب سے پہلے جنگ کے دوران زخمی ہونے والے اپنے ساتھیوں کا جائزہ لیا، ان کی مرہم پٹی کا سامان کیا، اس کے بعد ان کے سالاروں اور لشکریوں نے استادسیس کے جو سالار گرفتار کئے تھے انہیں خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعت کے سامنے پیش کیا۔

خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعت کچھ دیر تک بغور ان کا جائزہ لیتے رہے، پھر خازم بن خزیمہ انہیں قہر بھرے انداز میں مخاطب کر کے کہنے لگا۔۔

”کس ابلیس زادے نے تمہیں بتا دیا کہ استادسیس نبی ہے اور تم اس پر ایمان لاؤ اور اس کی خاطر بغاوت اور سرکشی کرو؟ وہ کون سا شیطان ہے جس نے تمہارے شعور میں یہ بات بھر دی کہ استادسیس اس خالقِ کائنات کی طرف سے مبعوث کیا گیا ہے؟ دیکھو یہ سارے ابلیس کے کھیل ہیں۔ ابلیس کا تو یہی کام ہے۔ مخلوقات کو شبہ اور گمراہی میں ڈالتا ہے۔ سب سے پہلے وہ خود گمراہی اور شبہ میں پڑا تھا اور امر الٰہی سے مشتبہ ہو کر صریح حکم سجدہ سے جو بالکل صحیح تھا، منہ موڑ کر قیاس کرنے لگا اور خلقت کے عناصر میں فضیلت دینے لگا اور یہ گمان کرنے لگا کہ خدا نے تو اسے آگ سے پیدا کیا ہے اور

انسان کو گوندھی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ چنانچہ حکم خداوندی کے جواب میں یہ ملعون سجدہ بجا لانے سے باز رہا۔ اس سے کچھ نہ ہوا، سوائے اس کے کہ شیطان نے خود اپنے نفس کو دائمی لعنت اور عذاب سے خوار کیا۔ حالانکہ وہ اپنے نزدیک اپنے نفس کی بزرگی کرنا چاہتا تھا اور اب خداوند قدوس سے مہلت ملنے کے بعد وہ اب بندوں کو اپنی راہ پر چلانے کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ تمہارا راہنما اور راہبر استادسیس خود ایک گمراہ ابلیس صفت اور شیطان کے اعمال پر کام کرنے والا انسان ہے۔ بھٹکا ہوا ہے، ملعون اور لعنت زدہ ہے۔ تم لوگوں نے اس کی پیروی کرنے کی ٹھان لی۔ دیکھو جو لوگ نیکی کا کام کرتے ہیں، اپنے خداوند قدوس کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے ہیں، شیطان بھی انہیں گمراہ نہیں کر سکتا۔ تمہارے سامنے ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ روایت ہے کہ شیطان کا گزر ایک جماعت پر ہوا جو ذکرِ الٰہی میں مشغول تھی۔ اس نے ان کو فتنہ ڈالنا چاہا مگر تفرقہ پردازی نہ کر سکا۔ پھر وہی شیطان اور ابلیس کچھ اور لوگوں میں آیا جو دنیا کی باتیں کر رہے تھے۔ چنانچہ اپنے حربوں سے ان کو بہکایا۔ وہ اس کے بہکاوے میں آ گئے یہاں تک کہ کشت و خون ہونے لگا۔ خدا کا ذکر کرنے والے لوگ ان میں بیچ بچاؤ کرانے کے لئے اُٹھے اور اس طور پر ان میں تفرقہ پڑ گیا۔

میں تمہارے سامنے شیطان اور ابلیس کی ایک اور مثال پیش کرتا ہوں اس لئے کہ تمہارا راہبر اور راہنما استادسیس بھی ایک ابلیس اور شیطان ہے۔

اللہ کے نبی حضرت نوح علیہ السلام جب اپنے ساتھیوں کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تو کشتی میں ایک انجان بوڑھے کو دیکھ کر جان گئے کہ وہ شیطان ہے۔ چنانچہ اسے مخاطب کر کے کہا۔ ”تو یہاں کیوں آیا؟“

اس نے جواب دیا کہ میں تمہارے ساتھیوں کے دلوں کو قابو کرنے آیا ہوں تاکہ ان کے دل میرے ساتھ ہوں اور جسم تمہارے ساتھ۔

اس پر حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا۔ ”اے خدا کے دشمن! نکل جا۔“

جواب میں ابلیس بولا کہ میرے پاس پانچ چیزیں ہیں جن سے میں لوگوں کو ہلاک کرتا ہوں ان میں سے تین تمہیں بتاؤں گا اور دو تم سے نہ کہوں گا۔“

جواب میں حضرت نوحؑ نے فرمایا۔

”تین کی مجھے حاجت نہیں، وہ دو بیان کر جو تُو نہیں کہنا چاہتا۔“

اس پر ابلیس کہنے لگا۔

''انہی دو سے میں آدمی کو ہلاک کرتا ہوں اور ان کو کوئی جھوٹ نہیں کہہ سکتا۔ ان میں سے پہلی حسد ہے۔ اس کی وجہ سے ہی میں ملعون ہوا اور شیطان مردود کہلایا۔ دوسری حرص ہے کہ آدم کے لئے تمام جنت مباح کر دی گئی۔ میں نے حرص کی بدولت اس سے اپنا کام نکلوالیا۔''

اس استادسیس نے بھی تم لوگوں کو حرص و ہوس، حسد اور لالچ میں ڈالا۔ وہ ایک انتہائی گرا ہوا، شیطان نما بھٹکا ہوا انسان ہے اور تم اس کے بہکاوے میں آ گئے تھے۔ تم نے چونکہ مسلمانوں کا قتل عام کیا ہے اور مرتد ہوئے لہٰذا تمہیں معاف نہیں کیا جا سکتا۔''

اس کے ساتھ ہی خازم بن خزیمہ نے قریب کھڑے اپنے چند چھوٹے سالاروں کو مخصوص اشارہ کیا۔ اشارہ ملنا تھا کہ اس کے وہ سالار تلواریں سونت کر استادسیس کے ان سالاروں پر وارد ہوئے اور ان سب کا کام تمام کر کے رکھ دیا۔

خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نے اپنے لشکر کے ساتھ چند روز تک وہیں قیام کیا، اس کے بعد انہوں نے استادسیس کے دوسرے لشکر پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا جو اس وقت سیستان میں تھا۔ چنانچہ ہرات سے وہ سیستان کی طرف روانہ ہوئے تھے۔

ہرات میں استادسیس کے لشکر کا خاتمہ کرنے کے بعد اسی انداز اور اسی طرح خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث سیستان میں جو استادسیس کا لشکر تھا اس سے ٹکرائے، اس ٹکراؤ کے نتیجے میں بھی استادسیس کے لشکر کو بدترین شکست ہوئی۔ اکثریت کا قتل عام کر دیا گیا اور جو بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے، وہ اس لشکر کی طرف بھاگے جس میں استادسیس بذاتِ خود موجود تھا۔

خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث کے ہاتھوں ہرات میں جس لشکر کو شکست ہوئی تھی، اس کا بھی قتل عام ہوا۔ وہاں سے بھی جو لوگ جانیں بچانے میں کامیاب ہوئے، وہ بھی وقت ضائع کئے بغیر استادسیس کی طرف چلے گئے تھے۔

چنانچہ سیستان میں اپنی مہم سے فارغ ہونے کے بعد خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث دونوں نے اپنے لشکر کو چند دن وہاں آرام کرنے کا موقع فراہم کیا، اس کے بعد انہوں نے خراسان کے حاکم اور خلیفہ ابوجعفر منصور کے بیٹے مہدی کا رخ کیا۔ مہدی اس وقت رے شہر میں قیام کئے ہوئے تھا۔ اس نے اپنے امراء کے ساتھ شاندار انداز میں خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث کا استقبال کیا۔ دونوں نے شہر سے باہر پڑاؤ کر کے وہاں خیموں کا شہر آباد کر دیا تھا۔ اس کے بعد مہدی اپنے امراء کے ہمراہ خازم بن خزیمہ، محمد بن اشعث، ان کے ساتھی سالاروں کو اپنے ہمراہ رے شہر میں لے گیا تھا۔

چنانچہ رے شہر کے قصر میں سب ایک بڑے کمرے میں بیٹھے۔ اس کے بعد گفتگو کا آغاز خلیفہ ابوجعفر منصور کے بیٹے مہدی نے کیا۔ وہ کچھ دیر تک توصیفی انداز میں خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میرے دونوں عزیز بھائیو! سب سے پہلے تو میں تم دونوں کو مبارک باد پیش کرتا

ہوں کہ تم دونوں نے لگاتار محنت کرتے ہوئے ہرات اور اس کے بعد سیستان میں باغیوں کو بدترین شکست دی ہے۔ تمہاری آمد تک میں بیکار نہیں بیٹھا۔ میں نے اپنے مخبر جو استادسیس کے علاقوں سے واقفیت رکھتے تھے، اس کی طرف پھیلا دیئے تھے اور وہ استادسیس سے متعلق بڑی اہم خبریں لے کر آئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں انہی خبروں کی روشنی میں اب تم استادسیس کے خلاف حرکت میں آؤ۔

یہاں میں یہ بھی بتاتا چلوں کہ میرے مخبر جو اطلاعات لے کر آئے ہیں ان کے مطابق اس وقت استادسیس کے پاس لاکھوں پر مشتمل ایک لشکر ہے جو اس کے لئے لڑنے اور کٹ مرنے کے لئے بالکل تیار ہے۔ تم دونوں کی آمد سے پہلے میں نے اپنے سالار جم کو جو استادسیس کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ کیا تھا تو استادسیس نے بڑی عیاری سے کام لیتے ہوئے جم اور اس کے لشکریوں کا خاتمہ کر دیا۔ حالانکہ جم بڑا نامور اور تجربہ کار سالار تھا لیکن استادسیس نے اس کے خلاف ایک عجیب و غریب حربہ استعمال کیا جس کی بناء پر جم اس کے سامنے مات کھا گیا۔

پہلے مجھے خبر نہ تھی کہ استادسیس کے ہاتھوں جم کیسے شکست کھا گیا لیکن جب میں نے اپنے مخبر استادسیس کے علاقوں کی طرف پھیلائے تب مجھے اصل صورتِ حال سے آگاہی ہوئی۔ جو کچھ مجھے مخبروں نے بتایا اس کی تفصیل میں آپ دونوں بھائیوں سے کہتا ہوں، ساتھ ہی جب آپ یہاں سے کوچ کریں گے تو ان مخبروں کو بھی آپ لوگوں کی رہنمائی کے لئے ساتھ کر دوں گا۔

دراصل اس وقت استادسیس نے ایک کوہستانی سلسلے کے دامن میں قیام کر رکھا ہے۔ اس کے لشکر کا سارا پڑاؤ اور ضروری سامان کوہستانی سلسلوں سے گھری ہوئی ایک وادی میں ہے۔ جب اس کوہستانی سلسلے کی طرف جائیں تو سامنے دو درے نظر آتے ہیں۔ وہ دونوں درے ایک ہی وادی میں نہیں ہے بلکہ مختلف وادیوں میں داخل ہونے کا راستہ ہیں۔ جس وادی کے اندر استادسیس نے اپنا پڑاؤ کر رکھا ہے وہ بڑی محفوظ ترین خیال کی جاتی ہے۔ اس کے سامنے تو ایک کافی چوڑا درہ ہے جس کا میں ذکر کر رہا ہوں۔ اب اس کے پشت کی جانب بھی باہر نکلنے کا ایک راستہ ہے اسے بھی درہ کہا جا سکتا ہے۔ وہ درہ گھوم کر پھر اس وادی میں آتا ہے جس میں دوسرے درے کے ذریعے داخل ہوا جا سکتا ہے۔ گویا سامنے جو دو درے ہیں وہ دو مختلف وادیوں میں داخل ہونے

کا راستہ ہیں۔ لیکن بائیں جانب جو وادی ہے جس میں استادسیس نے قیام کیا ہوا ہے اس کی پشت کی طرف بھی درہ ہے اور اس درے کے ذریعے دوسری وادی میں داخل ہوا جاتا ہے۔ اب جم کو کس طرح استادسیس نے شکست دی، اس کی بھی میں تفصیل کہتا ہوں۔

میرا سالار جم جب استادسیس کا مقابلہ کرنے کے لئے اس کوہستانی سلسلے کی طرف گیا تو کوہستانی سلسلے کے سامنے اس کے وہاں پہنچنے سے پہلے استادسیس اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر چکا تھا اور اس کے جاتے ہی استادسیس کے لشکر نے اپنی صفیں درست کرنا شروع کر دی تھیں۔ چنانچہ جم استادسیس سے ٹکرایا۔ اس موقع پر استادسیس نے اپنی فتح کو یقینی بنانے کا جو حربہ استعمال کیا وہ یہ تھا کہ وہ اپنے لشکر کا صرف ایک حصہ لے کر جم کے مقابلے کے لئے نکلا۔ لشکر کے دوسرے حصے کو اس نے وادی کے اندر ہی رکھا۔

جب اس کا ٹکراؤ جم کے ساتھ شروع ہو گیا تو اپنے جس لشکر کو اس نے اپنی وادی میں رکھا تھا اس لشکر کا سالار حرکت میں آیا۔ اپنے لشکر کو لے کر وہ پشتی درے سے دائیں طرف والی وادی میں داخل ہوا اور اس میں سے چکر کاٹتا ہوا سامنے جو دوسرا درہ ہے اس میں سے نمودار ہو کر جم کے لشکر کی پشت اور اس کے پہلو پر حملہ آور ہوا۔ اس طرح استادسیس کے سامنے جم مات کھا گیا اور استادسیس اور اس کے سالاروں نے نہ صرف جم کا خاتمہ کر دیا بلکہ اس کے لشکر کی اکثریت کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد مہدی خاموش ہوا۔ کچھ دیر تک وہ سوالیہ سے انداز میں خازم بن خزیمہ کی طرف دیکھتا رہا یہاں تک کہ محمد بن اشعث نے مہدی کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''ہمارے عزیز بھائی! جو تفصیل آپ نے بتائی ہے وہ یقیناً ہمارے لئے سودمند ثابت ہوگی۔ آپ نے اپنے جن مخبروں کو استادسیس کے پڑاؤ کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا تھا انہیں آپ ہمارے پڑاؤ میں بھیجیں۔ انہی کی راہبری اور راہنمائی میں ہم استادسیس کی طرف کوچ کریں گے۔ اس سے کیسے نمٹیں گے، اس کا ذکر میں فی الحال یہاں نہیں کروں گا۔ پہلے اپنے پڑاؤ میں جا کر اپنے بھائی خازم بن خزیمہ سے مشورہ کروں گا اور جو تجویز میرے ذہن میں ہے، میرے خداوند قدوس نے چاہا تو اس کے ذریعے ہم استادسیس کو نہ صرف بدترین شکست دینے میں کامیاب ہو جائیں گے بلکہ

مجھے امید ہے کہ ہم اسے زندہ گرفتار کر لیں گے۔ پھر اس سے پوچھیں گے کہ اسے کیسے جرأت اور جسارت ہوئی کہ وہ نبوت کا دعویٰ کرے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد محمد بن اشعث رُکا، پھر مہدی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''ہمارے عزیز بھائی! ہم اب اپنے پڑاؤ کی طرف جاتے ہیں۔ لشکریوں کے لئے کھانے کے علاوہ دوسرے انتظامات کرنے ہیں۔ پہلے میں اپنے بھائی خازم بن خزیمہ کے علاوہ اپنے دوسرے سالاروں کے ساتھ مشورہ کروں گا، اس کے بعد ہم آپ پر وہ منصوبہ عیاں کریں گے جس کے تحت ہم استادسیس کو شکست دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔''

اس کے ساتھ ہی ایک دوسرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کی طرف دیکھتے ہوئے ان کے ساتھی سالار بھی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر وہ اپنے پڑاؤ کی طرف چلے گئے تھے۔

پڑاؤ میں پہنچتے ہی خازم بن خزیمہ نے محمد بن اشعث اور باقی سارے سالاروں کو اپنے خیمے میں بلا لیا تھا۔ جب سب وہاں جمع ہو گئے تب محمد بن اشعث کو مخاطب کرتے ہوئے خازم بن خزیمہ کہنے لگا۔

''میرے عزیز بھائی! جو تجویز تمہارے ذہن میں تھی، اس کا ذکر تم نے اس وقت نہیں کیا۔ میں بھی چاہتا تھا کہ اس کا ذکر تم اس وقت وہاں نہ کرو۔ اس لئے کہ وہاں مہدی کے امراء بھی بیٹھے ہوئے تھے اور ان امراء میں سے کسی نہ کسی کے ذریعے ہماری منصوبہ بندی استادسیس تک پہنچ سکتی ہے۔ تم وہاں خاموش رہے، اس طرح تم نے میرے خیالات اور جذبات کی ترجمانی کی۔ اب میں ہوں اور ہمارے ساتھی ہیں۔ اب اس تجویز سے متعلق تفصیل سے گفتگو کرو۔''

خازم بن خزیمہ جب خاموش ہوا تب محمد بن اشعث نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری، پھر کہنے لگا۔

''میرے عزیز بھائی! استادسیس نے جم اور اس کے لشکریوں کو جو شکست دی تھی، اس کی ایک خاص وجہ تھی بلکہ یوں جانیں وہ ان کوہستانی سلسلوں کا محل وقوع تھا جسے اپنے لئے سودمند بناتے ہوئے استادسیس کامیاب رہا۔

بھائی! آپ اور میرے سارے ساتھیوں کے سامنے مہدی نے ذکر کیا تھا کہ جن

وادیوں کے اندر استادسیس نے قیام کر رکھا ہے ان وادیوں کی طرف جائیں تو سامنے دو درے نظر آتے ہیں۔ مہدی کا کہنا تھا کہ وہ دونوں درے ایک وادی میں داخل نہیں ہوتے بلکہ دو مختلف وادیوں میں داخل ہوتے ہیں۔

اب جم جب اس کے سامنے گیا تو آدھے لشکر کو استادسیس اس کے مقابل لایا اور آدھے لشکر کو اس نے پشت کی طرف سے نکال کر جم کے پہلو اور پشت پر ضرب لگائی اور اپنی کامیابی کو یقینی بنایا۔

اب ہم نے اس کے اسی طریقہ کار کو ناکام بنانا ہے۔ میرے بھائی! جب ہم استادسیس کی طرف کوچ کریں گے تو لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیں گے۔ ایک حصہ تمہارے پاس، دوسرا میرے اور تیسرا روح بن حاتم کی کمانداری میں ہوگا۔

میری مدد کے لئے میرے ساتھ شبیب بن رواح ہوگا۔ آپ کے ساتھ آپ کے نائب کی حیثیت سے حرب بن قیس رہے گا جبکہ روح بن حاتم کے ساتھ اس کے نائب کی حیثیت سے سعید حریشی کام کرے گا۔ جب ہم استادسیس کی طرف کوچ کریں گے تو صرف میں اور آپ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ کوچ کریں گے۔ روح بن حاتم اور سعید حریشی اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ گھات میں رہیں گے۔

ہم یہ کوشش کریں گے کہ صبح اندھیرے منہ ان وادیوں کے سامنے پہنچیں جن کے اندر استادسیس نے قیام کر رکھا ہے۔ روح بن حاتم اور سعید حریشی ہم سے علیحدہ گھات میں رہیں گے۔ جب ہم اندھیرے منہ ان وادیوں کے سامنے جا کر پڑاؤ کریں گے تو ہمارا پڑاؤ بائیں جانب کے درے کے سامنے ہوگا جس کے ذریعے اس وادی میں داخل ہوا جا سکتا ہے جس کے اندر استادسیس کا پڑاؤ ہے اور جس کے اندر اس نے اپنا سارا سامان رکھا ہوا ہے۔

دوسرا درہ جو دوسری وادی میں داخل ہوتا ہے، جس میں سے نکل کر استادسیس نے اپنے لشکر کے ساتھ جم کے پہلو اور پشت پر ضرب لگائی تھی، اس درے کے دائیں بائیں کوہستانی سلسلے کے اوپر رات کی تاریکی میں روح بن حاتم اور سعید حریشی اپنے لشکر کو پھیلا دیں گے۔

یہ ساری کارروائی اس رات مکمل کر لی جائے گی جس رات کے پچھلے حصے میں ہم وہاں پہنچیں گے۔ ظاہر ہے جب ہم وہاں پڑاؤ کریں گے تو اگلے روز صبح ہی صبح

استادسیس ہم سے ٹکرانے کی کوشش کرے گا۔ وہ اپنے لشکر کے ایک حصے کو ہمارے سامنے لائے گا اور ہم سے ٹکرائے گا۔ دوسرے حصے کو اسی طرح ہماری پشت اور پہلو پر حملہ آور ہونے کے لئے تیار رکھے گا۔

چنانچہ خازم بن خزیمہ میرے بھائی! میں اور آپ استادسیس سے ٹکرائیں گے۔ جب جنگ اپنے عروج پر آئے گی تو ظاہر ہے استادسیس اپنے لشکر کے دوسرے حصے کو حرکت میں لائے گا اور پشتی درے سے نکال کر وہ دائیں جانب کے درے کی طرف آئے گا، ایسا وہ ہمارے پہلو اور ہماری پشت پر حملہ آور ہونے کے لئے کرنا چاہیں گے۔ چنانچہ جب وہ دوسرے درے کی طرف آئیں گے تب کوہستانی سلسلے کے اوپر روح بن حاتم اور سعید حریشی کے جو لشکر مقرر ہوں گے وہ پہلے تیز تیر اندازی کر کے دوسرے درے کی طرف بڑھنے والے باغیوں کو روکیں گے، ان کے اندر افراتفری پھیلائیں گے اور جب وہ دیکھیں گے کہ ان کی تیراندازی کی وجہ سے استادسیس کے لشکر میں اُچھل، افراتفری مچ گئی ہے، اس کے ان گنت لشکری تیروں سے چھلنی ہو کر گر گئے ہیں اور گھوڑے تیروں سے زخمی ہونے کی وجہ سے اِدھر اُدھر بدکتے ہوئے بھاگتے پھر رہے ہیں تب روح بن حاتم اور سعید حریشی اپنے لشکر کو حرکت میں لائیں گے۔ کوہستانی سلسلے کی دونوں جانب سے اتر کر استادسیس کے لشکریوں پر حملہ آور ہو کر استادسیس کے لشکر کے اس حصے کو موت کے گھاٹ اتارنے کی کوشش کریں گے۔ اتنی دیر تک استادسیس بھی یہ امید لگائے بیٹھا ہو گا کہ عنقریب اس کا دوسرا لشکر دوسرے درے سے نکل کر ہمارے پہلو اور پشت پر ضرب لگائے گا تو وہ اپنے حملوں میں تیزی پیدا کرے گا اور اپنی فتح کو یقینی بنائے گا لیکن اس وقت تک روح بن حاتم اور سعید حریشی اس کی بدبختی بن کر اس کے لشکر کے اس حصے کو چھلنی کر چکے ہوں گے۔ بچنے والوں کا قتل عام شروع کر چکے ہوں گے۔ لہٰذا ہم پوری طاقت اور قوت کے ساتھ استادسیس پر ضربیں لگاتے رہیں گے۔ چنانچہ جب روح بن حاتم اور سعید حریشی یہ اندازہ لگائیں گے کہ استادسیس کے جس لشکر نے کاوا کاٹ کر دوسرے درے سے نمودار ہو کر ہماری پشت پر حملہ آور ہوتا تھا، اس کا خاتمہ کر دیا گیا ہے، تب روح بن حاتم اور سعید حریشی اپنے حصے کے لشکر کو حرکت میں لائیں گے اور استادسیس جو اس وقت ہم سے ٹکرا رہا ہو گا اس کے لشکر کے پہلو اور پشت پر حملہ آور ہو کر ایسی ضرب لگائیں گے کہ ہماری فتح اور استادسیس کی شکست یقینی ہو جائے گی۔''

خازم بن خزیمہ کے علاوہ باقی سارے سالاروں نے بھی محمد بن اشعث کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ دو دن تک لشکر کو وہاں آرام کرنے کا موقع فراہم کیا گیا اس کے بعد حاکم خراسان مہدی بن منصور کے مہیا کردہ مخبروں اور طلایہ گردوں کی راہبری میں خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث اپنے لشکر کو لے کر استادسیس کی طرف پیش قدمی کر گئے تھے۔

یہ سفر رات کے وقت جاری رہا اور رات کے پچھلے حصے میں خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث ان کوہستانی سلسلوں کی وادیوں کے سامنے نمودار ہوئے تھے جن کے اندر استادسیس نے اپنا مسکن بنا رکھا تھا اور رات کی تاریکی ہی میں خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نے روح بن حاتم اور سعید حریشی دونوں کو دائیں جانب کے کوہستانی سلسلے کے اوپر ان کے حصے کے لشکر کے ساتھ گھات میں بٹھا دیا تھا جبکہ خود خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث اپنے لشکر کے ساتھ دونوں دروں کے سامنے مستعد ہو گئے تھے۔

اگلے روز کا سورج جب طلوع ہوا تب استادسیس اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا۔ خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث کے سامنے اس نے اپنے لشکر کی صفیں درست کرنا شروع کیں۔ جب صفیں درست ہو گئیں تب استادسیس نے اپنے کام کی ابتداء کی اور وہ خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث پر وقت کی اُلجھی بیاض میں احساس کے ہر جذبے کو مصلوب کر دینے والے انتقام کے جوش مارتے حروف، ان گنت زمانوں کی دہلیز پر جبر کا کھیل کھیلتے دہکتے انگاروں، سلگتی چنگاریوں اور خوابوں کو کرچی کرچی، آرزوؤں کو بوسیدہ کرتے ہوس کے سمندر کی طرح جوش مارتے عذاب لمحوں کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

جوابی کارروائی کے طور پر سب سے پہلے خازم بن خزیمہ نے اپنے کام کی ابتداء کی اور وہ بھی اپنے حصے کے لشکر کو حرکت میں لاتا ہوا فراموش کئے جانے والے لمحوں میں لفظ لفظ کو صفحۂ قرطاس سے مٹا دینے والے آزارِ جاں، کرب کے دشتِ زار میں ہستیوں کو نیستیوں میں تبدیل کر دینے والے اندیشوں کے سیل بے اماں اور ترکش کے سارے تیر، دفاع کے سارے منصوبے خاک میں ملا دینے والے عذابوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

خازم بن خزیمہ کے ساتھ ہی محمد بن اشعث نے بھی اپنے کام کی ابتداء کی اور وہ بھی دشمن کے ظلم کی طیلسان کو سمیٹ دینے والے ہولناک اعصابی ہیجان کی طرح

حرکت میں آیا اور اپنے لشکر کے ساتھ وہ بھی استادسیس کے لشکر پر مضطرب تشنگی کے نوحوں میں دکھوں کی میعاد بڑھاتی بے روک صحرائی آندھیوں، زندگی کے سانحوں میں سوچوں کو زنگ آلود، سانسوں کے تسلسل کو منجمد اور ساعتوں پر قدغن لگا دینے والی کبریائی کی طغیانیوں کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

استادسیس اور خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث کے اس طرح ٹکرانے سے ان کوہستانی سلسلوں کے سامنے موت کا دوامی عذاب، جسم و جان کا کرب، وحشتوں کا فسوں، خونی لمحات کی کہانیاں اُٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ میدانِ جنگ میں بربادی کی اُداسیاں، تباہی کی دیوداسیاں ناچ اُٹھی تھیں۔ نفرت کے رنگ، موت کے اُلجھتے ڈھنگ اپنا رنگ دکھانے لگے تھے۔ بے نام اذیتیں بھرتے جذبوں کے اندھیاؤ کی طرح چارسو اپنا رقص شروع کر چکی تھیں۔

خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث کے خلاف بھی استادسیس نے اپنا پرانا حربہ استعمال کرنا شروع کیا۔ جس وقت وہ ان دونوں کے ساتھ بری طرح جنگ میں مصروف تھا، وادی کے اندر سے اس کے لشکر کا دوسرا حصہ حرکت میں آیا۔ پشتی دروازے کی طرف گیا، پھر دوسری وادی میں داخل ہوا۔ اس وادی سے جب وہ درے کی طرف بڑھے تب ان پر عذاب ٹوٹ پڑا۔ اس لئے کہ دائیں بائیں روح بن حاتم اور سعید حریشی نے جو اپنے تیرانداز بٹھا رکھے تھے انہوں نے ایسی تیز اور موسلادھار بارش کی طرح تیراندازی کی کہ ان گنت کو انہوں نے چھید کر رکھ دیا تھا۔ گھوڑے زخمی ہو کر اِدھر اُدھر بدکنے لگے تھے۔ اپنی تیراندازی سے روح بن حاتم اور سعید حریشی نے اپنے لشکریوں کے ساتھ مل کر استادسیس کے ان گنت لشکریوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے ساتھ بہت سوں کو زخمی کر کے ایک طرح سے اپاہج بنا کر رکھ دیا تھا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ استادسیس کے اس حصے میں پوری افراتفری مچ گئی ہے، زخمی چلا رہے ہیں، لاشیں اِدھر اُدھر بکھری پڑی ہیں اور بے سوار گھوڑے اِدھر اُدھر زخمی حالت میں ہنہناتے ہوئے بھاگ رہے ہیں، تب روح بن حاتم نے تکبیر بلند کی۔ اس کے جواب میں کوہستانی سلسلے کے دوسری جانب سے سعید حریشی نے بھی تکبیر کی صدائیں بلند کیں۔ یہ گویا روح بن حاتم اور سعید حریشی کے درمیان پیغام رسانی تھی کہ اب تیراندازی ختم کر کے دونوں طرف سے دشمن پر حملہ آور ہو جانا چاہئے۔ چنانچہ ان تکبیروں کے بعد سب

سے پہلے روح بن حاتم حرکت میں آیا اور اپنے لشکر کے ساتھ وہ کوہستانی سلسلے سے اُتر کر استادسیس کے ان لشکریوں پر احساسات کو مفلوج، آرزوؤں کو سنسان کرتے آگ کے کف آلود طوفانوں، عزم کی پائندگی کو پامال، بازارِ حیات کو ویران کرتے برق کے سائبانوں اور شکستہ اور ریختہ کر دینے والے برستے اولوں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

روح بن حاتم کے ساتھ ہی ساتھ دوسری طرف سے سعید حریشی بھی حرکت میں آیا اور وہ بھی استادسیس کے لشکر کے اس حصے پر کو بہ کو چارسُو فضاؤں ہواؤں کوہستانوں اور دمن میں خون کے کھولتے بھنور کھڑے کرتی وحشی صداؤں کی بازگشت اور اُفق تک کو خون آلود کرتی بھڑکتی آگ کے غضب کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

درے کی طرف آنے والے اس راستے پر کچھ دیر تک روح بن حاتم اور سعید حریشی ہولناک انداز میں استادسیس کے ان لشکریوں سے ٹکراتے رہے۔ استادسیس کے لشکری پہلے ہی تیز تیراندازی کی وجہ سے پریشان اور افراتفری کا شکار تھے۔ پھر درّے میں انہوں نے دیکھا کہ ان کے ساتھیوں کی لاشیں دور دور تک بکھری پڑی ہیں تو پریشان ہو گئے اور اِدھر اُدھر بھاگتے ہوئے گھوڑے ان کی پریشانی میں مزید اضافہ کر رہے تھے۔ اس حالت میں جب ایک طرف سے روح بن حاتم اور دوسری طرف سے سعید حریشی حملہ آور ہوئے تو استادسیس کے وہ لشکری کوئی خاص مزاحمت نہ کر سکے جس کے نتیجے میں روح بن حاتم اور سعید حریشی نے انہیں کاٹ کر رکھ دیا تھا۔

درے کے ان راستوں پر استادسیس کے اس لشکر کا خاتمہ کرنے کے بعد روح بن حاتم اور سعید حریشی پھر حرکت میں آئے۔ اسی درے کے ذریعے باہر نکلے، اس کے بعد وہ استادسیس کے لشکر کے ایک پہلو پر جسم و روح کی خواہشوں کے درمیان نفرت کا بارود بھرتے جبر کے لہو رنگ مناظر، خواب در خواب، پیچ در پیچ قہر و جفا کے سلسلے کھڑے کرتے عذابوں کے نئے بارگراں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

سامنے کی طرف سے جب خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نے اندازہ لگایا کہ روح بن حاتم اور سعید حریشی دوسرے درے کے اندر استادسیس کے دوسرے لشکر کا خاتمہ کرنے کے بعد باہر نکل آئے ہیں اور انہوں نے استادسیس کے لشکر کے پہلو پر حملہ کر دیا ہے تب خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث بھی تکبیروں کے ذریعے ایک دوسرے کو اشارہ کرتے ہوئے پہلے کی نسبت زیادہ شدت کے ساتھ حرکت میں آئے اور وہ بھی

سامنے کی طرف سے بدبختی کے کھولتے بگولوں، انا کو روندتے جبر اور ظلم و جور کے اضطراب اور خوابوں کو نوحوں میں تبدیل کرتے شرر خیز کرب کی طرح جب شدت کے ساتھ حملہ آور ہونا شروع ہوئے تب سامنے اور ایک طرف سے استادسیس کے لشکر کا گویا قتل عام شروع ہو گیا تھا۔ استادسیس کے لشکر میں اس صورت حال میں بدن کو زخم زخم کرتے تباہی کے اُجاڑ پن رقص کرنے لگے تھے اور اس کے لشکر کی حالت بڑی تیزی سے حیات کی قدروں میں تفکرات کے بھنور، زیست کے کھلے صفحات پر مجبوریوں کے بھیانک کھیل، تپتی بنجر دھرتی پر کھلے فنا کے حروف، دکھ کے استعاروں اور قحط کے اجاڑ پن سے بھی زیادہ ابتر ہونا شروع ہو گئی تھی۔

تھوڑی دیر کی مزید جنگ کے بعد استادسیس کے لشکر کا گویا قتل عام شروع ہو گیا تھا۔ اس موقع پر استادسیس نے پلٹ کر اپنی وادی میں داخل ہونا چاہا لیکن ایسا نہ کر سکا۔ اس لئے کہ روح بن حاتم اور سعید حریشی اس کی راہ میں حائل ہو گئے تھے جبکہ سامنے کی طرف سے خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نے ان کی تعداد بڑی تیزی سے کم کرنا شروع کر دی تھی۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ استادسیس اور اس کے کچھ سالاروں کو زندہ گرفتار کر لیا گیا اور اس کے لشکر کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

جنگ کے بعد سب سے پہلے خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نے اپنے سالاروں کے ساتھ مل کر اپنے زخمیوں کی دیکھ بھال کی، اس کے بعد استادسیس کے پڑاؤ کی ہر چیز پر قبضہ کر لیا گیا تھا۔ لہٰذا شام سے کچھ پہلے خازم بن خزیمہ کے کہنے پر استادسیس اور اس کے کچھ سالاروں کو خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث کے سامنے پیش کیا گیا۔

استادسیس جب ان دونوں کے سامنے آن کھڑا ہوا تب کچھ دیر تک دونوں کھا جانے والے اور ہولناک انداز میں اس کی طرف دیکھتے رہے، پھر خازم بن خزیمہ قہر برساتی آواز میں استادسیس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اے کمینے انسان! تجھے کس شیطان نے مشورہ دیا تھا کہ تُو نبوت کا دعویٰ کر بیٹھے؟ نبوت اسی کو ملتی ہے جس میں اس کا حوصلہ اور کردار ہوتا ہے۔ جب بنی نوع آدم گمراہی میں پڑ جاتی ہے، ایسے فعل اس میں گھر کر جاتے ہیں جو تباہی کی طرف لے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کسی بندے کو چن لیتا ہے اور اسے راہِ حق بتاتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ بندوں کی

رہنمائی کرو۔

نبوت توحید کے پیغام کی حامل ہوتی ہے۔ نبوت کی رو سے حقیقی اور ابدی دنیا عرش بریں پر ہے اور یہاں صرف امتحان مقصود ہے۔ جب کسی کو نبوت ملتی ہے تو وہ قومیں جو بگڑی ہوئی ہوتی ہیں ان کی راست روی کی وجہ سے دشمن بن جاتی ہیں۔ مگر اللہ کارساز ہے۔ وہ دشمنی کے منجدھاروں میں اپنے انبیاء اور رسولوں کی حفاظت کرتا ہے۔ جو کسی کی نبوت پر ایمان نہیں لاتا، اس کے لئے کڑی سزا کی بشارت ہے۔

سن استادسیس! شریعت اسلامی میں نبی اس ہستی کو کہتے ہیں جسے خدائے واحد نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے چن لیا ہو اور جس پر وحی آتی ہو۔ جب کسی فرد کو نبوت کے لئے چن لیا جائے تو وہ نیکی اور خیر میں خدا کا نائب ہوتا ہے اور ہر قسم کے شر سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ اگرچہ وہ بھی عام انسانوں کی طرح ہوتا ہے مگر عمل اور ارادہ میں ہر قسم کی بدی کے ظہور کو ناممکن بنا دیتا ہے اور ہر حال میں پیغامِ توحید اور راست بازی اقوام کو سناتا ہے۔ اقوام اس کی نافرمانی کرتی ہیں مگر وہ ثابت قدم رہتا ہے۔

استادسیس! دنیا میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے نبی بھیجے۔ پہلے آدم علیہ السلام اور آخری ہمارے حضور ﷺ ہیں۔ انؐ پر نبوت ختم ہو جاتی ہے۔ نبی کی نبوت سے انکار گناہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ نبیوں کے بھیجنے کی وجہ خود خدائے واحد نے ہماری مقدس کتاب میں کچھ اس طرح بیان فرمائی ہے:

''اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی تھی اور بنی اسرائیل کے لئے راہنما مقرر کیا تھا کہ میرے سوا کسی اور کو کارساز نہ ٹھہرانا۔''

اور پھر فرمایا:

''جو کوئی اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں جبرائیل اور میکائیل کا دشمن ہے تو اللہ ان کافروں کا دشمن ہے۔''

خدا نے مزید فرمایا:

''اللہ نے آدم، نوح اور ابراہیم کے گھرانے اور عمران کے خاندانوں کو قوموں میں چن لیا۔''

اسی طرح مزید فرمایا:

''ان تمام نبیوں پر ایمان لانا ہو گا، ضرور ان کی مدد کرنا ہو گی۔''

یہ عہد اللہ تعالیٰ نے بعد میں آنے والے نبیوں سے سابقہ نبیوں کے بارے میں بھی لیا۔

استادسیس! اس طرح خدائے محترم نے بعد کے نبیوں کو پرانے نبیوں پر گواہ مقرر کیا۔ اس گواہی کے ساتھ ساتھ اُس نے تمام نبیوں کو اپنی قوم پر گواہ مقرر کیا کہ روزِ محشر قوموں کے خیر وشر کی گواہی دیں گے تا کہ کوئی یہ نہ کہے کہ ان کے ساتھ زیادتی ہوئی۔ مگر ان پر پیشتر مقرر کیا گیا ہے۔

قوموں کو چاہئے کہ رسولوں اور انبیاء کی پیروی کریں اور اسی میں عافیت ہے۔ اور وہ لوگ جو رسول کی پیروی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دوسروں سے الگ کر دیئے جائیں گے۔ تا کہ یہ لوگ بھی پراگندہ نہ ہوں۔ اور جو رسولوں کی اطاعت کریں گے، وہ اللہ کی اطاعت کریں گے۔ اس بارے میں ہمارے ہاں واضح ہدایات ہیں۔

استادسیس! یہ ساری گفتگو میں تمہارے لئے کر رہا ہوں۔ دیکھو، تاریخ شاہد ہے کہ دنیا نے اپنی گمراہی اور سخت گیری کے باعث بہت سے انبیاء کو خاک و خون میں نہلا دیا، ان پر ظلم وستم ہوئے۔ بعض کو اللہ نے بڑے بڑے معجزوں سے گزار کر منکروں پر حکومت دی اور جو خاک وخون ہوئے، اللہ ان کا حساب یومِ حشر کو کرے گا۔ اللہ اپنے انبیاء اور رسولوں کے ناحق قتل کے بارے میں مسلمانوں کی ہدایت کے لئے فرماتا ہے:

''ایسے نبیوں کے خون سے ناحق ہاتھ کیوں رنگے گئے جبکہ وہ قوموں میں تفرقہ ختم کرنے اور راہنمائی کے لئے بھیجے گئے تھے۔''

اللہ کے ان بندوں پر ظلم و جور کرنے والے بعض تو اس جہان فانی میں گھٹ گھٹ کر، سسک سسک کر مرے اور باقیوں سے روزِ حشر کو سمجھا جائے گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد خازم بن خزیمہ رکا، کچھ دیر تک بڑے غور اور غضب کے ملے جلے انداز میں استادسیس کی طرف دیکھتا رہا، پھر اپنی گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

''استادسیس! میں مذہب پر سختی سے عملدرآمد کرنے والا انسان ہوں۔ راستی کو راستی، خیر کو خیر، گناہ اور بدی کو اس کے مقام پر رکھتا ہوں۔ تُو نے جو نبوت کا دعویٰ کیا ہے، اگر میرے بس میں ہوتا تو میں کھڑے کھڑے پہلے تیرا ایک ایک عضو کاٹتا اور پھر تیرے سارے اعضاء کو آگ میں جلانے کے بعد خاک فضا میں اُڑا دیتا تا کہ آنے

والی نسلیں یہ جانتیں کہ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کا کیا حشر ہوتا ہے۔

لیکن استادسیس! میں مجبور ہوں۔ جس وقت خلیفہ ابوجعفر منصور نے مجھے تمہاری سرکوبی اور تم پر حملہ آور ہونے کے لئے بھیجا تھا، مجھے سختی کے ساتھ یہ تاکید کی تھی کہ کوشش یہ کی جائے کہ تمہیں زندہ گرفتار کر کے بغداد بھیجا جائے۔ یاد رکھنا، ابوجعفر منصور تمہیں وہ سزا دے گا جس کا ذکر سن کر ہی تمہارے جسم پر کپکپی طاری ہو جائے گی۔ جب تُو بغداد پہنچے گا اور بغداد کے کسی مخصوص مقام پر تیرے لئے تیل گرم کر دیا جائے گا جس میں تجھے ڈالا جائے گا تو یاد رکھنا، اس منظر کے پاس کھڑے ہونے کے بعد تیرا نبوت کا دعویٰ آپ سے آپ چربی کی طرح پگھل کر تیرے جسم سے علیحدہ ہو جائے گا۔

استادسیس! جس وقت تُو نے نبوت کا دعویٰ کیا، کیا اس وقت تیرے ضمیر نے تجھے ملامت نہ کی تھی؟ دیکھ، انسانی جسم کے اندر اس کا ضمیر انصاف کرنے والا ایک بہترین قاضی ہوتا ہے۔ لگتا ہے نبوت کا دعویٰ کرنے سے پہلے تُو نے اپنے ضمیر کو تھپتھپا کر سلا دیا ہوگا ورنہ وہ تجھے ضرور احساس دلاتا کہ تُو جو کام کرنے جا رہا ہے اس کی بنیاد صرف بدی، جھوٹ اور منافقت پر رکھی جا رہی ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد خازم بن خزیمہ رکا، پھر دوبارہ وہ استادسیس کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''استادسیس! تُو نے مکاری اور عیاری سے کام لیتے ہوئے گمراہ اور ضعیف لوگوں کو اپنے ساتھ ملایا۔ اپنے تین مرکز بنائے۔ ایک ہرات میں، دوسرا سیستان، تیسرا ان علاقوں میں۔ تیری طرف آنے سے پہلے ہم نے ہرات اور سیستان میں تیرے سارے ساتھیوں کا خاتمہ کر دیا تھا اور تجھ جیسے گمراہوں کا وہاں خاتمہ کرنے کے بعد ہی تیری طرف آئے تھے۔ ان علاقوں میں کوہستانی سلسلوں کی بھول بھلیوں میں ڈال کر تُو کامیابی حاصل کرتا رہا۔ تیری کامیابی نے لوگوں کو مزید گمراہ کر دیا لیکن تیری طرف آنے سے پہلے ہم نے اپنے مخبروں کے ذریعے تیرے ان دروں کی بھول بھلیوں سے واقفیت حاصل کر لی تھی۔ سو دیکھ ہم نے تجھے بدترین شکست دی ہے۔ تیرے پیروکاروں کا خاتمہ کر دیا ہے۔ وہ اس وقت انتہائی ذلت اور پستی کے عالم میں ایک مجرم اور اسیر کی حیثیت سے ہمارے سامنے کھڑا ہے۔ پیروکاروں کی طاقت اور قوت پر تجھے جو زعم و گھمنڈ تھا، ذرا انہیں پکار کر دیکھ۔ کیا وہ تیری مدد کے لئے آتے ہیں؟ اسی طرح روز

قیامت بھی کوئی تیری مدد کو نہیں پہنچے گا۔ تُو خداوند قدوس کے ہاں ایک کڑے عذاب سے گزرے گا۔ کاش! خلیفہ ابوجعفر منظور نے مجھے اجازت دی ہوتی کہ تجھے سزا دے سکتا۔ لیکن میں تیری واپسی کا انتظام کرتا ہوں۔ تجھے سزا کے کرب سے ابوجعفر منصور ہی گزارے گا۔"

اس کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والے استادسیس کو خازم بن خزیمہ نے چند محافظ دستوں کے ساتھ بغداد کی طرف روانہ کر دیا تھا جبکہ دونوں بھائی یعنی خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث اپنے لشکر کو لے کر رے شہر کی طرف چلے گئے تھے جہاں خلیفہ ابوجعفر منصور کے بیٹے اور حاکم خراسان محمد مہدی نے قیام کیا ہوا تھا۔

استادسیس کی مہم سے نمٹنے کے بعد خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث نے چند روز تک اپنے لشکر کے ساتھ رے شہر میں قیام کیا اور جب انہوں نے اپنے لشکر کے ساتھ وہاں سے بغداد کے لئے کوچ کیا تب خراسان کا حاکم اور خلیفہ ابوجعفر منصور کا بیٹا مہدی بھی ان کے ساتھ رے سے بغداد کی طرف ہولیا تھا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ استادسیس کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد جب مہدی اپنے باپ منصور کی خدمت میں بغداد میں حاضر ہوا اس وقت تک بنو عباس کے لشکر میں غالب اکثریت عرب قبائل کی تھی۔ اور ہر ایک معرکہ میں عربوں ہی کی شمشیر خاراشگاف کے ذریعے بنو عباس کو فتح مندی حاصل ہوتی تھی۔ عجمی اور خراسانیوں کو عربوں کی ہم سری کا دعویٰ نہ تھا۔

چنانچہ بنو عباس کو ان عرب قبائل سے ہمیشہ اندیشہ رہتا کہ اگر یہ مخالفت پر متحد ہو گئے تو حکومت کو ذرا سی دیر میں اُلٹ دیں گے۔ یہی بات اس سے پہلے ابوجعفر منصور کے بھائی ابراہیم نے بھی سوچی تھی اور اس ابراہیم نے ہی سب سے پہلے اس بات کو قبل از وقت محسوس کر کے عجمیوں کو طاقت ور بنانے اور ان سے کام لینے کی ابتداء کی تھی۔ چنانچہ اس کے بعد جب عبداللہ سفاح عباسیوں کا پہلا خلیفہ ہوا تو اس نے عرب سردار ابوسلمیٰ کو قتل کرا کر خالد بن برمک کو جو بلخ کے آتش کدۂ نوبہار کا متولی، نومسلم اور ابومسلم کا ایک عسکری سردار تھا، اپنا وزیر بنا لیا تھا۔ یہ بنو عباس کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ گویا بنو عباس اپنی حکومت کو قائم دائم رکھنے کے لئے مسلمانوں کا خون آنکھیں بند کر کے بہانے کے لئے تیار تھے۔

چند روز کے بعد اسی خالد بن برمک کو کسی علاقے کا حاکم بنا دیا گیا اور اس کی جگہ

ابوایوب وزیر ہوا۔ اس کے علاوہ اب ابوجعفر منصور نے لشکر کے سالاروں کے علاوہ صوبوں کی حکومت پر بھی مجوسی النسل لوگ مامور کرنا شروع کر دیئے تھے، بتدریج ان کا اقتدار ترقی کرنے لگا تھا۔

عربوں کو پیچھے دھکیل کر مجوسیوں، ایرانیوں اور خراسانیوں کو آگے لا کر اور انہیں عربوں پر فوقیت دے کر اپنی سلطنت کو مضبوط کرنے کی بنوعباس کی کوشش بالکل احمقانہ اور غیر منصفانہ تھی۔ اس موقع پر بے اختیار اکبر بادشاہ ہند کی وہ پالیسی یاد آ جاتی ہے جو اس نے پٹھانوں کی طاقت اور اقتدار کم کرنے اور اپنی حکومت کو مضبوط کرنے کیلئے اختیار کی تھی کہ اس نے پٹھانوں کے خطرے کو بے حقیقت بنانے کے لئے ہندوؤں کی مردہ قوت کو زندہ کرنا اور ان کو طاقت ور بنانا شروع کیا تھا۔ حتیٰ کہ مان سنگھ کو ہندوستان کا سپہ سالار بنایا اور پٹھانوں کو ہر جگہ کمزور اور ناتواں بنانے کی کوشش جاری رکھی۔

عباسیوں نے بھی عربوں کی طاقت کو مٹا کر ان کی جگہ مجوسیوں اور ایرانیوں کو طاقت ور بنایا تا کہ کوئی عرب قبیلہ یا عرب قبائل کی مدد سے کوئی علوی یا ہاشمی ان کے خلاف خروج پر آمادہ نہ ہو سکے۔

چنانچہ استادسیس کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد خازم بن خزیمہ اور محمد بن اشعث کے ساتھ جب مہدی بھی بغداد آیا تو مہدی کے خراسان سے آنے اور منصور کی خدمت میں حاضر ہونے کے موقع پر اہل لشکر سے طلب انعام کے سلسلے میں بعض ایسی حرکات سرزد ہوئیں جس سے آزاد مزاجی اور خودسری کا اظہار ہوتا تھا۔

یہ لشکر والے سارے عرب قبائل پر مشتمل تھے اور مجوسیوں کی طرح ضرورت سے زیادہ اپنے بادشاہ یا خلیفہ کی تعظیم و تکریم کے عادی نہ تھے۔ ان کی یہی بات عباسیوں کو خائف اور محتاط رکھتی تھی اور غالباً اسی آزاد مزاجی کی وجہ سے وہ ہر ایک نئی تحریک اور نئے مدعی خلافت کے ساتھ شامل ہو جانے میں متامل نہ ہوتے تھے۔ اس موقع پر لشکر کی یہ حالت دیکھ کر ایک عباسی امیر قثم بن عباس بن عبید اللہ بن عباس نے عربوں کے قبیلے ربیعہ اور مضر کے درمیان ایک مناسب طریقے سے رقابت اور مخالفت پیدا کرنے کا مشورہ منصور کو دیا تھا۔

عربوں کے قبیلے مضر اور ربیعہ میں چونکہ پہلے سے رقابت چلی آ رہی تھی، اس لئے منصور نے یہ چاہا کہ لشکر کے دو حصے کر کے قبائل مضر کو تو مہدی کے ماتحت رکھا جائے

کیونکہ اہل خراسان قبائل مضر کے ہمدرد تھے اور قبائل ربیعہ کو اپنے ماتحت رکھے اس لئے کہ تمام یمنی ان کے ہواخواہ تھے۔

اس طرح دو جانب سے دو عسکری مرکز قائم کرنے کی بنیاد رکھی گئی تھی تا کہ دونوں گروہوں کو ایک دوسرے کا خوف رہے اور کوئی بغاوت کامیاب نہ ہونے پائے۔ چنانچہ منصور نے اسی رائے کو پسند کیا اور اپنے بیٹے مہدی کے قیام کے واسطے بغداد کے مشرق کی جانب رصافہ کی تعمیر کا حکم دیا۔ یہ رصافہ نام کی ایک چھاؤنی تھی اور وہاں الگ الگ دونوں قسم کے لشکریوں کو رکھنے کے لئے رہائش گاہیں بڑی تیزی سے قائم کرنا شروع کر دی تھیں۔ ابوجعفر منصور کا مجوسیوں اور غیر عربوں کو عربوں پر فوقیت دینے کا عمل سراسر اور صریح طور پر احسان فراموشی اور مسلمانوں کے اندر ایک ناپسندیدہ تفریق پیدا کرنے کا عمل تھا جسے کسی بھی صورت قابل ستائش قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔

ان ہی دنوں منصور کے لئے ایک اور مصیبت اُٹھ کھڑی ہوئی اور یہ مصیبت ٹالنے کے لئے بھی آخر عرب سالار اور لشکری ہی اس کے کام آئے۔ ماضی میں اس کے بھائی عبداللہ سفاح کے دورِ حکومت میں رومنوں نے مسلمانوں کے علاقوں پر حملہ آور ہو کر ملطیہ اور کچھ دوسرے علاقوں کو فتح کر لیا تھا اور ان پر قابض ہو گئے تھے اور سفاح نے اپنے اندرونی حالات کو دیکھتے ہوئے ان علاقوں کو واپس لینے کی کوشش نہیں کی تھی جن پر رومن قابض ہو گئے تھے۔ اس پر رومنوں کے حوصلے مزید بڑھ گئے۔ ابوجعفر منصور بھی ان علاقوں سے متعلق خاموشی اختیار کئے رہا اور وہ علاقے جن میں خاصے بڑے شہر تھے، ان میں سب سے بڑا شہر ملطیہ تھا، وہ رومنوں کے پاس ہی رہے۔ اب رومنوں نے نہ صرف ان علاقوں میں جن پر قبضہ کیا گیا تھا، وہاں مسلمانوں پر مظالم ڈھانے شروع کر دیئے تھے بلکہ وہاں سے نکل نکل کر رومن اب مسلمانوں کے ملحقہ علاقوں پر حملہ آور ہو کر لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کرنے لگے تھے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے ابوجعفر منصور نے ایک بار پھر محمد بن اشعث کو سالار بنا کر ملطیہ کی طرف روانہ کیا تھا تا کہ رومنوں سے چھینے ہوئے اپنے شہر واپس لئے جائیں اور ساتھ ہی رومنوں کے خلاف تادیبی اور انتقامی کارروائی بھی کی جائے۔ خازم بن خزیمہ کو لشکر کے ایک حصے کے ساتھ اس نے اپنے پاس رکھ لیا تھا تا کہ سلطنت کے کسی حصے میں پھر کوئی بغاوت اور سرکشی اُٹھے تو خازم بن خزیمہ کے ذریعے اُسے فرد کر دیا جائے۔

بہرحال محمد بن اشعث اپنے چند چھوٹے سالاروں کے ساتھ رومنوں پر ضرب لگانے کے لئے ملطیہ کی طرف بڑھا تھا۔ رومنوں کا ایک بہت بڑا لشکر اس وقت ملطیہ اور یونیا شہروں کے درمیان کوہستان میکال کی تلہٹی میں جمع ہو چکا تھا۔ چنانچہ محمد بن اشعث ہی نے ان دونوں شہروں کے درمیانی علاقے کا رخ کیا۔ جہاں تک ان دونوں شہروں کا تعلق ہے تو یونیا کی نسبت ملطیہ تاریخ کے اوراق میں زیادہ اہم اور مشہور شمار کیا گیا ہے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ اسلام سے پہلے قدیم دور میں بھی ملطیہ کے لوگوں کی تاریخی روایات اس کے سوا کچھ نہ تھیں کہ وہ آزادی کی زندگی بسر کرتے آئے تھے۔ ان کے آباؤ اجداد مغرب کی طرف ایک جزیرے کریٹ سے نقل مکانی کر کے جہازوں کے ذریعے سفر کرتے ہوئے یہاں پہنچے تھے۔ ملطیہ کے لوگ فخریہ یہ کہتے تھے کہ ہم ماضی کی یادوں میں کھوئے رہنا پسند نہیں کرتے۔ ہماری نظریں تو مستقبل پر ہیں اور یہ مستقبل ان کارناموں سے بنے گا جو ہم انجام دیں گے۔

قدیم اور پرانے زمانے میں ملطیہ کے لوگ آرامی زبان بولتے تھے۔ دوہرے پھل کی کلہاڑی سے شہتیر اور لکڑی پھاڑنے کا کام لیتے تھے۔ مؤرخین یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کے ہاں مصریوں کی دھوپ گھڑی بھی ہوتی تھی۔ اس میں لوہے کی چھڑیاں لگی ہوتی تھیں جن کے سائے کی حرکت سے وقت معلوم کیا جاتا تھا۔ ان کا رخ شمال کی طرف ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنے علم کے مطابق ساری دنیا کا نقشہ بھی بنا رکھا تھا۔

ملطیہ کے ان قدیم باشندوں سے متعلق مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ ملطیہ کے عالموں کے پاس ایسے نازک آلات بھی تھے جن سے وہ سیاروں کی چال کا مشاہدہ کرتے تھے۔ انہیں وہ آسمان اور ستاروں سے مختلف سمجھتے تھے۔ یہ عالم اپنے ایک مرے ہوئے پرانے عالم پر بھی بڑا فخر کرتے تھے۔ اس کا نام طالس تھا۔ یہ پہلے نمک کا تاجر ہوا کرتا تھا اور اہلِ ملطیہ نے اس کا بہت بڑا مقبرہ بنا دیا تھا۔ ملطیہ کے لوگوں کا دعویٰ تھا کہ طالس نے صحیح معنوں میں حساب لگا کر ایک بار سورج گرہن کی سچی پیش گوئی کی تھی۔

اہلِ ملطیہ کے قدیم باشندے یہ بھی نظریہ رکھتے تھے کہ زمین ایک الگ تھلگ جسم ہے جس کے اردگرد طرح طرح کی ایسی آگ جل رہی ہے جو کبھی نہ بجھے گی۔ اس میں

سے دیکھیں تو کبھی کبھی بیرونی کائنات دکھائی دے جاتی ہے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ اس بے کراں دنیا اور خلاء میں ان گنت اجسام اپنے مداروں پر گردش کر رہے ہیں۔ یہ اجسام نظر نہیں آتے اور ان میں خبر نہیں کتنے سال گزر جانے کے بعد بھی کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ زندگی کے بارے میں ان کا خیال یہ تھا کہ اس کا آغاز پانی سے ہوا اور یہ کم از کم کرۂ عرض پر قرنوں سے کوئی ایسی شکل اختیار کر رہی ہے جو اس کی موجودہ شکل سے بھی ارفع ہوگی۔

جہاں تک دوسرے شہر یونیا کا تعلق ہے تو یہ ملطیہ کی نسبت کوہ میکائیل کی تلہٹی سے زیادہ قریب تھا۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ ملطیہ کے بعد یہ بڑا شہر شمار کیا جاتا تھا۔ قدیم دور میں یہ بڑا مشہور تھا اور یہاں کے لوگ تہوار منانے کے بڑے شوقین تھے۔ بہرحال اب ان دونوں شہروں کی آبادی زیادہ تر مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ غیر مسلم لوگ بھی تھے لیکن وہ مسلمانوں سے زیادہ مانوس تھے اور بنو اُمیہ اور بنو عباس کی چپقلش اور ان کے ٹکراؤ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رومنوں نے ان سارے علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔

رومنوں کے لشکر کو خبر ہو چکی تھی کہ مسلمانوں کا ایک لشکر یہ سارے علاقے واپس لینے کے لئے پیش قدمی کر رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ساری عسکری قوت کو ملطیہ اور یونیا شہروں کے درمیان کوہستانِ میکائیل کے سامنے جمع کر لیا تھا۔ انہوں نے اپنی پشت پر کوہستانِ میکائیل کو رکھا تھا تاکہ شکست کی صورت میں پیچھے ہٹ کر چٹانوں اور بڑے پتھروں کا سہارا لے کر مسلمانوں پر تیر اندازی کی جا سکے اور ضرب لگائی جا سکے۔

محمد بن اشعث اپنا لشکر لے کر جب رومنوں کے سامنے آیا تو رومنوں نے فی الفور جنگ کی ابتداء نہیں کی۔ شاید وہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں پہل نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس سے محمد بن اشعث نے فائدہ اٹھایا اور اپنے لشکریوں کو دو دن ستانے اور آرام کرنے کا موقع فراہم کیا۔ دو دن بعد جب محمد بن اشعث نے دیکھا کہ رومن حرکت میں نہیں آ رہے تب اس نے اپنے لشکر میں تکبیریں بلند کیں اور لشکر کی صفیں درست کرنا شروع کر دیں۔ اس سے رومنوں نے یہ اندازہ لگا لیا کہ مسلمان اب ٹکراؤ کی ابتداء کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ان کے لشکر میں بھی بڑے بڑے طبل بج اُٹھے تھے اور رومن بڑی تیزی سے اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے لگے تھے۔

محمد بن اشعث نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ وسطی حصہ اپنے پاس رکھا،

دائیں پہلو کی کمانداری شبیب بن رواح اور بائیں پہلو کی کمانداری حرب بن قیس کے حوالے کی گئی تھی۔ اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے کے بعد محمد بن اشعث، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس اپنے اپنے حصے کے لشکر کے سامنے چلے گئے تھے اور رومنوں کے ردِعمل کا انتظار کرنے لگے تھے۔

جب مسلمانوں نے اپنے لشکر کی صفیں درست کیں اور رومن بھی اپنے لشکر کو استوار کرنے لگے تب رومنوں نے اندازہ لگایا کہ ان کے لشکر کی تعداد یقیناً مسلمانوں سے کہیں زیادہ نہیں بلکہ بہت زیادہ تھی۔ اس بناء پر وہ خوش تھے کہ مسلمانوں کو پسپا کرنے اور مار بھگانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اسی ظن و گمان کو سامنے رکھتے ہوئے رومنوں نے پہلے حملہ آور ہونے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے لشکر کو دھواں دھواں فضاؤں میں ستم کی آگ برساتی خونی لمحوں کی کہانیوں، موت کے کرب سے اُلجھتے بحر میں بادبانوں تک میں گرہیں ڈالتی بے روک صحرائی آندھیوں کی طرح آگے بڑھایا۔ اس کے بعد وہ مسلمانوں کے لشکر پر وقت کے فاصلوں میں بربادی کی علامت بنے سرگرداں نیستی کے احوال، آبادیاں جلاتی درد کی ہجر کہانیاں کھڑی کرتی نفرتوں کی آگ کے بھنور اور ہوس کی اندھی آنچ کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

مسلمانوں نے بھی جوابی کارروائی کرتے ہوئے سب سے پہلے اپنے معمول کے مطابق وقت کی تقویم میں کرب بھرے صدیوں سے اُلجھ جانے والی رجز خواں ہواؤں، نیرنگی روز و شب میں بنجر پن کے سکتے، خوابوں تک کو تعبیر دے دینے والی بہار رُتوں کی نوید کی طرح تکبیریں بلند کیں۔ اس کے بعد محمد بن اشعث، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس نے اپنے لشکر کو زندگی کی خوشیوں سے دست و گریبان ہو جانے والے موت کے مناظر کھڑے کرتے تمدن، دور تک پھیلی سنسانیوں میں جسم و جان کا کرب کھڑا کرتے موت کے دوامی عذاب اور سرکش، بے زنجیر آندھیوں کی طرح آگے بڑھایا تھا۔ پھر وہ تینوں بھی رومنوں پر عظمت کو ذلت و پستی کے کفن پہناتے رقص کرتے رعد و زلزلوں کی دھمک، شوکت کو ذلت کی پستی میں بدل دینے والی بگولوں کی بے کل مستی، دشمن کی ہر فضیلت کو خواہشوں کی گندگی کا لبادہ اوڑھا دینے والی مستی و سرشاری کے چھلکتے لمحوں، جرأت مندی کی کھولتی ساعتوں اور روح کی رسوائی، نفرت کی ذلت کھڑی کر کے جسموں کی دھجیاں تک بکھیر دینے والے آندھیوں کے شناساؤں، جھکڑوں کے

محرموں اور سمندر کے جلال کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

کوہستانِ میکائیل کے دامن میں ملطیہ شہر کے قریب رومن اور مسلمان بری طرح ٹکرائے تھے۔ رومن ان علاقوں کو فتح کرنے کے بعد اپنی گرفت میں رکھنا چاہتے تھے، مسلمان اپنے ان علاقوں کو واپس لینا چاہتے تھے جن پر رومنوں نے مسلمانوں کے افراتفری کے حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قبضہ کر لیا تھا۔ چنانچہ انہی جذبوں کے تحت دونوں لشکر کوہستانِ میکائیل کی تلہٹی میں بری طرح ایک دوسرے پر حملہ آور ہونے لگے تھے۔

رومن جو اپنے آپ کو بڑا جنگجو خیال کرتے تھے اور جو یہ ارادہ کئے ہوئے تھے کہ وہ ان علاقوں پر ہر صورت میں اپنا قبضہ رکھیں گے، شروع میں انہوں نے بڑھ چڑھ کر حملے کئے تھے۔ ان کے سالار اپنے لشکر کے وسطی حصے میں رہتے ہوئے اپنے لشکریوں کو انگیخت کرتے ہوئے مسلمانوں پر بڑھ چڑھ کر حملہ آور ہونے کی ترغیب دے رہے تھے جبکہ محمد بن اشعث، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس اپنے لشکر کے آگے رہتے ہوئے اور اپنے لشکر کی رہنمائی کرتے ہوئے رومنوں پر ضرب لگا رہے تھے۔

ملطیہ کے نواح میں میدانِ جنگ کے اندر وقت کی بے کل لہروں میں آگ بھڑک اُٹھی تھی، زمین پر پھیلی گرد کی پرچھائیوں میں نفرت کی ساعتیں، عناد و عصیاں کی آتش رقص کرنے لگی تھی۔ جسم و جان کے جذبوں میں دل کی جراحتیں داخل ہونا شروع ہو گئی تھیں، حوصلوں کے جھلملاتے ثبات میں الیموں کی درندگی نے اپنا کام دکھانا شروع کر دیا تھا۔

رومن کچھ دیر تک بڑے حوصلے اور جرأت مندی کے ساتھ محمد بن اشعث، شبیب بن رواح، حرب بن قیس اور ان کے لشکریوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ اس کے بعد ان کے اندر پسپائی کے آثار نمودار ہونے شروع ہو گئے تھے۔ اس لئے کہ مسلمانوں نے ان کی اگلی صفوں کو تقریباً کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ درمیانی صفوں نے جب دیکھا کہ ان کی اگلی صفیں مکمل طور پر برباد ہوتی دکھائی دے رہی ہیں تو انہوں نے اگلی صفوں کی طرف پیش قدمی روک دی اور اپنی جانوں کو بچانے کی فکر میں لگ گئے تھے۔

یہ صورتِ حال یقیناً رومن سالاروں کے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔ انہوں نے چیخ چیخ کر اپنے لشکریوں کو مسلمانوں کے خلاف انگیخت کرنا چاہا لیکن انہیں اس سلسلے میں

مکمل طور پر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس لئے کہ رومنوں کی حالت اب بڑی تیزی سے بجھی بجھی بے شور رات میں دھندلی فضاؤں کے آسیب، غم زدہ سایوں میں آفات میں گرفتار آلام، کارگاہِ زیست اور زندگی کے دشت میں رگ و پے میں کھولتی تلخیوں اور ندامتوں کے بارِ گراں سے زیادہ بری ہونا شروع ہوگئی تھی۔ چنانچہ تھوڑی دیر کی مزید جنگ کے بعد رومنوں نے شکست قبول کی اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ محمد بن اشعث نے اپنے لشکر کے ساتھ کچھ دور تک خوفناک انداز میں رومنوں کا تعاقب کیا۔ یہ تعاقب کوہستانی سلسلوں سے گھری ہوئی ایک وادی تک جاری رہا، اس کے بعد بچے کھچے رومن اِدھر اُدھر پھیلتے ہوئے اپنی جانیں بچا کر بھاگ گئے تھے۔ محمد بن اشعث نے اپنے لشکر کا پڑاؤ کوہستانی سلسلوں سے گھری ہوئی وادی میں منتقل کر دیا اور وہیں اپنے سالاروں کے ساتھ مل کر زخمیوں کی دیکھ بھال کرنے لگا تھا۔

❁

❁

اقلیما، اُس کا ماموں حارث بن لبید، ممانی نابقہ بنت علقمہ، ماموں زاد بہن خنسا بنت حارث اور ماموں زاد بھائی بشار بن حارث دیوان خانے میں بیٹھے بنوعباس کی خلافت پر گفتگو کر رہے تھے۔ موضوع یہ تھا کہ بنوعباس عربوں پر عجمیوں کو فوقیت دے کر غلطی کر رہے ہیں۔ اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے اقلیما کا ماموں حارث بن لبید کہہ رہا تھا۔

''بنوعباس عربوں سے اس لئے خائف ہیں کہ کہیں وہ آنے والے دور میں ان سے حکومت نہ چھین لیں اور اس وجہ سے وہ عربوں پر عجمیوں کو فوقیت دے رہے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے اور اس غلطی کا خمیازہ بنوعباس کو کسی نہ کسی روز بھگتنا پڑے گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد حارث بن لبید جب رکا، مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس وقفے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اقلیما بول اُٹھی۔

''ماموں! یہ تو ہونا ہی ہے۔ بنوعباس نے بنواُمیہ اور ان کے حامیوں کے ہزاروں افراد کو ناحق موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اگر یہ صرف مجرموں کو موت کی نیند سلاتے تو کوئی بات بھی تھی۔ بے گناہوں کا انہوں نے بے دریغ قتل عام کیا۔ ماموں! جو قتل عام انہوں نے ناحق اور بے گناہ لوگوں کا کیا ہے ان لوگوں کا خون تو ایک روز بولنا ہے۔ آپ دیکھئے گا، بنوعباس نے جو بنواُمیہ کا قتل عام کیا ہے اس سے کئی گنا زیادہ بھیانک قتل عام بنوعباس کا ہوگا۔ اس لئے کہ وہ حکومت جس کی بنیاد خون پر رکھی جائے وہ زیادہ عرصہ تک پنپ نہیں سکتی۔ ابوجعفر آج اپنی طاقت اور قوت کے نشے میں مخمور ہے اور یہ طاقت اور قوت اسے عربوں نے ہی لے کر دی ہے۔ اب جبکہ اس کی حکومت مضبوط ہوگئی ہے تو اسے عربوں سے خطرہ محسوس ہونے لگا ہے۔ حالانکہ اس کی حکومت

کی بنیاد مضبوط کرنے والے وہی ہیں۔ مانا کہ اس میں ابو مسلم خراسانی کا بھی تعلق ہے لیکن وہ صرف ایک ہی کام کرتا رہا ہے کہ زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اُتارا جائے۔ وہ قتل گری کا شوقین تھا اور اس نے اپنا یہ شوق کھل کر پورا کیا۔ کوئی دیکھتا یا نہ دیکھتا لیکن خداوند قدوس تو دیکھ رہا تھا اور اس نے ابو مسلم کا انجام بھی اس کے چاہنے والوں کے ہاتھوں بڑا بھیانک بنایا۔ اب دیکھئے گا کہ آنے والے دور میں اگر ہم زندہ رہے تو دیکھیں گے کہ بنو عباس کی حالت بنو اُمیہ سے بھی کہیں زیادہ بدتر اور ذلت آمیز ہوگی۔''

(اقلیما کا اندازہ درست تھا۔ منصور نے جس کام کی ابتداء کی تھی، وہ مامون الرشید کے دور میں اپنے عروج کو پہنچ گیا تھا۔ مامون الرشید کی ماں چونکہ عجمی تھی لہٰذا اس نے منصور سے بھی بڑھ کر عجمیوں کو فوقیت دی اور عربوں کو نیچا دکھانے کی کوشش کی۔ اور پھر واثق باللہ کے دور میں تو اہلِ عرب کا وقار مکمل طور پر ختم کر دیا گیا تھا۔ عجمی چھا گئے تھے۔ اس کی وجہ سے بنو عباس کے خلیفاؤں میں سے متوکل کو قتل کیا گیا، اس کے بعد منتصر باللہ، مستعین باللہ دونوں کو موت کے گھاٹ اُتارا گیا۔ معتذ کو بھی انہی عجمیوں نے موت کی نیند سلایا۔ اس کے بعد معتدی باللہ، مقتدر باللہ، قاہر باللہ، متقی باللہ، مستکفی باللہ، ان سب کو عجمیوں نے ہی موت کی گہری نیند سلا دیا تھا اور پھر بنو عباس کی وہ بری حالت ہوئی کہ ان کی وجہ سے بغداد میں لاکھوں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا اور آخر عجمیوں نے ہی ان بنو عباس کی خلافت کی بساط بھی لپیٹ کر رکھ دی)

ابھی یہیں تک گفتگو ہوئی تھی کہ حویلی کے صدر دروازے پر دستک ہوئی۔ اس موقع پر اقلیما کا ماموں زاد بشار بن حارث اپنی جگہ پر اٹھا اور کہنے لگا۔

''میں دیکھتا ہوں دستک دینے والا کون ہے۔''

اس کے ساتھ ہی وہ تیز تیز قدم چلتا ہوا مہمان خانے سے باہر چلا گیا تھا۔ کیونکہ وہ مغرب اور عشاء کے درمیان کا وقت تھا لہٰذا حویلی کے صدر دروازے پر جا کر بشار بن حارث اپنا سر دروازے کے قریب لے گیا اور دھیمے سے لہجے میں پوچھا۔

''کون ہے؟''

باہر سے رازداری آواز سنائی دی۔

''بشار بن حارث! میرے بیٹے! دروازہ کھولو۔ میں روح بن حاتم ہوں۔''

یہ آواز سنتے ہی بشار بن حارث نے فوراً دروازہ کھول دیا تھا۔ روح بن حاتم طوفان کی طرح اندر داخل ہوا اور اندر داخل ہوتے ہی اس نے دروازے کو زنجیر لگائی، پھر بشار بن حارث کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''پہلے یہ بتاؤ کہ میری بہن اقلیما اندر ہی ہے؟''

روح بن حاتم چونکہ گھبرایا ہوا تھا لہٰذا بشار بن حارث بھی پریشان ہوگیا۔ کپکپاتی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔

''سب دیوان خانے میں بیٹھے ہیں۔''

اس پر روح بن حاتم تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا دیوان خانے کی طرف بڑھا۔ بشار بن حارث اس کے پیچھے ہولیا تھا۔

جب وہ دیوان خانے میں داخل ہوا تو سب نے دیکھا وہ گھبرایا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے سب کھڑے ہوگئے۔ یہاں تک کہ اقلیما، روح بن حاتم کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''بھائی! آپ کی حالت بتاتی ہے کہ کوئی غیر معمولی حادثہ پیش آیا ہے۔ میرے شوہر تو خیریت سے ہیں؟ کیا معاملہ ہے؟''

اس پر روح بن حاتم فکر گیری آواز میں کہنے لگا۔

''میری بہن! فی الفور تیار ہو جا۔ اپنے ساتھ اپنے دو چار لباس جو تُو رکھنا چاہتی ہے، لے لے۔ ابھی، اسی وقت یہاں سے بھاگ جانے میں ہی تیری بہتری اور سلامتی ہے۔ دیکھ میری بہن! جس دمشقی تاجر کو ہم نے قتل کیا تھا، اسے قتل اس لئے کیا تھا کہ وہ تمہارا راز جاننے کی کوشش کرنے لگا تھا اس لئے کہ وہ تمہیں چہرے سے پہچان گیا تھا۔ اس کے قتل پر کچھ دمشقی تاجر اس جستجو میں رہے کہ ان کا ساتھی کہاں گیا ہے۔ اسی جستجو میں انہیں کہیں سے خبر ہوگئی کہ ان کا ساتھی مارا گیا ہے۔ کسی نے ان پر واضح کر دیا کہ اسے اس لئے مارا گیا ہے کہ اس نے بغداد کی ایک لڑکی کو دیکھا تھا اور وہ لڑکی آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد کی بیٹی تھی اور وہ بنو عباس کے سالار محمد بن اشعث کی بیوی ہے۔

میری بہن! ابھی تک کسی کو یہ خبر تو نہیں ہوئی کہ اس دمشقی تاجر کو شبیب بن رواح، حرب بن قیس اور میں نے قتل کیا تھا، لیکن اب کچھ غیر ذمہ دار لوگ جن کی پہنچ

منصور تک ہے وہ بھی اس میں ملوث ہو گئے ہیں اور وہ اس معاملے کو میرا اندازہ ہے کہ کل تک منصور تک پہنچا دیں گے۔ میں ابھی ان کے پاس سے ہی اٹھ کر آ رہا ہوں۔ میں اپنے طور پر ان کا رازدار بنا ہوا ہوں۔ میری بہن! حالات بڑے سنگین ہیں۔ اگر منصور کو یہ خبر ہوگئی کہ تم بنو اُمیہ کے آخری خلیفہ مروان بن محمد کی بیٹی ہو تو یاد رکھنا نہ وہ تمہیں زندہ چھوڑے گا، نہ ہی محمد بن اشعث کو زندہ رہنے دے گا۔ اس لئے میری بہن! محمد بن اشعث نے اسے تمہارے متعلق یہ بتا رکھا ہے کہ تم جرجان کے سالم بن تماضر کی بیٹی ہو جو ایک سرائے کا مالک ہے۔ اب ابوجعفر منصور، محمد بن اشعث پر دو الزام لگائے گا۔ ایک یہ کہ اس نے اپنی بیوی سے متعلق دروغ گوئی سے کام لیا، دوسرا یہ کہ اس نے بنوعباس کے خلاف بنو اُمیہ کی طرف داری کرنے کی کوشش کی ہے۔

میری بہن! وقت ضائع نہ کرو۔ فی الفور تیاری کرو۔ ابھی اور اسی وقت اپنے شوہر محمد بن اشعث کی طرف بھاگ جاؤ۔ میں نے اپنے کچھ آدمی اس سے پہلے ہی محمد بن اشعث کی طرف روانہ کئے ہیں۔ وہ اب تک کافی فاصلہ طے کر چکے ہوں گے اور جونہی صورتِ حال نمودار ہوئی ہے اس کی اطلاع محمد بن اشعث سے جا کر کہیں گے۔ میں نے اپنی طرف سے بھی اپنے بھائی محمد بن اشعث کو یہ پیغام بھجوا دیا ہے کہ جونہی میرے ساتھی اس پر انکشاف کریں، وہ بالکل محتاط ہو جائے۔ میں نے اُسے یہ بھی بتا دیا ہے کہ میرے آدمیوں کے پیچھے پیچھے اقلیما بھی اس کے پاس پہنچ جائے گی۔ لہٰذا وہ اقلیما کو لے کر اُندلس کی طرف چلا جائے اور اپنی زندگی کے باقی دن اپنی بیوی کے ساتھ بےفکری میں اُندلس میں گزار دے۔ میں نے جو آدمی بھیجے ہیں وہ اُندلس تک محمد بن اشعث کے ساتھ جائیں گے تاکہ ہمیں پتہ ہو کہ محمد بن اشعث اُندلس میں جا کر کہاں بیٹھا ہے تاکہ کم از کم ہم اس کے تین بھائی آنے والے دور میں اس سے ملاقات تو کر سکیں۔''

روح بن حاتم کی اس گفتگو سے اقلیما کا رنگ پیلا ہوگیا تھا۔ کہنے لگی۔

''بھائی! رات کے اس وقت میں اکیلی کس طرح سفر کروں گی؟''

جواب میں روح بن حاتم نے اپنی چھاتی پر ہاتھ رکھا اور کہنے لگا۔

''تیرا بھائی ابھی زندہ ہے۔ رات کی تاریکی میں تجھے اکیلا تو نہیں جانے دے

گا۔ شہر سے باہر میرے دو خاص آدمی اس وقت تین گھوڑوں کے ساتھ منتظر ہیں۔ دو گھوڑے ان کے لئے ہیں، ایک گھوڑا تمہارے لئے ہے۔ یہاں سے کچھ بھی لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر چیز ان کے پاس ہے۔ زادِ راہ تک ان کے پاس موجود ہے۔ میری بہن! وہ تمہیں دو بھائیوں کی حیثیت سے محمد بن اشعث تک پہنچائیں گے۔ جس طرح تم مجھ پر، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس پر بھروسہ اور اعتماد کر سکتی ہو، اسی طرح تم ان دونوں پر بھی بھروسہ اور اعتماد کر سکتی ہو جن کے ساتھ میں تمہیں محمد بن اشعث کی طرف روانہ کر رہا ہوں۔ میری بہن! وقت کم ہے اور خطرات بڑی تیزی سے پھیل رہے ہیں۔ جلدی تیار ہو جاؤ۔ میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں ان دونوں سواروں کے پاس لے کر جاتا ہوں تاکہ تم روانہ ہو جاؤ۔''

اس پر رو دینے والی آواز میں اقلیما کہنے لگی۔

''ماموں، ممانی اور میرے ان دو بہن بھائیوں کا کیا ہوگا؟''

جواب میں روح بن حاتم تفکرات بھری آواز میں کہنے لگا۔

''ان سے متعلق بالکل بےفکر ہو جاؤ۔ ان سے متعلق شہر میں یہی افواہ پھیلی ہوئی ہے کہ یہ محمد بن اشعث کے دُور کے عزیز و اقارب ہیں اور اپنی ماں اور بہن کے مارے جانے کے بعد یہ ان چاروں کو اپنی بیوی کے پاس رکھنے کے لئے لے آیا ہے۔ لہٰذا یہ چاروں بالکل محفوظ ہیں۔ میری بہن! ان سے متعلق میں تمہیں ضمانت دیتا ہوں کہ میں اور میرے ساتھی ان کی حفاظت کریں گے لیکن جہاں تک تمہارا معاملہ ہے تو تمہارا معاملہ ہمارے ہاتھ سے نکل سکتا ہے۔ ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکیں گے بلکہ معاملہ یہاں تک بگڑ جائے گا کہ محمد بن اشعث جو اس وقت بنوعباس کے چوٹی کے سالاروں میں سے ایک ہے اس کی بھی ہم کوئی مدد نہ کر سکیں گے اور خلیفہ ابوجعفر منصور اسے بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔ لہٰذا میری بہن! وقت ضائع نہ کرو۔ اب مزید سوال نہ کرنا۔ جلدی جلدی تیار ہو جاؤ، اپنے کچھ لباس اور ضرورت کا سامان لے کر آؤ تاکہ میں تمہاری روانگی کا بندوبست کروں۔''

اس موقع پر اقلیما رو پڑی تھی۔ حارث بن لبید اور نابقہ بنت علقمہ اپنی آنکھوں کی نمی صاف کرنے لگے تھے جبکہ خضا بنت حارث اور بشار بن حارث سسکیوں اور ہچکیوں میں رونے لگے تھے۔

اقلیما وہاں سے نکل کر اپنی خواب گاہ میں گئی۔ ضرورت کا سامان اس نے خرجین میں ڈالا، خرجین کندھے سے لٹکائی، دیوان خانے میں آئی، حارث بن لبید، نابغہ بنت علقمہ، خنسا بنت بشار سب سے رو رو کر گلے ملی، پھر وہ روح بن حاتم کے ساتھ حویلی سے نکل گئی تھی۔

روح بن حاتم، اقلیما کو رات کی تاریکی اور اندھیرے میں شہر سے باہر ایک سنسان جگہ لایا۔ وہاں دو آدمی کھڑے تھے جن کے پاس تین گھوڑے تھے۔ جونہی انہوں نے اقلیما اور روح بن حاتم کو دیکھا تب ان میں سے ایک حرکت میں آیا، ایک گھوڑے کی باگ اس نے پکڑی اور اقلیما کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میری عزیز بہن! رات بڑی تیزی سے گزرتی جا رہی ہے۔ ہم نے لمبا سفر طے کرنا ہے۔ آپ اس گھوڑے پر بیٹھیں تا کہ یہاں سے روانہ ہوں۔ آپ مجھے خرجین دیں تا کہ اس گھوڑے کے ساتھ باندھوں۔''

اقلیما نے خرجین اسے دے دی۔ اس نے خرجین کو گھوڑے سے باندھا۔ اتنی دیر تک اقلیما گھوڑے پر سوار ہوگئی۔ وہ دونوں بھی اپنے اپنے گھوڑوں پر بیٹھ گئے پھر روح بن حاتم، اقلیما کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میری عزیز بہن! اللہ تم دونوں میاں بیوی کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ خدا نے چاہا تو کوئی ایسا وقت ضرور آئے گا کہ میں، شبیب بن رواح اور حرب بن قیس تم دونوں میاں بیوی سے ملنے اُندلس ضرور آئیں گے۔''

اس کے ساتھ ہی اقلیما اور ان دونوں نے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگا کر ہانک دیا تھا۔ کچھ دور جا کر انہوں نے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑانا شروع کر دیا۔ رات کی تاریکی میں جب وہ تینوں روح بن حاتم کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے تب بوجھل بوجھل قدموں سے روح بن حاتم واپس شہر کی طرف جا رہا تھا۔ یاد رہے کہ یہ وہی روح بن حاتم تھا جو بعد میں سندھ کا حاکم بھی بنایا گیا تھا۔

❁❁❁

محمد بن اشعث، شبیب بن رواح اور حارث بن قیس نے اپنے لشکر کے ساتھ کوہستانِ میکائیل کی ایک وادی کے اندر ہی اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر رکھا تھا۔ ایک

روز شام سے کچھ پہلے محمد بن اشعث اپنے سالاروں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ کچھ مخبر جنہیں محمد بن اشعث نے اردگرد کے علاقوں میں پھیلا رکھا تھا کہ رومنوں پر نگاہ رکھیں، وہ آئے پھر ان میں سے ایک محمد بن اشعث کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''امیر! ہم ایک انتہائی اہم خبر لے کر آئے ہیں۔ رومنوں کو اپنے لشکر کی بدترین شکست کی خبر ہو چکی ہے۔ اب رومنوں کے مزید دو لشکر مسلمانوں پر ضرب لگانے کے لئے پر تول رہے ہیں۔ امیر! بات یہ ہے کہ جس وادی میں اس وقت ہم نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیا ہوا ہے، اس وادی میں داخل ہونے اور نکلنے کے لئے دو ہی راستے ہیں۔ ایک وہ جس راستے سے ہمارا لشکر اس وادی میں پہنچا ہے اور ایک راستہ دائیں جانب ہے۔ اب رومنوں نے یہ منصوبہ بندی کی ہے کہ جس وقت مسلمان اس وادی سے نکلیں گے تو ان کا ایک لشکر سامنے کی طرف سے ہماری راہ روکے گا۔ اس وادی کے دائیں جانب جو باہر نکلنے کا درہ ہے دوسرا لشکر اس سے اندر داخل ہو گا اور ہماری پشت پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرے گا۔ اس طرح رومن ہمیں اپنے دو لشکروں کے بیچ میں رکھ کر نقصان پہنچانے کے ساتھ ساتھ اپنی گزشتہ شکست کا انتقام لینا چاہتے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد جب وہ مخبر خاموش ہوا تب کچھ دیر سوالیہ سے انداز میں محمد بن اشعث نے اپنے دونوں بڑے سالاروں شبیب بن رواح اور حرب بن قیس کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

''میرے عزیز بھائیو! گو میں ارادہ کر چکا تھا کہ دو چار روز اور ان وادیوں میں قیام کر کے اپنے لشکر کو ستانے کا موقع فراہم کریں گے، اس کے بعد رومنوں کے دیگر لشکریوں پر ضرب لگا کر ان علاقوں سے رومنوں کو بالکل صاف کر دیں گے، اب رومن خود ہی چونکہ اس کی ابتداء کرنا چاہتے ہیں لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ رات کو بالکل محتاط رہیں تا کہ دشمن ہم پر شب خون نہ مارے اور اگلی صبح سویرے یہاں سے کوچ کریں۔ اس کے بعد جو رومن سامنے کی طرف سے حملہ آور ہوں گے، ان سے بھی نمٹ لیں گے اور جو پشت کی طرف سے ہم پر ضرب لگانے کی کوشش کریں گے، ان سے بھی خوب نمٹیں گے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد محمد بن اشعث نے شبیب بن رواح اور حرب بن قیس کو

آنکھ کا مخصوص اشارہ کیا۔ ایسے اشارے اس کے ساتھی سمجھتے تھے۔ دونوں اپنے کان محمد بن اشعث کے قریب لے گئے لہٰذا محمد بن اشعث ان سے سرگوشی کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''میرے عزیز بھائیو! محترم ساتھیو! رات کے وقت لشکر کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ ایک حصہ میرے پاس رہے گا، دوسرا تم دونوں کی کمانداری میں ہوگا۔ جو حصہ تمہارے پاس ہوگا اس کے مزید دو حصے کئے جائیں گے۔ ایک شبیب بن رواح کے پاس، دوسرا حرب بن قیس کے پاس ہوگا۔

حرب بن قیس! میرے بھائی! تھوڑی دیر تک تم اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ چوکس ہو جانا اور چاروں طرف یہ خبر پھیلا دینا کہ لشکر کا یہ حصہ اس لئے چوکس رکھا گیا ہے تاکہ رات کے وقت رومن ہمارے لشکر پر شب خون نہ ماریں۔ اس کے ساتھ ہی اپنے کچھ مسلح جوانوں کو اس وادی اور اس کے نواح میں پھیلا دینا اور ان علاقوں میں جو بھی رومنوں کا مخبر ہو اسے موت کے گھاٹ اتار دینا۔ اس کے بعد میرے بھائی! آدھی رات کے بعد تم اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ کوہستانی سلسلے کے اوپر چڑھ جاؤ گے اور وہاں اپنے لشکر کو لے کر چٹانوں اور پتھروں کی گھات میں چلے جانا۔

صبح سویرے ہم یہاں سے کوچ کریں گے، پڑاؤ اُٹھا لیں گے۔ پڑاؤ کی ہر چیز کو اس طرح رکھیں گے کہ لشکر کے آگے میں اپنے حصے کے ساتھ ہوں گا، اس کے بعد پڑاؤ کا سامان ہوگا اور اس کے پیچھے شبیب بن رواح اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ ہوگا۔ شبیب بن رواح اپنے لشکر کے پیچھے رہے گا اور جن لشکریوں کو یہ اس سے پہلے اگلی صفوں میں رکھا کرتا تھا، کوچ کے وقت یہ انہیں پچھلی صفوں کی طرف لے جائے گا۔

اب صورت حال یہ رہے گی کہ جب ہم اس وادی سے نکلیں گے تو یقینی بات ہے کہ سامنے کی طرف سے رومن ہم پر حملہ آور ہوں گے۔ لہٰذا ان سے میں خوب نمٹوں گا۔ اتنی دیر تک رومنوں کو یہ بھی خبر ہو جائے گی کہ ہم وادی سے نکل رہے ہیں لہٰذا ان کے لشکر کا دوسرا حصہ دائیں جانب کے درے سے داخل ہو کر ہماری پشت پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرے گا۔

شبیب بن رواح! تم چونکہ پشت پر ہو گے لہٰذا جب تم دیکھو کہ پشت کی جانب سے رومنوں کا لشکر ہم پر حملہ آور ہونے کے لئے آ رہا ہے تو تم تکبیریں بلند کرنا۔ تمہاری یہ

تکبیریں تمہارے حصے کے لشکریوں کو اشارہ ہوگا کہ انہوں نے پلٹ جانا ہے۔ اپنا منہ پشت کی جانب رکھنا ہے۔ لہٰذا پشت کی جانب سے جو رومن ہم پر حملہ آور ہوں گے تم اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ ان سے ٹکرا جانا۔

میرے پاس چونکہ آدھا لشکر ہوگا لہٰذا مجھے امید ہے کہ میں اپنے اس حصے کے ساتھ سامنے کی طرف سے نمودار ہونے والے رومنوں کے لشکر کو رگید کر رکھ دوں گا اور جس وقت پشت کی جانب سے رومن حملہ آور ہوں گے، تم ان کی راہ روکنا۔ جارحیت اختیار نہ کرنا، دفاع تک محدود رہنا۔ اس کے بعد حرب بن قیس کے کام کی ابتداء ہوگی۔ یہ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ زوردار انداز میں تکبیریں بلند کرتے ہوئے کوہستانی سلسلے سے نیچے اُترے گا اور رومنوں کی پشت پر حملہ آور ہو جائے گا۔ یہ حملہ رومنوں کے لئے یقیناً متوقع ہوگا۔ چنانچہ دفاع کرنے کے لئے حرب بن قیس کی طرف پلٹیں گے۔ جب وہ ایسا کریں گے تو شبیب بن رواح! تم جارحیت پر اُتر نا اور رومنوں کا قتل عام شروع کر دینا۔ اس طرح مجھے امید ہے کہ تم دونوں پشت کی جانب سے نمودار ہونے والے رومنوں کے لشکر کا خاتمہ کر دو گے۔

اب جو اگلی کارروائی ہوگی، وہ غور سے سنو۔ اگر میں سامنے کی طرف سے نمودار ہونے والے رومن لشکر سے نمٹ لیتا ہوں تو میں تم دونوں کی مدد کیلئے پہنچ جاؤں گا اور اگر تم دونوں پشت کی طرف سے نمودار ہونے والے رومنوں سے مجھ سے پہلے نمٹ لیتے ہو تو تم دونوں میرے ساتھ آن ملنا تاکہ سامنے کی طرف سے نمودار ہونے والے رومنوں کے کس بل نکال دیئے جائیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد محمد بن اشعث رکا، پھر کہنے لگا۔

''میرے عزیز بھائی! اس سلسلے میں تم دونوں کو کوئی شک ہو تو کہو۔''

جواب میں شبیب بن رواح اور حرب بن قیس نے مسکراتے ہوئے اپنی رضامندی کا اظہار کیا تھا۔ چنانچہ اسی کے مطابق اگلے روز کوچ کا فیصلہ کر لیا گیا تھا۔

آدھی رات کے وقت حرب بن قیس اپنے لشکر کے ساتھ چوکنا ہوا اور یہ مشہور کیا گیا کہ لشکر کے ایک حصے کو مستعد کر دیا گیا ہے تاکہ رومن شب خون نہ مار سکیں۔ ساتھ ہی کچھ مسلح جوانوں کو اِدھر اُدھر پھیلا دیا گیا تھا اور ان علاقوں میں جو رومن مخبر سرگرداں تھے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور آدھی رات کے وقت حرب بن

قیس اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ کوہستانی سلسلے کے اوپر چٹانوں اور بڑے پتھروں کی اوٹ میں چلا گیا تھا۔

اگلے روز محمد بن اشعث نے اپنے لشکر کے ساتھ اسی ترتیب میں اس وادی سے نکلنا شروع کیا تھا۔ جب وہ وادی کے دائیں حصے کے قریب آئے تب سامنے کی طرف سے رومنوں کا ایک لشکر محمد بن اشعث کی راہ روک کھڑا ہوا۔ محمد بن اشعث اور اس کے ساتھی پہلے سے تیار تھے اور رومنوں کے منتظر تھے۔ لہٰذا رومن لشکر جونہی محمد بن اشعث کے سامنے آیا، محمد بن اشعث اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ نور وظلمات کی جنگ میں چٹانوں سے ٹکراتے نیلے بحر، ہر نفس ذی حیات کا قرار لوٹتے کھولتے جذبوں کے طوفانوں اور دلوں میں خوف کی طغیانیاں بھر دینے والے تباہی اور بربادی کے جھکڑوں کی طرح رومنوں پر ٹوٹ پڑا تھا۔

اتنی دیر تک پشت کی جانب سے بھی رومنوں کا ایک لشکر نمودار ہو گیا تھا۔ جونہی وہ لشکر دکھائی دیا، شبیب بن رواح جو اس موقع پر اپنے لشکر کے پیچھے تھا، اس نے تکبیر بلند کی جس کا مقصد یہ تھا کہ جو لشکر پیچھے ہے اس نے اب اپنا رخ پچھلی سمت کر لینا ہے۔

چنانچہ پشت کی جانب سے جونہی وہ رومنوں کا لشکر قریب آیا، شبیب بن رواح بھی اس پر قضا و فنا سے ماورا اس روشنی کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا جو تیرگی میں اپنی سربلندی اور سرفرازی قائم رکھتی ہے۔ ابدی پنہائیوں میں اس نے آہن لفظوں کو پگھلا دینے والی آتش اور خشونت آمیز شکست سے دوچار کرتی غم انگیز تباہی کی طرح ضربیں لگانا شروع کر دی تھیں۔

عین اسی لمحہ حرب بن قیس اپنے لشکر کے ساتھ کوہستانی سلسلے سے نیچے اُترا۔ پہلے اس نے گرمی نبضِ حیات میں ایمانی عزم کی پائندگی اور جہانِ حرف وصورت میں عرفان اور وجدان بھری آوازوں کی طرح تکبیریں بلند کیں، اس کے بعد جو لشکر پشت کی جانب سے حملہ آور ہوا تھا اس کی پشت پر حرب بن قیس آرزوؤں کو سنسان، احساسات کو مفلوج، جذبات کو مجروح کرتے تقدیر کے جلال آگیں عذاب اور آتشی دھاروں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

ان وادیوں میں ہولناک جنگ ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ سامنے اور پشت کی جانب سے جو دونوں رومنوں کے لشکر نمودار ہوئے تھے، محمد بن اشعث، شبیب بن

رواح اور حرب بن قیس نے اپنے لشکر کے ساتھ ان سب کا خاتمہ اور کام تمام کر کے رکھ دیا تھا۔

جس وقت جنگ اپنے اختتام کو پہنچ گئی اور شبیب بن رواح اور حرب بن قیس اپنے اپنے لشکر کے اندر زخمیوں کی دیکھ بھال کر رہے تھے کہ کچھ چھوٹے سالار بھاگتے ہوئے شبیب بن رواح اور حرب بن قیس کے پاس آئے اور ان میں سے ایک بڑی بدحواسی میں ان دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اس جنگ کے دوران امیر محمد بن اشعث بری طرح زخمی ہوئے ہیں۔ وہ اس وقت زمین پر پڑے ہوئے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے بغداد سے دو قاصد بھی آئے ہیں۔ ان دو قاصدوں کو محترم روح بن حاتم نے بھیجا ہے اور انہوں نے امیر محمد بن اشعث پر یہ انکشاف کیا ہے کہ کچھ لوگوں کو خبر ہو گئی ہے کہ محمد بن اشعث کی بیوی اقلیما بنو اُمیہ کے آخری خلیفہ مروان بن محمد کی بیٹی ہے۔ لہٰذا اقلیما روح بن حاتم کے دو مقرر کئے ہوئے لشکریوں کے ساتھ ادھر ہی کا رخ کئے ہوئے ہے۔ جو قاصد یہاں آئے ہیں انہوں نے امیر محمد بن اشعث پر یہ بھی انکشاف کر دیا ہے کہ اب امیر کو بغداد کا رخ نہیں کرنا چاہئے۔ ان کی بیوی یہیں آ رہی ہے اور وہ اپنی بیوی کے ساتھ اُندلس کا رُخ کر جائیں گے۔ اگر انہوں نے بغداد جانا چاہا تو پھر ابوجعفر منصور امیر محمد بن اشعث اور اقلیما دونوں میاں بیوی کو موت کے گھاٹ اتار دے گا۔''

آنے والوں کے اس انکشاف پر شبیب بن رواح اور حرب بن قیس دنگ رہ گئے تھے۔ لہٰذا دونوں آنکھوں آنکھوں میں اشارہ کرتے ہوئے سامنے کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ آنے والے چھوٹے سالار بھی ان کے پیچھے ہو لئے تھے۔

حرب بن قیس اور شبیب بن رواح دونوں بھاگتے ہوئے اس جگہ آئے جہاں زمین کی ننگی پیٹھ پر محمد بن اشعث بے سدھ پڑا ہوا تھا۔ اس کا لباس خون سے تر تھا۔ جسم پر تلواروں اور نیزوں کے کئی زخم تھے۔

شبیب بن رواح اور حرب بن قیس دونوں جب اس کے پاس آ کر بیٹھ گئے اور حرب بن قیس نے محمد بن اشعث کو پکارا تب محمد بن اشعث نے آہستہ آہستہ بڑی مشکل سے اپنی آنکھیں کھولیں، لمبا سانس لیا، کچھ دیر شبیب بن رواح اور حرب بن قیس کی طرف دیکھتا رہا، پھر نحیف سی آواز میں کہنے لگا۔

''میرے عزیز ساتھیو! تم دونوں نے میرا زندگی میں بہت ساتھ دیا ہے۔ کاش اس وقت روح بن حاتم بھی یہاں میرے ساتھ ہوتا۔ دیکھو میرے بچنے کی کوئی اُمید نہیں۔ میری زندگی کی کہانی ختم ہو رہی ہے........ افسوس! مجھے سکون سے مرنا بھی نصیب نہ ہوا۔ میرا جرم یہ ہے کہ میں نے بنو اُمیہ کی ایک لڑکی سے شادی کی اور اس کو راز میں رکھا۔ کیا ایک مسلمان لڑکی سے شادی کرنا گناہ تھا؟........ میرے عزیز ساتھیو! میری سانسوں کا تسلسل زیادہ دیر نہیں چلے گا۔ میری لاش کو بغداد مت لے کر جانا۔ میں بنو عباس کی فطرت سے واقف ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ہی آباؤ اجداد کی لاشیں قبروں سے نکال کر انہیں صلیب پر چڑھایا، ان کے مردہ جسموں پر کوڑے برسائے۔ میری تو ان کے سامنے کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ میں جب دم توڑوں تو مجھے یہیں کسی کوہستانی سلسلے کے اوپر دفن کر کے چلے جانا۔''

یہاں تک کہتے کہتے محمد بن اشعث کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ شبیب بن رواح اور حرب بن قیس سسکیاں لینے لگے تھے۔ ساتھ ہی حرب بن قیس نے تڑپ کر اپنا ہاتھ محمد بن اشعث کے منہ پر رکھ دیا تھا۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔ جب حرب بن قیس نے محمد بن اشعث کے منہ سے ہاتھ اٹھایا تب محمد بن اشعث پھر کہہ رہا تھا۔

''یہ عالم اسلام کی بدقسمتی ہے کہ مسلم اُمہ بنو عباس بنو ہاشم اور بنو اُمیہ جیسے گروہوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ یہ تینوں خاندان حکمرانی کے متمنی ہیں۔ تینوں کے عزائم اس کے علاوہ کچھ نہیں ہیں کہ یہ ہوس اقتدار کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ تینوں یہی چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کی سلطنت میں ان کے خاندان کی حکومت قائم ہو۔ کیا ان تینوں خاندانوں کے علاوہ کوئی اور قبیلہ اس قابل نہیں رہا کہ مسلمانوں کا حکمران بن سکے؟ کیا ان تینوں قبیلوں سے متعلق کوئی آیات اُتری ہوئی ہیں کہ ان کے علاوہ کوئی اور حکمران نہیں ہوگا؟ کیا یہ تینوں قبیلے باقی قبائل کی نسبت زیادہ مقدس اور پرہیزگار ہیں؟ کیا کسی نے یہ عہد نامہ لکھ کر دے دیا تھا کہ مسلمانوں پر اگر کوئی حکومت کرے گا تو ان تینوں میں سے ایک ہوگا؟ کیا کسی نے صحیفہ لکھ کر جاری کر دیا تھا کہ یہ لوگ براہمن بن کر مسہریوں پر بیٹھیں اور باقی لوگ زمین پر بیٹھ کر ان کے پاؤں دبائیں، ان کے گھٹنوں کو پکڑیں؟........ ہرگز نہیں۔ اسلام اس کی قطعی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام کی نگاہ میں سب برابر ہیں۔ فوقیت اور عزت و وقار میں اسے ہی عزت حاصل ہے جو نیکی اور تقویٰ میں سبقت لے

جاتا ہے۔

میرے بھائیو! یاد رکھنا۔ یہ تینوں خاندان کچھ نہیں چاہتے، صرف اقتدار چاہتے ہیں۔ اپنے قبیلے کا اقتدار حاصل کرنے کی خاطر یہ ہزاروں نہیں، لاکھوں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اُتارنے میں عار محسوس نہیں کریں گے اور اس کا ثبوت بنو عباس دے چکے ہیں۔ اس سے پہلے بنو اُمیہ والے بھی اس رسم کی ابتداء کر چکے ہیں۔ بنو ہاشم کو اقتدار ملے گا تو وہ بھی ان سے پیچھے نہیں رہیں گے۔ سب اپنے اپنے مخالفوں کو قتل کرا کر حکمرانوں کی شہہ نشین پر بیٹھ کر حکومت کو صرف اپنے خاندان میں رکھنا چاہتے ہیں۔ امیر معاویہؓ پر الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے باپ کے بعد بیٹے کی حکمرانی کی رسم ڈالی۔ وہی کچھ بنو عباس والے بھی کر رہے ہیں اور یہی کچھ بنو ہاشم بھی شروع کر چکے ہیں۔ لہٰذا کسے اچھا کہیں، کسے برا........''

محمد بن اشعث مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس کی سانس اُکھڑ گئی۔ خاموش ہو گیا۔ لمبے لمبے سانس لینے لگا۔

اس موقع پر روتی ہوئی آواز میں شبیب بن رواح نے اسے پکارا۔ بڑی مشکل سے آنکھیں کھولتے ہوئے محمد بن اشعث نے اس کی طرف دیکھا۔ دوسری طرف لشکر کے اندر شامل طبیب بڑی تیزی سے زخموں کی مرہم پٹی کر رہے تھے۔ چند لمحے غور سے شبیب بن رواح کی طرف دیکھنے کے بعد ایک انتہائی کمزور سی نگاہ محمد بن اشعث نے طبیبوں پر ڈالی، لبوں پر ہلکا سا طنزیہ تبسم نمودار ہوا، پھر کہنے لگا۔

''میرے عزیز ساتھیو! کیوں زحمت کرتے ہو؟ اب ان زخموں پر مرہم پٹی سے کیا فائدہ؟........ جو ظاہری زخم تم دیکھ رہے ہو اس سے بڑے اور ہولناک اور ناقابلِ علاج زخم تو میرے دل پر لگ چکے ہیں۔ اگر میں ان ظاہری زخموں سے جانبر بھی ہو گیا تو جو زخم بغداد سے آنے والے پیغام کے بعد میرے دل پر لگے ہیں، وہ مجھے زندہ نہیں رہنے دیں گے۔ لہٰذا مرہم پٹی نہ کرو۔ اس لئے کہ میں بچوں گا نہیں۔''

شبیب بن رواح اور حرب بن قیس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ یہی حالت طبیبوں کی بھی تھی۔ اس کے باوجود وہ مختلف جگہوں پر آنے والے زخموں کو صاف کر کے پٹیاں باندھنے لگے تھے۔

اس موقع پر محمد بن اشعث نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر کئے، منہ سے کچھ نہ بول سکا۔

یہ اشارہ دیا کہ تم میرے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لو۔ اس پر شبیب بن رواح اور حرب بن قیس نے محمد بن اشعت کے دونوں ہاتھ تھام لئے تھے۔ ساتھ ہی محمد بن اشعت کی مُردہ، کمزور سی آواز سنائی دی۔

''میرے عزیز بھائیو! مصافِ زیست کے اس سفر میں میری طرف سے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی ہو تو معاف کرنا۔''

شبیب بن رواح اور حرب بن قیس دونوں سسک پڑے تھے۔ ابھی سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ محمد بن اشعت کے ہاتھ ڈھیلے ہو گئے۔

اس صورتِ حال پر طبیب تڑپ گئے تھے۔ ایک طبیب نے نبض دیکھی، پھر اس کی گردن جھک گئی اور وہ روتی آواز میں کہنے لگا۔

''امیر محمد بن اشعت ہم سے جدا ہو گئے ہیں۔''

یہ سن کر اردگرد کھڑے چھوٹے سالار رونے لگے تھے۔ حرب بن قیس، شبیب بن رواح اور طبیبوں کی حالت مختلف نہ تھی۔

ابھی سب مل کر محمد بن اشعت کی لاش کو سنبھالا ہی دے رہے تھے کہ ایک اور روح فرسا منظر دیکھنے کو ملا۔ اس لئے کہ عین اسی لمحہ اقلیما اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ وہاں پہنچ گئی تھی۔ لشکر کے اندر کچھ چھوٹے سالار اقلیما کو اس جگہ لے آئے تھے جہاں محمد بن اشعت کی لاش پڑی تھی۔ گھوڑے پر بیٹھے ہی بیٹھے اقلیما نے جب محمد بن اشعت کی لاش کو دیکھا تو اس کا رنگ پیلا ہو گیا تھا۔ روتی ہوئی آواز میں اس نے اپنے قریب کھڑے ایک چھوٹے سالار سے پوچھا۔

''میرے شوہر کو کیا ہوا؟''

اس پر وہ چھوٹا سالار رو دیا، پھر کہنے لگا۔

''امیر محمد بن اشعت اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ جنگ میں زخمی ہوئے تھے اور ختم ہو چکے ہیں۔''

اس چھوٹے سالار کا یہ الفاظ ادا کرنا تھا کہ اقلیما چکرا کر اپنے گھوڑے سے زمین پر گر گئی۔ اس صورتِ حال سے شبیب بن رواح اور حرب بن قیس تڑپ اُٹھے تھے۔ بھاگ کر اقلیما کی طرف بڑھے، جب اسے اٹھانا چاہا تو دنگ رہ گئے اس لئے کہ اقلیما تو ختم ہو چکی تھی۔

اسی روز شام کے قریب کوہستانِ میکائیل کی ڈھلان میں محمد بن اشعت اور اقلیما دونوں میاں بیوی کو دفن کر دیا گیا اور اگلے روز صبح سویرے لشکر ملطیہ شہر کے نواح سے بغداد کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

(تمت بالخیر)